قرآن و حدیث کی روشنی میں روز مرہ کے احکام و مسائل

عورتوں کے لیے صرف..!

ترجمہ

حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ

مکتبہ بیت السلام الریاض

قرآن وحدیث کی روشنی میں روزمرہ زندگی کے احکام ومسائل

عورتوں..

کے لیے صرف

لأصحاب الفضيلة

شيخ الاسلام ابن تيميه
محمد بن ابراهيم آل الشيخ
عبدالرحمن بن ناصر السعدي
عبدالعزيز بن عبدالله بن باز
محمد ناصر الدين الألباني
محمد بن صالح العثيمين
صالح بن فوزان الفوزان

ترجمہ

حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ

مدرس جامعہ نصر العلوم گوجرانوالہ

مکتبہ بیت السلام الریاض

طبع

۱۴۳۲ھ ـــــــــــــــــ ۲۰۱۱ء

مکتبہ بیت السلام الریاض فون نمبر 4381122-4381155 فیکس 4385991
موبائل نمبر 0505440147 - 0542666646 - 0532666640

ص۔ب 16737 الریاض 11474 سعودی عرب

فہرس

کتاب الطهارة

کتاب الوضوء

کتاب الحیض

❀ حائضہ کا قرآن پڑھنے اور مصحف کو چھونے کا حکم

❀ نفاس کا بیان

کتاب الصلاۃ

كتاب الجنائز و احكام المقابر

کتاب الزکوٰۃ

کتاب الصیام

کتاب الحج

❀ حج کی شرائط

❀ مواقیت

❀ حج کی اقسام

❀ طوافِ وداع

❀ حج وعمرہ کے متفرق مسائل

كتاب النكاح

❀ نکاح کے آداب

❀ میاں بیوی کے آپس میں حقوق

❀ طلاق کے متفرق مسائل

❀ سوگ کے بعض احکام

كتاب الرضاع

متفرق مسائل

❀ غیر محرموں کو دیکھنا

❀ عورت کا ڈاکٹروں کے پاس جانا

❀ بعض فاسد و بدطینت محارم کا سامنا کرنا

❀ برائی کے انکار میں عورتوں کا فریضہ

❀ عورتوں کی بُری مجالس میں شمولیت

عرض ناشر

رسول اکرم ﷺ کی زندگی ہر مسلمان، خواہ مرد ہو یا عورت، کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ یقیناً یہ اسلامی تعلیمات کا اعجازی پہلو ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں مرد و زن ہر ایک کے لیے یکساں طور پر احکام و مسائل کا بیان ملتا ہے۔ کیونکہ دین اسلام کی نگاہ میں شرعی احکام کے پابند اور مکلّف ہونے نیز اجر وثواب کے اعتبار سے مرد و زن میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾ [النساء: 124]

''اور جو شخص نیک کاموں میں سے (کوئی کام) کرے، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور کھجور کی گٹھلی کے نقطے کے برابر ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

نیز فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [النحل: 97]

''جو بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یقیناً ہم اسے ضرور زندگی بخشیں گے، پاکیزہ زندگی اور یقیناً ہم انھیں ان کا اجر ضرور بدلے میں دیں گے، ان بہترین اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے۔''

زیر نظر کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں خواتین کے لیے روز مرہ کے احکام و

مسائل یکجا کیے گئے ہیں جو تمام موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ چونکہ خواتین کے مسائل دریافت کرنے میں عموماً شرم وحیا مانع ہوتی ہے اس لیے یہ کتاب خواتین کے لیے نہایت مفید ہے کیونکہ اس میں طہارت، نماز، زکاۃ، حج، جنائز، لباس وغیرہ کے متعلقہ خواتین کے مسائل کونہایت شرح وبط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس مجموعہ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عالم اسلام کے جید علماء کرام اور نامور مفتیان عظام کے فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے جو خالصتاً کتاب وسنت کی نصوص پر مبنی ہیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ کو جنھوں نے احسن پیرائے میں اس کتاب کو عربی زبان سے اردو میں منتقل کیا تاکہ اردو خواں حضرات بھی اس کتاب سے مستفید ہوسکیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ناشر اور جملہ معاونین کی اس خدمت کو قبول فرمائے اوران کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین!

والسلام

ابومیمون حافظ عابد الٰہی

مدیر

مکتبہ بیت السلام ریاض

كتاب الطهارة
پہلا باب

پانی کی اقسام اور نجاست دور کرنے کا بیان

قضائے حاجت کے وقت عمارتوں کے اندر اور باہر قبلہ رخ ہو کر بیٹھنے کا حکم:

سوال قضائے حاجت کے وقت عمارتوں کے اندر اور باہر قبلہ رخ ہونے کا کیا حکم ہے؟

جواب راجح بات یہ ہے کہ صحرا یا عمارتوں میں قضائے حاجت کے وقت قبلہ رخ ہونا جائز نہیں ہے۔

بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں یہ بات کچھ یوں بیان ہوئی ہے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا»[1]

''جب تم قضائے حاجت کے لیے آؤ تو قبلہ رخ ہو کر مت بیٹھو اور نہ ہی قبلہ کی طرف پشت کرو بلکہ مشرق یا مغرب کی جانب پھر جاؤ۔''

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ہم شام میں آئے تو ہم نے وہاں ایسے بیت الخلاء دیکھے جو کعبہ کی جانب بنے ہوئے تھے تو ہم ان سے انحراف کرتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔''

پس ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، جنھوں نے مذکورہ حدیث روایت کی ہے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ بلاشبہ یہ حدیث عام معنی میں ہے، تب ہی تو انھوں نے کہا: ''ہم ایسے بیت الخلاء سے انحراف کر کے اللہ سے استغفار کرتے تھے۔''

اور کچھ مزید استنباطی دلائل ایسے ہیں جو اس موقف کو تقویت پہنچاتے ہیں، جیسے وہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [386] صحيح مسلم، رقم الحديث [264]

احادیث جن میں مسلمانوں کو قبلہ کی جانب منہ کر کے تھوکنے سے منع کیا گیا ہے نیز رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو مسجد میں قبلہ کی جانب تھوکتے دیکھا تو آپ ﷺ نے اسے منع کیا۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

جب عورت کے کپڑے کا دامن ناپاک ہو جائے:

سوال اگر عورت کے کپڑے کا دامن زمین پر گھسٹنے کی وجہ سے ناپاک ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم جوتوں جیسا ہے کہ جب ان کو نجاست لگ جائے، پھر جب آدمی خشک اور پاک زمین پر ان جوتوں کے ساتھ گزرے گا تو وہ ان کو پاک کر دے گی، یہی قول زیادہ قوی ہے۔ (الشیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

دورانِ نماز عورت کے کپڑوں پر بچے کے پیشاب کا لگ جانا:

سوال میں نے نماز کے لیے وضو کیا اور بچے کو اٹھا لیا تو اس نے میرے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ میں نے پیشاب لگے حصے کو دھو لیا اور دوبارہ وضو کیے بغیر میں نے نماز پڑھ لی۔ کیا میری نماز درست ہے؟

جواب تمھاری نماز درست ہے، اس لیے کہ بچے کا پیشاب لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ تجھے جس حصے پر پیشاب لگا ہے صرف اس حصے کو دھونا ضروری ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

بچے کے پیشاب سے طہارت کیسے حاصل کی جائے؟

سوال جب عورت مذکر یا مؤنث بچہ کو جنم دیتی ہے تو پرورش کے ایام میں بچہ اپنی ماں سے جدا نہیں ہوتا۔ اس کی گود میں بیٹھتا ہے اور کبھی اس کے کپڑے پر پیشاب بھی کر دیتا ہے۔ اس صورتِ حال میں ماں پر کیا لازم ہے؟ کیا ولادت سے لے کر دو سال یا اس سے زیادہ مدت کے درمیان مذکر اور مؤنث کا حکم الگ الگ ہے؟ ایک طرف عورت کے لیے طہارت کر کے نماز ادا کرنے والا فریضہ اور دوسری طرف ہر وقت کپڑے بدلنے میں مشقت۔ اس ساری صورت حال کو سامنے رکھ کر جواب دیجیے گا۔

جواب لڑکا جب تک کھانا نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں اور جب وہ کھانا کھانے لگے تو اس کے پیشاب کو دھویا جائے لیکن لڑکی کا پیشاب، خواہ وہ کھانا کھاتی ہو یا نہ کھاتی ہو، دھویا جائے گا۔

دلیل اس کی وہ حدیث ہے جسے بخاری، مسلم اور ابو داود وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو داود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اپنی سند کے ساتھ ان الفاظ میں ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

«أنها أتت بابن لها صغير لم يأكل الطعام إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأجلسه رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجره، فبال في ثوبه، فدعا بماء، فنضحه بالماء ولم يغسله» [1]

''بلاشبہ وہ اپنے ایک چھوٹے بیٹے کو، جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو اپنی گود میں بٹھا لیا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس کپڑے پر اس کے چھینٹے مارے اور کپڑا نہ دھویا۔''

ابو داود اور ابن ماجہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يغسل من بول الجارية ويرش من بول الغلام» [2]

''بچی کا پیشاب دھویا جائے اور بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں۔''

ابو داود کی ایک اور روایت میں ہے:

«يغسل من بول الجارية وينضح من بول الغلام ما لم يطعم» [3]

''لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے اور لڑکے کے پیشاب پر، جب تک وہ کھانا نہ کھاتا ہو، چھینٹے مارے جائیں۔'' (سعودی فتویٰ کمیٹی)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [221] صحيح مسلم، رقم الحديث [287]

[2] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [376] سنن النسائي، رقم الحديث [304]

[3] صحيح موقوف، رقم الحديث [377]

بچوں کی قے کا حکم:

سوال کیا بچوں کی قے نجس ہے یا نہیں؟

جواب تمام اشیاء میں اصل یہ ہے کہ وہ پاک ہیں الا یہ کہ ان کی حرمت کی کوئی دلیل ہو۔ اور قے کے معدے سے نکلنے اور اس کی بو بدلنے کی وجہ سے ہم اس پر نجس ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے، لہٰذا اس میں اصل یہ ہے کہ وہ پاک ہے اور وضو نہیں توڑتی۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے قے کو پاخانے پر قیاس کیا ہے اس لیے کہ وہ معدے سے نکلتی ہے اور اس کی بو اور ذائقہ بدل جاتا ہے تو ان پر یہ لازم ہے کہ وہ ڈکار کو ہوا (پھسکی وغیرہ) پر قیاس کیا کریں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

ولادت کے وقت خون اور پانی سے طبیب اور طبیبہ کے آلودہ کپڑوں کا حکم:

سوال کیا بچے کی ولادت کے وقت بہنے والے پانی یا خون سے آلودہ کپڑوں میں طبیب یا طبیبہ کی نماز درست ہے جبکہ عملِ ولادت کی بعض حالتوں کے پیش نظر ہر نماز کے لیے کپڑے تبدیل کرنا مشکل ہے؟

جواب حمد و ثنا کے بعد گزارش یہ ہے کہ ایسی صورت میں طبیب یا طبیبہ پاک کپڑے اپنے پاس رکھیں اور بوقتِ نماز وہ آلودہ کپڑے اتار کر ان پاک کپڑوں میں نماز ادا کریں اس میں کوئی مشقت بھی نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جس پانی کو تنہا عورت نے استعمال کیا؟

سوال ایسے پانی کے متعلق کیا حکم ہے جس کو تنہا عورت نے استعمال کیا ہو؟

جواب کسی فقیہ کا یہ قول کہ ایسا تھوڑا سا پانی کسی (محدث) آدمی کے حدث کو دور نہیں کرتا جس پانی سے عورت نے تنہا حدث کے بعد کامل طہارت حاصل کی ہو۔ یہ مسئلہ مسائل منفردہ میں سے ہے جبکہ جمہور اہل علم کا موقف یہ ہے کہ ایسا پانی مرد کے حدث کو زائل کر دیتا ہے لیکن یہ پانی ناقص ہے (اور اس کے متعلق جو منع کی روایت ہے اس میں) صرف نہی تنزیہی ہے تا کہ اس حدیث اور میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ

''آپ ﷺ نے ان کی طہارت کے بعد بچے ہوئے پانی سے وضو کیا'' میں تطبیق ہو سکے۔ (سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

عورت کی طہارت کے بعد بچے ہوئے پانی کا حکم:

سوال مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنا صحیح قول کے مطابق کیسا ہے؟

جواب اس مسئلہ میں (علماء کا) اختلاف مشہور ہے اور جمہور علماء کا مذہب، جس کی تائید امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے دو قولوں میں سے ایک قول میں فرمائی، یہ ہے کہ عورت، خواہ تنہا پانی استعمال کرے یا مرد کے ساتھ مل کر اور خواہ اس نے طہارت حدث سے حاصل کی یا پلیدی و ناپاکی لگنے سے، جمیع حالات میں مرد عورت کے باقی ماندہ پانی سے طہارت حاصل کر سکتا ہے اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ خود نبی ﷺ نے میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچے ہوئے پانی سے غسل کیا۔ اور بلاشبہ یہ حدیث منع کی حدیث کہ ''مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل نہ کرے۔'' سے زیادہ صحیح ہے۔ اور بہت سے اہل علم منع والی حدیث کی صحت کے قائل بھی نہیں ہیں، لہٰذا ایسی روایت کو حجت بنانا صحیح نہیں ہے۔ اور پھر جمہور کے اس قول کی تائید ان عمومی دلائل سے بھی ہوتی ہے جو بلا قید پانی سے طہارت حاصل کرنے کے سلسلہ میں وارد ہیں۔ تو ہر وہ پانی جس کو نجاست نے تبدیل نہ کیا ہو وہ عام پانی کے حکم میں داخل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ [النساء: 43]

''جب تمھیں پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمّم کرو۔''

اس آیت میں پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں تیمّم کو مباح قرار دیا گیا ہے اور یہ عورت کا بچا ہوا پانی بہر حال پانی ہے اور شارع کسی چیز سے بغیر سبب کے منع نہیں فرماتے۔ اور یہ پانی جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «إن الماء لا يجنب»[1] ''پانی پلید نہیں ہوتا'' اس کی طہارت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر مرد کے لیے عورت کے بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنا ناجائز ہوتا تو صحیح احادیث ضرور وارد ہوتیں جو اس کے منع پر دلالت

[1] **صحيح.** سنن أبي داود، رقم الحديث [68]

کرتیں، کیونکہ لوگ عام طور پر اس میں مبتلا ہوتے تھے اور پھر اس میں مرد کے لیے مشقت بھی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہی جواز والا قول صحیح ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا دوسرا قول، جو متاخرین کے ہاں زیادہ مشہور ہے، یہ ہے کہ مرد عورت کے تنہا حدث سے پاکی حاصل کرنے کے بعد بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل نہیں کر سکتا جبکہ وہ روایت جس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے اس مسئلہ کی دلیل بننے کے لائق نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ضعیف ہے اور صحیح دلائل کی مخالف ہے، نیز ان کے پاس اس قید کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ مرد صرف اس پانی سے طہارت حاصل نہیں کر سکتا جو عورت کے حدث سے پاکی حاصل کرنے کے بعد بچ گیا ہو۔ (علامہ عبدالرحمٰن السعدی رحمہ اللہ)

نالوں کے ان پانیوں کا حکم جن میں کیمیائی مواد کی آمیزش ہو جاتی ہے:

سوال نالوں کے ان پانیوں کا کیا حکم ہے جن کے ساتھ کیمیائی مواد مل جاتا ہے اور ان کے ساتھ کھیتوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ وہ پانی اگر کپڑے کو لگ جائے تو کیا وہ کپڑا پلید ہو جاتا ہے؟ ایسے پانیوں سے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب نجس پانی جب تحلیل ہو جائے اور اپنی حقیقت سے نکل جائے تو وہ دوسری حقیقت کے حکم میں آ جاتا ہے وہ اس وقت تک نجس اور پلید نہیں ہوتا جب تک کسی نجاست کی وجہ سے اس کے اوصاف ثلاثہ: رنگ، بو اور ذائقہ نہ بدل جائیں۔ پاک پانی کا رنگ، بو اور ذائقہ نہیں ہوتا۔ اس میں قاعدہ وہ ہے جو حدیث میں بیان ہوا ہے:

«الماء طهور لا ينجسه شيء»[1]

''پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔''

اور یہی وہ قاعدہ ہے جو قلتین والی حدیث کا فیصلہ کرتا ہے، پس جب پانی دو قلوں سے کم ہو اور اس میں نجاست گر جائے اور وہ پانی کی حقیقت کو بدل دے تو پانی پلید ہو جائے گا اگرچہ وہ دو قلوں سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [66]

کتاب الوضوء
دوسرا باب
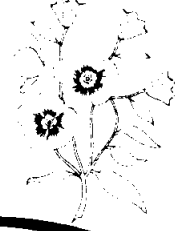
وضو سے روکنے والی چیزیں

وضو کرتے ہوئے بازو دھونے کا طریقہ:

سوال کیا بازو دھوتے وقت ہاتھوں کو، ہتھیلیاں دھوئے بغیر، کہنیوں سمیت دھونے سے وضو صحیح ہوجاتا ہے یا پھر ہتھیلیوں کا وضو کے شروع میں ایک ہی دفعہ دھو لینا کافی ثابت ہوگا؟

جواب بازو دھوتے وقت ہاتھوں کو انگلیوں کے کناروں سے دونوں جانب سے دھونا ہوگا ورنہ وضو کا ایک رکن ناقص رہ جائے گا۔ (فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

نیل پالش لگانے والی عورت کے وضو کا حکم:

سوال جس عورت کے ناخنوں پر پالش لگی ہو اس کے وضو کا کیا حکم ہے؟

جواب بلاشبہ نماز پڑھنے والی خاتون کے لیے نیل پالش لگانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ وضو کرتے وقت پانی کو ناخن تک پہنچنے سے روکتی ہے اور ہر وہ چیز جو پانی پہنچنے سے روکتی ہو وضو یا غسل کرنے والے کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ ﴾ [المائدة: 6]

''اپنے منہ اور ہاتھ دھوؤ۔''

اور یہ عورت جس کے ناخنوں پر پالش لگی ہو تو ناخنوں تک پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے اس پر ہاتھوں کا دھونا صادق نہیں آئے گا تو اس طرح وہ وضو یا غسل کے فرائض میں سے ایک فرض کو ترک کرنے والی ہوگی۔ لیکن وہ عورت جو نماز نہیں پڑھ سکتی، جیسے حائضہ تو اس کے لیے نیل پالش استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر وہ فعل جو کافر عورتوں کی خصوصیات میں سے ہو وہ کفار کی مشابہت کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

مہندی لگانے والی عورت کے وضو کا حکم:

سوال جس عورت کے ہاتھ پر مہندی لگی ہو اس کے وضو کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ سے ایک روایت بیان کی جاتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''انگلیوں پر آٹا یا نیل پالش یا مٹی لگنے سے وضو صحیح نہیں ہوتا۔'' جبکہ میں دیکھتی ہوں کہ بعض عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں پر مہندی لگائے ہوئے اور آٹا لگے ہاتھ لیے ہوئے نماز پڑھتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ اور جب ایسی عورتوں کو منع کیا جاتا ہے تو وہ کہتی ہیں: یہ چیزیں پاک ہیں، وضو کو متاثر نہیں کرتیں۔

جواب ہمارے علم کے مطابق ان الفاظ میں کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔ جہاں تک مہندی کی بات ہے تو اس کا رنگ ہاتھ اور پاؤں پر باقی رہنے سے کوئی اثر نہیں پڑتا وہ اس لیے کہ مہندی کا رنگ موٹا اور غلیظ نہیں ہوتا لیکن اس کے برعکس گوندھا ہوا آٹا، نیل پالش اور مٹی غلیظ ہوتی ہے۔ ان کی ایک موٹی تہہ ہوتی ہے جو پانی کو چمڑے تک نہیں پہنچنے دیتی، لہٰذا اِن چیزوں کے ہوتے ہوئے چمڑے تک پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے وضو صحیح نہیں ہوتا، لہٰذا جب ہاتھ یا پاؤں پر مہندی کی ایسی تہہ لگی ہوئی ہو جو چمڑے تک پانی نہ پہنچنے دے تو اس کو اتارنا اسی طرح لازم وضروری ہوگا جس طرح گوندھے ہوئے آٹے وغیرہ کا اتارنا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

وضو کا طریقہ

وضو کرتے وقت عورت کے مسحِ سر کا طریقہ:

سوال کیا عورت بھی وضو کرتے وقت مرد کی طرح سر کا مسح کرے، یعنی سر کے اگلے حصے سے شروع کر کے ہاتھوں کو پچھلے حصے تک لے جائے، پھر ہاتھوں کو سر کے اگلے حصے تک واپس لائے؟

جواب ہاں، کیونکہ احکامِ شرعیہ میں اصل یہ ہے کہ جو چیز مردوں کے لیے ثابت ہے وہی

عورتوں کے لیے ثابت ہے، اور اس کے برعکس جو چیز عورتوں کے لیے ثابت ہے وہی مردوں کے لیے ثابت ہے مگر یہ کہ دونوں کے لیے فرق اور خصوصیت کی کوئی دلیل ہو۔ اور سر کے مسح کی کیفیت میں عورت کے لیے کسی خاص طریقے کی دلیل میرے علم میں نہیں ہے، لہٰذا عورت سر کے اگلے حصے سے لے کر پیچھے حصے تک مسح کرے گی اور اگر عورت کے بال لمبے ہوں تو اس سے مسح کے طریقہ میں کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس لیے کہ مسح کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ عورت زور سے بالوں کو دبائے تاکہ وہ تر ہو جائیں یا بالوں کے آخر تک ہاتھ لے جائے بلکہ اس سے صرف نرمی کے ساتھ ہاتھ پھیرنا مطلوب ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

لپیٹے ہوئے بالوں پر مسح کرنے کا حکم:

سوال عورت کے سر پر لپیٹے ہوئے بالوں پر مسح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے لیے سر کے لپیٹے ہوئے بالوں اور لٹکے ہوئے بالوں پر مسح کرنا جائز ہے لیکن وہ اپنے سر کے بال جمع کر کے وسطِ سر میں جُوڑا اور گچھا نہ بنائے، مجھے ڈر ہے کہ ایسا کر کے کہیں وہ نبی ﷺ کے اس فرمان کی زد میں نہ آ جائے:

«نساء كاسيات عاريات، رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا»[1]

''(جہنم میں جانے والی جماعتوں میں سے ایک جماعت) ان عورتوں کی ہوگی جو لباس پہن کر بھی (لباس کے باریک یا چست ہونے کی وجہ سے) ننگی ہوتی ہیں، ان کے سر بختی اونٹنی کی مائل ہونے والی کوہانوں کی طرح ہوتے ہیں، ان کا جنت میں جانا تو درکنار وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت (یعنی دور دراز) تک محسوس کی جائے گی۔''

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2128]

موزے، پٹی اور دوپٹے پر مسح کا باب

موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ:

سوال کیا بائیں موزے پر دائیں ہاتھ کے ساتھ مسح کیا جائے یا بائیں کے ساتھ؟

جواب بائیں موزے پر بائیں ہاتھ سے اور دائیں پر دائیں سے الگ الگ مسح کیا جائے یا دونوں موزوں پر دونوں ہاتھوں سے اکٹھا مسح کیا جائے۔ دونوں طرح درست ہے۔

(فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

سونے اور چاندی کے موزے پر مسح کرنے کا حکم:

سوال سونے اور چاندی کے موزوں پر مسح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب مرد ہو یا عورت دونوں کے لیے سونا یا چاندی یا سونے اور چاندی سے منڈھے ہوئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں، البتہ ٹوٹے ہوئے برتن کو مرمت کرنے کے لیے تھوڑی سی چاندی استعمال کی جا سکتی ہے اور عورتوں کے لیے بھی سونا اور چاندی اتنا ہی پہننا جائز ہے جس سے عرفِ عام میں عورتیں اپنے خاوندوں کے لیے زیب و زینت کیا کرتی ہیں اور اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اس مسئلہ میں شریعت کی اصل ممانعت ہے اور عورتوں کے لیے بقدرِ ضرورت ہی رخصت ہے، لہٰذا اِس سے زیادہ پہننے اور اس پر مسح کرنے کا حکم ممنوع ہے۔

(سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

عورت کے دوپٹے پر مسح کرنا کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے اپنے دوپٹے پر مسح کرنا جائز ہے؟

جواب امام احمد رحمہ اللہ کے مشہور قول کے مطابق عورت کے لیے دوپٹے پر مسح کرنا جائز ہے جبکہ وہ اس کی گردن کے نیچے سے لپیٹا گیا ہو کیونکہ ایسا کرنا بعض صحابیات رضی اللہ عنہن سے ثابت ہے۔ بہرحال اگر دوپٹہ ہٹانے میں کوئی دقت ہو سردی کی وجہ سے یا اتارنے اور دوبارہ لپیٹنے کی وجہ سے تو ایسی صورتِ حال میں مسح کرنے میں کوئی حرج نہیں اور

اگر ایسی کوئی دقت نہیں تو دوپٹے پر مسح نہ کرنا ہی اولیٰ اور بہتر ہے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سر پر پہنے ہوئے زیور پر مسح کرنے کا حکم:

سوال سر پر پہنے گئے زیور پر مسح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب زیور پر مسح نہ کیا جائے، اس لیے کہ یہ موزوں کے حکم میں نہیں ہے۔
(سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

مہندی لگے بالوں پر مسح کرنے کا حکم:

سوال جب عورت اپنے سر پر مہندی وغیرہ لیپ کرے تو کیا وہ اس پر مسح کر سکتی ہے؟

جواب جب عورت اپنے سر پر مہندی کا لیپ کرے تو وہ اس پر مسح کر سکتی ہے اور اس کو سر کے بال کھولنے اور مہندی کے نیچے سے مسح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ بلاشبہ آپ ﷺ نے احرام کی حالت میں سر کو لیپ کیا ہوا تھا، لہٰذا سر پر لگایا گیا لیپ سر کے ہی تابع ہے اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سر کی پاکی میں قدرے آسانی اور تخفیف جائز ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

تیل لگے بالوں پر مسح کا حکم:

سوال جب عورت اپنے سر پر تیل لگائے اور اس پر مسح کرے تو کیا اس کا وضو صحیح ہے یا نہیں؟

جواب اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں یہ بیان کرنا پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدة: 6]

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو۔''

آیت میں مذکورہ اعضاء کو دھونے اور جس عضو کا مسح کیا جاتا ہے اس پر مسح کرنے

کا حکم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جونسی چیز بھی پانی کو ان اعضاء تک پہنچنے سے روکتی ہے اس کا ازالہ کیا جائے کیونکہ مانع اشیاء کا ان اعضاء پر موجود ہوتے ہوئے ان کا دھونا یا مسح کرنا صادق نہیں آئے گا۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جب انسان اعضائے طہارت پر تیل لگاتا ہے تو اگر وہ تیل اعضاء پر ہی جما رہے تو ایسی صورت میں اس کو اپنے اعضاء کی طہارت سے پہلے اس تیل کا ازالہ ضروری ہے کیونکہ اگر اس طرح تیل کا وجود جسم پر باقی رہے تو وہ پانی کو چمڑے تک پہنچنے سے روک دیتا ہے اور ایسی صورت میں طہارت صحیح نہیں ہوگی۔ اور اگر تیل کا وجود جسم پر باقی نہ رہے بلکہ صرف اس کا اثر اعضائے طہارت پر باقی رہے تو اس میں چنداں حرج نہیں ہے لیکن یاد رہے کہ ایسی حالت میں انسان کے لیے یہ تاکیدی امر ہے کہ وہ ہاتھ کو اعضائے وضو پر گزارے کیونکہ عادتاً ایسا ہوتا ہے کہ تیل پانی سے جدا رہتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ سارے عضوِ طہارت پر پانی نہیں پہنچتا۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

نواقض وضو

مرد اور عورت کا بغیر وضو مصحف قرآنی کو چھونے اور پڑھنے کا حکم:

سوال کیا مرد یا عورت کے لیے بغیر وضو کے مصحف قرآنی کو چھونا اور پڑھنا جائز ہے؟

جواب بغیر وضو کے قرآن مجید کی قراءت کرنا جائز ہے کیونکہ اس موقف کے خلاف کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے، یعنی بغیر وضو کے قرآن کی قراءت کرنے کے عدمِ جواز کی۔ اور اس میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے بلکہ پاک آدمی اور ناپاک آدمی، حائضہ عورت اور غیر حائضہ عورت کے درمیان بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

اور اس مسئلہ کے دلائل میں سے ایک عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ حائضہ عورت پر تو شرعاً یہ پابندی ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھے گی اور نماز کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ

کی وہ عبادت کرنے سے روک دیا گیا ہے جو وہ حیض کے آنے سے پہلے کرتی تھی۔

لہٰذا ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم عورت کے لیے عبادت کا دائرہ تنگ کرتے ہوئے اس کو نماز کے ساتھ مشروع عبادت سے بھی روک دیں، پھر مزید یہ کہ عورت کو نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے اس کے علاوہ دیگر عبادات سے تو نہیں روکا گیا، تو ہم بھی اس چیز میں وسعت پیدا کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے وسعت پیدا کی ہے۔

میں اس مسئلہ کی مناسبت سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث بھی اکثر ذکر کیا کرتا ہوں کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے کے لیے آئیں اور انھوں نے مکہ کے قریب ''سرف'' مقام پر قیام کیا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آجانے کی وجہ سے روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

« اصنعي ما يصنع الحاج غير ألا تطوفي بالبيت »[1]

''بیت اللہ کے طواف کے علاوہ وہ تمام کام کرو جو حاجی کرتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو قرآن پڑھنے اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

کیا باوضو عورت کا بچے کے پاخانے کو دھونا ناقضِ وضو ہے؟

سوال نماز کے لیے باوضو عورت کے بچے نے پاخانہ کیا اور ضرورت تھی کہ اس کو دھویا جائے، اس باوضو خاتون نے اس کو دھویا اور اس کی نجاست کو صاف کیا تو کیا ایسا کرنے سے اس عورت کا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب اگر وہ بچے کی پیشاب اور پاخانے والی جگہ کو چھوتی ہے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، البتہ اگر وہ بچے کی دونوں شرمگاہوں کو چھوئے بغیر اس کو دھوتی ہے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا، خواہ وہ اپنے ہاتھ سے ہی کیوں نہ گندگی کو دھوئے۔ صرف بچے کی صفائی ستھرائی کے بعد اپنا ہاتھ دھو لے اور اس بات کی احتیاط بھی کرے کہ اس کے بدن یا کپڑے پر نجاست نہ گرنے پائے۔'' (سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5239] صحيح مسلم [1211] سنن أبي داود [1786]

کیا بچے کی صفائی کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال باوضو عورت جب اپنے بچے کی صفائی ستھرائی کرے تو کیا اس کے لیے دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے؟

جواب جب عورت اپنے بچے یا بچی کی صفائی ستھرائی کرے اور شرم گاہ کو چھوئے تو اس پر دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں ہے، وہ صرف اپنے ہاتھ دھولے گی کیونکہ بغیر شہوت کے شرمگاہ کو چھونا وضو کو واجب نہیں کرتا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ عورت کے دل میں اپنی اولاد کی شرمگاہ کو دھوتے ہوئے شہوت کا شائبہ بھی پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا جب وہ اپنے بچے یا بچی کی صفائی ستھرائی کرے تو صرف لگنے والی نجاست سے ہاتھ دھولے، اس پر وضو کرنا واجب نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا بچے کی نجاست دھونا عورت کے لیے ناقضِ وضو ہے؟

سوال میرے چند بچے ہیں، میں نے وضو کیا اور وضو کے بعد اپنے بچوں کی نجاست صاف کی، کیا ایسا کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

جواب باوضو شخص کے اپنے یا کسی دوسرے کے بدن سے نجاست دھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر تم نے بچے کی شرمگاہ کو چھوا تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، جس طرح انسان کے اپنے شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

بچوں کی شرمگاہ کو چھونے سے وضو کے ٹوٹنے کا حکم:

سوال کیا اپنے چھوٹے بچے کا لباس تبدیل کرتے وقت اس کی شرمگاہ پر ہاتھ لگ جانا میرے وضو کو توڑ دے گا؟

جواب بغیر کسی اوٹ اور پردے کے شرمگاہ کو چھونا وضو کو توڑ دیتا ہے، خواہ جس کی شرمگاہ کو چھوا گیا ہے وہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا، کیونکہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من مس فرجه فليتوضأ))[1] ''جو اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔''

---

[1] **صحيح**. سنن النسائي، رقم الحديث [444]

اور جس کی شرمگاہ چھوئی گئی ہے اس کی شرمگاہ چھونے والے کی شرمگاہ ہی کی طرح ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

حائضہ عورت کا درس سننے کے لیے مسجد میں جانا اور نفاس کی انتہائی مدت کا بیان:

سوال کیا بچے کی شرمگاہ کو چھونا وضو کو توڑ دیتا ہے؟ کیا حائضہ عورت کے لیے درس سننے کی غرض سے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے؟ نیز خون نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت کتنی ہے؟

جواب بسرہ بنت صفوان کی روایت کردہ وہ حدیث جس کو امام احمد اور اصحابِ سنن نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«من مس ذكره فلا يصل حتى يتوضأ»[1]

''جس شخص نے اپنے عضو مخصوص کو چھوا اب وہ تجدیدِ وضو کیے بغیر نماز نہ پڑھے۔''

اس بات کی دلیل ہے کہ آلۂ تناسل کو چھونا وضو کو توڑ دیتا ہے۔ تب تو عورت کے لیے بھی مسنون یہی ہے کہ جب وہ اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ابن ماجہ میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی صحیح سند کے ساتھ حدیث موجود ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«من مس فرجه فليتوضأ» ''جو اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔''

لغت میں ''فرج'' کا لفظ اگلی اور پچھلی دونوں شرمگاہوں کو شامل ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث مردوں اور عورتوں کو شامل ہے، البتہ مسندِ امام احمد میں حسن سند کے ساتھ ایک حدیث ہے جس کو عمرو بن شعیب نے اپنے باپ شعیب اور شعیب نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أيما رجل مس فرجه فليتوضأ، وأيما امرأة مست فرجها فلتتوضأ»[2]

''جونسا مرد اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے اور جونسی عورت اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔''

---

[1] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [82]

[2] **حسن**. مسند أحمد [223/2]

تو یہ حدیث مردوں اور عورتوں کی اگلی اور پچھلی شرمگاہ دونوں کو شامل ہے، نیز اس حدیث کو امام احمد، امام شافعی اور امام مالک نے اپنے مسلک کی دلیل بنایا ہے کہ بلاشبہ جب آدمی اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو اس پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ ان تمام کاموں کے لیے وضو کرے جن کاموں کے لیے وضو کرنا شرط ہے، مثلاً: نماز پڑھنا، بیت اللہ کا طواف کرنا اور مصحف قرآنی کو چھونا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ مذکورہ تمام احادیث میں امر کا صیغہ وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے، یعنی شرمگاہ کو چھونے سے وضو کرنا فرض اور واجب نہیں صرف مستحب ہے کیونکہ امام احمد اور اصحابِ سنن رحمہم اللہ نے صحیح سند کے ساتھ ایک حدیث روایت کی ہے جو کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

”ہم میں سے کوئی شخص جب اپنے عضو مخصوص کو چھوئے تو کیا وہ دوبارہ وضو کرے؟“

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《 إنما هو بضعة منك 》[1] ”وہ (آلۂ تناسل) تو صرف تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔“

اور ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

《 وهل هو إلا بضعة منك 》[2] ”وہ تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہی تو ہے۔“

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آلۂ تناسل تیرے جسم کا ایک حصہ ہے۔ طبعاً پہلے بیان کردہ احادیث بظاہر طلق بن علی کی اس حدیث سے متعارض ہیں، اور یہ اصولی بات ہے کہ جب دو دلیلوں کا بظاہر ایک دوسری کے ساتھ تعارض ہوجائے تو سب سے پہلے یہ کوشش کی جائے گی کہ دونوں متعارض دلائل کے درمیان اس طرح تطبیق دی جائے کہ دونوں پر عمل ممکن ہوجائے۔ اور اگر ہم ان کے درمیان ایسے تطبیق پیدا نہ کر پائیں تو پھر نسخ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جب تاریخ معلوم ہوجائے گی تو ناسخ و منسوخ کے ذریعے دونوں میں تطبیق ممکن ہوگی، جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان:

---

[1] حسن. مسند أحمد [22/4]

[2] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [165]

"وهل هو إلا بضعة منك" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آلۂ تناسل کو چھونے کی وجہ سے وضو کرنے کا حکم مستحب ہے۔ اور اس شخص کے لیے، جس نے بغیر پردے کے اپنی شرمگاہ کو چھوا، وضو کیے بغیر نماز پڑھنے کے لیے جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ نہی تنزیہی ہے۔ سو اِس طرح سے مذکورہ تمام دلائل کے درمیان تطبیق پیدا ہوجاتی ہے اور میرے نزدیک بھی یہی راجح موقف ہے لیکن اس مسئلہ میں بہت سی تفصیلات ہیں۔

بعض اہل علم علماء تو (طلق بن علی کی آلۂ تناسل کو چھونے سے وضو کے ٹوٹنے والی حدیث کے) منسوخ ہونے کے قائل ہیں، جیسے کہ ابن القیم لیکن انھوں نے اس حدیث کو منسوخ قرار دینے کے لیے ایسا مسلک اختیار کیا ہے جس کے ساتھ اصولی لوگ نسخ کو ثابت نہیں کرتے۔ تو جب ہم کہتے ہیں کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اسلام قبول کیا جبکہ بسرہ بنت صفوان نے بعد میں اسلام قبول کیا تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بسرہ رضی اللہ عنہا نے جو حدیث بیان کی ہے وہ طلق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بعد کی ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ یہ مرسل صحابی بھی ہوسکتی ہے اور پھر یہ کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہمیں کون بتائے گا کہ انھوں نے یہ روایت کب بیان کی ہے بسرہ کی روایت سے پہلے یا بعد میں؟ بہر حال تطبیق ممکن ہوتے ہوئے نسخ اور ترجیح والا موقف قابل التفات نہیں ہے۔

امام احمد، مالک اور شافعی رحمہم اللہ اس طرف گئے ہیں کہ بلاشبہ جب آدمی اپنے آلۂ تناسل کو چھوئے تو وہ وضو کرے کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں جو بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے وہ انھی الفاظ سے مروی ہے اور وہ حدیث جس میں مطلق طور پر آلۂ تناسل کو چھونے سے وضو کرنے کا حکم ہے تو ان ائمہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے الفاظ آدمی کے اپنے آلۂ تناسل کو چھونے اور دوسرے کے آلۂ تناسل کو چھونے دونوں کو شامل ہیں۔

لیکن اس سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ بلاشبہ بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ایک ہی ہے جو دو لفظوں سے وارد ہوئی ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "من مس ذكره" یعنی مقید ہے کہ جس نے اپنے آلۂ تناسل کو چھوا اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: «ويتوضأ من مس الذكر»[1] یعنی آدمی مطلق آلۂ تناسل کو چھونے سے وضو کرے لیکن مناسب یہ

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [164]

ہے کہ مطلق روایت کو مقید پر محمول کیا جائے کیونکہ حدیث ایک ہے اور دو الفاظ سے مروی ہے، ایک میں اطلاق ہے اور دوسری میں تقیید، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے۔ بنابریں وہ عورت جو اپنے بچے کی صفائی ستھرائی کرتی ہے اور اس کی شرمگاہ کو چھوتی ہے وہ دوبارہ وضو نہیں کرے گی اور آدمی بھی اگر اپنے بچے کی شرمگاہ کو چھو لیتا ہے تو وہ بھی وضو نہیں دوہرائے گا، میں قائل اس بات کا ہوں لیکن عملاً میں بذات خود اس سے وضو کرتا ہوں، لیکن آلۂ تناسل کو چھونے پر وضو کیے بغیر نماز پڑھنے سے جو نہی ہے وہ نہی تنزیہی ہے اور آلۂ تناسل کو چھونے سے وضو کرنے کا حکم مستحب ہے اور احتیاط کی بنیاد پر ہے۔

جہاں تک خونِ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعلق ہے تو امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ نے فرمایا: بلاشبہ خونِ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ مدت ساٹھ دن قرار دی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت بیان کی ہے۔ کہتی ہیں:

« كانت النفساء تجلس على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم أربعين يوما لا تصلي، وكنا نطلي وجوهنا بالورس من الكلف »[1]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہم (نفاس کی وجہ سے) چالیس دن بیٹھی رہتی تھیں، نماز نہیں پڑھتی تھیں اور ہم اپنے چہروں پر چھائیوں کی وجہ سے ورس بوٹی کا لیپ کرتی تھیں۔''

یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح لغیرہ ہے اور یہ حدیث صحیح ہے، اس لیے کہ اس کی صحت کے شواہد موجود ہیں۔ لہٰذا اِس حدیث کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ عورت کے نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے اور اگر خون چالیس دن سے تجاوز کر جائے تو وہ چالیس دن مکمل کرنے کے بعد غسل کرے گی اور پھر ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرے گی اور چالیس دن سے زیادہ آنے والے خون کو استحاضہ شمار کرے گی۔ پھر اگر وہ چالیس دن سے پہلے پاک ہوگئی، اس نے غسل کیا اور نماز پڑھنا شروع کر دی، مثلاً اگر وہ چالیس دن

[1] **حسن صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [139]

سے پہلے بیس دن کے بعد پاک ہوگئی اور اس نے غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی مگر پانچ دن ہی گزرے تھے کہ دوبارہ خون آنے لگا، اگر اس نے غسل کیا اور نماز پڑھی اور رمضان کے روزے رکھے اور پچیس دن کے بعد دوبارہ خون جاری ہوگیا تو اس بیس اور پچیس دنوں کے درمیان جو خون رکا ہے اس کو نفاس کا وقفہ تصور کیا جائے گا اور اس وقفے میں پڑھی ہوئی نمازیں اور رکھے ہوئے روزے کالعدم ہوں گے، البتہ وہ روزوں کی قضا دے گی لیکن نماز کی قضا نہیں دے گی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود رحمہ اللہ)

کیا عورت کا اپنی یا اپنے خاوند یا اپنے بچے کی شرمگاہ کو ہاتھ لگانا ناقضِ وضو ہے؟

سوال جب عورت اپنی شرمگاہ یا اپنے خاوند کی شرمگاہ اور اپنے بچے کی شرمگاہ کو چھوئے تو کیا اس کا اور اس کے خاوند کا وضو ٹوٹ جائے گا؟

جواب اس عورت کا وضو نہیں ٹوٹے گا، جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود رحمہ اللہ)

کیا عورت کی اگلی شرمگاہ سے ہوا خارج ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال کیا عورت کی فرج (اگلی شرمگاہ) سے ہوا کا خارج ہونا وضو کو توڑتا ہے کہ نہیں؟

جواب عورت کی فرج سے نکلنے والی ہوا سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ وہ دبر سے نکلنے والی ہوا کی طرح نجاست والی جگہ سے نہیں نکلتی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا عورت کی اگلی شرمگاہ سے باآواز ہوا کا خارج ہونا ناقضِ وضو ہے؟

سوال ایک عورت جب نماز ادا کرتی ہے اور رکوع و سجود کرتی ہے اور خاص طور پر سجدوں میں اور دو سجدوں کے درمیان اور تشہد کے لیے بیٹھے ہوئے اس کی فرج (اگلی شرمگاہ) سے ہوا خارج ہوتی ہے جس کی آواز آس پاس کے افراد سنتے ہیں تو کیا اس سے عورت کی نماز باطل ہو جائے گی؟ بعض اوقات اتنی تھوڑی ہوا خارج ہوتی ہے کہ جس کو کوئی بھی نہیں سنتا ہے تو کیا وضو اور نماز ٹوٹ جائیں گے؟

جواب عورت کی اگلی شرمگاہ سے ہوا کا نکلنا وضو کو نہیں توڑتا ہے۔

عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم:

سوال عورتوں کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ نہیں؟

جواب عورتوں کو چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق فقہاء کے تین اقوال ہیں۔ دو انتہائی اور ایک معتدل۔ ان اقوال میں سے ضعیف قول یہ ہے کہ عورتوں کو چھونا وضو کو توڑ دیتا ہے جب وہ چھونا شہوت کے بغیر ہو، البتہ جس کو چھوا گیا ہے وہاں پر شہوت کا خدشہ موجود ہو، یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ [النساء: 43]

اور ایک دوسری قراءت میں یہ الفاظ ہیں: ﴿أَوْ مستم﴾

دوسرا قول یہ ہے کہ بے شک عورتوں کو چھونا کسی حال میں بھی ناقضِ وضو نہیں ہے اگر چہ وہ چھونا شہوت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے۔

اگر چہ یہ دونوں قول امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہیں لیکن امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب امام مالک اور فقہاء سبعہ کے مذہب کے مطابق ہے، وہ یہ کہ بلاشبہ عورت کو چھونا اگر شہوت کے ساتھ ہو تو یہ ناقضِ وضو ہے اور اگر چھونا شہوت کے بغیر ہو تو ناقضِ وضو نہیں ہے، اس مسئلہ میں یہ قول اور اس سے پہلے والا قول ہی قابلِ التفات ہے۔

وضو توڑنے کو عورتوں کو صرف چھونے سے معلق کرنا نہ صرف اصول کے خلاف ہے بلکہ یہ اجماعِ صحابہ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے۔ جو اس کا قائل ہے اس کے پاس بطور دلیل نہ کوئی نص ہے نہ قیاس۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ [النساء: 43] میں ہاتھ سے چھونا اور بوسہ وغیرہ لے لینا مراد لیا جائے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا بھی قول ہے تو یہ موقف درست نہیں ہے کیونکہ قرآن وسنت میں جہاں بھی اس طرح کے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں وہاں ان سے مراد شہوت کے ساتھ چھونا، یعنی جماع ہی مراد ہوتا ہے، جیسا کہ آیتِ اعتکاف میں ہے:

﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ﴾ [البقرة: 187]

''اور مسجد میں اعتکاف کرنے کے دوران عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔''

اعتکاف کرنے والے کے لیے بغیر شہوت سے عورت کے ساتھ مباشرت تو کرنا حرام نہیں ہے، حرام وہ مباشرت ہے جو شہوت کے ساتھ ہو۔ اسی طرح محرم آدمی، جس کی پابندی اعتکاف سے سخت ہے، بغیر شہوت کے عورت سے مباشرت کرے تو یہ اس کے لیے حرام ہے اور نہ ہی اس پر اس کے جرمانے کے طور پر قربانی لازم آتی ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ [الأحزاب: 49]

''پھر تم ان کو چھوئے بغیر طلاق دے دو۔''

اور یہ فرمان:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ [البقرة: 236]

''تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو، جب تک تم نے انھیں ہاتھ نہ لگایا ہو۔''

ان آیات میں عورت کو چھونے سے اگر شہوت کے بغیر چھونا مراد لیا جائے تو اس سے عورت پر نہ عدت ہے، نہ مہر لازم آتا ہے اور نہ ہی سسرالی رشتہ داروں کی حرمت ثابت ہوتی ہے، اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ برخلاف اس کے کہ اگر اس نے عورت کو شہوت سے چھوا، البتہ وطی و دخول نہیں کیا تو اب حقِ مہر لازم ہونے میں امام احمد وغیرہ کے مذہب میں علماء کے درمیان مشہور اختلاف ہے۔

جس شخص کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ میں چھونے سے مراد ایسا چھونا بھی ہے جو شہوت کے بغیر ہو تو وہ قرآن کی لغت سے دور چلا گیا بلکہ اس نے عرفِ عام کی لغت کو بھی ترک کر دیا، حالانکہ وہ چھونا جو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے اس سے مراد شہوت کے ساتھ چھونا ہی ہوتا ہے، جیسا کہ جب میاں بیوی کے درمیان وطی کا ذکر ہو تو اس سے مراد فرج (عورت کی اگلی شرمگاہ) میں وطی کرنا ہی ہوتا ہے نہ کہ عورت کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں۔ نیز وہ یہ نہیں کہتا کہ بلاشبہ یہ حکم مطلق عورتوں کی اس قسم کے ساتھ خاص ہے جس سے شہوت پوری کی جا سکتی ہو۔ رہی وہ عورتیں جو شہوت کا

محل نہیں ہیں، جیسے وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے اور چھوٹی بچی تو ان کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ یہاں آ کر اس شخص نے آیت کے ظاہری الفاظ کا سہارا لے کر مطلق چھونے سے وضو ٹوٹنے کا دعویٰ ترک کر دیا اور ایسی شرط عائد کر دی جس کی اس کے پاس نص اور قیاس کی صورت میں کوئی دلیل نہیں ہے، جبکہ منصوص دلائل شہوت کے ساتھ عورت کو چھونے اور بغیر شہوت کے ساتھ چھونے میں تو فرق کرتے ہیں مگر شہوت کی جگہ میں چھونے اور غیر شہوت کی جگہ میں چھونے کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، اور یہ چھونا تمام عبادات میں مؤثر ہے، مثلاً احرام، اعتکاف اور روزہ وغیرہ۔ اور جب یہ قول ایسا ہے کہ جس پر نہ ظاہری الفاظ دلالت کرتے ہیں اور نہ ہی قیاس تو ثابت ہوا کہ شرع میں اس کی کوئی اصل اور دلیل نہیں ہے۔

اور جس نے وضو کے ٹوٹنے کو ایسے چھونے سے معلق کیا جو شہوت کے ساتھ ہو تو اس کی دلیل وہ ظاہری مفہوم ہے جو اس طرح کے الفاظ کے متعلق مشہور ہوتا ہے، اور شریعت کے اصول و دلائل پر قیاس کرنا اس کی دوسری دلیل ہے۔ اور جس کسی نے چھونے کو کسی حالت میں بھی ناقضِ وضو قرار نہیں دیا تو وہ اس لیے کہ اس کے نزدیک چھونے سے مراد جماع ہے، جیسا کہ اس فرمان باری تعالیٰ میں ہے:

﴿ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ﴾ [البقرة: 237]

''اور اگر تم انھیں اس سے پہلے طلاق دے دو کہ انھیں ہاتھ لگاؤ۔''

یہاں چھونے سے مراد جماع ہے۔ اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات موجود ہیں۔ احادیث میں سے اس کی دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے:

«أن النبي صلى الله عليه وسلم قبل بعض نسائه ثم صلى ولم يتوضأ»[1]

''بلاشبہ نبی ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی کو بوسہ دیا پھر وضو کیے بغیر نماز پڑھی۔''

مگر اس کی صحت پر کلام ہے۔ نیز اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ تو معلوم ہے کہ لوگوں کا اپنی عورتوں کو چھونے والا معاملہ وہ ہے جس میں عموماً لوگ مبتلا ہوتے

---

[1] سنن الدارقطني [136/1]

ہیں اور آدمی اپنی بیوی کو تو چھوتا ہی رہتا ہے، اگر ایسا کرنا وضو کو توڑنے والا ہوتا تو نبی ﷺ اپنی امت کے لیے ضرور اس کی وضاحت فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس کا بیان مشہور ہوتا، جبکہ کسی ایک صحابی سے بھی یہ مروی نہیں ہے کہ کوئی صحابی اپنی بیوی یا کسی اور عورت کو صرف ہاتھ لگ جانے سے وضو کرتا ہو اور نہ ہی اس مسئلہ میں کسی صحابی نے نبی ﷺ سے کوئی حدیث بیان کی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹنے والا مسئلہ باطل ہے۔ واللہ اعلم (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

اپنی بیوی کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم:

سوال کیا بیوی کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ بلاشبہ بیوی کو مطلق طور پر چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ اس سے اگر مرد کا پانی (مذی) خارج ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیا، پھر نماز پڑھنے کے لیے نکلے اور وضو نہیں کیا۔[1] دوسری بات یہ کہ اس میں اصل وضو کا نہ ٹوٹنا ہے، الا یہ کہ وضو ٹوٹنے کی کوئی صحیح اور صریح دلیل مل جائے۔ نیز اس لیے کہ آدمی نے شرعی دلیل کے مطابق اپنے وضو کو مکمل کیا اور جو چیز شرعی دلیل کے مطابق ثابت ہو تو اس کے ختم ہونے کے لیے بھی شرعی دلیل ہی کی ضرورت ہے۔ اگر عورت کو مطلق چھونے سے وضو کے ٹوٹ جانے پر بطور دلیل یہ آیت پیش کی جائے: ﴿أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ﴾ [النساء: 43] تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں چھونے سے مراد جماع ہے، جیسا کہ یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اجنبی عورت کو چھونے اور مصافحہ کرنے سے وضو ٹوٹنے کا حکم:

سوال کیا اجنبی عورت کو چھونے یا مصافحہ کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جبکہ اس بات کا علم بھی ہو کہ ایسا کرنا حرام ہے؟ فقہ کی کتابوں میں ہمیں بعض ایسی احادیث بھی ملی

[1] سنن الدارقطني [136/1]

ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عورت کو چھونا وضو کو نہیں توڑتا۔ اس چھونے کو کسی چیز کے ساتھ مقید بھی نہیں کیا گیا تو کیا یہ عموم انھی عورتوں کے ساتھ خاص ہے جن کو چھونا حلال ہے یا نہیں؟

جواب علماء کے مختلف اقوال میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ بلاشبہ عورت کو چھونا یا اس سے مصافحہ کرنا مطلق طور پر وضو کو نہیں توڑتا، خواہ وہ چھوئی گئی عورت اجنبیہ ہو یا بیوی ہو یا ایسی عورت جس سے نکاح حرام ہے کیونکہ شریعت کی اصل کے مطابق چھونے والے کا وضو باقی ہے یہاں تک کہ وضو کے ٹوٹنے پر کوئی شرعی دلیل ثابت ہو اور اس مسئلہ پر کوئی صحیح حدیث بھی ثابت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾

[المائدة: 6]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھو لو) اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو، یا کسی سفر پر، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو، پس اس سے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔''

عورتوں کو چھونے سے مراد علماء کے مختلف اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق جماع ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کی اگلی شرمگاہ سے نکلنے والی رطوبتوں کا حکم:

سوال عورت کی فرج (اگلی شرمگاہ) سے نکلنے والی رطوبتوں کا کیا حکم ہے؟

جواب نجس ہونے میں ان کا حکم پیشاب والا ہے لیکن جب یہ مسلسل آتی رہیں تو ان کا حکم "سلس البول" کا حکم ہے (یعنی جس کا پیشاب مسلسل نکلتا رہتا ہے اس کو ہر بار وضو کرنے کی ضرورت نہیں)۔ (فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

کیا ننگے مردوں اور عورتوں اور اپنی شرمگاہ کو دیکھنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟

سوال کیا ننگے مردوں اور عورتوں پر مجرد نظر ڈالنے سے وضو فاسد ہو جاتا ہے؟ اور کیا باوضو آدمی کا اپنی شرمگاہ کو دیکھنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟

جواب باوضو آدمی کا ننگے مردوں اور عورتوں کو صرف دیکھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی متوضی کا اپنی شرمگاہ کو دیکھنے سے وضو فاسد ہوتا ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

کیا زچگی میں معاون بننے والی نرس کا وضوٹوٹ جاتا ہے؟

سوال کیا زچگی کے کاموں میں معاون بننے والی عورت غسل کرے گی یا صرف وضو پر ہی اکتفا کرے گی؟

جواب ایسی عورت پر حاملہ کے قریب ہونے اور ولادت کے امور کی دیکھ بھال کرنے کی وجہ سے غسل یا وضو واجب نہیں ہے۔ ہاں، اگر اس کے جسم یا کپڑے پر خون وغیرہ لگ جائے تو نماز کی ادائیگی کے وقت صرف اس کا دھونا ضروری ہے لیکن زچگی کے دوران حاملہ کی شرمگاہ کو چھونے سے اس کا وضوٹوٹ جائے گا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

کیا ہیئر کریم اور لپ اسٹک لگانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟

سوال کیا بالوں کی کریم اور ہونٹوں کو سرخ کرنے والی (لپ اسٹک) کا استعمال وضو کو توڑ دیتا ہے؟

جواب عورت کا بالوں کی کریم وغیرہ لگانا یا دیگر تیل استعمال کرنا وضو کو باطل نہیں کرتا بلکہ روزے کو بھی باطل نہیں کرتا لیکن روزہ کی حالت میں اگر ان سرخیوں کا ذائقہ ہو تو اس کو اس طرح استعمال کرنا کہ پیٹ میں ذائقہ اترتا ہو، جائز نہیں ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اونٹ کے گوشت سے وضو کا حکم:

سوال کیا اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے والی حدیث منسوخ ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ منسوخ نہیں تو کیا اس کے کھانے سے وضو کرنا چاہیے؟ اگر وہ حدیث منسوخ ہے تو اس کی ناسخ حدیث کونسی ہے؟

جواب اونٹوں کے گوشت کھانے پر وضو کرنے کے حکم والی دو حدیثیں صحیح ہیں:

(1) پہلی حدیث جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور وہ مسند احمد میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مروی ہے:

«أن رجلا قال: يا رسول الله! أنتوضأ من لحوم الغنم؟ قال: إن شئت فتوضأ، وإن شئت فلا تتوضأ، قال: أنتوضأ من لحوم الإبل؟ قال: نعم، توضأ من لحوم الإبل، قال: أنصلي في مرابض الغنم؟ قال: نعم، قال: أنصلي في مرابض الإبل؟ قال: لا »[1]

''بلاشبہ ایک آدمی نے سوال کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم بھیڑ بکریوں کا گوشت کھانے کے بعد وضو کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چاہو تو وضو کرلو اور اگر چاہو تو نہ کرو۔'' اس آدمی نے پھر پوچھا: کیا ہم اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرو۔'' اس نے پوچھا: کیا ہم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں''، اس نے پوچھا: کیا ہم اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں۔''

(2) دوسری حدیث وہ ہے جس کو احمد اور ابو داود رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور جن محدثین نے اس کو صحیح کہا ہے ان میں سے ایک حافظ بیہقی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ راوی نے کہا:

« سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوضوء من لحوم الإبل؟

---

(1) صحيح مسلم، رقم الحديث [360]

فقال: "توضئوا منها"، وسئل عن الوضوء من لحوم الغنم؟ قال: "لا تتوضئوا منها"، وسئل عن الصلاة في مرابض الإبل؟ فقال: "لا تصلوا فيها فإنها من الشياطين"، وسئل عن الصلاة في مرابض الغنم؟ فقال: "صلوا فيها فإنها بركة"》[1]

''رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے وضو کرو''، اور پھر آپ ﷺ سے بکریوں کا گوشت کھا کر وضو کرنے کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے وضو نہ کرو''، پھر آپ ﷺ سے اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ شیاطین کی جگہ ہے''، پھر بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں نماز پڑھو کیونکہ وہ برکت کی جگہ ہے۔''

امام احمد، اسحاق بن راہویہ، اہل ظاہر اور شوافع کا ایک طبقہ جیسے ابن منذر، ابن خزیمہ اور بیہقی رحمہم اللہ کا موقف ان دو حدیثوں کے مطابق ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: اگر اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنے والی حدیث صحیح ہے تو میں اسی کا قائل ہوں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے جواب دیا: اس کے متعلق (ایک نہیں) دو صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ امام مالک، ابوحنیفہ، شافعی اور جمہور رحمہم اللہ کا موقف یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنا منسوخ ہے تو پھر ناسخ کونسی حدیث ہے؟ انھوں نے کہا: اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنا منسوخ ہے، ناسخ اس کی وہی حدیث ہے جس نے آگ کی پکی ہوئی چیز کھا کر وضو کرنے کو منسوخ کیا ہے۔

صحیح مسلم میں عائشہ، زید بن ثابت اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم تین صحابہ سے حدیث مروی ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ نے فرمایا: «توضئوا مما مست النار»[2]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [360]

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث [352]

اصحابِ سنن نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

《كان آخر الأمرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما مست النار》[1]

''آگ کی پکی ہوئی چیز کھا کر وضو ترک کر دینا ہی رسول اللہ ﷺ کے دونوں معاملات میں سے آخری تھا۔''

نسخ کے قائل ائمہ کرام نے کہا ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے ترکِ وضو والی مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ اس سے اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنا بھی منسوخ ہے، لیکن پہلے گروہ نے کہا: بلکہ یقیناً وہی بات درست ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ نے کہی ہے کہ اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کا واجب ہونا راجح موقف ہے تو جن لوگوں نے اونٹ کے گوشت سے وضو کو واجب قرار دیا انھوں نے کہا: بلاشبہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کا حکم عام ہے جبکہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کا حکم خاص ہے اور حکم عام کی مطلق طور پر حکم خاص پر بنیاد رکھی جاتی ہے، لیکن بعض اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ یہ مطلق نہیں ہے، بعد والا عام حکم پہلے والے خاص حکم کا ناسخ بن سکتا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

حتی کہ اس مذہب کے مطابق، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کہا، اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنا واجب ہے کیونکہ اگر آپ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کی ناسخ حدیث اسی حدیث کو قرار دیں گے جو آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنے کی ناسخ ہے تو بکریوں کے گوشت سے وضو کرنے کا حکم دلالت کرتا ہے کہ یہ بکریوں کا گوشت کھا کر وضو کرنے والی حدیث آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو کرنے کے منسوخ ہونے کے بعد کی ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا دو ایسی چیزوں میں فرق کرنا جو آگ سے پکی ہوئی ہیں، یعنی بکری کا گوشت اور اونٹ کا گوشت، واضح کرتا ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کے حکم کا تعلق آگ سے نہ پکے ہوئے ہونے کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اونٹ کے گوشت سے وضو کرنے کا حکم خود اونٹ کے گوشت کے سبب سے ہے، جیسا کہ اس پر نبی ﷺ کا فرمان، جو براء کی حدیث میں مروی ہے، دلالت کرتا ہے:

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [192]

«فإنها من الشياطين» ''بلاشبہ وہ شیاطین سے ہے۔''

جہاں تک اونٹ کے پیشاب کا تعلق ہے سو وہ پاک ہے کیونکہ نبی ﷺ نے، جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے، اس وقت فرمایا جب قبیلہ عکل یا عرینہ کی ایک جماعت مدینہ طیبہ میں آئی تو نبی ﷺ نے ان کو صدقہ کے اونٹ عطا کیے اور فرمایا: ''ان کو لے جاؤ اور ان کے دودھ اور پیشاب ملا کر پیو۔''❶ درآں حالیکہ وہ گنوار و جاہل قسم کے بدو تھے جو احکامِ شریعت کو نہیں جانتے تھے۔ اگر اونٹ کا پیشاب نجس ہوتا تو آپ ﷺ ان کو (مجبوراً) اونٹ کا پیشاب پینے کے بعد کم از کم کلی کرنے کا حکم تو دیتے (جبکہ آپ ﷺ نے ایسا کوئی حکم صادر نہیں فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اونٹ کا پیشاب پاک ہے، مترجم) امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ بھی اونٹ کے پیشاب کی طہارت کے قائل ہیں۔

غسل کا باب

غسلِ جنابت میں ناک میں پانی چڑھانے اور کلی کرنے کا حکم:

سوال کیا غسل کرتے ہوئے ناک میں پانی چڑھانا اور کلی کرنا واجب ہے؟

جواب غسل کرتے ہوئے ناک میں پانی چڑھانا اور کلی کرنا واجب نہیں کیونکہ غسل میں سرے سے وضو ہی واجب نہیں، البتہ غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے۔ اس لیے کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے کہ نبی ﷺ سے غسل کے طریقے کے متعلق دریافت کیا گیا کہ وہ طریقہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أما أنا فأحثو على رأسي ثلاثا فإذا أنا طاهر»❷

''میں تو غسل کرنے کے لیے تین چلو اپنے سر پر ڈالتا ہوں۔''

ہاں، البتہ کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا وضو میں ضروری ہے، جیسا کہ یہ نبی ﷺ کی کئی احادیث سے ثابت ہے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [231] صحيح مسلم، رقم الحديث [1671]

❷ سنن النسائي، رقم الحديث [425] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [577]

بوقتِ غسل بسم اللہ پڑھنے کے وجوب کا حکم:

سوال کیا غسل کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے؟

جواب جی ہاں! غسل کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے کیونکہ غسل وضو کے قائم مقام ہے اور وضو بسم اللہ پڑھے بغیر درست اور صحیح نہیں۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

کیا مرد اور عورت کے غسلِ جنابت اور عورت کے غسلِ حیض میں فرق ہے؟

سوال کیا مرد اور عورت کے غسلِ جنابت میں فرق ہے؟ کیا عورت کے لیے اپنے بالوں کو کھولنا ضروری ہے یا حدیث کی رو سے تین لپ ڈالنا کافی ہے؟ نیز غسلِ جنابت اور غسلِ حیض میں کیا فرق ہے؟

جواب مرد اور عورت کے لیے غسلِ جنابت کے طریقے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ غسل کرتے وقت ان دونوں کے لیے اپنے بالوں کو کھولنے کی ضرورت نہیں بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالیں اور پھر سارے جسم پر پانی بہالیں۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جس میں یہ بیان ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: میں اپنے سر کی مینڈھیاں مضبوط بناتی ہوں تو کیا میں جنابت کے غسل کے لیے ان کو کھولا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا، إنما يكفيك أن تحثي على رأسك ثلاث حثيات، ثم تفيضي عليك الماء، فتطهرين»[1]

''مینڈھیاں کھولنے کی ضرورت نہیں، بس اتنا ہی کافی ہے کہ تو اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالے اور پھر باقی جسم پر پانی بہالے تو اس طرح تُو پاک ہوجائے گی۔''

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ البتہ اگر مرد یا عورت کے سر پر تیل یا مہندی اس طرح لگے ہوں کہ یہ پانی کو سر کے چمڑے تک پہنچنے سے روک دیں تو ان کا ازالہ کرنا ضروری ہے اور اگر یہ اتنے ہلکے ہوں کہ پانی کو چمڑے تک پہنچنے سے نہ روکیں تو ان کو اتارنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [330]

جہاں تک عورت کے غسلِ حیض کا تعلق ہے تو اس میں عورت کے لیے اپنے بالوں کو کھولنے میں اختلاف ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ غسلِ حیض میں بھی بالوں کو کھولنے کی ضرورت نہیں کیونکہ صحیح مسلم میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بعض سندوں میں اس طرح مروی ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ میں ایک ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کی مینڈھیاں مضبوطی سے باندھتی ہوں تو کیا میں غسلِ حیض اور غسلِ جنابت کے لیے ان کو کھولا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں تو! تمھیں بس اتنا ہی کافی ہے کہ تو اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال، پھر اپنے جسم پر پانی بہالے تو تُو پاک ہو جائے گی۔''

تو یہ حدیث دلیل ہے کہ حیض اور جنابت کے غسل میں بالوں کو کھولنا واجب نہیں لیکن عورت کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ غسلِ حیض میں احتیاطاً اپنے بالوں کو کھول لے تاکہ اختلاف سے بچا جائے اور مختلف دلائل میں تطبیق اور موافقت پیدا ہو جائے۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

حائضہ کے غسل کا طریقہ:

سوال حائضہ عورت کے غسل کا کیا طریقہ ہے؟

جواب اگر حائضہ عورت رفعِ حدث کی نیت سے غسل کرے وہ اس طرح کہ اپنے سر پر پانی بہائے اور خوب اچھی طرح بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے، پھر سارے بدن پر پانی بہالے تو اس کا یہ غسل صحیح اور درست ہو جائے گا۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے بالوں کی چوٹی مضبوط باندھتی ہوں، کیا میں اس کو غسلِ حیض اور غسلِ جنابت کے لیے کھولا کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا، إنما يكفيك أن تحثي على رأسك ثلاث حثيات، ثم تفيضي عليك الماء فتطهرين»[1]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [330]

''نہیں، تمھارے لیے یہی کافی ہے کہ تم تین لپ پانی اپنے سر پر ڈالو، پھر سارے جسم پر پانی بہاؤ تو پاک ہو جاؤ گی۔''

ایسے ہی وہ حدیث ہے جس کو امام احمد نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: ہم صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غسلِ جنابت کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أما أنا فإني أحثو الماء على رأسي» [1]

''میں غسلِ جنابت کے لیے اپنے سر پر پانی کے کچھ لپ ڈال لیتا ہوں۔''

مطلب یہ کہ میں پانی لیتا ہوں، کچھ تو اپنے سر پر ڈالتا ہوں اور کچھ اپنے سارے جسم پر بہا لیتا ہوں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود رحمہ اللہ)

غسل کے طریقے:

سوال غسل میں کن طریقوں کو اختیار کرنا چاہیے؟

جواب غسل میں وہ اس طرح کہ وہ ان طریقوں کو ملحوظ رکھے جو مسنون ہیں، جیسا کہ بخاری و مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے۔ کہتی ہیں:

«كان صلى الله عليه وسلم إذا اغتسل غسله من الجنابة يبدأ فيغسل يديه، ثم يفرغ بيمينه على شماله فيغسل فرجه، ثم يتوضأ وضوءه للصلاة، ثم يأخذ الماء ويدخل أصابعه في أصول الشعر حتى إذا استبرأ حثا على رأسه ثلاث حثيات، ثم صب على سائر جسده، ثم غسل رجليه» [2]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسلِ جنابت کرتے تو سب سے پہلے اپنے ہاتھ دھوتے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر اپنی شرمگاہ کو دھوتے، پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے، پھر پانی لے کر اپنی انگلیوں کے ذریعے سر کے بالوں کی تہہ میں داخل کرتے اور اس سے فارغ ہو کر اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالتے،

[1] سنن النسائي، رقم الحديث [425] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [577]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [245] صحيح مسلم، رقم الحديث [316]

پھر سارے بدن پر پانی بہاتے، پھر (آخر میں) اپنے دونوں پاؤں دھوتے۔"

اور میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ میں نبی ﷺ کے غسل کے لیے پانی رکھتی اور آپ ﷺ یوں غسل فرماتے:

"پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انھیں دو یا تین مرتبہ دھوتے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر اپنی شرمگاہ (آلہ تناسل اور خصیتین) کو دھوتے، پھر اپنے ہاتھ کو زمین پر ملتے، پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی چڑھاتے، پھر تین مرتبہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھوتے، پھر اپنے سر کو تین مرتبہ دھوتے، پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہاتے، پھر اس جگہ سے علیحدہ ہوکر اپنے دونوں پاؤں دھوتے۔"

تو یہ تھا نبی ﷺ کا (غسل سے پہلے) وضو لیکن اس میں آپ ﷺ اس جگہ سے علیحدہ ہوکر پاؤں دھوتے۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«أن امرأة من الأنصار أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فسألته عن كيفية اغتسال الحائض، فأمرها كيف تغتسل، ثم قال: "خذي فرصة من مسك، فتطهري بها"، فقالت: كيف أتطهر بها؟ فاحمر وجهه صلى الله عليه وسلم، وقال: "سبحان الله! تطهري بها"، قالت عائشة رضي الله عنها: فجبذتها، فقلت لها: تتبعي بها موضع الدم، فإنما هذا يطيب رائحته»[1]

"ایک انصاری عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ حائضہ عورت کیسے غسل کرے؟ آپ ﷺ نے اس کو پورے غسل کا طریقہ بتایا، پھر فرمایا: "کچھ خوشبودار روئی لے کر اس سے صفائی حاصل کر"، اس عورت نے کہا: روئی سے کیسے صفائی حاصل کروں؟ تو آپ ﷺ کا چہرا سرخ ہوگیا اور فرمایا: "سبحان اللہ! روئی کے ساتھ صفائی ستھرائی حاصل کرو۔"

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [308] صحيح مسلم، رقم الحديث [332]

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ صورتِ حال دیکھ کر میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کو بتایا کہ خوشبو دار روئی لے کر خون والی جگہ پر لگالے تو اس طرح بدبو وغیرہ دور ہو جائے گی۔'' (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود رحمہ اللہ)

غسلِ حیض میں بال کھولنے کا حکم:

سوال غسلِ حیض میں بالوں کو کھولنے کا کیا حکم ہے؟

جواب دلیل کے اعتبار سے راجح بات یہ ہے کہ جس طرح غسلِ جنابت میں بالوں کو کھولنا واجب نہیں اسی طرح غسلِ حیض میں بھی واجب اور ضروری نہیں ہے لیکن دیگر دلائل کی وجہ سے غسلِ حیض میں مشروع ہے مگر اس میں بھی یہ حکم فرض نہیں ہے۔ دلیل اس کی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے:

«إني امرأة أشد رأسي أفأنقضه لغسل الجنابة؟»

''میں اپنے سر کی چوٹی کو مضبوط باندھتی ہوں تو کیا میں غسلِ جنابت کے لیے اس کو کھول دیا کروں؟''

اور ایک روایت میں ہے غسلِ حیض کے لیے اس کو کھولوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا، إنما يكفيك أن تحثي على رأسك ثلاث حثيات»[1]

''نہیں، تجھے صرف اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالنا ہی کافی ہوگا۔''

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ یہی موقف ہے صاحب ''الانصاف'' اور زرکشی کا۔ اور غسلِ جنابت میں بالوں کو کھولنا مندوب نہیں ہے، ہاں، عبداللہ بن عمرو اس بات کے قائل تھے جس کا رد کرتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«أفلا أمرهن أن يحلقنه»[2]

''(عبداللہ بن عمرو) عورتوں کو بال مونڈھوانے کا حکم کیوں نہیں دے دیتے؟''

حاصلِ کلام یہ ہے کہ غسلِ جنابت میں بالوں کو کھولنا مشروع نہیں ہے جبکہ غسلِ

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [330]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [331]

حیض میں مؤکد ہے اور اس کی تاکید بالوں کے سخت باندھنے اور نرم باندھنے، اسی طرح ان کو کھولنے کی سابقہ مدت کی دوری ونزدیکی کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔

(سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ)

عورت کا غسلِ جنابت اور غسلِ حیض میں بالوں کی چوٹیاں کھولنے کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے غسلِ جنابت اور غسلِ حیض کے وقت بالوں کی چوٹیاں کھولنا واجب ہے؟

جواب نہیں، لیکن تجھے اپنے سر پر تین لَپ پانی ڈالنا ہی کافی ہوگا، پھر سارے جسم پر پانی بہا لے تو اس طرح تو پاک ہوجائے گی لیکن اہل علم علماء نے اس کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ عورت نے بالوں پر کسی چیز کا لیپ نہ کر رکھا ہو، یعنی سر کی جلد اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا واجب اور ضروری ہے۔

جہاں تک غسلِ حیض کا تعلق ہے تو جمہور علماء کا یہ موقف ہے کہ عورت پر غسلِ حیض میں اپنے بالوں کی چوٹیاں کھولنا واجب نہیں لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کے برخلاف اس پر بالوں کی مینڈھیاں کھولنے کو واجب قرار دیتے ہیں مگر ان کے پاس اس موقف کے حق میں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ وہ حدیث جس کو انھوں نے دلیل بنایا ہے وہ ابن ماجہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا:

«انقضي شعر رأسك واغتسلي»[1]

''اپنے سر کے بال (چوٹی وغیرہ) کھول اور پھر غسل کر۔''

مگر یہی روایت صحیح مسلم میں یوں مروی ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہا جب ان کو حجۃ الوداع کے موقع پر بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کرنے سے پہلے حیض آ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے تو وہ رو رہی تھیں:

«إن هذا أمر كتبه الله على بنات آدم، فاغتسلي»[2]

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [241] صحيح مسلم، رقم الحديث [1211]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [......]

''بلاشبہ یہ (حیض) ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ نے بناتِ آدم پر لاگو کر دیا ہے، لہٰذا تُو غسل کر لے۔''

اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«انقضي رأسك وامتشطي»[1] ''تو اپنے سر کے بالوں کو کھول اور کنگھی کر۔''

تو ثابت یہ ہوا کہ یہ غسل، جس میں آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو بال کھولنے کا حکم دیا رفعِ حدث (حیض) کا غسل نہیں تھا، وہ تو صرف عام مسنون غسل تھا۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ جو حنبلی ہونے کے باوجود امام احمد بن حنبل کے مذکورہ موقف کو رد کرتے ہیں اور جمہور علماء کے موقف کی تائید کرتے ہیں کہ بلاشبہ عورت پر غسلِ جنابت اور غسلِ حیض میں بالوں کی چوٹیاں کھولنا واجب نہیں، اس موقف کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر پہنچی کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما عورتوں کو (حیض و جنابت کا) غسل کرتے وقت بالوں کی چوٹیاں کھولنے کا حکم دیتے ہیں تو انھوں نے ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

''عبداللہ بن عمرو پر تعجب ہے! آخر وہ عورتوں کو اپنے بال مونڈھنے کا حکم کیوں نہیں دے دیتے؟ بلاشبہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے پانی لے کر غسل کیا کرتے تھے تو میں اپنے سر پر صرف تین چلو پانی ڈال لیتی تھی۔''

(فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود رحمہ اللہ)

عورت کا غسلِ جنابت میں اپنی شرمگاہ میں انگلی ڈال کر صفائی کرنے کا حکم:

سوال دو عورتوں کی آپس میں بحث ہوگئی، ایک کہتی ہے کہ (غسل کے دوران) عورت پر اپنی شرمگاہ میں انگلی ڈال کر اندر سے دھونا واجب ہے جبکہ دوسری کا کہنا ہے کہ صرف اوپر سے ہی شرمگاہ دھو لینا کافی ہے۔ کس کی بات درست ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ شرمگاہ میں انگلی ڈال کر اندر سے اس کو دھونے کا تکلف واجب نہیں ہے، تاہم اگر وہ ایسا کر لے تو بہرحال جائز ہے۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1211]

غسل جنابت میں بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانے کا حکم:

سوال جب عورت جنابت کا غسل کرے تو کیا اس پر بالوں کو دھوتے ہوئے سر کے چمڑے تک پانی پہنچانا ضروری ہے؟

جواب جنابت وغیرہ کے غسل میں بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا اس غسل کے واجبات میں شامل ہے اور ایسا کرنے میں مرد اور عورتیں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ [المائدة: 6]

''اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو۔''

لہٰذا عورت کے لیے صرف اوپر سے بالوں کو دھو لینا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ بالوں کی جڑوں اور سر کے چمڑے تک پانی پہنچائے، لیکن اگر بالوں کی چوٹیاں مضبوط باندھی گئی ہیں تو ان کا کھولنا ضروری نہیں ہے بلکہ تمام بالوں تک پانی کا پہنچنا ضروری ہے، وہ اس طرح کہ وہ چوٹی کو پانی کی ٹونٹی کے نیچے رکھے، پھر اس کو نچوڑے تا کہ تمام بالوں میں پانی داخل ہو جائے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال کیا غسلِ جنابت میں لمبے اور بغیر مینڈھیوں کے بال رکھنے والی عورت کا حکم مینڈھیوں والی عورت کی طرح ہے یا کہ اس کے لیے اپنے تمام بال دھونا واجب اور ضروری ہے؟

جواب جونسی عورت جنبی ہو یا اس کا خونِ حیض بند ہو چکا ہو اس کے لیے طہارت کی نیت سے سارے بدن اور پورے بالوں کو دھونا واجب ہے، بال اس کے خواہ لمبے ہوں یا چھوٹے، مینڈھیاں بنے ہوں یا بغیر مینڈھیوں کے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کے لیے غسلِ جنابت میں دوپٹے پر مسح کرنے کا حکم:

سوال عورت کے لیے غسلِ جنابت میں دوپٹے پر مسح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اہل علم کے کلام سے شریعت مطہرہ کی روشنی میں یہ بات معلوم ومشہور ہے کہ بلاشبہ غسلِ جنابت میں موزہ، پگڑی اور دوپٹے جیسی اعضائے وضو میں حائل چیزوں پر مسح

کرنا بالا جماع جائز نہیں۔ ان پر مسح خاص طور پر صرف وضو میں جائز ہے، جیسا کہ صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ کہتے ہیں:

«أمرنا رسول صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا کنا مسافرین أن لا ننزع خفافنا ثلاثة أیام ولیالیهن إلا من جنابة، ولکن من غائط وبول ونوم»[1]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو حکم دیا کہ جب ہم مسافر ہوں تو تین دن اور تین راتیں اپنے موزوں کو نہ اتاریں مگر جنابت کی وجہ سے، البتہ پاخانہ پیشاب اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد وضو کرنے میں موزوں پر مسح کر سکتے ہیں۔''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعتِ اسلامیہ سہولت اور آسانی پر مشتمل ہے۔

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

جماع کے بعد پاخانہ کرنے والا (حدث و جنابت میں سے) کس نجاست سے پاکی حاصل کرنے کی ابتدا کرے؟

سوال ایک آدمی نے اپنی بیوی سے جماع کیا اور جماع کے بعد پاخانہ کیا۔ طہارت حاصل کرنے کے لیے وہ (حدث اور جنابت میں سے) کس نجاست سے ابتدا کرے گا؟

جواب جماع اور پاخانہ کرنے کے بعد اس کے لیے ایک ہی پاکی کافی ہے، البتہ جماع کی وجہ سے وہ غسل کرے گا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت پر محتلم ہونے کی صورت میں غسل کا حکم:

سوال کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ جب اسے احتلام ہو تو اس پر کیا واجب ہے؟ جس کو احتلام تو ہوا مگر اس نے غسل نہ کیا تو اس کے ذمہ کیا واجب ہے؟

جواب بلاشبہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے کیونکہ اس معاملہ میں عورتیں مردوں کی طرح ہی ہیں، جیسے مردوں کو احتلام ہوتا ہے ایسے ہی عورتوں کو بھی۔ جب عورت یا مرد کو احتلام ہو اور بیدار ہونے کے بعد کپڑے پر منی کا کچھ اثر نہ پائے تو اس پر غسل واجب نہیں ہوتا، اور اگر وہ کپڑے پر منی دیکھے تو اس پر غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے

[1] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث [96]

کیونکہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تھا:

« یا رسول اللّٰه! هل على المرأة من غسل إذا هي احتلمت؟ قال: "نعم، إذا هي رأت الماء"» [1]

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں، جب وہ (اپنے کپڑوں وغیرہ پر) منی دیکھے۔"

لہٰذا جب عورت (کپڑوں وغیرہ پر) منی دیکھے تو اس پر غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے اور جو عورت بدخوابی کی وجہ سے محتلم ہو جائے، پس اگر تو اس نے منی کا اثر نہ دیکھا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ اور اگر اس نے منی تو دیکھی (مگر اس کے بعد بھی غسل نہ کیا اور ایسے ہی نمازیں پڑھتی رہی) تو وہ غور فکر کرے کہ منی دیکھنے کی صورت میں اس کی کتنی نمازیں فوت ہوئی ہیں؟ وہ ان کو ادا کرے گی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

وہ عورت جو احتلام کے وقت کپڑوں پر منی نہ گرنے دے؟

سوال جب مجھے احتلام (ہونا قریب) ہوا تو میں چوکنی ہوئی اور منی کو اپنے کپڑوں پر گرنے سے روکا اور جلدی سے اس کو بیت الخلا میں گرا دیا۔ اب کیا مجھ پر نماز اور تلاوتِ قرآن کے لیے غسل واجب ہے یا صرف وضو ہی کافی ہے؟

جواب اس صورتِ حال میں تو آپ پر غسل کرنا واجب ہے، خواہ آپ نے اپنے کپڑوں میں منی گرائی یا لیٹرین میں، کیونکہ احتلام کے معاملے میں حکم منی کے نکلنے پر مبنی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

« الماء من الماء» [2] "غسل منی نکلنے سے واجب ہوتا ہے۔"

نیز جب ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے کہا:

« إن اللّٰه لا يستحي من الحق، فهل على المرأة من غسل إذا هي احتلمت؟ فقال صلى اللّٰه عليه وسلم: "نعم، إذا هي رأت الماء"» [3]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [130] صحيح مسلم، رقم الحديث [313]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [343]

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث [130] صحيح مسلم، رقم الحديث [313]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا، کیا عورت پر احتلام ہونے کی وجہ سے غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، جب وہ منی دیکھے۔''

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

جس عورت کو شہوت کے ساتھ بغیر مجامعت کے احتلام ہو؟

سوال جب عورت کو بغیر جماع کے شہوت کے ساتھ احتلام ہوگیا تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟

جواب جب عورت کی لذت (اور شہوت) کے ساتھ منی خارج ہوتو اس پر غسل کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جب عورت مجامعت کے بعد غسل کر چکے تو اس کی شرمگاہ سے مرد کی منی نکلے تو اس پر کیا دوبارہ غسل کرنا واجب ہے؟

سوال میری بیوی مجامعت کے بعد غسل کرتی ہے اور غسل کے بعد اس کی شرمگاہ سے میری منی ٹپک پڑتی ہے تو وہ کیا کرے؟

جواب وہ کچھ نہ کرے کیونکہ اس کو اپنی منی نکلنے سے غسل کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ اپنے خاوند کی منی نکلنے سے اور پھر یہ کہ اس کے خاوند کی منی، جو اس عورت سے خارج ہورہی ہے، وہ پیشاب کے راستے سے نہیں نکل رہی کہ وہ کہے: یقیناً وہ سبیلین، یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ سے نکلی ہے، لہٰذا ناقض وضو ہے۔ چونکہ وہ پیشاب اور پاخانہ کے دو راستوں سے نہیں نکلی اس لیے اس عورت پر نہ غسل کرنا واجب ہے اور نہ ہی وضو کرنا لیکن یہ اس صورت میں جب اس سے خارج ہونے والی منی اس کے خاوند کی ہے، اگر اس سے نکلنے والی منی اس کی ہے تو پھر اس پر غسل واجب ہے۔ انسان جب اپنی بیوی سے مجامعت کرے اور جنبی ہوجائے، پھر غسلِ جنابت کرے، پھر اگر دوبارہ اس کی منی خارج ہوتو اس پر دوبارہ غسل کرنا واجب ہوگا۔ یہی امام احمد، امام شافعی اور اہل ظاہر رحمہم اللہ کا مذہب ہے کیونکہ صحیح مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے:

«الماء من الماء» [1] ”منی نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔“

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے پیشاب کرنے سے پہلے اور بعد میں نکلنے والی منی کے درمیان فرق کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا:

”اگر اس کی منی غسل کے بعد اور پیشاب کرنے سے پہلے نکلی ہو تو اس پر دوبارہ غسل کرنا واجب ہوگا لیکن اگر اس نے پیشاب کیا، پھر غسل کیا اور غسل کے بعد دوبارہ اس سے منی کا خروج ہوا تو اس پر دوبارہ غسل کرنا واجب نہیں ہوگا۔“

مگر فی الحقیقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مذکورہ توجیہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، جبکہ ظاہر بات یہ ہے کہ یقیناً جو منی خارج ہو رہی ہے، خواہ پیشاب سے پہلے ہو یا اس کے بعد، وہی منی ہے جو جماع کی وجہ سے نکلی ہے۔ یہ اس منی کی طرح نہیں ہے جو مرضِ جریان کی وجہ سے مسلسل نکلتی رہتی ہے اور ایسے مریض پر غسل واجب نہیں ہوتا۔

اسی طرح وہ شخص جس کی منی ٹھنڈک کے سبب سے ٹپکے بغیر نکلے تو اس پر بھی غسل واجب نہیں ہوتا لیکن وہ منی جو اس وقت نکلتی ہے جب مجامعت کرنے والا غسل کر چکا تو ظاہر ہے وہ وہی منی ہے جو اس مجامعت کے سبب سے نکلی ہے۔ اسی لیے امام احمد، امام شافعی اور اہل ظاہر رحمہم اللہ کا یہ مذہب ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، کہ ایسے شخص پر دوبارہ غسل کرنا واجب ہے۔ اگرچہ عورت طبعی طور پر ان احکام میں مرد کے ساتھ شریک ہے لیکن جب عورت غسل کرے، پھر اس سے مرد کی منی نکلے تو اس پر غسل کرنا واجب ہوگا اور نہ ہی وضو کرنا۔ اور جہاں تک غسل کرنے کا تعلق ہے تو عورت کو اپنی منی کے خارج ہونے سے غسل کرنے کا حکم ہے نہ کہ اپنے خاوند کی منی خارج ہونے سے (جو مجامعت کی وجہ سے عورت کی شرمگاہ سے نکل رہی ہے) اور جہاں تک وضو کا تعلق ہے تو اس طرح منی نکلنے سے وضو کے واجب ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عورت سے نکلنے والی مرد کی منی عورت کے پیشاب پاخانہ کے دو راستوں میں سے ایک راستے سے نکلی ہے اور ان دونوں راستوں سے کسی چیز کا نکلنا ناپاکی کا سبب بنتا ہے، لہٰذا مذکورہ عورت ناپاک ہوگئی (اور اس پر غسل واجب ہوگیا)۔

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [343]

تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ عورت سے نکلنے والی منی پیشاب پاخانہ کے دو راستوں کے علاوہ ایک تیسرے راستے سے نکل رہی ہے کیونکہ عورت کے جماع کا راستہ پیشاب والے راستے سے مختلف ہے، اس راستے سے نکلنے کی وجہ سے نجس نہیں ہے اور نہ ہی ناقضِ وضو ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود رحمہ اللہ)

جب عورت اپنے خواب میں کسی مرد کو اپنے سے مجامعت کرتے ہوئے دیکھے تو کیا وہ گنہگار ہوگی؟

سوال جب عورت خواب میں کسی اجنبی مرد سے مجامعت کرے تو اس پر کیا لازم ہے؟

جواب جب مرد اپنی خواب میں دیکھے کہ وہ کسی عورت سے مجامعت کر رہا ہے یا کوئی عورت اپنی خواب میں دیکھے کہ کوئی آدمی اس سے مجامعت کر رہا تو اس مرد اور عورت پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں خواب کی حالت میں غیر مکلف ہیں اور اس طرح کے خوابوں سے بچنا ان کے اختیار میں بھی نہیں ہے۔

اور اس وجہ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت و طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ نیز اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن المجنون حتى يبرأ، وعن الصبي حتى يحتلم »[1]

”تین آدمیوں سے مواخذہ کا قلم اٹھا لیا گیا ہے: ایک وہ سویا ہوا شخص جب تک وہ بیدار نہ ہو اور دوسرا مجنون جب تک اس کا جنون کا دورہ ختم نہ ہو جائے اور تیسرا بچہ جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔“

اس حدیث کو احمد، ابو داود، نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے تو کہا کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرطوں کے مطابق ہے۔ لیکن جس کو اس طرح کا خواب دیکھ کر منی خارج ہو اس پر غسل واجب ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

[1] **صحیح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [4399]

جب کپڑے پر منی دیکھی جائے مگر احتلام یاد نہ ہو؟

سوال جو شخص اپنی نیند سے بیدار ہو اور کپڑے وغیرہ پر تری دیکھے لیکن اسے احتلام یاد نہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اسے احتلام یاد ہو یا نہ ہو جب وہ اپنے کپڑے وغیرہ پر منی کی تری دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جب عورت اپنی شرمگاہ میں انگلی یا لیڈی ڈاکٹر اپنا ہاتھ اس کی شرمگاہ میں ڈالے تو کیا غسل واجب ہوگا؟

سوال جب عورت استنجا کے لیے یا مرہم رکھنے کے لیے یا کسی علاج کی غرض سے گولی رکھنے کے لیے شرمگاہ میں اپنی انگلی داخل کرے یا لیڈی ڈاکٹر امراضِ نسواں کا معائنہ کرنے کے لیے ہاتھ یا معائنہ کرنے کے لیے آلہ عورت کی فرج میں داخل کرے تو کیا عورت پر غسل واجب ہے؟ اگر یہ عمل روزہ کی حالت میں کیا جائے تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر قضا واجب ہوتی ہے؟

جواب مذکورہ صورتوں میں نہ اس پر غسلِ جنابت واجب ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا روزہ فاسد ہوتا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

میاں بیوی کے بوس و کنار کے دوران نکلنے والی عورت کی منی کا حکم:

سوال ایک عورت سوال کرتی ہے کہ جب میرا خاوند مجھ سے بوس و کنار کرتے ہوئے مجھ سے مباشرت کرتا ہے تو کسی قدر جلدی سے میری منی خارج ہونے لگتی ہے اور میں ہر روز یا ایک دن میں کئی مرتبہ غسل کرنے میں تکلیف محسوس کرتی ہوں۔ مجھے اس کا کوئی حل درکار ہے؟

جواب میں کہتا ہوں: اگر یہ منی ٹپک کر جھٹکے سے نکلتی ہے، یعنی جنابت کے ساتھ تو اس مذکورہ عورت کے لیے غسل کرنا واجب ہے۔ اور یہ مشہور ہے کہ بلاشبہ عورت کا پانی یا عورت کی منی، جیسا کہ بعض اہل علم اس کو یہ نام دیتے ہیں، وہی ہے جو شہوت کے وقت ٹپک

کر جھٹکے سے نکلتی ہے جس کے بعد جسم سست پڑ جاتا ہے، اور عورت کی بھی منی ہوتی ہے جیسے کہ مرد کی۔ بخاری و مسلم میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے یہ حدیث موجود ہے:

«أن أم سليم رضي الله عنها قالت: يا رسول الله! إن الله لا يستحي من الحق، فهل على المرأة الغسل إذا احتلمت؟ قال: "نعم، إذا رأت الماء"، فقالت أم سلمة رضي الله عنها: وتحتلم المرأة؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تربت يداك، وبما يشبهها ولدها؟"»[1]

''بلاشبہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یقیناً اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتے (تو ہمیں پوچھنے سے نہیں شرمانا چاہیے) تو کیا عورت پر احتلام ہونے کی صورت میں غسل کرنا واجب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، جب وہ (کپڑے وغیرہ پر) منی دیکھے''، ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں (اگر اس کی منی ہی خارج نہ ہو تو) اس کا بچہ اس کے ساتھ مشابہ کیسے ہو سکتا ہے!''

ثابت یہ ہوا کہ عورت کا بھی پانی ہے جو وہ مرد کی طرح ٹپکاتی ہے۔ اگر یہ نکلنے والا پانی اچھل کر نکلتا ہے تو یہ عورت جنبی ہوگی اور اس پر غسل کرنا واجب ہوگا، اور اگر وہ منی اچھل کر نہیں نکلتی تو وہ مذی ہے تو اس عورت کو مذی نکلنے پر وضو کرنا لازم ہے، جیسے کہ ترمذی میں سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں:

«كنت ألقى من المذي شدة وعناء، وكنت أغتسل منه، فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: "إنما يجزئك من ذلك الوضوء"، فقلت: يا رسول الله! فكيف بما يصيب ثوبي منه؟ قال: "يكفيك أن تأخذ كفا من ماء فتنضح ثوبك بحيث ترى أنه قد أصاب منه»[2]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [130] صحيح مسلم، رقم الحديث [313]

[2] **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [210] سنن الترمذي، رقم الحديث [115]

''میں مذی کی وجہ سے بڑی مشقت کا سامنا کرتا تھا، وہ اس طرح کہ میں مذی کے خروج کی وجہ سے غسل کیا کرتا، میں نے اس بات کا تذکرہ اللہ کے رسول ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مذی نکلنے سے تجھے صرف وضو کرنا ہی کافی ہے''، تو میں نے پھر سوال کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے کپڑوں پر جو مذی لگ جاتی ہے اس کا کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ تو پانی کا ایک چلو لے اور کپڑے کے جس حصے پر مذی لگی ہو اس پر بہا دے۔''

سنن ترمذی ہی کی ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

((أن تأخذ كفا من ماء فتنضح به)) [1]

''کہ تو پانی کا ایک چلو لے کر کپڑے پر چھینٹے مار لے۔''

لیکن جب مذی جسم کو لگ جائے تو جسم کے اس حصے کو دھونا ضروری ہوگا کیونکہ بخاری و مسلم میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے جو وہ علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

((كنت رجلا مذاء، فاستحييت أن أسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم لمكان ابنته عندي، فأمرت المقداد بن الأسود فسأله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "فيه الوضوء")) [2]

''مجھ کو بہت زیادہ مذی آتی تھی تو چونکہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی میرے نکاح میں تھی اس لیے میں نے آپ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھنے میں شرم محسوس کی لہٰذا میں نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس مذی کے خروج پر وضو کرنا لازم ہے۔''

مسند احمد اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يغسل ذكره، ويتوضأ)) [3] ''وہ اپنے آلۂ تناسل کو دھوئے اور وضو کرے۔''

---

[1] **حسن**. سنن الترمذي، رقم الحديث [115]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [132] صحيح مسلم، رقم الحديث [303]

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث [303] مسند أحمد [80/1]

نیز مسند احمد اور ابو داود کی ایک حدیث میں ہے:

«يغسل ذكره وأنثييه، ويتوضأ»[1]

''وہ اپنے آلۂ تناسل اور خصیتین کو دھوئے اور پھر وضو کرے۔''

خصیتین کو دھونے کی حکمت یہ ہے کہ اس سے منی کا خروج منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کافی دیر تک نکلتی رہتی ہے۔

بہر حال اگر تیری منی بغیر شہوت کے اچھلے بغیر نکلتی ہے تو یہ منی نہیں مذی ہے اس سے تُو صرف وضو کر کے پاکی حاصل کر، یعنی اپنے کپڑوں پر چھینٹے مار اور جسم کے جس حصے کو مذی لگی ہو اس کو دھولے۔ رہی وہ رطوبتیں جو عورت سے عادتاً خارج ہوتی رہتی ہیں تو اہل علم کے دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق یہ رطوبتیں نجس نہیں ہیں بلکہ وہ پاک ہیں، اسی موقف کو ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے اور ابو محمد ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

یہ بات تو معلوم و مشہور ہے کہ تمام عورتوں کی اس طرح کی رطوبتیں خارج ہوتی رہتی ہیں، پس یہ مسئلہ ''عموم بلوی'' کی قبیل سے ہوا، یعنی جس میں عام عورتیں ملوث ہیں، تو ثابت یہ ہوا کہ اگر یہ رطوبتیں نجس ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ضرور بیان فرماتے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ رطوبتیں پیشاب و پاخانہ کے دو راستوں میں سے ایک راستے سے نکلنے والی ہیں لہٰذا یہ نجس ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رطوبتیں سبیلین کی بجائے ایک تیسرے راستے سے نکلتی ہیں اور وہ جماع کا راستہ ہے، جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ نیز اس بنیاد پر مناسب یہ ہے کہ یہ رطوبتیں ناقضِ وضو نہ ہوں کیونکہ جن کاموں کے کرنے سے وضو ٹوٹتا ہے وہ اس آیت میں بیان ہوئے ہیں:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ [المائدة: 6]

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [208]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منھ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھو لو) اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو یا کسی سفر پر یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو۔''

جو یہ کام کرے گا وہ باوضو ہوگا، سو جو شخص کسی چیز کے ساتھ اس باوضو آدمی کے وضو کے ٹوٹنے کا دعویٰ کرے گا اسے اس دعویٰ کی دلیل پیش کرنا ہوگی جس میں اس بات کی صراحت ہو کہ مذکورہ چیز ناقضِ وضو ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود رحمہ اللہ)

جب عورت کو جنبی ہونے کا شک گزرے تو وہ کیا کرے؟

سوال ایک عورت کو خواب میں اکثر یہ شک ہوتا رہتا ہے کہ وہ جنبی ہوگئی ہے، حالانکہ اس کے خاوند نے اس کو چھوا تک نہیں ہوتا اور یہ محض اس کا شک ہی ہے۔ بعض اوقات تو جاگتے میں یہ شک ہونے لگتا ہے اور وہ اس مسئلہ میں خاصی پریشان ہے؟

جواب اس مذکورہ عورت پر، جس کو جنبی ہونے کا شک ہوتا رہتا ہے، محض شک کی بنیاد پر غسل کرنا واجب نہیں ہوتا کیونکہ حقیقت میں تو وہ جنبی نہیں ہے، نیز شرعی قاعدہ ہے ''براءت ذمہ''، اس کی بنیاد پر بھی اس پر غسل کرنا واجب نہیں ہوتا۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

غسلِ جنابت، غسلِ حیض اور نفاس کو طلوعِ فجر تک مؤخر کرنے کا حکم:

سوال کیا طلوعِ فجر تک غسلِ جنابت کو مؤخر کرنا جائز ہے؟ کیا عورت کے لیے طلوعِ فجر تک غسلِ حیض یا غسلِ نفاس مؤخر کرنا جائز ہے؟

جواب جب طلوعِ فجر سے پہلے عورت کا خونِ حیض یا نفاس بند ہو جائے تو اس پر روزہ رکھنا لازم وضروری ہو جائے گا، اور طلوعِ فجر تک غسل کو مؤخر کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے لیکن سورج طلوع ہونے تک غسل کو مؤخر کرنا جائز نہیں، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے غسل کر لے اور نماز پڑھ لے۔ اسی طرح جنبی (مرد و عورت) کے لیے سورج طلوع ہونے کے بعد تک غسل کو مؤخر کرنا جائز نہیں،

بلکہ واجب یہ ہے وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے غسل کر کے نماز پڑھ لے۔ اور مرد کے لیے لازم ہے کہ وہ جلدی غسل کرے تاکہ وہ فجر کی نماز باجماعت ادا کر سکے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

جنبی کا بغیر وضو کیے سونے کا حکم:

سوال کیا جنبی وضو کیے بغیر سو سکتا ہے؟

جواب اگر وہ وضو کیے بغیر سو جائے تو اس پر گناہ تو نہیں لیکن افضل و بہتر یہ ہے کہ وہ سونے سے پہلے وضو کر لے کیونکہ نبی ﷺ نے وضو کیا بھی ہے اور وضو کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

کیا جنابت کی حالت میں بچے کو دودھ پلانے والی عورت گنہگار ہوگی؟ نیز کیا بچے پر اس کا کوئی بوجھ ہوگا؟

سوال جب جنابت کی حالت میں عورت اپنے بچے کو دودھ پلائے تو کیا اس پر اور اس کے بچے پر کوئی بوجھ اور گناہ ہوگا؟

جواب اس بات پر اجماع ہے کہ عورت اور اس کے بچے پر کوئی بوجھ اور گناہ نہیں ہے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود رحمہ اللہ)

غسلِ جمعہ کا حکم:

سوال جمعہ کے دن غسل کا کیا حکم ہے؟

جواب اس مسئلہ میں دو طرح کی احادیث ہیں: پہلی وہ جو جمعہ کے دن کے غسل کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں اور دوسری وہ احادیث جو اس غسل کی فضیلت پر دلالت کرتی اور وجوب کی نفی ظاہر کرتی ہیں۔

غسلِ جمعہ کے وجوب پر دلالت کرنے والی بہت سی صحیح احادیث میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم»❶

''جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔''

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«من أتى الجمعة فليغتسل»❷

''جو جمعہ میں حاضر ہونے کا ارادہ کرے وہ غسل کرے۔''

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«حق على كل مسلم أن يغتسل في كل سبعة أيام»❸

''ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ ہفتہ وار غسل کرے۔''

مذکورہ بالا یہ احادیث تو غسلِ جمعہ کے وجوب کو بتلاتی ہیں لیکن وہ احادیث جو غسلِ جمعہ کے افضل اور بہتر ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

وہ مشہور حدیث جو سنن اور مسانید میں موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت، ومن اغتسل فالغسل أفضل»❹

''جمعہ کے دن جس نے وضو کیا اس نے اچھا اور بہتر کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل اور بہتر ہے۔''

لہٰذا علماء نے آپ ﷺ کے ان الفاظ «فالغسل أفضل» سے یہ استدلال کیا ہے کہ بلاشبہ غسلِ جمعہ واجب نہیں ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث غسلِ جمعہ کے عدمِ وجوب پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ جمعہ کے دن کے غسل کا افضل ہونا مطلق غسل پر صادق آتا ہے، خواہ وہ مستحب ہو، سنت مؤکدہ ہو یا واجب اور ضروری ہو۔ یہ تمام غسل آپ ﷺ کے اس فرمان کے تحت آجاتے ہیں: «ومن اغتسل فالغسل أفضل» ''اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے''، بلکہ جب ہم کہیں: غسلِ جمعہ واجب ہے تو یہ افضلیت اس

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [820] صحيح مسلم، رقم الحديث [846]

❷ **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [492]

❸ صحيح البخاري، رقم الحديث [856]

❹ **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [354] سنن الترمذي، رقم الحديث [497]

میں زیادہ مؤکد اور محقق ہوگی بہ نسبت اس کے کہ وہ کہیں کہ یہ مستحب ہے۔

اور اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ غسلِ جمعہ کی افضلیت والی حدیث نبی ﷺ کے غسلِ جمعہ کے تاکیدی حکم سے پہلے کی ہے اور اس غسلِ جمعہ کو بتدریج واجب قرار دینا اسی طرح ہے جیسا کہ بعض احکامِ شرعیہ کو بتدریج مشروع قرار دینے میں ملاحظہ کیا گیا ہے۔

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مادی وسائل کی کمی کے اعتبار سے بہت مشکل حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ پانی، جو ان کی صفائی ستھرائی میں معاون تھا، اس کی بہت کمی تھی اور اُن کو اِن حالات میں فوراً غسلِ جمعہ کے وجوب کا حکم دینا ان کے حق میں بلاشبہ مشکل حکم ہوتا۔

• اس کی تائید عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی بعض احادیث میں آنے والے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:

«أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل المسجد يوم الجمعة، فوجد منهم رائحة الثياب التي تعرقت، فقال لهم: "لو أنكم اغتسلتم يوم الجمعة؟"»[1]

''بلاشبہ نبی ﷺ جمعہ کے دن مسجد میں تشریف لائے تو ان کے پسینے سے شرابور کپڑوں سے بدبو محسوس کی تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا: ''اگر تم جمعہ کے دن غسل کیا کرو (تو بہتر ہے)۔''

تو یہ غسلِ جمعہ کو واجب قرار دینے کی تمہیدی ابتدا تھی، پھر اس کے بعد کی وہ احادیث ہیں جو ہم نے ابھی ذکر کی ہیں جن میں غسلِ جمعہ کے واجب ہونے کا حکم دیا گیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی ان احادیث کا یہی مفہوم سمجھا ہے۔ وہ ایک جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔ ایک روایت کے مطابق وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دینا روک دیا تا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دیر سے آنے کا سبب دریافت کریں تو عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے تو بس اذان سنتے ہی وضو کیا

---

[1] دیکھیں: صحیح البخاري، رقم الحدیث [861] صحیح مسلم، رقم الحدیث [847]

اور چلا آیا، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اچھا تو تُو نے صرف وضو پر ہی اکتفا کیا جبکہ تُو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

«من أتى الجمعة فليغتسل» ❶ ''جو شخص جمعہ کو آئے وہ غسل کرے۔''

تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا لوگوں کی موجودگی میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ترکِ غسل والے عمل کا انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ غسلِ جمعہ محض فضیلت والے اعمال میں سے ہے اور اس کو چھوڑنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے گی۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ میں یہ دلیل ہرگز نہیں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس دن اس سے پہلے غسل نہیں کیا تھا اور یہ بھی صحیح ہے لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل سے جو بات سمجھی، جب عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ما كان إلا أن سمعت الأذان و توضأت" ❷

''میں نے اذان سنتے ہی وضو کیا۔''

وہ یہی ہے کہ یقیناً عثمان رضی اللہ عنہ نے اس دن غسل نہیں کیا تھا لیکن کیا اس واقعہ میں دو فریقوں میں سے ایک فریق کی دلیل نہیں؟ دو فریقوں سے مراد وہ جو غسلِ جمعہ کے وجوب کے قائل ہیں اور جو اس کے وجوب کے قائل نہیں بلکہ اس کی افضلیت کے قائل ہیں، کیوں نہیں! اس واقعہ میں عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قول سے جو بات فوراً سمجھی اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ترکِ غسل والے عمل کا انکار کیا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ غسلِ جمعہ واجب ہے۔ اور اس بات سے بھی خبردار رہنا چاہیے کہ غسلِ جمعہ نمازِ جمعہ کی صحت کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں ہے بلکہ وہ تو جمعہ کے لیے آنے والے شخص کے آداب میں سے صرف ایک واجب ادب ہے۔

تحقیق کا ایک نیا انداز:

پیچھے بیان کردہ تین احادیث جن سے غسل جمعہ کا وجوب سمجھ میں آتا ہے، یہ وہ

❶ صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [492]

❷ شرح معاني الآثار [117/1]

احادیث ہیں جن کی صحت پر بخاری ومسلم کا اتفاق ہے جبکہ وہ حدیث جس سے غسلِ جمعہ کی افضلیت مفہوم ہوتی ہے اور عدمِ وجوب مفہوم ہوتا ہے ہم اس کی ایک بھی صحیح سند پانے میں کامیاب نہیں ہوئے، بس اتنی بات ہے کہ ہم نے اس حدیث کو ضعیف کے درجے سے اٹھا کر صحت کے درجے میں پہنچانے کے لیے تعددِ طرق کا سہارا لیا ہے۔

ایک فقہی فائدہ:

ہمیشہ زائد چیز کو لے لیا جائے گا، احکامِ شریعت میں زائد بات حجت و قاعدہ ہے، مثال کے طور پر جب کوئی دلیل کسی کام کے جواز پر دلالت کرتی ہو، پھر ایک اور دلیل مل جائے جو اس کام کے مستحب اور افضل ہونے پر دلالت کرے تو ہم پہلی دلیل میں موجود جواز پر ہی کاربند نہیں رہیں گے بلکہ ہم اس کے جواز کے ساتھ دوسری دلیل کی وجہ سے استحباب کو بھی ملا لیں گے کیونکہ کسی چیز کا مستحب ہونا اس کے جواز کے منافی تو نہیں ہے۔

ایک اور مثال: جب ایک حدیث کسی چیز کو مباح اور جائز قرار دیتی ہو اور ایک دوسری حدیث اس چیز کو حرام بتلاتی ہو اور ہم کو دونوں حدیثوں میں سے کسی کے مؤخر ہونے کی تاریخ کا بھی علم نہیں تو اس کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ جب منع کرنے والی اور اجازت دینے والی دو دلیلوں کا آپس میں تعارض ہوجائے تو روکنے اور منع کرنے والی دلیل کو جائز کرنے والی دلیل پر مقدم کیا جائے گا۔

ایک ضعیف سند والی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إن الله فرض فرائض فلا تضيعوها، وحدد حدودا فلا تعتدوها، وسكت عن أشياء رحمة بكم فلا تسألوا عنها »[1]

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزیں فرض قرار دی ہیں، ان کو بجا لاؤ، ضائع نہیں کرو، اور بہت سی حدیں مقرر کی ہیں، ان سے آگے نہیں بڑھو، اور کئی چیزوں سے تم پر شفقت کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی ہے، ان کے متعلق کرید نہیں کرو۔''

[1] ضعيف. سنن الدارقطني [183/4]

تو اسلام کے ابتدائی ایام میں جن احکام پر خاموشی اختیار کی گئی تو ان پر خاموشی ہی رہی اور ان میں اباحت اور جواز موجود رہا، جیسے کہ شراب ہے اور جب ان چیزوں کو حرام کرنے والے احکام نازل ہوئے تو علماء نے ان کو بنیاد بنالیا۔

جب ہم اس قاعدہ کو غسلِ جمعہ والے مسئلہ پر لاگو کرتے ہیں تو درج ذیل صورتِ حال سامنے آتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

«لو أنكم اغتسلتم» ''اگر تم غسل کرو (تو یہ بہترین ہے)''

اس حدیث سے غسلِ جمعہ پر ابھارا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے جمعہ کے دن کا غسل ایک عام غسل تھا جو آدمی اپنی صفائی ستھرائی کے لیے کرتا ہے۔ ایسے ہی یہ حدیث ہے:

«و من اغتسل فالغسل أفضل»

''اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل و بہترین ہے۔''

تو اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جمعہ کے دن صرف وضو پر اکتفا کرنے سے غسل کرنا افضل ہے، پھر اس کے بعد وہ احادیث ہیں جن میں غسلِ جمعہ کے وجوب کا حکم ہے، جیسے کہ یہ الفاظ «فليغتسل» ''وہ غسل کرے''، «حق» ''(غسلِ جمعہ) حق ہے''، «واجب» ''(غسلِ جمعہ) واجب ہے''، ظاہر کرتے ہیں کہ غسلِ جمعہ کے وجوب پر دلالت کرنے والے یہ الفاظ غسلِ جمعہ کو مستحب اور افضل قرار دینے والے حدیث کے الفاظ پر زائد حکم ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ''شرح النخبة'' نامی ایک معروف رسالہ ہے جس میں وہ یوں رقمطراز ہیں:

> جب مقبول کی دو قسموں: حسن اور صحیح میں سے کوئی دو حدیثیں باہم متعارض ہوں تو اس تعارض کو دور کرنے کے لیے ہم درج ذیل طریق کار کو اختیار کریں گے:
>
> اولاً: ہم تطبیق کے قاعدوں میں سے کسی قاعدے کی مدد سے ان دو متعارض حدیثوں میں تطبیق اور موافقت پیدا کریں گے اور باہم متعارض احادیث میں تطبیق دینے

کے قاعدے ایک سو سے متجاوز ہیں۔

ثانیاً: جب ان دو متعارض حدیثوں میں تطبیق کے قاعدوں میں سے کسی قاعدے کے ذریعہ تطبیق ممکن نظر نہ آئے تو ہم ناسخ اور منسوخ کی طرف رجوع کریں گے، پہلے کی حدیث کو منسوخ اور بعد والی کو ناسخ قرار دیں گے۔

ثالثاً: جب تلاش کرنے والے کو ناسخ و منسوخ کا بھی علم نہ ہو سکے تو ان کے ثبوت کے اعتبار سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی، مثلاً ان دو متعارض حدیثوں میں سے ایک حسن اور دوسری صحیح ہو۔ ان میں تطبیق ممکن نہیں ہوئی اور نہ ہی ناسخ و منسوخ کا پتا چل سکا تو اس وقت صحیح حدیث کو حسن حدیث پر ترجیح دے دی جائے گی۔ اسی طرح جب ان میں سے ایک حدیث صحیح غریب ہو اور دوسری صحیح مستفیض یا مشہور ہو تو صحیح مستفیض یا مشہور حدیث کو صحیح غریب حدیث پر ترجیح دی جائے گی۔

رابعاً: اور جب وہ دونوں حدیثیں صحتِ ثبوت میں برابر ہوں اور ایک کو دوسری پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو تو ان دونوں پر فی الوقت عمل کرنا موقوف قرار دیا جائے گا۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے:

﴿ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: 43]

''اگر تمھیں علم نہیں تو اہلِ علم سے سوال کرلو۔'' (فضیلۃ الشیخ الألبانی رحمہ اللہ)

کیا غسلِ جمعہ غسلِ جنابت سے کفایت کر جائے گا؟

سوال کیا غسلِ جمعہ غسلِ جنابت سے کفایت کر جائے گا؟

جواب جی ہاں، غسلِ جمعہ کے وجوب کے قول پر بھی غسلِ جنابت غسلِ جمعہ سے کفایت کر جائے گا کیونکہ غسلِ جمعہ میں حکمت صفائی ستھرائی ہے اور یہی ان دونوں غسلوں میں علت مشترکہ ہے۔ (فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

کیا غسلِ جنابت، غسلِ جمعہ، غسلِ حیض اور غسلِ نفاس سے کافی ہوگا؟

سوال کیا غسلِ جنابت غسلِ جمعہ، غسلِ حیض اور غسلِ نفاس سے کفایت کر جائے گا؟

جواب جس شخص پر ایک سے زیادہ غسل واجب ہوں تو ان تمام کی طرف سے ایک ہی غسل کفایت کر جائے گا، نبی ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے:

« إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرأى مانوى »❶

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی ہو۔''

نیز اس وجہ سے کہ جمعہ کے دن غسل کرنے کا مقصد غسلِ جنابت کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ غسلِ جنابت جمعہ کے دن ہو۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کے غسلِ جنابت اور غسلِ حیض میں فرق:

سوال عورت کے جنابت اور حیض کے غسل کے طریقے میں کیا فرق ہے؟

جواب غسلِ جنابت اور غسلِ حیض میں کوئی فرق نہیں، البتہ غسلِ حیض میں وہ حیض کے خون کو خوب مل کر اور کھرچ کر صاف کرے گی اور ہر دو غسلوں میں بالوں کی چوٹیاں بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ نہیں تو وہ ان کو کھول لے اور جب پانی جڑوں تک پہنچ جائے تو ان کو کھولنے کی ضرورت نہیں۔

(فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی ﷫)

عورت رات کو سوئی تو جنبی، صبح اٹھی تو حائضہ، کیا اس پر غسلِ جنابت واجب ہے؟ نیز حائضہ سے خاوند نے مجامعت کی، اس کی منی خارج ہوگئی، کیا اس پر غسلِ جنابت لازمی ہے؟ نیز حائضہ کے قرآن کو چھونے کا کیا حکم ہے؟:

سوال ایک عورت جب رات کو سوئی تھی تو جنبی تھی اور جب صبح کو اٹھی تو حائضہ بھی تھی تو کیا اس پر جنابت کا غسل کرنا لازم ہے؟ اور جب وہ عورت حائضہ تھی اور اس کے خاوند نے اس سے مباشرت کی حتی کہ عورت کی منی خارج ہوگئی تو کیا ایسی صورت میں بھی عورت پر غسل کرنا ضروری ہے؟ اور کیا حائضہ عورت کے لیے قرآن کو چھونا جائز ہے؟

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [1]

جواب بعض اہل علم نے حائضہ عورت کو غلاف کے ساتھ قرآن کو چھونے کی اجازت دی ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور شوافع کا ایک طبقہ بھی ان میں سے ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا ذکر ان علماء میں ابن قدامہ رحمہ اللہ نے کیا اور امام نووی رحمہ اللہ نے مجموع میں امام شافعی رحمہ اللہ کا تذکرہ کیا ہے۔ جبکہ ابن حزم رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ عورت کے لیے غلاف کے ساتھ اور اس کے بغیر قرآن کے چھونے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان اہل علم نے جنابت کی حالت میں غلاف کے ساتھ بھی قرآن مجید کو چھونے سے منع کیا ہے کیونکہ جنبی آدمی تو جنابت کے ازالے کی طاقت رکھتے ہیں جبکہ حائضہ عورت اس کے ازالے کی طاقت نہیں رکھتی۔ جب ایک عورت میں حیض اور جنابت جمع ہوجائیں تو امام مالک رحمہ اللہ اور ان شوافع کے نزدیک وہ غسلِ جنابت کیے بغیر غلاف کے ساتھ بھی قرآن کو نہیں چھوسکتی، اس کے لیے حیض کی حالت میں جنابت کا غسل کرنا جائز ہے اور اس غسل سے اس کی جنابت کا ازالہ ہوجائے گا۔ ویسے اس پر غسل کرنا واجب نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ حیض کی حالت میں قرآن کی تلاوت کا ارادہ رکھتی ہو تو اس پر جنابت کے ازالے کی نیت سے غسل کرنا واجب ہے۔ اگر اس نے ازالۂ جنابت کی نیت سے غسل نہ کیا حتی کہ اس کا حیض بند ہوگیا تو اس پر صرف ایک ہی غسل واجب ہے۔

اور اہل علم کے ایک گروہ کے نزدیک دو غسل واجب ہیں۔ ایک حیض کا اور دوسرا جنابت کا۔ اور اگر وہ جمعہ کے دن حیض سے فارغ ہوئی اور وہ نمازِ جمعہ کے لیے جانے کا ارادہ رکھتی ہے تو اس پر، غسلِ جمعہ کے وجوب کے موقف کے مطابق، تین غسل کرنے لازمی ہوں گے:

1. غسلِ حیض۔ 2. غسلِ جنابت۔ 3. غسلِ جمعہ۔

بخاری و مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے:

«غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم، والسواك، وأن یمس من الطیب ما یقدر علیه»[1]

---

[1] صحیح. سنن النسائي، رقم الحدیث [1383]

''ہر بالغ پر جمعہ کے دن غسل کرنا، مسواک کرنا اور حسبِ قدرت خوشبو استعمال کرنا واجب ہے۔'' (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود رحمہ اللہ)

ایامِ حیض میں مہندی کے استعمال سے غسلِ حیض کی صحت پر اثر انداز ہونے کا حکم:

سوال کیا ایامِ حیض میں مہندی کا استعمال غسلِ حیض کی صحت پر اثر انداز ہوتا ہے؟

جواب مہندی کا استعمال غسلِ حیض اور وضو کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کثافت ہوتی ہے اور نہ ہی گاڑھا پن جو کہ پانی کو چمڑے تک پہنچنے سے روکے، اور اگر مہندی کا وجود باقی رہے تو غسل سے پہلے اس کا ازالہ کرنا واجب ہے تاکہ وہ پانی کو چمڑے تک پہنچنے سے نہ روکے۔'' (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جب میاں بیوی مجامعت کے بعد غسل سے پہلے کسی چیز کو چھوئیں تو کیا وہ نجس ہوجاتی ہے؟

سوال جب مرد اور عورت جماع کریں تو کیا ان دونوں کے لیے غسل سے پہلے کسی چیز کو چھونا جائز ہے اور جب وہ کسی چیز کو چھوئیں تو کیا وہ نجس و پلید ہوجاتی ہے؟

جواب جنبی کے لیے جائز ہے کہ وہ غسل سے پہلے کپڑے، برتن، ہنڈیاں اور اس طرح کی دیگر چیزوں کو چھوئے، خواہ وہ جنبی مرد ہو یا عورت، کیونکہ وہ بذاتِ خود ناپاک نہیں ہے اور نہ ہی اس کے چھونے سے کوئی چیز ناپاک ہوتی ہے۔ اسی طرح حائضہ اور نفاس والی عورت حیض و نفاس کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوتی بلکہ اس کا بدن اور پسینہ پاک ہے، اسی طرح اس کے چھونے سے کوئی چیز پلید نہیں ہوتی۔ ناپاک تو صرف وہ خون ہے جو ان دونوں سے خارج ہوتا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

تیمّم کا بیان

کیا تیمّم مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے مشروع ہے؟

سوال کیا نماز کے لیے پانی میسر نہ ہونے کی صورت میں تیمّم مردوں کی طرح عورتوں پر

بھی لازم ہے؟ یا یہ صرف مردوں کے لیے خاص ہے، عورتوں کے لیے نہیں؟

جواب احکامِ شرعیہ میں اصل یہ ہے کہ وہ عموماً تمام مردوں اور عورتوں کے لیے ہیں، الا یہ کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے استثنا کی دلیل موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ... الخ﴾ [المائدة: 6]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو...''

آیت مذکورہ میں تیمّم کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے عام ہے اور وہ سب اس حکم میں برابر ہیں، لہٰذا تیمّم مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی مشروع ہے، اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

کیا عمر رسیدہ عورت، جس پر وضو کرنا مشکل ہو، تیمّم کر سکتی ہے؟

سوال میری والدہ معذور اور عمر رسیدہ ہے اور ہمارا علاقہ سرد ہے جس کی وجہ سے وہ وضو کرنے سے قاصر ہے، خاص طور پر فجر کی نماز کے لیے، تو کیا ان کے لیے تیمّم کرنا جائز ہے؟ جب وہ تیمّم کر کے نماز ادا کرتی ہے تو اپنی نماز کو ناقص سمجھتے ہوئے سورج طلوع ہونے کے بعد نماز کو دھراتی ہے۔

جواب سردیوں میں اگر پانی گرم کرنے کی سہولیت میسر ہو تو طہارت کے لیے پانی استعمال کرنا واجب ہے ایسی حالت میں تیمّم کرنا جائز نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

کیا ایسی بیمار عورت جو پورا غسل کرنے سے معذور ہے، بعض جسم کا غسل اور بعض متاثرہ حصوں پر تیمّم کر سکتی ہے؟

سوال ایک عورت کی آنکھوں میں مرض ہے، اس کا جسم چربی کی وجہ سے موٹا ہے اور وہ غسل کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ اس کا خاوند اس کو پاک نہیں رہنے دیتا جبکہ وہ نماز بھی پڑھنا چاہتی ہے تو کیا وہ اپنے جسم کے بعض حصے کا غسل اور اپنے سر پر تیمّم کر سکتی ہے؟

جواب جی ہاں، جب وہ ٹھنڈے اور گرم پانی سے غسل کرنے کی قدرت نہیں رکھتی تو جمہور علماء کے نزدیک اس پر لازم ہے کہ وہ تیمّم کر کے بروقت نماز ادا کرے، جبکہ امام

شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ بدن کے ممکنہ حصے کا غسل اور باقی حصے پر تیمّم کر لے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ جسم کا اکثر حصہ دھو سکتی ہے تو وہ تیمّم نہیں کرے گی اور اگر اس کے لیے جسم کا کم حصہ ہی دھونا ممکن ہے تو اس پر غسل واجب نہیں ہے۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

ایک تیمّم کے ساتھ بے وضو ہونے تک فرائض اور نوافل ادا کرنے کا حکم:

سوال کیا کسی کے لیے ایک تیمّم کے ساتھ بے وضو ہونے تک فرائض و نوافل ادا کرنے جائز ہیں کہ نہیں؟

جواب جی ہاں، علماء کے مشہور قول کے مطابق تیمّم کے ساتھ اسی طرح نماز پڑھ سکتا ہے جس طرح وضو کے ساتھ، چنانچہ وہ تیمّم کے ساتھ فرض نماز بھی پڑھے اور نفل بھی، اور دوسری نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے دوبارہ تیمّم کرے یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، نیز امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت اسی کی تائید میں مروی ہے۔ یاد رہے کہ جو چیز وضو کو توڑتی ہے وہ تیمّم کو توڑ دیتی ہے، نیز پانی کے استعمال پر قدرت کا حاصل ہو جانا بھی تیمّم کو توڑ دیتا ہے۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

كتاب الحيض
تيسرا باب

حیض کی مدت

کیا حیض کی کم از کم اور اکثر مدت دنوں کی تعیین کے ساتھ ثابت ہے؟

سوال کیا حیض کی کم از کم اور اکثر مدت دنوں کی تحدید کے ساتھ ثابت ہے؟

جواب صحیح قول کے مطابق حیض کی اقل اور اکثر مدت دنوں کی تحدید کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ [البقرۃ: 222]

''اور تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے: وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حائضہ عورت سے الگ رہنے کی معلوم ایام کے ساتھ مدت مقرر نہیں فرمائی بلکہ اس کے حیض سے پاک ہونے کو الگ رہنے کی غایت قرار دیا ہے۔ تو اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ حائضہ سے الگ تھلگ رہنے کے حکم کی علت خونِ حیض کا ہونا اور نہ ہونا ہے، پس جب خونِ حیض پایا گیا تو حیض کا حکم باقی رہا اور جب عورت اس سے پاک ہوگئی تو حیض کے احکام ختم ہوگئے۔ پھر اس تحدید کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے جبکہ ضرورت اس کے بیان کا تقاضا کرتی ہے، پس اگر مدتِ حیض کی تعیین عورت کی عمر یا کسی محدود وقت کے ذریعہ شرعی طور پر ثابت ہوتی تو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ میں اس کا بیان ضرور موجود ہوتا، لہٰذا اِس بنا پر عورت جو بھی خون دیکھے، جو عورتوں کے حیض کا خون سمجھا جاتا ہے، تو وہ بلا تحدیدِ وقت حیض ہی کا خون ہوگا، الا یہ کہ عورت کو یہ خون برابر جاری رہتا ہے اور کبھی منقطع نہیں ہوتا یا پورے مہینے میں مختصر مدت ایک، دو دن کے لیے منقطع ہو جاتا ہے تو اس کو استحاضہ کا خون سمجھا جائے گا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب ستر سال کی عمر کے بعد خون (حیض) پایا جائے؟

سوال جب عورت ستر سال کی ہو جائے اور اس کا خون اپنی (سابقہ) صفت پر جاری ہو تو کیا وہ (نماز روزے سے) بیٹھی رہے گی؟

جواب جو عورت ستر سال کی ہوگئی اور ان کا خون اپنی حالت پر بغیر کسی تبدیلی کے جاری رہے تو وہ اس کے دوران (نماز روزے سے) بیٹھی رہے گی کیونکہ درست بات یہ ہے کہ حیض کی اقل یا اکثر عمر ثابت نہیں، لہٰذا ہر لحاظ سے اس خون کا حکم حیض والا حکم ہی ہوگا۔ (سماحۃ الشیخ عبدالرحمٰن السعدی رحمہ اللہ)

ایک عورت کو پچاس سال کی عمر ہونے پر بھی معروف صفت کے مطابق حیض آتا رہتا ہے:

سوال ایک عورت پچاس سال کی عمر سے آگے گزر چکی ہے، اس کو معروف صفت پر خون (حیض) آتا رہتا ہے اور اسی عمر کی ایک دوسری عورت کو غیر معروف صفت پر خون آتا ہے، یعنی زردی مائل مٹیالے رنگ کا خون آتا ہے تو ان دونوں عورتوں کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب جس عورت کو حیض کی معروف صفت پر خون آتا ہے تو راجح قول کے مطابق اس کا خون تو حیض کا خون ہوگا کیونکہ حیض کی اکثر عمر معلوم نہیں ہے، لہٰذا اِس کے خون پر خونِ حیض کے معروف احکام جاری ہوں گے، یعنی وہ نماز، روزہ اور جماع سے پرہیز کرے گی اور اس پر (حیض بند ہونے کے بعد) غسل کرنا اور روزوں کی قضا دینا اور دوسرے احکام کی بجا آوری لازم ہوگی۔

رہی دوسری عورت جسے زردی مائل مٹیالے رنگ کا خون آتا ہے تو اگر وہ خون اس کو ایامِ عادت میں جاری ہوتا ہے تو وہ حیض ہے، اور اگر وہ خون ایامِ عادت کے علاوہ دنوں میں آتا ہے تو وہ حیض نہیں ہے، اور اگر اس کا خون حیض کا معروف خون ہے لیکن اس میں کچھ تقدیم و تاخیر ہو جاتی ہے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا بلکہ وہ خونِ حیض کے دنوں میں (ادائیگی نماز روزہ وغیرہ سے) بیٹھی رہے گی اور جب وہ بند ہو جائے گا تو وہ غسل

کرے گی۔ یہ ساری باتیں اس صحیح قول کی بنیاد پر ہیں کہ حیض آتے رہنے کی عمر محدود اور متعین نہیں ہے۔ جہاں تک حنبلی مذہب کے مشہور قول کا تعلق ہے تو اس کے مطابق پچاس سال کی عمر سے تجاوز کرنے کے بعد آنے والا خون حیض کا خون نہیں سمجھا جائے گا اگرچہ وہ سیاہ اور عادت کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ اس قول کے مطابق وہ عورت روزہ بھی رکھے گی اور نماز بھی پڑھے گی اور خونِ حیض بند ہونے کے بعد اس پر غسل بھی واجب نہیں ہوگا لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

خونِ حیض کی صفت

وہ عورت جس کا ماہِ رمضان میں ماہواری خون رک گیا اور پھر وقفے سے جاری ہوا؟

سوال ایک عورت نے ماہِ رمضان میں ماہواری خون روک لیا اور اس کے ایامِ عادت کے چند دنوں کے بعد رک رک کر خون آنے لگا مگر وہ اس کے ماہواری خون کی طرح نہ تھا، وہ اب غسل کر کے روزہ رکھتی ہے اور نماز پڑھتی ہے۔ کیا اس کی نماز اور روزہ درست ہے؟ اگر اس کا روزہ اور نماز درست نہیں تو اس پر کیا لازم ہے؟

جواب اگر نکلنے والا خون حیض کا خون ہو، جس کو وہ اس کے رنگ، بو اور حرارت و تکالیف کی وجہ سے پہچانتی ہو تو وہ حیض کا خون ہوگا، اگرچہ گزشتہ حیض اور اس طہر کے درمیان کی مدت قلیل ہو، اور اگر اس خون پر حیض کے اوصاف صادق نہیں آتے تو وہ استحاضہ کا خون ہوگا جو نماز اور روزے سے مانع نہیں ہوتا۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ بلاشبہ خونِ حیض کی تین نشانیاں ہیں:

1. خونِ حیض بدبودار ہوتا ہے۔
2. اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔
3. اور وہ گاڑھا ہوتا ہے۔

اور بعض معاصرین نے ایک چوتھی نشانی بھی بیان کی ہے کہ حیض کا خون منجمد نہیں ہوتا جبکہ حیض کے خون کے علاوہ دوسرا خون جم جاتا ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب حائضہ کے ایام عادت میں تقدیم و تاخیر اور زیادتی و نقص کی وجہ سے گڑ بڑ ہو جائے؟

سوال جب عورت کی ماہواری میں تقدیم و تاخیر اور کمی و زیادتی کی وجہ سے گڑ بڑ ہو جائے تو وہ کیا کرے؟

جواب اس سلسلہ میں جو علمائے حنابلہ نے ذکر کیا ہے کہ عورت اپنے ایام کو دوبارہ خون آنے تک موکد نہ سمجھے۔ یہ درست نہیں ہے، لوگوں کا ہمیشہ اس صحیح قول پر عمل رہا ہے جس کا ذکر صاحب ''الانصاف'' نے کیا۔ اور عورتوں کے لیے اس پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور وہ یہ ہے کہ جب عورت خون دیکھے تو وہ نماز اور روزہ سے رک جائے اور جب واضح طہارت دیکھے تو غسل کر کے نماز پڑھے۔ چاہے اس کا خون عادت کے ایام سے پہلے آئے یا بعد میں آئے۔ اور چاہے زیادہ مقدار میں زیادہ ایام تک آئے۔

مثلاً ایک عورت کی عادت پانچ دن خون آنے کی ہے، وہ اگر سات دن تک خون دیکھے تو وہ سات دن ہی حیض شمار کرے اور اگلے ماہ سات دن خون آنے کا انتظار نہ کرے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیویوں کا عمل اسی پر رہا اور ان کے بعد تابعین کا حتی کہ جن مشائخ سے ہماری ملاقات ہوئی وہ بھی اس کا فتویٰ دیتے تھے، اس لیے کہ حیض کا خون اور اس کی مدت معلوم کرنے کے لیے تین مہینوں تک خون آنے کا انتظار کرنے والا قول بلا دلیل ہے بلکہ خلافِ دلیل ہے، نیز صحیح قول میں حیض کی عمر بھی متعین نہیں ہے، چاہے عورت نو سال سے کم عمر کی ہو یا پچاس سال سے تجاوز کر گئی ہو، جب بھی اس کو خون آئے اور جب تک آتا رہے وہ ان ایام میں حائضہ شمار ہو کر (نماز روزہ سے) بیٹھے رہے گی کیونکہ یہی اصل ہے اور استحاضہ عارضی چیز ہے۔ (فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن السعدی رحمہ اللہ)

جب عورت کو ایام عادت سے زائد خونِ حیض آئے؟

سوال ایک عورت کو چھ دن حیض آتا تھا، پھر اس کے ایامِ عادت میں اضافہ ہو گیا۔ وہ کیا کرے؟

جواب اس عورت کی عادت اگر چھ دن کی ہے، پھر یہ مدت طویل ہو کر نو یا دس یا گیارہ دن ہو گئی تو یہ عورت پاک ہونے تک نماز ادا نہیں کرے گی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کی حد متعین نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى﴾ [البقرة: 222]

''اور وہ تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے: وہ ایک طرح کی گندگی ہے۔''

جب تک یہ خون باقی رہے گا تو عورت اپنی حالتِ حیض پر باقی رہے گی یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے اور غسل کر لے، پھر وہ نماز ادا کرے گی۔ پھر اگر آئندہ ماہ گزشتہ ماہ سے کم حیض آئے تو جب وہ پاک ہوگی تو غسل کر لے گی اگرچہ اس کو گزشتہ ایامِ حیض سے پہلے ہی پاکی حاصل ہوجائے۔ لہٰذا اصل بات یہ ہے کہ عورت کو جب تک حیض جاری رہے وہ نماز نہ پڑھے، خواہ اس کا حیض سابقہ عادت کے مطابق ہو یا اس سے زائد یا کم ہو، اور جب وہ پاک ہوجائے تو نماز پڑھنی شروع کر دے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

غسلِ حیض کے بعد نکلنے والے خون کا حکم:

سوال میں دیکھتی ہوں کہ عادتِ شہریہ سے غسل اور ایام عادت پانچ دن حیض کے گزارنے کے بعد بعض اوقات مجھے انتہائی تھوڑی مقدار میں خون آ جاتا ہے، ایسا غسل کے متصل بعد ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد کچھ نہیں آتا۔ میں نہیں جانتی کہ میں اپنی عادت کے پانچ دن ہی کو حیض سمجھوں اور بعد میں جو تھوڑا سا خون آیا اس کو حیض نہ سمجھوں اور نماز ادا کرتی رہوں اور روزے رکھتی رہوں اور ان کی ادائیگی میں مجھے کوئی دقت بھی نہیں ہے، یا اس دن کو، جس میں مجھے معمولی سا خون آیا، ایامِ عادت میں شمار کر کے نماز روزہ سے رکی رہوں۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہوں گی کہ میری یہ حالت ہمیشہ نہیں بلکہ دو یا تین حیض گزارنے کے بعد ہوتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ضرور جواب ارشاد فرمائیں گے۔

جواب اگر تو طہارت کے بعد نکلنے والی چیز زردی مائل یا مٹیالے رنگ کی ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ وہ پیشاب کا حکم رکھتی ہے، اور اگر وہ واضح طور پر خون ہی ہے تو وہ حیض شمار ہوگا، لہٰذا تو دوبارہ غسل کر۔ دلیل اس کی ام عطیہ رضی اللہ عنہا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات میں سے ہے، کی وہ حدیث ہے جس میں انھوں نے یہ بیان کیا:

«كنا لا نعد الصفرة والكدرة بعد الطهر شيئا»[1]

''ہم عورتیں حیض سے طہارت کے بعد زردی مائل اور مٹیالے رنگ کی نکلنے والی چیز کا کچھ اعتبار نہیں کرتی تھیں۔'' (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

عادتِ ماہواری میں خون کا آنا اور منقطع ہو جانا:

سوال جب عورت اپنی ماہواری کے ایام میں ایک دن خون دیکھے اور اس سے اگلے پورا دن خون نہ دیکھے تو اس عورت کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب بظاہر جو طہر یا خشکی ایامِ حیض کے دوران حاصل ہوئی ہے وہ حیض ہی کے تابع ہے اس کو طہر نہیں شمار کیا جائے گا اس بنا پر وہ ان کاموں (نماز روزہ وغیرہ) سے باز رہے گی جن سے حائضہ عورت باز رہتی ہے۔ بعض اہل علم کا فتویٰ یہ ہے کہ جو عورت ایک دن خون اور ایک دن طہر دیکھتی ہے اس کا خون حیض اور صفائی طہر ہے حتی کہ یہ کیفیت پندرہ دنوں تک جاری رہے۔ جب پندرہ دن ہو جائیں تو اس کے بعد اس کا خون استحاضہ کے حکم میں ہوگا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ایامِ ماہواری میں یا دوسرے دنوں میں تھوڑی مقدار میں آنے والا خون:

سوال کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عورت خون کا معمولی سا اثر یا معمولی خون کے داغ دھبے دن کے مختلف اوقات میں دیکھتی ہے۔ کبھی تو یہ کیفیت ایامِ ماہواری کے دوران ہوتی ہے، حالانکہ اس کو ماہواری آتی نہیں، اور کبھی ایسا ماہواری کے علاوہ ایام میں ہوتا، ان دونوں صورتوں میں اس کے روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس طرح کے سوال کا جواب قریب ہی گزرا ہے لیکن وہ داغ دھبے جو عادت کے ان ایام میں پائے جائیں جن کو عورت حیض کے معروف ایام سمجھتی ہے تو یہ حیض ہی ہوں گے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

---

[1] **صحیح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [368]

ایک یا دو دن چھوڑ کر خون کا مسلسل جاری رہنا:

سوال بعض عورتوں کا خون مسلسل جاری رہتا ہے اور کبھی کبھی ایک یا دو دن رک کر پھر مسلسل بہنے لگتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں نماز، روزے اور دیگر عبادات کا کیا حکم ہے؟

جواب اکثر اہل علم کا مشہور قول یہ ہے کہ جس عورت کے ماہواری کے ایام مقرر ہوں اور وہ گزر جائیں تو وہ غسل کر کے نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔ رہا وہ خون جو وہ دو یا تین دن کے بعد دیکھتی ہے تو وہ حیض نہیں ہے، اس لیے کہ ان علماء کے نزدیک طہر کی کم از کم مدت تیرہ دن ہے۔ جبکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ عورت جب خون دیکھے تو وہ حیض ہے اور جب وہ بند ہو جائے تو وہ پاک شمار ہوگی اگرچہ دو حیضوں کے درمیان طہر کی مدت تیرہ دن نہ ہو۔ (فضیلہ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حیض کی مدت بڑھ جانا:

سوال ایک عورت کی عادت دس دن حیض آنے کی ہے مگر رمضان کے مہینے میں اس کی یہ عادت چودہ دن تک لمبی ہوگئی اور وہ پاک نہ ہوئی، اس سے سیاہ یا زرد خون بہنے لگا اور آٹھ دن تک وہ اسی حالت میں رہی۔ ان دنوں میں وہ نماز روزہ ادا کرتی رہی۔ کیا اس کی ان ایام میں نمازیں اور روزے درست اور صحیح ہیں اور اس پر کیا واجب ہے؟

جواب حیض عورتوں کے ہاں ایک واضح معاملہ ہے اور وہ اس کی حقیقت کو مردوں کی نسبت زیادہ جانتی ہیں۔ اگر یہ عورت، جس کو ایامِ عادت سے زیادہ حیض آیا، جانتی ہے کہ یہ خون حیض کی معروف صفت کے مطابق ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو حائضہ شمار کرتے ہوئے نہ نماز پڑھے اور نہ ہی روزہ رکھے، الا یہ کہ خون مہینہ کے اکثر دنوں میں جاری رہے تو ایسی صورت میں وہ استحاضہ سمجھا جائے گا اور اس کے بعد وہ حیض کے مخصوص ایام کے علاوہ نماز روزہ نہیں چھوڑے گی۔

اس قاعدہ کے مطابق ہم اس سائلہ کو کہیں گے کہ وہ ایام جن میں اس نے پاک ہونے کے بعد روزے رکھے اور پھر اس نے اوپرا اور بدلا ہوا خون دیکھا جس کے متعلق وہ جانتی ہے کہ وہ خونِ حیض نہیں ہے بلکہ وہ زردی مائل یا مٹیالا اور کبھی سیاہ رنگ کا خون ہے

جو حیض نہیں شمار ہوتا، ایسے خون کی حالت میں جو اس نے روزے رکھے ہیں وہ درست ہیں، اسی طرح ان ایام میں اس کی پڑھی ہوئی نمازیں بھی حرام نہیں ہیں۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اس عورت کا حکم جو ایامِ حیض میں دو دنوں کے بعد ہی پاک ہو جاتی ہے اور دو دنوں کے بعد پھر خون جاری ہو جاتا ہے:

سوال کبھی عورت اپنے حیض کے ایام میں خون دیکھتی ہے، پھر دو دن کے بعد خون رک جاتا ہے اور وہ مکمل طور پر پاک ہو جاتی ہے، پھر ایک یا دو دن کے بعد اسے دوبارہ خون جاری ہو جاتا ہے۔ کیا پہلے دو دنوں کا خون حیض شمار ہوگا اور کیا اس پر نماز پڑھنا ضروری ہے یا وہ کیا کرے؟

جواب وہ دو دن جن میں اس نے اپنے حیض کی مقررہ مدت کے دوران خون دیکھا وہ حیض کا ہی خون ہے، اور اس کے لیے ان دو دنوں میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ دو دن جن میں اس نے طہر دیکھا تو گزارش یہ ہے کہ وہ ان دو دنوں میں غسل کرنے کے بعد نماز ادا کرے گی اور بعد کے دو دن (نماز روزہ سے) بیٹھی رہے گی کیونکہ ان دنوں میں آنے والا خون حیض کا ہی خون ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جب کافی عرصہ حیض بند رہنے کے بعد معمولی سا دکھائی دے؟

سوال ایک عورت کو چھ ماہ سے ماہواری نہیں آئی اور وہ اس میں پہلے عشرے سے ہی اعتکاف میں ہے، پانچویں دن اس کو معمولی سا خون آیا تو کیا وہ اپنی اعتکاف گاہ سے اٹھ جائے؟

جواب وہ اعتکاف گاہ کو نہ چھوڑے کیونکہ یہ معمولی سا خون ہے جبکہ عورت حیض کے خون کو اس کے رنگ و بو سے پہچان لیتی ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب عورت پر حیض اور استحاضہ کا خون مشتبہ ہو جائے؟

سوال جب عورت پر خون مشتبہ ہو جائے اور وہ یہ تمیز نہ کر پائے کہ آیا یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا یا اس کے علاوہ کوئی اور خون ہے تو وہ اپنے اس خون کو کیا شمار کرے؟

جواب عورت سے نکلنے والے خون میں اصل تو یہی ہے کہ وہ حیض کا خون ہے، الا یہ کہ اس کا استحاضہ کا خون ہونا واضح ہوجائے تو اس اعتبار سے وہ اپنے اس خون کو حیض کا ہی خون شمار کرے جب تک کہ اس کا استحاضہ کا خون ہونا واضح نہ ہو۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا خون نہ دیکھنے سے عورت پاک ہے؟

سوال حیض کے آخری ایام میں طہر سے پہلے عورت خون کا اثر نہیں دیکھتی، کیا وہ اس دن کا روزہ رکھ سکتی ہے، حالانکہ ابھی اس نے (پاکی کو واضح کرنے والی) سفید روئی نہیں دیکھی اور اگر ابھی سفید روئی نہیں دیکھی تو وہ کیا کرے؟

جواب اگر عورت کی عادت ہے کہ وہ (حیض بند ہوجانے پر) سفیدی نہیں دیکھتی، جیسا کہ بعض دوسری خواتین دیکھتی ہیں تو وہ روزہ رکھے گی اور اگر پاکی کے بعد سفیدی دیکھنے کی عادت ہے تو جب تک وہ سفیدی نہ دیکھے وہ روزہ نہ رکھے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

طہر کے بعد مسلسل زرد مادہ خارج ہوتے رہنا:

سوال ایک عورت جب پاک ہوتی ہے تو اس کا سفید مادہ نہیں نکلتا بلکہ زرد مادہ مسلسل نکلتا رہتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب جب عورت سفید مادہ نہ دیکھے جو کہ اس کے طہر کی علامت ہے تو زرد پانی ہی اس کے قائم مقام بن جائے گا کیونکہ سفید پانی ایک علامت ہے اور علامت ایک مخصوص چیز میں محصور نہیں ہوتی کیونکہ مدلول کسی ایک دلیل میں منحصر نہیں ہوتا، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے کئی دلائل ہوں۔ اکثر عورتوں میں اگرچہ سفید پانی کا نکلنا ہی طہر کی علامت ہے لیکن کبھی اس کے علاوہ بھی علامت ہوسکتی ہے۔ اور کبھی تو عورت نہ زردی پاتی ہے اور نہ سفیدی بلکہ ان کی بجائے آئندہ حیض آنے تک خشکی قائم رہتی ہے لہٰذا ہر عورت کا اپنے مقتضائے حال کے مطابق حکم ہوگا۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حاملہ سے نکلنے والے خون کا حکم:

سوال حاملہ سے خارج ہونے والے خون کا کیا حکم ہے؟

جواب حاملہ حائضہ نہیں ہوتی جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے، انھوں نے فرمایا: عورتیں انقطاعِ حیض سے حمل کو پہچانا کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حیض ماں کے پیٹ میں پلنے والے بچے کی غذا کے لیے بنایا ہے تو جب حمل شروع ہوتا ہے تو حیض بند ہو جاتا ہے لیکن بعض عورتوں کو دوران حمل بھی اسی طرح عادت کے مطابق حیض جاری رہتا ہے جیسا کہ حمل سے پہلے تھا تو اس عورت پر یہ حکم لگایا جائے گا کہ اس کا خون حیض ہی کا خون ہے کیونکہ اس کا حیض جاری رہا اور حمل کی وجہ سے متاثر نہ ہوا، لہٰذا یہ حیض ان تمام عبادات سے مانع ہوگا جن سے غیر حاملہ کا حیض مانع ہوتا ہے، اور ان تمام چیزوں کو واجب اور ساقط کرے گا جن کو غیر حاملہ کا حیض واجب اور ساقط کرتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ حاملہ سے نکلنے والا خون دو نوعیتوں کا ہے:

1. جس پر حیض کا حکم لگتا ہے اور یہ وہی خون ہے جو ہر مہینے مسلسل آتا رہا جس طرح حمل سے پہلے آیا کرتا تھا کیونکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حمل نے اس پر کوئی اثر نہیں ڈالا، لہٰذا یہ حیض ہے۔
2. وہ خون جو حاملہ کو عارضی طور پر آتا ہے، وہ کسی نئے سبب کی وجہ سے آیا ہو یا کسی چیز کو اٹھانے کی وجہ سے یا کسی جگہ سے پھسل جانے کی وجہ سے یا اس طرح کے کسی دوسرے سبب کی وجہ سے آیا ہو تو یہ خون حیض شمار نہیں ہوگا بلکہ وہ تو کسی رگ سے نکلنے والا خون شمار ہوگا، لہٰذا اس بنا پر وہ نماز روزے سے مانع نہ ہوگا اور ایسی عورت پاک عورتوں میں ہی شمار ہوگی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حاملہ کے خون کا عبادات پر اثر:

سوال کیا ماہِ رمضان میں حاملہ سے اترنے والا خون اس کے روزے پر اثر انداز ہوتا ہے؟

جواب جب حیض کا خون آئے اور عورت نے روزہ رکھا ہو تو اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم»[1]

''کیا ایسا نہیں کہ عورت جب حائضہ ہوتی ہے تو نہ وہ نماز ادا کرتی ہے اور نہ ہی روزے رکھتی ہے؟''

لہٰذا ہم اس عورت کو روزہ چھوڑنے والیوں میں شمار کرتے ہیں، اور نفاس بھی حیض ہی کی مثل ہے۔ حیض اور نفاس کے خون کا نکلنا روزے کو فاسد کر دیتا ہے۔ اور رمضان کے دنوں میں حاملہ سے خون کا اترنا اگر وہ حمل سے پہلے کی عادت اور مقررہ صفت پر آیا ہو تو وہ حیض ہے اور روزے پر اثر انداز ہوگا، اور اگر وہ حیض نہیں تو روزے پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ حاملہ کو جو حیض آتا ہے وہ اسی وقت حیض کے حکم میں ہوگا جب وہ مقررہ اوقات میں آئے اور حمل کے بعد بھی اس کا تسلسل منقطع نہ ہو تو راجح قول یہ ہے کہ وہ حیض ہے اور اس کے لیے حیض کے احکام ثابت ہوں گے لیکن جب حمل کے بعد خون آنا بند ہو گیا پھر اس نے خلافِ معمول خون دیکھا تو یہ خون اس کے روزہ کو متاثر نہیں کرے گا کیونکہ وہ حیض ہی نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حائضہ سے جماع کرنے کا حکم:

سوال کیا حائضہ سے مجامعت جائز ہے یا نہیں؟

جواب حائضہ سے ہمبستری کرنا جائز نہیں ہے، اس پر ائمہ کرام کا اتفاق ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے بحالتِ حیض جماع کر لے تو اس کے کفارہ کے متعلق اختلاف مشہور ہے۔[2] اور اس عورت کے حیض کے سوا جنابت کا غسل کرنے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ اور نفاس والی عورت سے جماع کرنا حائضہ عورت سے جماع کرنے کی طرح ہی حرام ہے، اس پر ائمہ کرام متفق ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [298] صحيح مسلم، رقم الحديث [79]

[2] لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ایسا شخص جو بحالت حیض اپنی بیوی سے جماع کر لے وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے گا جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے، جو اگلے صفحہ میں مذکور ہے۔ (مترجم)

لیکن نفاس والی عورت اور حائضہ سے تہبند کے اوپر اوپر سے فائدہ اٹھانا حلال ہے، خواہ وہ منھ سے (بوسہ لینا) ہو یا اپنے ہاتھ اور ٹانگوں سے لطف اندوز ہونا۔ اگر اس نے عورت کے پیٹ میں وطی کر کے فائدہ اٹھایا تو یہ بھی جائز ہے لیکن اگر اس نے عورت کی رانوں میں وطی کر کے فائدہ اٹھایا تو اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ واللہ اعلم

(شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

اپنی حائضہ بیوی سے ہمبستری کرنے کا حکم:

سوال مرد کا اپنی بیوی سے بحالتِ حیض جماع کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب آدمی کا اپنی حائضہ بیوی سے وطی کرنا کتاب و سنت کی نص کی روشنی میں حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ﴾ [البقرة: 222]

''اور وہ تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے: وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ۔''

آیت میں حیض کی حالت میں عورت سے وطی کرنے کی ممانعت سے مقامِ حیض یعنی فرج میں وطی کی ممانعت مراد ہے۔ اگر کوئی شخص جسارت کرتے ہوئے حائضہ سے وطی کر لے تو اس پر توبہ کرنا اور آئندہ اس کام کے کرنے سے پرہیز کرنا لازمی اور ضروری ہے، اور اس کے ذمہ ایک دینار یا نصف دینار اختیاری طور پر کفارہ ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسے شخص کے متعلق مرفوعاً مروی ہے جو اپنی بیوی سے حالتِ حیض میں مجامعت کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يتصدق بدينار أو نصف دينار))[1]

''کہ وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔''

اس حدیث کو احمد، ابو داود، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور دینار سے مراد

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [264]

سونے کا ایک مثقال ہے، اور اگر وہ یہ نہ پائے تو اس کی قیمت کے برابر چاندی صدقہ کرنا کافی ہے۔ واللہ اعلم (سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ)

کسی آدمی کا اپنی بیوی سے حیض ونفاس کے بعد اور غسل کرنے سے پہلے وطی کرنا:

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی سے حالتِ حیض میں یا حیض یا نفاس سے پاک ہونے کے بعد اور غسل کرنے سے قبل لاعلمی میں وطی کر لی تو کیا اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہے؟ اور وہ کفارہ کتنا ہے؟ اگر اس وطی سے عورت حاملہ ہوجائے تو اس جماع کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا بچہ حرامی کہلائے گا؟

جواب حائضہ سے اس کی شرمگاہ میں وطی کرنا حرام ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ [البقرة: 222]

''اور وہ تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے: وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائیں۔''

اور جس نے ایسا کیا اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے استغفار کرے، اس کی جناب میں توبہ کرے اور اپنے اس جرم کے کفارہ کے طور پر نصف دینار صدقہ کرے، جیسا کہ احمد اور اصحابِ سنن نے عمدہ سند کے ساتھ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق جس نے بحالتِ حیض اپنی بیوی سے جماع کیا، فرمایا:

« يتصدق بدينار أو نصف دينار »[1]

''ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔''

ان دو کفاروں میں سے جونسا بھی تُو ادا کرے تجھے کافی ہوگا۔ ایک دینار کی مقدار سعودی جنیہ کے سات حصوں میں سے چار حصے (۴/۷) ہے، پس اگر سعودی جنیہ کی قیمت مثلاً ستر ریال ہے تو آپ پر بیس ریال یا چالیس ریال بعض فقراء پر صدقہ کرنا لازم و

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [264]

ضروری ہے۔ اور آدمی کے لیے عورت سے طہر کے بعد یعنی خونِ حیض رک جانے کے بعد وطی کرنا جائز نہیں، جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ [البقرة: 222]

''اور ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے۔''

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حائضہ سے وطی کرنے کی اجازت نہیں دی جب تک اس کا خونِ حیض بند نہ ہو جائے اور وہ غسل کر کے پاکی نہ حاصل کر لے، لہٰذا جس نے غسل سے پہلے اس سے جماع کیا وہ گناہ گار ہوا، اور اس پر کفارا ادا کرنا لازم ہوا، اور اگر عورت بحالتِ حیض یا انقطاعِ حیض اور غسل سے قبل جماع کی صورت میں حاملہ ہو جائے تو اس کے بچے کو حرامی نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ جائز اور شرعی بچہ ہے۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

کیا حائضہ کے لیے نماز ادا کرنا جائز ہے؟ عید الاضحیٰ اور لیلۃ القدر میں وطی کا کیا حکم ہے؟

سوال کیا حائضہ کے لیے نماز ادا کرنا جائز ہے؟ اور کیا ایامِ حیض میں اس سے مجامعت کرنا جائز ہے؟ عید الاضحیٰ اور لیلۃ القدر میں جماع کا کیا حکم ہے؟ نیز ایک مسلمان پر کب اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہوتا ہے؟

جواب پہلی بات: حائضہ کے لیے حیض کی حالت میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے، اس سے نماز ساقط ہے اور حیض سے فارغ ہونے کے بعد وہ ان نمازوں کی قضا نہیں دے گی۔

جب اس کا حیض بند ہو جائے تو اس پر غسل کرنا اور موجودہ نماز ادا کرنا واجب ہوگا۔

دوسری بات: خاوند پر اپنی بیوی کی فرج میں بحالتِ حیض مجامعت کرنا حرام ہے۔ شرمگاہ (فرج) کے علاوہ دیگر اعضاء سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ خاوند کے لیے لیلۃ القدر اور عید الاضحیٰ کی رات مجامعت کرنا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حج یا عمرہ کا احرام

باندھے ہوئے نہ ہو کیونکہ اس کے لیے حج یا عمرہ کی حالت میں جماع کرنا حرام ہے یہاں تک کہ وہ اپنے حج سے عید کے دن جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار کر فارغ ہوجائے اور حلال ہوجائے اور طوافِ افاضہ اور صفا ومروہ کی سعی کر لے اور بالوں کو منڈھوالے یا چھوٹا کروالے۔ عمرہ کرنے والا طواف، سعی اور حلق یا قصر کروانے کے بعد حلال ہوجائے گا، اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب عورت حالتِ احرام میں ہو اور اس کا خاوند غیر محرم ہو۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جنبی کے لیے زبانی یا اوپر سے دیکھ کر قرآن پڑھنے کا حکم:

سوال جنبی کے لیے زبانی یا دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز جس شخص کو حدث اکبر لاحق ہو اس کے لیے مسجد سے گزرنا کیسا ہے؟

جواب جنبی کے لیے غسل سے پہلے قرآن پڑھنا جائز نہیں، خواہ وہ مصحف سے دیکھ کر پڑھے یا زبانی، اور اس کے لیے مصحف سے پڑھنا جائز نہیں جب تک کہ وہ حدث اکبر (جنابت) اور حدث اصغر (پیشاب وغیرہ) سے مکمل طور پر پاک نہ ہوجائے۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

''قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھوئے'' اس فرمانِ رسول ﷺ کا کیا مطلب ہے؟

سوال اس فرمانِ رسول ﷺ کا کیا مطلب ہے: ''قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھوئے؟''

جواب یہ حدیث ''سلسلہ احادیث صحیحہ'' میں موجود ہے، اپنی تمام سندوں کے ساتھ یہ صحیح حدیث ہے، اور صحیح بخاری میں ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک ایسی جماعت کے پاس آئے جس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس مجلس سے کھسک گئے، پھر جب وہ واپس لوٹے تو ان کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے ان کے مجلس سے کھسک جانے کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں جنبی تھا، گویا کہ وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں نے جنابت کی حالت میں آپ ﷺ کے ساتھ مجلس میں بیٹھنا اور آپ ﷺ سے مصافحہ کرنا برا سمجھا تو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« سبحان اللّٰه، إن المؤمن لا ينجس »[1]

''سبحان اللہ! بلاشبہ مومن تو نجس نہیں ہوتا۔''

آپ ﷺ کے فرمان: « لا يمس القرآن إلا طاهر »[2] (قرآن کو صرف پاک ہی چھوئے) کا مطلب یہ ہے کہ صرف مومن ہی قرآن کو چھوئے، خواہ وہ ایمان لانے کے بعد حدث اکبر میں مبتلا ہو یا حدث اصغر میں، اور ایسی کوئی واضح نص نہیں ہے جس میں یہ ہو کہ حدث اکبر یا حدث اصغر والے شخص کے لیے مصحف کو چھونا جائز نہیں ہے۔

(علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

حائضہ کے لیے مسجد میں داخل ہونے کا حکم:

سوال کیا حائضہ کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب حائضہ کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں، البتہ بوقتِ ضرورت مسجد سے گزرنا جائز ہے جیسا کہ جنبی کا حکم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ﴾ [النساء: 43]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے میں ہو یہاں تک کہ تم جانو جو کچھ کہتے ہو اور نہ اس حال میں کہ جنبی ہو مگر راستہ عبور کرنے والے یہاں تک کہ تم غسل کرلو۔'' (سعودی فتویٰ کمیٹی)

حائضہ کے لیے اپنے ہاتھ اور سر پر مہندی لگانے کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے بحالتِ حیض اپنے ہاتھ اور سر پر مہندی لگانا جائز ہے؟ اور کیا یہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [281]

[2] صحيح. صحيح الجامع، رقم الحديث [7780]

صحیح ہے کہ جب عورت فوت ہوجائے تو اس کو اس حالت میں دفن کرنا جائز نہیں کہ اس کے ہاتھ سفید ہوں؟

جواب حائضہ کے لیے اپنے ہاتھ، سر اور پاؤں پر مہندی لگانا جائز ہے اور اس پر اس میں کوئی حرج نہیں، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جو سوال میں بیان کی گئی کہ عورت جب فوت ہوجائے اور اس کے ہاتھوں میں مہندی نہ لگی ہو، یعنی وہ سفید ہوں تو اس کو دفن کرنا جائز نہیں۔ تو یہ درست نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی دلیل ہے۔ عورت جب مسلمان ہو کر مرے تو اس کو دوسرے مسلمانوں کی طرح دفن کیا جائے گا، اور جب وہ غیر مسلمہ ہوگی تو اس کو غیر مسلموں کے ساتھ دفن کیا جائے گا، خواہ اس نے مہندی لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حائضہ کا بحالتِ حیض اپنے سر کو دھونا:

سوال دورانِ حیض عورت کے لیے اپنے سر کو دھونے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔

جواب عورت کے لیے دورانِ حیض اپنے سر کو دھونے میں کوئی حرج نہیں۔ رہا لوگوں کا اس کو ناجائز کہنا تو یہ صحیح نہیں۔ وہ دورانِ حیض اپنے سر اور جسم کو دھو سکتی ہے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حیض آور گولیوں کے استعمال کا حکم:

سوال پانچ ماہ سے زیادہ عرصہ ہوا چاہتا ہے کہ میری بیوی کو ماہواری بند ہوچکی ہے۔ چیک اپ اور معائنہ کے بعد حمل کا نتیجہ ظاہر نہ ہوا۔ ڈاکٹر نے اس کو ماہواری لانے والی گولیوں کے استعمال کا مشورہ دیا تو کیا یہ گولیاں استعمال کر سکتی ہے؟

جواب اس کے لیے گولیوں کا استعمال جائز ہے۔ بشرطیکہ جب ڈاکٹر نے یہ تجویز کیا ہو کہ اس سے مصلحت سے زیادہ یا اس کے برابر نقصان نہیں ہوگا۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

رمضان اور حج میں حیض روکنے والی گولیوں کا استعمال:

سوال رمضان اور حج میں مانعِ حیض گولیوں کا استعمال کیسا ہے تاکہ ہمیں عبادات کی ادائیگی پر قدرت حاصل ہو سکے؟

جواب ہمیں تو اس میں کوئی حرج دکھائی نہیں دیتا جبکہ ان گولیوں کے استعمال کا وہی مقصد ہو جو سوال میں ذکر کیا گیا ہے اور اس سے صحت پر نقصانات مرتب نہ ہوتے ہوں۔
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

کیا رمضان میں مانعِ حیض ادویات کا استعمال جائز ہے؟

سوال کیا عورت کے لیے ماہِ رمضان میں مانعِ حیض ادویات کا استعمال جائز ہے کہ نہیں؟

جواب عورت کے لیے ماہِ رمضان میں مانعِ حیض ادویات کا استعمال جائز ہے جبکہ ماہر تجربہ کار امانت دار ڈاکٹر فیصلہ کریں کہ ان ادویات کا استعمال اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہوگا اور نظامِ حمل کو وہ متاثر نہیں کریں گی۔ ویسے اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ ان ادویات کے استعمال سے گریز ہی کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو رمضان میں حیض آنے پر روزہ چھوڑنے کی رخصت عطا کر دی ہے اور اس کے لیے اس کو بحیثیتِ دین پسند کیا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

حائضہ کا قرآن پڑھنے اور مصحف کو چھونے کا حکم

کیا حائضہ قرآن کی تلاوت کر سکتی ہے؟

سوال ہم گرلز کالج کی طالبات ہیں، ہم پر قرآن کا ایک پارہ یاد کرنا لازم وضروری ہے۔ بعض اوقات امتحانات اور ایامِ ماہواری اکٹھے ہو جاتے ہیں، کیا ہمارے لیے قرآنی سورتوں کو کاغذ پر لکھنا اور ان کو زبانی یاد کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب علماء کے دو اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے قرآن کو چھوئے بغیر پڑھنا جائز ہے کیونکہ اس کی ممانعت کے لیے کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ وہ کسی حائل، جیسے پاک کپڑے اور اس قسم کی کوئی اور چیز، سے چھو

سکتی ہے اور اسی طرح بوقتِ ضرورت اس کاغذ کو بھی چھو سکتی ہے جس پر قرآن مجید لکھا ہو۔ رہا جنبی تو وہ غسل کرنے سے پہلے قرآن نہ پڑھے کیونکہ اس کی ممانعت کے لیے صحیح حدیث مروی ہے اور اس معاملہ میں حائضہ اور نفاس والی کو جنبی پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ حیض و نفاس والی کی مدت جنابت کی مدت کی نسبت لمبی ہے، اور پھر یہ کہ موجب جنابت سے فارغ ہونے کے بعد جنبی کے لیے کسی بھی وقت غسل کر لینے کی سہولت موجود ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

کیا حائضہ کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے؟

سوال کیا حائضہ کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے؟

جواب حائضہ کے لیے بوقتِ ضرورت قرآن پڑھنا جائز ہے، مثلاً اگر وہ معلّمہ ہے تو تعلیم دینے کے لیے پڑھ سکتی ہے اور اگر وہ طالبہ ہے تو تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے پڑھ سکتی ہے یا اپنے چھوٹے یا بڑے بچوں کو تعلیم دیتے ہوئے ان سے پہلے آیت پڑھ سکتی ہے، مختصر یہ کہ بوقتِ ضرورت اس پر قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ حائضہ ہی کیوں نہ ہو۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ حائضہ عورت کے لیے مطلق طور پر بغیر ضرورت و حاجت بھی قرآن پڑھنا جائز ہے اور کچھ دوسرے اہل علم نے فرمایا کہ حائضہ کے لیے بوقتِ حاجت وضرورت بھی قرآن پڑھنا حرام ہے۔ تو اس طرح اس مسئلہ میں علماء کے تین اقوال ہوئے اور ان میں صحیح کہے جانے کے لائق یہ قول ہے کہ جب حائضہ کو قرآن کی تعلیم دینے یا تعلیم حاصل کرنے یا اس کے بھول جانے کا خوف جیسی ضرورتیں لاحق ہوں تو اس کے پڑھنے میں چنداں حرج نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کے لیے بحالتِ حیض مصحف قرآنی کو چھونے کا حکم:

سوال عورت کے لیے حیض کی حالت میں مصحف کو چھونے کا کیا حکم ہے؟

جواب حائضہ کے لیے بغیر غلاف کے مصحف کو چھونا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ [الواقعة: 79]

''اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا مگر جو بہت پاک کیے ہوئے ہیں۔''

نیز وہ الفاظ جو اس خط میں موجود ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کو لکھ کر دیا تھا «لا يمس المصحف إلا طاهر» [1] ''مصحفِ قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھوئے۔''

اس روایت کو نسائی وغیرہ نے بیان کیا ہے اور لوگوں کے اس روایت کو شرفِ قبولیت سے نوازنے کی وجہ سے یہ متواتر روایت کے مشابہ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ مصحفِ قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھوئے، اور حائضہ کے قرآن کو چھوئے بغیر پڑھنے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ اور احتیاط والی بات یہ ہے کہ حائضہ قرآن نہ پڑھے مگر ضرورت کے وقت، مثلاً اس کو قرآن مجید بھولنے کا خطرہ ہو تو پڑھ سکتی ہے۔''

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

بغیر وضو کے قرآن مجید کو چھونے اور پڑھنے کا حکم:

سوال کیا مرد یا عورت کے لیے بغیر وضو کے قرآن مجید پڑھنا اور مصحف کو چھونا جائز ہے؟

جواب بغیر وضو کے قرآن مجید کی تلاوت کرنا ایک جائز کام ہے کیونکہ کتاب و سنت میں اس کے خلاف کوئی نص موجود نہیں ہے، یعنی بغیر وضو کے تلاوتِ قرآن کے جائز نہ ہونے کی کوئی دلیل قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے بلکہ باوضو اور بے وضو آدمی میں اور حائضہ اور حیض سے پاک عورت میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، سب قراءت کر سکتے ہیں۔ اس کے دلائل میں سے ایک دلیل عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے۔ کہتی ہیں کہ ''بلاشبہ نبی ﷺ ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔'' [2]

حائضہ کے متعلق شرعی طور پر یہ فیصلہ ہے کہ وہ نماز ادا نہیں کرے گی۔ اس کو ایک

---

[1] التلخيص الحبير [131/1]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [373]

بہت بڑی حکمت کی وجہ سے نماز سے روکا گیا ہے جو اس سے بالا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت اسی طرح کرتی رہے جیسے وہ حیض آنے سے پہلے اللہ کی عبادت کیا کرتی تھی، سو ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اس پر ان عبادات کا دائرہ تنگ کر دیں جو اس کے لیے نماز کے ساتھ مشروع ہیں، پھر یہ کہ حائضہ کو نماز سے تو منع کیا گیا ہے اس کے علاوہ (دیگر اذکار و عبادات) سے منع تو نہیں کیا گیا، لہٰذا ہم لوگوں کے لیے اس چیز میں وسعت پیدا کرتے ہیں جس میں اللہ نے ان کے لیے وسعت رکھی ہے۔

اس مناسبت میں مَیں اکثر عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث بھی ذکر کیا کرتا ہوں جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے کے لیے آرہی تھیں اور راستے میں انھوں نے مکہ کے قریب مقامِ ''سرف'' پر پڑاؤ کیا ہوا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حیض آ جانے کی وجہ سے روتے ہوئے پایا تو فرمایا:

« اصنعي ما يصنع الحاج غير ألا تطوفي بالبيت »[1]

''تو حج کا ہر وہ رکن ادا کر جو ایک حاجی ادا کرتا ہے، صرف تو بیت اللہ کا طواف نہ کر۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو قرآن مجید کی تلاوت سے اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع تو نہیں کیا۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

حائضہ کے لیے عرفات کے دن دعاؤں اور قرآنی آیات پر مشتمل کتابیں پڑھنا:

سوال کیا حائضہ کے لیے عرفات کے دن دعاؤں والی کتاب پڑھنا جائز ہے جبکہ ان کتابوں میں آیات قرآنیہ بھی موجود ہوتی ہیں؟

جواب حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے مناسکِ حج میں لکھی گئی دعائیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ صحیح مذہب کے مطابق قرآن پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ایسی کوئی واضح اور صحیح نص موجود نہیں ہے جو حائضہ اور نفاس والی عورت کو قرآن مجید کی تلاوت سے روکتی ہو۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5239] صحيح مسلم [1211] سنن أبي داود [1786]

حائضہ کے لیے مثال و استدلال کے لیے آیات پڑھنے اور آیات و احادیث لکھنے کا حکم:

سوال کیا حائضہ کے لیے مثال دیتے ہوئے اور کسی موقف کی دلیل دیتے ہوئے آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت جائز ہے؟ اور کیا اس کے لیے قرآن کی آیات اور احادیث مبارکہ لکھنا جائز ہے؟

جواب حائضہ کے لیے ان کتابوں کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جن میں قرآن مجید کی آیات یا آیات کی تفسیر لکھی ہوئی ہو اور گفتگو وغیرہ کے دوران ان کو لکھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، نیز آیات کو کسی حکم کی دلیل کے طور پر یا دعا اور ورد وغیرہ کے طور پر پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ اس کو تلاوت نہیں کہا جا سکتا۔ ایسا ہی بوقتِ ضرورت تفسیر وغیرہ کی کتابوں کو اٹھانا بھی جائز ہے۔ (فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین رحمہ اللہ)

حائضہ کے لیے پاکی کے بعد لباس تبدیل کرنے کا حکم:

سوال کیا حائضہ کے لیے حیض سے پاک ہونے کے بعد لباس تبدیل کرنا ضروری ہے یہ جانتے ہوئے کہ اس لباس میں کوئی نجاست اور خون نہیں لگا ہے؟

جواب اس کے لیے ایسا کرنا لازمی نہیں ہے کیونکہ حیض بدن کو ناپاک نہیں کرتا۔ خونِ حیض صرف اس حصے کو ناپاک کرتا ہے جس کو وہ لگتا ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے عورتوں کو حکم دیا کہ جب ان کے کپڑوں کو خونِ حیض لگ جائے تو وہ ان کو دھو کر ان میں نماز پڑھ لیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حائضہ کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کا حکم:

سوال میری بیوی نے بچہ جنم دیا ہے اور میرے دوستوں میں سے ایک نے میرے گھر آنا چھوڑ دیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ عورت جب بچہ پیدا کر کے نفاس والی ہو جاتی ہے تو کسی کو اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز نہیں ہے، وہ اس کو بدنی طور پر اور عملی طور پر ناپاک شمار کرتا ہے، اس کی اس بات نے مجھے میری معیشت و معاشرت میں شک میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس کا جواب دے کر میری مدد کریں

گے۔ میرے ذہن میں بھی یہ سوچ کر خلش پیدا ہوتی ہے کہ نفاس والی عورت کو نماز، روزہ اور قرآن کی تلاوت سے روک دیا گیا ہے تو اس کے ہاتھ کا کھانا کیسے جائز رہا؟ جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

جواب عورت حیض اور نفاس کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوجاتی، نہ اس کے ساتھ مل کر کھانا حرام ہوتا ہے اور نہ ہی فرج کے علاوہ اس سے مباشرت کرنا ناجائز ہے، صرف ناف اور گھٹنوں کے درمیان مباشرت کرنا ناپسندیدہ ہے کیونکہ صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ بلاشبہ یہودیوں کے ہاں جب کوئی عورت حائضہ ہوجاتی تو وہ اس کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اصنعوا کل شيء إلا النکاح))[1]

''مجامعت کے علاوہ سب کچھ کرو۔''

اس کی ایک دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو بخاری و مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ فرماتی ہیں:

''جب میں حائضہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو تہبند باندھنے کا حکم دیتے، میں تہبند باندھ لیتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مباشرت کرتے۔''

رہا حائضہ اور نفاس والی عورت پر نماز، روزہ اور تلاوتِ قرآن کا حرام ہونا تو یہ اس کے ساتھ مل کر کھانے اور اس کے ہاتھ کے تیار شدہ کھانے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

حائضہ کا مسجد حرام میں منعقد ہونے والی ذکر کی مجلسوں میں شرکت کرنے کا حکم:

سوال کیا حائضہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ مسجد حرام میں بیٹھ کر ذکر کی مجلسوں سے استفادہ کرے؟ جواب مرحمت فرما کر اللہ سے اجر و ثواب حاصل کیجیے۔

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ مسجد حرام تمام مساجد سے افضل ہے مگر یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیض والی عورتوں کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ وہ عید گاہ سے الگ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [302]

رہیں، حالانکہ لوگ وہاں پر صرف عیدین کی نماز پڑھتے ہیں تو مسجد حرام میں ان کا جانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ لہٰذا حائضہ کے لیے مسجد حرام اور کسی اور مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔ جی ہاں، اگر اسے یہ اطمینان ہو کہ اس کے گزرنے سے مسجد میں کوئی نجاست نہیں گرے گی تو وہ مسجد میں سے بس گزر سکتی ہے۔ رہا اس کا مسجد میں ٹھہرے رہنا تو یہ حرام ہے، جائز نہیں ہے اگرچہ وہ وعظ کی مجلسوں میں حاضری کا ارادہ ہی کیوں نہ رکھتی ہو۔ اب تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے کیسٹوں وغیرہ کے ذریعہ وعظ ونصیحت کے پروگرام سننا آسان کر دیا ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

نفاس کا بیان

حمل ساقط ہونے کے بعد خارج ہونے والے خون کا حکم:

سوال حمل ساقط ہونے کے بعد خارج ہونے والے خون کا کیا حکم ہے؟

جواب حمل اگرچہ دو مہینے کے بعد ہی ساقط ہوجائے اس کے بعد نکلنے والا خون نفاس کا خون ہی شمار ہوتا ہے۔ (فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

نفاس والی عورتیں کتنا عرصہ نماز ادا نہیں کرتیں؟

سوال نفاس والی عورتیں کتنا عرصہ نماز نہیں پڑھیں گی؟

جواب نفاس والی عورتوں کی چند حالتیں ہیں:

1. پہلی حالت یہ ہے کہ اس کا خون چالیس دن پورے ہونے سے پہلے بند ہوجائے اور اس کو دوبارہ خون نہ آئے تو اس صورت میں جب اس کا خون بند ہوجائے تو وہ غسل کر کے روزہ رکھے اور نماز ادا کرے۔

2. دوسری حالت یہ ہے کہ اس کا خون چالیس دن پورے ہونے سے پہلے منقطع ہوجائے، پھر چالیس دن پورے ہونے سے پہلے دوبارہ جاری ہوجائے تو اس صورت میں، جب اس کا خون منقطع ہوجائے، وہ غسل کر کے روزہ رکھے اور نماز ادا کرے اور جب دوبارہ خون جاری ہو تو وہ نفاس کا خون ہے، لہٰذا وہ نماز روزہ ترک

کر دے اور بعد میں روزہ کی قضا دے جبکہ نماز کی قضا نہیں ہے۔

3 تیسری حالت یہ ہے کہ اس کو پورے چالیس دن تک مسلسل خون آتا رہے تو وہ اس تمام عرصہ میں نماز اور روزہ سے بیٹھی رہے گی اور جب خون آنا رک جائے تو یہ غسل کے ذریعہ پاکی حاصل کر کے نماز پڑھے اور روزہ رکھے گی۔

4 چوتھی حالت یہ ہے کہ اس کا خون چالیس دنوں سے تجاوز کر جائے۔ اس کی پھر دو صورتیں بنتی ہیں:

پہلی صورت: چالیس دن کے بعد اس کی عادت کے مطابق ماہواری شروع ہوجائے، پس اگر اس کو چالیس دن نفاس کے بعد اس کی عادت کے مطابق ماہواری شروع ہوجائے تو وہ بغیر نماز روزہ کے ایامِ ماہواری گزارے۔

دوسری صورت: چالیس دن کے بعد اس کی عادت کے مطابق ماہواری شروع نہ ہو تو وہ چالیس دن پورے ہونے پر غسل کر کے نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا شروع کر دے گی۔ اگر تین مرتبہ لگاتار اس کی یہی عادت رہے تو یہ مدت اس کے نفاس کی مدت سمجھی جائے گی اور وہ اس عادت کی طرف منتقل ہوجائے گی، اس مدت میں جو اس نے روزے رکھے ان کی قضا دے گی ا. ر نماز کی قضا نہیں دے گی۔ اگر یہ اس کی لگاتار تین مرتبہ عادت نہ ہو تو چالیس دن کے بعد آنے والے خون کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، یعنی وہ استحاضہ کا خون شمار ہوگا۔ (سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

جب نفاس والی چالیس دن سے پہلے پاک ہوکر روزہ رکھے:

سوال جب عورت چالیس دن گزرنے سے پہلے نفاس سے پاک ہوجائے اور روزہ رکھے تو کیا اس کا روزہ درست ہوگا؟

جواب اس کا روزہ درست اور مکمل ہوگا، اس لیے کہ جب اسے طہارت حاصل ہوگئی اگرچہ چالیس دن پورے ہونے سے پہلے ہی سہی تو وہ ہر لحاظ سے پاک عورتوں میں شمار ہوگی۔ (فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن السعدی)

جب نفاس والی عورت چالیس دن سے پہلے پاک ہوکر روزہ رکھے اور نماز ادا کرے:

سوال کیا نفاس والی عورت پر چالیس دن پورے ہونے سے پہلے روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا واجب ہے؟

جواب جی ہاں، جب نفاس والی عورت چالیس دن گزرنے سے پہلے پاک ہوجائے تو اس پر روزہ رکھنا واجب ہوگا اگر یہ واقعہ رمضان میں ہوا ہے۔ اس پر نماز ادا کرنا بھی واجب ہوگا اور اس کے خاوند کا اس سے مجامعت کرنا جائز ہوگا کیونکہ وہ اب پاک ہے اور اس میں روزے، نماز کے وجوب اور جماع کے جائز ہونے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب حاملہ عورت بچہ جنم دے اور خون جاری نہ ہو تو اس کے خاوند کا اس سے مجامعت کرنے اور عورت کے نماز و روزہ کا حکم:

سوال جب حاملہ بچہ پیدا کر دے اور اس سے خون جاری نہ ہو تو کیا اس کے خاوند کے لیے اس سے مجامعت کرنا حلال ہے؟ اور کیا وہ عورت نماز ادا کرے گی اور روزہ رکھے گی یا نہیں؟

جواب جب حاملہ بچہ دے دے اور اس سے خون جاری نہ ہو تو اس پر غسل کر کے نماز ادا کرنا اور روزہ رکھنا واجب ہے اور اس کا خاوند اس کے غسل کر لینے کے بعد اس سے مجامعت کر سکتا ہے کیونکہ ولادت میں بچے کے ساتھ یا اس کے بعد غالباً خون نکلتا ہے اگرچہ وہ تھوڑی مقدار میں ہی کیوں نہ ہو۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جب حاملہ کو کسی تکلیفِ صدمہ کی وجہ سے زیادہ مقدار میں خون نکلے اور بچہ ساقط نہ ہو:

سوال جب حاملہ کو کسی تکلیف کی وجہ سے زیادہ مقدار میں خون آجائے اور بچہ ساقط نہ ہو تو اس خون کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ خون فاسد خون ہے۔ اس کی وجہ سے عورت نماز ترک نہیں کرے گی بلکہ وہ نماز پڑھے گی اگرچہ خون نکلتا ہو، اور اس پر نمازوں کا اعادہ نہیں ہے لیکن وہ ہر نماز کے لیے وضو کیا کرے گی۔ واللہ اعلم (فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن السعدی)

جب تیسرے مہینے میں حمل ساقط ہوجائے تو اس کے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال وہ عورت جس کا حمل تیسرے مہینے میں ساقط ہوجائے تو وہ نماز پڑھے گی یا نماز چھوڑ دے گی؟

جواب اہل علم کے ہاں مشہور یہ ہے کہ جب عورت کا تین مہینے کا حمل ساقط ہوجائے تو وہ نماز نہیں پڑھے گی، اس لیے کہ جب عورت جنین کو ساقط کرے جس میں انسانی تخلیق واضح ہوچکی ہو تو اس سے جاری ہونے والا خون نفاس کا خون ہوگا جس میں وہ نماز ادا نہیں کرے گی۔

علماء نے کہا ہے کہ اکیاسی دن میں جنین کی تخلیق کا ظاہر ہونا ممکن ہے اور یہ اکیاسی دن تین مہینے سے کم مدت ہے، پس جب عورت کو یقین ہوجائے کہ اس کا ساقط ہونے والا حمل تین ماہ کا ہے تو جو خون آیا ہے وہ حیض، یعنی نفاس کا خون ہوگا اور اگر اسّی دن سے کم میں اسقاطِ حمل ہوجائے تو اس کو جاری ہونے والا خون فاسد خون ہوگا، اس کی وجہ سے عورت نماز ترک نہیں کرے گی۔ یہ سوال کرنے والی خاتون اپنے مسئلہ پر غور کرے، اگر جنین اسّی دنوں سے پہلے ساقط ہوا تو وہ اس کے بعد ترک کی ہوئی نمازوں کی قضا کرے، اور اگر اس کو یہ یاد نہیں کہ اس نے کتنی نمازیں چھوڑی ہیں تو وہ اندازہ لگائے اور غور وفکر کرے تو جتنی نمازوں کے ترک کا اس کو غالب گمان ہو اتنی نمازیں وہ قضا کرے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جنین کے ساقط ہونے کے بعد جاری ہونے والے خون کا حکم:

سوال اس خون کا کیا حکم ہے جو جنین کے ساقط ہونے کے بعد جاری ہوتا ہے؟

جواب جب جنین ساقط ہوجائے اور اس کے بعد خون جاری ہو تو اگر اس جنین میں تخلیقِ انسانی ظاہر ہوچکی ہے، یعنی اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں اور دیگر اعضاء ظاہر ہو چکے ہوں تو وہ خون نفاس کا خون ہوگا، تو عورت اس خون سے پاک ہونے تک نہ تو روزہ رکھے گی اور نہ ہی نماز ادا کرے گی۔ اور اگر اس جنین میں خلقتِ انسانی ظاہر نہ ہوئی ہو تو یہ خون نفاس کا خون نہیں، لہٰذا عورت نماز ادا کرے گی اور روزہ رکھے گی،

الا یہ کہ خون کے وہ ایام ایامِ ماہواری سے موافقت کر جائیں تو وہ نماز اور روزہ چھوڑ بیٹھے گی یہاں تک کہ ایامِ ماہواری ختم ہو جائیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حاملہ کے ولادت سے ایک یا دو دن پہلے نکلنے والے خون کا حکم:

سوال جب حاملہ ولادت سے ایک دو دن قبل خون دیکھے تو کیا وہ روزہ اور نماز ترک کر دے یا وہ کیا کرے؟

جواب جب حاملہ ولادت سے ایک یا دو دن پہلے خون دیکھے اور وہ دردِ زہ بھی محسوس کرے تو وہ نفاس کا خون ہے، اس کی وجہ سے وہ نماز اور روزہ ترک کر دے گی۔ اور اگر وہ دردِ زہ محسوس نہ کرے تو وہ فاسد خون ہوگا جس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی وہ عورت کو روزہ اور نماز سے روکے گا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

نفاس کے اختتام پر نفاس والی عورت پر واجب ہونے والا عمل:

سوال نفاس ختم ہونے پر نفاس والی عورت پر کیا واجب ہے؟

جواب اس پر واجب ہے کہ وہ غسل کرے، جیسا کہ یہ حائضہ پر واجب ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

1. «عن أم سلمة رضي الله عنها، كانت النفساء تجلس على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم أربعين يوماً»[1]

"ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نفاس والی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں چالیس دن (نماز روزے سے) بیٹھتی تھیں۔"

2. «عن أم سلمة رضي الله عنها قالت: كانت المرأة من نساء النبي صلى الله عليه وسلم تقعد في النفاس أربعين ليلة، لا يأمرها النبي صلى الله عليه وسلم بقضاء صلاة النفاس»[2]

"ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں میں سے نفاس والی عورت

---

[1] حسن صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [139]

[2] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [312]

چالیس دن نفاس میں بیٹھتی تھی، نبی ﷺ مدتِ نفاس کی نمازوں کی قضا کرنے کا اس کو حکم نہیں دیتے تھے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

خونِ نفاس کا بگاڑ

جب چالیس دنوں کے بعد دوبارہ نفاس آنے لگے:

سوال جب عورت اپنے نفاس سے غسل کر چکی ہو، پھر چالیس دن کے بعد دوبارہ اس کا خون جاری ہو جائے اور وہ پہچانتی ہو کہ یہ نفاس ہی کا خون ہے تو وہ کیا کرے؟

جواب ہم جس موقف کو صحیح سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اس خون کے ایام میں بیٹھی رہے گی، نہ روزہ رکھے گی اور نہ ہی نماز ادا کرے گی، اس لیے کہ صحیح بات یہ ہے کہ خونِ نفاس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اور مذکورہ عورت مستحاضہ نہیں ہے، پس جب خون واضح ہو، اس میں مٹیالا پن اور زردی نہ ہو تو وہ دورانِ خون بیٹھی رہے گی۔ اس خون کا حکم نفاس کے خون کا حکم ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

خونِ نفاس رک گیا، پھر چالیس دن کے بعد دوبارہ جاری ہوگیا؟

سوال ایک عورت کا چالیس دن پورے ہونے سے پانچ دن پہلے نفاس بند ہوگیا، اس نے نمازیں پڑھیں اور روزے رکھنے شروع کر دیے، پھر یکا یک چالیس دن کے بعد خون دوبارہ آنا شروع ہوگیا تو اس عورت کا کیا حکم ہے؟

جواب جب نفاس والی عورت چالیس دن سے پہلے پاک ہوجائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ نماز ادا کرے اور اگر رمضان کا مہینہ ہو تو اس کے روزے رکھے اور اس کے خاوند کو اس سے مجامعت کرنا جائز ہے اگرچہ چالیس دن مکمل نہ ہوئے ہوں۔ اور یہ عورت جو پینتیس دنوں میں ہی پاک ہوگئی اس پر واجب ہے کہ وہ روزہ رکھے اور نماز ادا کرے، اور اس نے جو روزے رکھے اور نمازیں ادا کیں وہ صحیح موقع میں واقع ہوئیں، پس اگر چالیس دن کے بعد خون پھر پلٹ آئے تو وہ حیض ہوگا، الا یہ کہ وہ عادتِ حیض سے زیادہ مدت تک جاری رہے تو اس صورت میں وہ صرف اپنی عادت

کے ایام میں ہی (نماز اور روزہ سے) بیٹھی رہے گی، پھر وہ غسل کر کے نماز ادا کرے گی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

نفاس کی حالت میں وطی کرنے کا حکم

نفاس کی حالت میں بیوی سے کیا کچھ کرنا جائز ہے؟

سوال آدمی کے لیے نفاس کے وقت اپنی بیوی سے کیا کچھ کرنا جائز ہے؟

جواب مرد کے لیے اپنی نفاس والی بیوی سے فرج کے علاوہ دیگر اعضاء سے لذت حاصل کرنا جائز ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی وجہ سے جس میں انھوں نے فرمایا:

«كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمرني فأتزر، فيبا شرني وأنا حائض»[1]

''رسول اللہ مجھ کو تہبند باندھنے کا حکم دیتے، سو میں باندھ لیتی تو آپ ﷺ مجھ سے مباشرت کرتے اور میں حیض کی حالت میں ہوتی۔''

اس حدیث میں مباشرت سے فرج کے علاوہ اعضاء سے چمٹنا مراد ہے۔ چالیس دن سے پہلے اس سے وطی کرنا مکروہ ہے، چاہے اس کا خون بند ہو چکا ہو اور اس نے پاکی حاصل کر لی ہو۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ چالیس دن سے پہلے اس کا خاوند اس کے پاس آئے۔ (ان کا استدلال) عثمان بن ابی العاص کی وہ حدیث ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ ان کی بیوی چالیس دن سے پہلے ان کے پاس آئی تو انھوں نے کہا: میرے قریب مت آنا کیونکہ وطی کے زمانے میں خون کے پلٹ آنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ (سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ)

وضعِ حمل کے بعد تیس دن گزرنے پر مرد کا اپنی بیوی سے وطی کرنا:

سوال کیا آدمی کے لیے اپنی بیوی سے وضعِ حمل کے تیس دن یا پچیس دن گزرنے کے بعد مجامعت کرنا جائز ہے یا چالیس دن گزرنے کے بعد ہی مجامعت جائز ہوگی؟

جواب آدمی کے لیے اپنی بیوی سے ولادت کے بعد نفاس کے ایام میں مجامعت کرنا جائز

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [395]

نہیں ہے یہاں تک کہ ولادت کی تاریخ سے چالیس دن گزر جائیں، الا یہ کہ چالیس دن سے پہلے نفاس کا خون بند ہوجائے، پھر اس کے لیے اپنی بیوی سے اس کے غسل کر لینے کے بعد مدتِ انقطاع میں مجامعت کرنا جائز ہوگا، پس جب چالیس دن مکمل ہونے سے پہلے دوبارہ خون پلٹ آئے تو اس وقت مجامعت کرنا حرام ہوگا، اس پر چالیس دن مکمل ہونے یا خون کے رک جانے تک نماز اور روزہ ترک کرنا ضروری اور لازمی ہوگا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جب عورت آپریشن کے ذریعہ بچہ پیدا کرے تو اس کے خون کا حکم:

سوال بعض عورتوں پر وضعِ حمل مشکل ہوجاتا ہے تو مجبوراً عملِ ولادت کے لیے آپریشن کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ بسا اوقات اس آپریشن کے ذریعہ بچے کا خروج فرج کے علاوہ کسی دوسرے راستے سے ہوتا ہے، اس طرح کی عورتوں کا خونِ نفاس کے حوالے سے کیا حکم ہے اور شرعاً ان کے غسل کا کیا حکم ہے؟

جواب سوال میں مذکورہ عورتوں کا حکم نفاس والی عورتوں کا سا حکم ہے، جب وہ خون دیکھیں تو پاک ہونے تک بیٹھی رہیں اور اگر وہ خون نہ دیکھیں تو دوسری پاک عورتوں کی طرح روزہ رکھیں اور نماز ادا کریں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

استحاضہ کا بیان

ایک عورت کو ہر مہینے چھ دن حیض آیا کرتا تھا، پھر اس کو مسلسل خون آنے لگا:

سوال ایک عورت کو ہر مہینہ کے شروع میں چھ دن حیض آتا تھا، پھر اس کو مسلسل خون آنے لگا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ عورت جس کو ہر ماہ کے شروع میں چھ دن حیض آتا تھا اور اس پر مسلسل خون طاری ہوگیا، اس پر لازم ہے کہ وہ ہر ماہ کے شروع میں چھ دن بیٹھے اور اس پر ان چھ دنوں میں حیض کے احکام لاگو ہوں گے، اور جو ایام اس کے علاوہ ہیں وہ استحاضہ کے ایام شمار ہوں گے، لہٰذا اُن میں عورت غسل کر کے نماز ادا کرے گی اور ان زائد

ایام کے خون کی کوئی پرواہ نہیں کرے گی۔ کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں مستحاضہ ہوتی ہوں اور پاک نہیں ہوتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« لا إن ذلك عرقا، ولكن دعي الصلوة قدر الأيام التي كنت تحيضين فيها ثم اغتسلي وصلي »[1]

''نہیں، بلاشبہ یہ تو رگ کا خون ہے لیکن تم ان ایام میں نمازیں چھوڑو جن میں تم حائضہ ہوا کرتی تھی، پھر غسل کر کے نماز ادا کرو۔'' (اس روایت کو بخاری نے بیان کیا ہے)

اور مسلم میں یہ روایت یوں مروی ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ بنت جحش کو کہا:

« امكثي قدر ما كانت تحبسك حيضتك، ثم اغتسلي وصلي »[2]

''تم اتنی مدت ہی رکی رہو جتنی مدت تجھے تیرا حیض روکتا تھا، پھر غسل کرو اور نماز ادا کرو۔'' (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جس عورت کو تیز خون آئے اس کی نماز کی کیفیت:

سوال ایسی عورت جس کو تیز خون آئے وہ کس طرح نماز ادا کرے اور کب روزہ رکھے؟

جواب اس طرح کی عورت جس کو خون آئے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اس عارضہ کے لاحق ہونے سے پہلے کی اپنی سابقہ عادت کے ایام میں نماز روزہ سے بیٹھی رہے، مثلاً: اگر اس کی عادت ہر مہینے کے شروع میں چھ دن حیض آنے کی تھی تو وہ ہر مہینے کے آغاز میں چھ دن بیٹھی رہے، نہ نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے اور جب حیض منقطع ہو جائے تو وہ غسل کر کے نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔

اس عورت اور اس جیسی دیگر عورتوں کے لیے نماز ادا کرنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اچھی طرح اپنی شرمگاہ کو دھو لے، پھر اس پر پٹی باندھ کر وضو کرے اور وہ ایسا نماز کا وقت

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [319]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [334]

شروع ہونے کے بعد کرے، نہ کہ نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے، پھر وہ نماز ادا کرے اور فرض کے علاوہ اوقات میں نفل ادا کرنے کے لیے بھی وہ ایسے ہی کرے، اور اگر اس میں دقت محسوس ہوتی ہو تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ یا اس کے برعکس، یعنی عصر کو ظہر کے ساتھ اور عشاء کو مغرب کے ساتھ، پڑھ لے تا کہ اس کی ایک طہارت ظہر وعصر کی دو نمازوں کے لیے اور ایک طہارت مغرب اور عشاء کی دو نمازوں کے لیے کافی ہو۔ اور ایک طہارت فجر کی نماز کے لیے کرے تا کہ وہ اس طرح پانچ مرتبہ طہارت کے بدلے تین مرتبہ طہارت کر کے نمازیں ادا کر لے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ایک عورت کو خون نکلنے لگا تو اس نے نماز ترک کر دی، چند دنوں کے بعد حقیقی حیض شروع ہو گیا:

سوال ایک عورت کو نو دن تک خون آیا، اس نے ان کو عادتِ ماہواری سمجھ کر نماز ترک کر دی مگر چند دنوں کے بعد اسے حقیقی ماہواری شروع ہو گئی، اب وہ کیا کرے؟ کیا ان ایام کی چھوڑی ہوئی نمازیں ادا کرے یا وہ کیا کرے؟

جواب افضل اور بہتر تو یہ ہے کہ وہ پہلے دنوں کی متروکہ نمازیں ادا کرے اور اگر وہ ایسا نہ بھی کرے تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ نبی ﷺ نے اس مستحاضہ کو، جس نے آپ ﷺ کو بتایا تھا کہ اسے بہت زیادہ استحاضہ آتا ہے اور وہ ان دنوں میں نماز ترک کر دیتی ہے، فرمایا تھا کہ وہ چھ یا سات دن حیض کے شمار کر کے مہینے کے باقی ایام میں نماز ادا کرے۔ آپ ﷺ نے اس کو چھوڑی ہوئی نمازیں دھرانے کا حکم نہیں دیا، پھر بھی اگر وہ متروکہ نمازیں دھرا لے تو بہتر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس نے مسئلہ دریافت کرنے میں کوتاہی کی ہو، اور اگر وہ نمازیں نہ بھی دہرائے تو اس پر کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ایک عورت کو آپریشن کے بعد اور ماہواری کی عادت سے پہلے کالا خون آیا اور پھر ماہواری آئی:

سوال ایک عورت نے رحم کا آپریشن کروایا، پھر آپریشن کے بعد اور ماہواری کے ایام

شروع ہونے سے چار یا پانچ دن پہلے اس نے سیاہ خون دیکھا جو کہ عادت کا خون نہیں تھا اور اس کے متصل بعد اس کو عادت کے مطابق ماہواری سات دن آئی، کیا ماہواری شروع ہونے سے پہلے کے ایام کو وہ حیض شمار کرے گی؟

جواب اس معاملہ میں طبیبوں سے رجوع کرنا چاہیے کیونکہ بظاہر اس عورت کو آنے والا خون آپریشن کا نتیجہ ہے اور جو خون آپریشن کی وجہ سے نکلے اس کا حکم حیض کا حکم نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے مستحاضہ کے متعلق فرمایا:

《إن ذلك عرق》[1] ''بلاشبہ یہ رگ سے نکلنے والا خون ہے۔''

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خون اگر رگ سے جاری ہوتا ہے اور آپریشن سے نکلنے والا خون بھی اس میں داخل ہے تو وہ حیض کا خون شمار نہیں ہوگا، اور اس کی وجہ سے وہ چیزیں حرام نہیں ہوں گی جو حیض کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں۔ اس صورت میں نماز واجب ہوگی اور اگر ایسا رمضان کے مہینہ میں ہو تو روزہ بھی واجب ہوگا۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حیض و نفاس کے علاوہ نکلنے والے خون کا حکم:

سوال اس خون کا کیا حکم ہے جو عورت کو حیض و نفاس کے علاوہ آئے؟ کیا وہ ان ایام کی عبادات کی قضا دے گی جن میں وہ خون رمضان کے مہینے میں دن کے وقت آیا ہو؟

جواب جب عورت کو رمضان کے دنوں میں خون آیا ہو اور وہ خون حیض اور نفاس کا نہ ہو تو اس پر روزہ رکھنا اور نماز ادا کرنا واجب ہوگا۔ وہ ہر نماز کے لیے وضو کرے گی اور روزوں اور نمازوں کو قضا نہیں کرے گی۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

ماہِ رمضان میں عورت کو لگنے والے خون کے دھبوں کا حکم:

سوال جب عورت کو رمضان کے دنوں میں خون کے معمولی سے دھبے لگیں اور یہ خون رمضان کا پورا مہینہ آتا رہے اور وہ عورت روزے رکھتی رہے تو کیا اس کا روزہ صحیح ہوگا؟

جواب جی ہاں، اس کا روزہ صحیح ہے، رہنے یہ نقطے اور دھبے تو ان کا کچھ اعتبار نہیں، کیونکہ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [226] صحيح مسلم، رقم الحديث [333]

وہ رگوں سے خارج ہوئے ہیں۔علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''اس قسم کے نقطے تو نکسیر کی طرح ہوتے ہیں یہ حیض نہیں ہیں۔''

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب ایک عورت نفاس سے پاک ہونے کے دس دن بعد خون کے دھبے دیکھے جبکہ وہ ماہواری کا وقت بھی نہ ہو؟

سوال ایک عورت چالیس دن نفاس کے پورے کر کے مکمل پاک صاف ہوگئی، پھر دس دنوں کے بعد اس نے معمولی خون کے دھبے لگتے ہوئے دیکھے تو اس نے ظہر کی نماز چھوڑ دی اور پانچ نمازوں کے اوقات گزرنے کے بعد خون بند ہوگیا اور وہ اپنے مخصوص ماہواری کے ایام میں بھی نہ تھی۔ اس کا سوال یہ ہے کہ کیا وہ ان چھ وقتوں کی نمازوں کی قضا کرے گی اور وہ دو یا تین خون کے قطرے جو ماہواری کے علاوہ دنوں میں دیکھے، ان کا کچھ اعتبار نہ ہوگا، یا کہ وہ یہ نمازیں ترک کر دے گی جیسے کہ پہلے اس کے اس عمل کا ذکر ہوا ہے؟

جواب جب نفاس والی عورت نفاس سے پاک ہونے کے دس دن بعد خون کے دھبے دیکھے، اگر ان کی ماہواری کے ایام سے موافقت نہ ہو تو وہ نماز ترک کرے گی اور نہ روزے ہی چھوڑے گی کیونکہ یہ فاسد خون ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ ان ایام کی متروکہ نمازوں کی قضا کرے جن میں اس کو خون کے دھبے لگے تھے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

مستحاضہ سے وطی کرنے کا حکم:

سوال مستحاضہ سے وطی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب حنبلی مذہب کے دوسرے قول کے مطابق خاوند کے لیے اپنی مستحاضہ بیوی سے وطی کرنا ممنوع ہے بلکہ وہ اس کے ساتھ مجامعت کے لیے آئے گا اگرچہ اس کو گناہ میں ملوث ہونے کا ڈر نہ ہو، البتہ وطی کرنا مکروہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مستحاضہ عورتوں کے خاوند ان سے مجامعت کیا کرتے تھے اور یہ اس کے جواز کی دلیل ہے، البتہ ان

سے وطی کرنا مع الکراہت مباح ہوگا، اور عدمِ تحریم والا قول زیادہ راجح ہے اور جہاں تک ممکن ہو اجتناب کرنا اولیٰ و بہتر ہے۔ (سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ)

زردی مائل مٹیالے خون اور سفید رطوبت کی وضاحت:

سوال ہم امید کرتی ہیں کہ آپ زردی مائل اور مٹیالے رنگ کے خون کی ہمارے لیے وضاحت کریں گے۔ کیا ان کا حکم حیض کا حکم ہے؟ پھر سفید رطوبت کی کیا حیثیت ہے؟ کیا ان کے ساتھ عورت پر لازم ہے، یہ جانتے ہوئے کہ خونِ حیض بند ہو گیا، کہ وہ غسل کرے؟

جواب مٹیالے اور زردی مائل خون سے مراد وہ سیال مادہ ہے جو مٹیالے رنگ میں تبدیل ہو کر عورت (کے رحم) سے خارج ہوتا ہے، جیسا کہ گوشت دھونے کے بعد پانی کا رنگ ہوتا ہے، یعنی سرخ لیکن اس کی سرخی واضح نہیں ہوتی۔ اور ''صفرۃ'' سے مراد وہ پیلا پانی ہے جو عورت (کے رحم) سے نکلتا ہے۔ اس زردی مائل اور مٹیالے سیال مادوں کے متعلق علماء کے پانچ اقوال ہیں۔ سب سے صحیح قول یہ ہے کہ اگر یہ حیض کے متصل بعد نکلے تو وہ حیض شمار ہوگا بشرطیکہ وہ طویل نہ ہو، اور جو حیض کے ساتھ متصل نہ ہو وہ حیض شمار نہیں ہوگا۔ اور سفید رطوبت سے مراد یہ ہے کہ جب عورت اپنی شرمگاہ پر روئی رکھے اور اس کے رنگ کے بدلنے پر غور کرے، اگر روئی کا رنگ تبدیل ہو جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی خون منقطع نہیں ہوا۔ بعض عورتوں کو سفید رطوبت نہیں آتی ہے یعنی ان کو ایک حیض سے دوسرے حیض تک مٹیالے رنگ کا مادہ نکلتا رہتا ہے تو خون کا بند ہونا ان کے طہر کی نشانی ہے اگرچہ زردی باقی ہو کیونکہ اس کو سفیدی نہیں آتی۔ اور فی الواقع حیض کے مسائل بعض حالات میں عورتوں کے لیے بڑے مشکل ہوتے ہیں لیکن فطری تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنے والی خواتین کو حیض میں کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ ان مشکلات کا اکثر سبب بننے والی جڑی بوٹیاں یعنی وہ گولیاں ہیں جو وہ استعمال کرتی ہیں۔ یہ گولیاں رحم کے لیے ضرر رساں ہونے کی وجہ سے عورتوں کے لیے بہت سی مشکلات پیدا کر دیتی ہیں اور

ان مفتیان پر بھی جن سے وہ سوال کرتی ہیں، لہٰذا میں خواتین کو ان گولیوں کے استعمال سے منع کرتا ہوں، خاص طور پر وہ عورتیں جن کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔ مجھ کو بعض ڈاکٹرز نے بتایا ہے کہ ان گولیوں کے استعمال سے بانجھ پن پیدا ہوتا ہے اور خطرہ لاحق ہوجاتا ہے کہ وہ عورت بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہے گی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح کے غیر فطری طریقے منفی اثرات پیدا کرتے ہیں، پس حیض ایک طبعی خون ہے جس نے اس کی فطری رفتار کو روکنے کے لیے کوئی دوائی کھائی تو جسم پر اس کا ردعمل ایک لازمی امر ہے کیونکہ اس نے اپنے جسم کو فطرت کے اس تقاضے سے روکا ہے جس پر اللہ عزوجل نے اس کو پیدا کیا ہے، لہٰذا میں (ایک مرتبہ پھر) عورتوں کو ان گولیوں کے استعمال سے خبردار کرتا ہوں۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

وہ عورت جس کا مانعِ حمل گولیاں استعمال کرنے کی وجہ سے مٹیالے رنگ کا مادہ بہنے لگا اور اس کا حیض بگڑ گیا؟

سوال مٹیالے خون نے ایامِ حیض کو بگاڑ دیا، حالانکہ میں مسلسل مانعِ حمل گولیاں استعمال کر رہی ہوں اور سمجھا یہ جاتا ہے کہ ان گولیوں کے استعمال سے خون نہیں آتا، تو کیا یہ مٹیالا خون حیض کا خون ہوگا؟ یاد رہے کہ وہ گولیاں بھی ختم ہوا چاہتی ہیں۔

جواب درحقیقت مانعِ حمل گولیوں کے استعمال نے خواتین کو اور اہل علم کو بہت سی مشکلات میں ڈالا ہوا ہے، اس لیے کہ یہ گولیاں حیض کی عادت کو بگاڑ دیتی ہیں۔ بعض معتبر ڈاکٹرز نے مجھے بتایا ہے کہ ان گولیوں کے چودہ سے زیادہ نقصانات ہیں اور وہ سب مضرِ صحت ہیں، دشمنانِ اسلام نے مسلم آبادی کو کم کرنے کے لیے ان ادویات کو تیار کیا ہے کیونکہ یہ رحموں کو خراب کر دیتی ہیں اور عورتوں کو کمزور کر دیتی ہیں حتی کہ بعض خواتین ان گولیوں کے استعمال کی وجہ سے عموماً جسم میں کمزوری محسوس کرتی ہیں۔ لہٰذا میں اپنی بہنوں کو یہ نصیحت کرنا چاہوں گا کہ وہ ان گولیوں کو ہرگز استعمال نہ

کریں کیونکہ یہ ضرر رساں ہیں۔ اگر عورت حمل برداشت نہ کر سکتی ہو تو اس سے بچاؤ کے دیگر ذرائع بھی موجود ہیں جو وہ عورتیں یا ان کے خاوند اختیار کر سکتے ہیں جب واقعی عورت حمل کی متحمل نہ ہو سکتی ہو۔

لیکن خواتین کے لیے ان گولیوں کے استعمال کا دروازہ کھولنا ان کے لیے اور پوری امت کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ میں بذاتِ خود ان گولیوں کے استعمال کی وجہ سے حیض کے معاملے میں پیدا ہونے والے پیچیدہ مسائل میں مشکل محسوس کرتا ہوں کیونکہ وہ فی الواقع حیران کن ہیں، میں ہمیشہ عورتوں کو، جو مجھ سے اس طرح کے مسائل دریافت کرتی ہیں، ڈاکٹرز کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ ڈاکٹرز سے پوچھو، جب ڈاکٹر کہے کہ یہ حیض ہے تو وہ حیض ہے اور اگر وہ کہے کہ یہ ادویات کا نچوڑ ہے تو یہ حیض نہیں ہے، اس وقت بھی میری طرف سے یہی جواب ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

وہ عورت جس نے مٹیالے رنگ کا خون دیکھ کر نماز ترک کر دی:

سوال ایک عورت نے اپنے حیض کے مقررہ ایام سے پہلے مٹیالے رنگ کا خون دیکھ کر نماز ترک کر دی، پھر عادت کے مطابق خون جاری ہوا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

« كنا لا نعد الصفرة و الكدرة بعد الطهر شيئاً »[1]

''ہم طہر کے بعد زردی مائل اور مٹیالے سیال کو کچھ شمار نہیں کرتی تھیں۔''

سو اس بنا پر مجھے جو بات ظاہر معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ حیض سے پہلے آنے والے مٹیالے رنگ کا سیال مادہ حیض نہیں ہے اور خاص طور پر جب وہ حیض کے مقررہ ایام سے پہلے آئے اور اس پر علاماتِ حیض، جیسے انتڑیوں کی پیچیدگی اور کمر درد وغیرہ، ظاہر نہ ہوں تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اس مدت میں چھوڑی ہوئی نمازیں دھرا لے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [368]

کیا عورتوں سے خارج ہونے والے سیال مادے ناپاک اور ناقضِ وضو ہیں؟

سوال ان سیال مادوں کا کیا حکم ہے جو بعض عورتوں سے خارج ہوتے ہیں؟ کیا وہ ناپاک ہیں؟

جواب یہ مادے، جو عورت کی شرمگاہ سے بلا شہوت خارج ہوتے ہیں، غسل واجب نہیں کرتے لیکن وہ مادے جو بچہ نکلنے والے راستے سے خارج ہوتے ہیں ان کے ناپاک ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، پس بعض علماء نے کہا ہے کہ عورت کی فرج سے نکلنے والی رطوبت ناپاک ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ اس سے پاکی حاصل کرے، جس طرح وہ دوسری نجاست سے پاکی حاصل کرتی ہے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ عورت کی فرج سے خارج ہونے والی رطوبت پاک ہے لیکن جب وہ خارج ہو تو وہ وضو کو توڑ دیتی ہے اور یہی راجح قول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجامعت کے بعد آلۂ تناسل کو نجاست کی طرح نہیں دھویا جاتا۔ رہے وہ مادے جو پیشاب کے راستے سے نکلتے ہیں تو وہ ناپاک ہوں گے کیونکہ ان کا حکم پیشاب کا حکم ہے۔

اللہ عزوجل نے عورت میں دو راستے بنائے ہیں: ایک راستے سے پیشاب نکلتا ہے اور ایک راستے سے بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ چیزیں جو اس راستے سے نکلیں جس سے بچہ نکلتا ہے وہ فطری طور پر نکلنے والی ایسی سیال چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے لیے پیدا کیا ہے، اور وہ چیزیں جو پیشاب کے راستے سے خارج ہوتی ہیں، وہ غالبًا مثانہ سے نکلتی ہیں، وہ ناپاک ہوتی ہیں اور وضو کو توڑ دیتی ہیں۔ مگر ناقض وضو ہونے سے ان کا نجس ہونا لازم نہیں آتا، دیکھیے تو انسان سے نکلنے والی ہوا پاک ہے، کیونکہ شارع نے اس سے استنجا واجب نہیں کیا مگر وہ وضو کو توڑ دیتی ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا وہ عورت جس کو سیال مادہ آتا ہے باوضو ہو کر نفل نمازیں اور قرآن مجید پڑھ سکتی ہے؟

سوال وہ عورت جس کو ہمیشہ سیال مادہ خارج ہوا کرتا ہے جب فرض نماز کے لیے وضو کر لے تو کیا اس کے لیے اس وضو سے نفل نمازیں اور قرآن پڑھنا جائز ہے؟

جواب جب وہ فرض نماز کے لیے اول وقت میں وضو کر لے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ جتنے فرائض و نوافل ادا کرنا چاہے ادا کرے اور اگر قرآن پڑھنا چاہے تو پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

وہ عورت جسے سیال مادہ آتا ہے جب وہ وضو کر لے اور وضو کے بعد اور نماز سے پہلے پھر مادہ نکلے تو کیا کرے؟

سوال ایسی عورت جس کو وقفے وقفے سے سیال مادہ آتا ہو وہ وضو کر لے، پھر وضو کے بعد نماز سے پہلے اس کو دوبارہ مادہ آجائے تو وہ کیا کرے؟

جواب جب مادہ رک رک کر آتا ہو تو عورت کو اس کے منقطع ہونے کا انتظار کرنا چاہیے لیکن اگر اس کی کوئی واضح صورتِ حال نہ ہو، کبھی آتا ہے اور کبھی نہیں تو وہ نماز کا وقت ہو جانے کے بعد وضو کرے اور نماز ادا کرے، پھر اگر دورانِ نماز بھی اس کو مادہ خارج ہوتا رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا سیال مادے والی عورت فجر کے وضو سے چاشت کی نماز پڑھے؟

سوال کیا مذکورہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ فجر کے وضو کے ساتھ چاشت کی نماز ادا کرے؟

جواب یہ درست نہیں ہے کیونکہ چاشت کی نماز کا وقت مقرر ہے، لہٰذا اِس کے لیے ضروری ہے کہ نماز کا وقت ہونے کے بعد وضو کیا جائے، اس لیے کہ یہ عورت مستحاضہ ہے اور بلاشبہ نبی ﷺ نے مستحاضہ کو ہر نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ ظہر کا وقت زوالِ شمس سے لے کر عصر کا وقت شروع ہونے تک ہے، عصر کا وقت ظہر کا وقت ختم ہونے سے لے کر سورج کے زرد ہونے تک ہے اور بوقتِ ضرورت سورج کے غروب ہونے تک ہے، اور مغرب کا وقت سورج غروب ہونے سے لے کر شفقِ احمر غروب ہونے تک ہے، اور عشا کا وقت شفقِ احمر کے غروب ہونے سے لے کر آدھی رات تک ہے، اور فجر کا وقت فجرِ صادق کے طلوع ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا سیال مادے والی عورت کے لیے عشا کے وضو سے تہجد پڑھنی جائز ہے؟

سوال کیا مذکورہ عورت کے لیے آدھی رات گزرنے کے بعد عشا کے وضو سے تہجد پڑھنا جائز ہے؟

جواب یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ آدھی رات گزرنے پر اس کو نیا وضو کرنا ضروری ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس پر تجدید وضو لازم نہیں ہے، یہی راجح موقف ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا سیال مادے والی عورت کے لیے صرف اعضائے وضو کو دھو لینا کافی ہے؟

سوال جس عورت کو سیال مادہ خارج ہو، کیا وہ صرف اعضائے وضو کو دھونے پر اکتفا کر سکتی ہے؟

جواب جب وہ سیال مادہ پاک ہو تو عورت پر کچھ لازم نہیں ہے اور جب وہ ناپاک ہو اور وہ وہ ہے جو مثانہ سے خارج ہو تو اس کا دھونا واجب وضروری ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سیال مادے کے متعلق باوجود ضرورت کے فرمانِ رسول کیوں مروی نہیں؟

سوال اس کی کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیال مادہ کے متعلق کوئی حدیث مروی نہیں ہے جو اس کے ناقضِ وضو ہونے پر دلالت کرتی ہو؟ باوجود اس کے کہ صحابیات رضی اللہ عنہن دینی معاملات میں استفسار کرنے میں بہت حریص تھیں۔

جواب کیونکہ سیال مادہ ہر عورت کو نہیں آیا کرتا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب حاملہ عورت کو پانی نکلے:

سوال ایک عورت چھ ماہ کی حاملہ ہے اور تیسرے مہینے سے اس کو پانی خارج ہو رہا ہے تو کیا یہ پانی اس کی نماز پر اثر انداز ہوگا جبکہ جنین بھی ساقط نہیں ہوا؟

جواب اگر خارج ہونے والی چیز خون ہے اور خون حیض کی طرح ہے تو وہ حیض ہوگا، اور اگر وہ حیض کی صفت پر نہیں ہے تو وہ حیض نہیں ہوگا اور اس کی نماز اور روزے پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ یہ مادہ صرف وضو کو توڑ دے گا لیکن وہ مادہ بذات خود پاک ہے، جسم ولباس کو ناپاک نہیں کرے گا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب کنواری یا شادی شدہ عورت کو بغیر احتلام کے زردی مائل سیال مادہ آئے:

سوال وہ زردی مائل سیال مادہ جو کنواری یا شادی شدہ عورت کو بغیر احتلام کے خارج ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا عورت اس کے نکلنے سے غسل کرے؟

جواب اگر تو یہ سیال مادہ مذی ہے تو عورت پر غسل واجب نہیں اور اگر وہ منی ہو اور نکلے بھی شہوت یا احتلام کے ساتھ تو اس پر غسل کرنا واجب ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جب عورت کو پیشاب کے ساتھ اور اس کے بعد بلاشہوت منی خارج ہو:

سوال مجھے پیشاب کے ساتھ اور اس کے بعد بلاشہوت منی نکلتی ہے اور چمڑے (یعنی شرمگاہ) میں کوئی حرکت نہیں ہوتی، کیا مجھ پر غسل واجب ہے؟ اور کیا یہ نکلنے والی چیز نجس شمار ہوگی یا نہیں؟

جواب جو چیز تیری شرمگاہ سے پیشاب کے ساتھ بغیر شہوت کے نکلتی ہے وہ ودی ہے اور پیشاب کی طرح ناپاک ہے، تم پر اس کی وجہ سے غسل واجب نہیں ہے، صرف ودی لگنے کی جگہ کو دھونا واجب ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

مشت زنی کا حکم:

سوال مشت زنی کا کیا حکم ہے؟

جواب ہم اس فعل بد کی حرمت میں شک نہیں کر سکتے، اور ایسا دو سبب سے ہے:

پہلا سبب: اللہ تعالیٰ کا مومنین کا وصف بیان کرتے ہوئے یہ فرمان ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴾ [المومنون: 1 تا 7]

”یقیناً کامیاب ہوگئے مومن، وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں،

اور وہی جو لغو کاموں سے منہ موڑنے والے ہیں، اور وہی جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں، اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں یا ان (عورتوں) پر جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں تو بلاشبہ وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں، پھر جو اس کے سوا تلاش کرے تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔''

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے مشت زنی کی حرمت پر استدلال کیا ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے قضائے شہوت کے دو طریقے مقرر کیے ہیں: ایک آزاد عورتوں سے شادی کرنا اور دوسرا لونڈیوں سے قضائے شہوت کا فائدہ اٹھانا۔ یہ دو طریقے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ﴾ [المومنون: 7]

''پھر جو اس کے سوا تلاش کرے تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔''

یعنی جو شخص قضائے شہوت کے لیے بیوی اور لونڈی کے علاوہ کوئی اور راستہ تلاش کرے گا وہ زیادتی کرنے والا اور ظالم ہے۔

دوسرا سبب: بلاشبہ طبی لحاظ سے یہ بات ثابت ہے کہ اس فعلِ بد کا انجام بہت بھیانک ہے اور یقیناً اس عادتِ بد میں صحت کا بگاڑ ہے، خاص طور پر جو صبح شام اس پر دوام و ہمیشگی کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لا ضرر ولا ضرار » ''نہ ضرر قبول کرو اور نہ کسی کو ضرر پہنچاؤ۔''

لہٰذا مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جو خود اس کے لیے یا دوسروں کے لیے نقصان دہ ہو۔ یہاں پر ایک اور قابل ذکر چیز ہے وہ یہ کہ جو لوگ اس عادتِ بد میں مبتلا ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی صادق آتا ہے:

﴿ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ﴾ [البقرۃ: 61]

''کیا تم وہ چیز جو کمتر ہے، اس چیز کے بدلے مانگ رہے ہو جو بہتر ہے۔''

پس یقیناً نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی موجود ہے:

«یا معشر الشباب! من استطاع منکم الباءة فلیتزوج، فإنه أغض للبصر، وأحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیه بالصوم، فإنه له وجاء»[1]

''اے نوجوانوں کی جماعت! جو تم میں سے گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ شادی کر لے، پس بلاشبہ شادی نگاہ کو پست رکھنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے، اور جو اس کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھا کرے، کیونکہ وہ اس کی شہوت کو قطع کر دیں گے۔'' (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

عورتوں کی شرمگاہ سے نکلنے والے مادوں کا حکم:

سوال ان سیال مادوں کا کیا حکم ہے جو عورتوں کی شرمگاہ سے خارج ہوتے ہیں؟ کیا ان کا حکم ودی کا حکم ہے؟

جواب ان کا حکم پیشاب کا حکم ہے عورتوں پر ان سے استنجا کرنا، شرعی وضو کرنا اور ان کے جسم ولباس کو ان میں سے جو لگے اس کو دھونا لازمی ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت اپنی منی، مذی اور سیال مادوں میں کیسے فرق کرے؟

سوال ایک عورت اپنی منی، مذی اور شرمگاہ سے نکلنے والے سیال مادوں میں کیسے فرق کرے؟

جواب عورت کا پانی مرد کے پانی کے برخلاف پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے جبکہ مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے۔ رہی مذی تو وہ سفید رنگ کا پتلا سا مادہ ہے جو شہوت کے وقت خارج ہوتا ہے لیکن وہ ایسی شہوت کے وقت نکلتا ہے جس میں جھٹکے نہیں ہوتے اور اس سے فتور لاحق نہیں ہوتا، اور وہ سیال مادے جو عادتاً اس سے خارج ہوتے ہیں سفید رنگ کے مادے ہوتے ہیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود رحمہ اللہ)

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1806] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1400]

کتاب الصلاۃ
چوتھا باب

عورتوں کی اذان اور اقامت کا حکم

عورت کی اذان کا حکم:

سوال عورت کی اذان کا کیا حکم ہے؟

جواب اذان کہنا ہر گز عورتوں کا حق نہیں ہے اور نہ ہی عورت کی یہ شان ہے کہ وہ اذان کہے کیونکہ اذان ظاہری اور اعلانیہ امور سے تعلق رکھتی ہے جن کا تعلق مردوں کے ساتھ ہے جیسا کہ جہاد وغیرہ امور میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ لیکن ذلیل نصاریٰ کا مذہب یہ ہے کہ وہ عورتوں کو بلند مرتبوں کی مالک سمجھتے ہیں بلکہ انھوں نے عورتوں کی خلقت کے منافی امور تک کو ان کے ساتھ جوڑنا اور دو مختلف جنسوں میں برابری پیدا کرنا اپنا نصب العین بنا رکھا ہے۔ (سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

عورتوں کی اذان و اقامت کا حکم:

سوال کیا عورتوں کے لیے اذان و اقامت مشروع ہے؟ چاہے وہ حضر میں اکیلی ہوں یا سفر میں؟ اکیلی یا جماعت کے ساتھ ہوں؟

جواب عورتوں کے لیے اذان و اقامت مشروع نہیں ہے، خواہ وہ حضر میں ہوں یا سفر میں۔ اذان و اقامت تو مردوں کی خصوصیات میں سے ہیں جیسا کہ اس پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث دلالت کرتی ہیں۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

عورتوں کی اذان مردوں کے پاس:

سوال کیا عورت کے لیے مردوں کے پاس بغیر نماز کے اذان کہنا جائز ہے؟

جواب شریعت کے مخالف ہونے کی وجہ سے عورت کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

تنہائی یا عورتوں کے سامنے عورت کی اذان کا حکم:

سوال کیا عورت پر واجب ہے کہ جیسا کہ وہ گھر میں تنہا ہو یا عورتوں کی جماعت کے ساتھ ہو تو اذان و اقامت کہے؟

جواب نہ اس پر اذان و اقامت واجب ہے اور نہ اس کے لیے ایسا کرنا مشروع ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جب عورت عورتوں کی امامت کروائے تو کیا اقامت کہے؟

سوال مجھے معلوم ہے کہ عورت کے لیے اقامت کہنی جائز نہیں مگر جب وہ عورتوں کی امامت کروائے تو کیا اقامت مشروع ہوگی؟

جواب عورتوں کے حق میں نماز کے لیے اقامت کہنا مسنون نہیں ہے، خواہ اکیلی نماز ادا کریں یا ان میں سے کوئی ان کی امامت کروائے، جیسے کہ ان کے لیے اذان کہنی مشروع نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

نماز کی شروط و واجبات

نماز کے پردے اور نظر کے پردے میں فرق:

سوال نماز کے پردے اور نظر کے پردے میں کیا فرق ہے؟

جواب آزاد بالغ عورت کا سارا جسم نماز میں پردہ ہے سوائے اس کے چہرے کے، وہ پردے میں شامل نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ چہرہ کھول کر نماز ادا کرے، اور اگر وہ چہرہ ڈھانپ کر بھی نماز ادا کرے تو اس کی نماز درست ہوگی، البتہ ایسا کرنا خلافِ اولیٰ ہے، یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اجنبی مرد سے الگ ہو کر نماز ادا کرے۔ عورت کے لیے نظر کے پردے اور نماز کے پردہ میں فرق ہے، نماز میں پردے سے چہرہ خارج ہے اور نماز کے علاوہ چہرہ پردے میں شامل ہے کیونکہ بے پردگی حرام ہے، خواہ وہ طواف کے دوران ہو یا نماز میں یا دیگر عبادات میں۔ اس کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ اس سے فتنہ کھڑا ہوتا ہے کیونکہ وہ محاسن جو شہوت کے داعی

ہیں اور اس میں واقع ہونے کا سبب ہیں ان میں اصل چہرہ ہی تو ہے، اگرچہ شرمگاہ کی طرف دیکھنا بھی ایک لحاظ سے شہوت کا داعی ہے، اور عورت کے محاسن سے متعلق ہر چیز شہوت کی داعی ہے لیکن خاص طور پر چہرے میں ایک الگ ہی کشش پائی جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ بے پردگی و بے حیائی سے دھوکا کھانے والوں نے بے حیائی کا ایک بہت بڑا دروازہ کھول دیا ہے، اگرچہ چہرے کے پردے میں داخل نہ ہونے کے متعلق بعض ائمہ کے اقوال موجود ہیں مگر وہ سب مجتہد ہیں، اپنے اجتہاد پر ثواب پانے والے ہیں اور اپنی لغزشوں میں معذور ہیں لیکن حق کے پیچھے چلنا ہی حق اور درست ہے چاہے وہ جس کے بھی ساتھ اور جہاں کہیں بھی ہو۔ (سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

جب عورت مجبوراً بے پردہ ہوکر نماز ادا کرے:

سوال جب بے حجاب عورت نماز کی طرف مجبور ہو یا اس نے شرعی پردہ نہ کیا ہو، مثلاً اس کے سر کے بال یا پنڈلی کا کچھ حصہ کسی وجہ سے کھلا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب پہلے تو یہ بات جان لینی چاہیے کہ عورت کے لیے پردہ کرنا واجب ہے اس کے لیے پردہ ترک کرنا یا اس میں کسی قسم کی سستی کرنا جائز نہیں ہے اور جب نماز کا وقت ہو جائے اور مسلمان عورت مکمل شرعی پردہ میں نہ ہو یا اپنے جسم کو چھپائے ہوئے نہ ہو تو اس مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے:

1. اگر یہ بے پردگی یا بے حجابی مجبوری کے عالم میں ہو تو وہ اسی حالت میں نماز ادا کرے گی، اس کی نماز درست ہوگی اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرۃ: 286]

''اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔''

نیز اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی تم طاقت رکھو۔''

2. اور اگر یہ بے حجابی اور بے پردگی اختیاری حالت میں ہو، مثلاً عادات اور دوسروں کی دیکھا دیکھی یا اس طرح کے کسی اور سبب کی وجہ سے ہو تو اگر یہ بے پردگی صرف چہرے اور ہتھیلیوں میں ہو تو نماز درست ہے، البتہ غیر مردوں کے سامنے ایسی حالت میں نماز پڑھنا گناہ کا سبب بنے گا، اور اگر پنڈلی یا بازو یا سر کے بال وغیرہ کھلے ہوں تو ایسی حالت میں نماز جائز نہیں ہے اور اگر وہ اس حالت میں نماز ادا کرے گی تو اس کی نماز باطل ہوگی اور وہ دو وجہوں سے گناہ گار ہوگی: ایک تو اجنبی غیر محرم مرد کے سامنے مطلقاً جسم کو کھولنے کی وجہ سے اور دوسرے ایسی حالت میں نماز ادا کرنے کی وجہ سے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

جب نماز میں عورت کے کچھ بال ظاہر ہو جائیں:

سوال جب نماز میں عورت کے کچھ بال ظاہر ہو جائیں تو کیا اس کی نماز باطل ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب جب عورت کے معمولی سے بال اور جسم کا معمولی سا حصہ ظاہر ہو جائے تو اکثر علماء کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ کرنا لازم نہ ہوگا اور یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا، اور اگر بال اور جسم کافی زیادہ ظاہر ہو جائیں تو وہ عورت وقت کے اندر ہو تو نماز کا اعادہ کرے گی۔ یہ موقف عام علماء اور ائمہ اربعہ وغیرہ کا ہے۔

(شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

کیا عورت پر بغیر شلوار اور پاجامہ کے نماز پڑھنا واجب ہے؟

سوال کیا عورت پر واجب ہے کہ وہ بغیر شلوار و پاجامہ کے نماز ادا کرے جبکہ میں اپنی بیوی سمیت عورتوں کو ایسا کرتے ہوئے دیکھتا ہوں؟

جواب عورت پر لازم ہے کہ وہ ایسے کپڑے میں نماز ادا کرے جو اس کے پورے جسم کو ڈھانپ رہا ہو، اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا يقبل الله صلاة حائض إلا بخمار»[1]

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [641]

"اللہ تعالیٰ بالغہ عورت کی نماز بغیر دوپٹے کے قبول نہیں فرماتے۔"

اس لیے بھی کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا عورت قمیص اور دوپٹے میں نماز ادا کر سکتی ہے جبکہ اس پر تہبند نہ ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《إذا كان الدرع سابغا يغطي ظهور قدميها》[1]

"(ہاں) قمیص اتنی لمبی ہو کہ وہ اس کے پاؤں کے اوپر والے حصے کو ڈھانپ لے۔"

اور عورت کا سارا جسم، سوائے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے، نماز میں پردہ ہے مگر جب اس کے پاس کوئی اجنبی مرد ہو تو چہرہ اور ہتھیلیاں بھی پردے میں شامل ہوں گی اور عورت کے لیے شلوار و پاجامہ میں، جبکہ وہ پاک ہوں، نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جب عورت قیام کرنے سے عاجز آجائے؟ اور کیا بیٹھ کر نماز پڑھنے سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے؟

سوال ایک عورت رات کو معمول کے مطابق نماز ادا کیا کرتی ہے، بعض اوقات وہ قیام کرنے سے عاجز آجاتی ہے، اس کو کہا جاتا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے نصف ثواب ملتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب ہاں یہ بات درست ہے کیونکہ صحیح حدیث کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم》[2]

"بیٹھنے والے کی نماز کھڑے ہونے والے کی نماز سے نصف اجر رکھتی ہے۔"

لیکن جب اس کی عادت یہ ہے کہ وہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتی ہے اور بیٹھ کر اس وقت پڑھتی ہے جب کھڑے ہونے سے عاجز ہوتی ہے، پس اللہ تعالیٰ اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا اجر عطا کرے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

---

[1] **ضعیف**. سنن أبي داود، رقم الحديث [640]

[2] **صحيح**. سنن النسائي، رقم الحديث [1659]

«إذا مرض العبد أو سافر كتب له من العمل ما كان يعمله وهو صحيح مقيم»[1]

''جب کوئی شخص بیمار ہو جاتا ہے یا سفر پر روانہ ہوتا ہے (اور مرض اور سفر کی وجہ سے بیٹھ کر اور قصر نماز ادا کرتا ہے) تو اس کے نامۂ اعمال میں اسی طرح لکھا جاتا ہے جیسے وہ صحت کی حالت میں اور حالتِ اقامت میں ادا کیا کرتا تھا۔''

پس اگر وہ بیماری کی وجہ سے مکمل نماز نہیں پڑھ پاتا تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت اور جتنی وہ قدرت رکھتا ہے اتنی ادا کرنے کی وجہ سے پوری نماز کا اجر عطا کر دیتا ہے، تو جب وہ اپنے کئی اعمال سے عاجز آجاتا ہے تو اس کو ان کا اجر کیسے نہ دیا جائے گا؟

(شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

عورت کا اس کپڑے میں نماز ادا کرنا جس میں بچے نے پیشاب کر دیا ہو:

سوال ہوائی جہاز کے سفر کے دوران عورت کے کپڑوں پر بچے کی نجاست لگ جاتی ہے اور وہ کپڑے بدلنے کی قدرت نہیں رکھتی کیونکہ اس کے کپڑے مخازن میں ہیں تو کیا وہ اپنے ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھے گی یا وہ زمین پر اترنے تک صبر کرے اور کپڑے تبدیل کر کے نماز ادا کرے؟ حالانکہ اسے یہ بھی یقین ہے کہ وہ نماز کا وقت گزر جانے کے بعد زمین پر اترے گی؟

جواب اس عورت پر بر وقت نماز ادا کرنا ہی لازم ہے اگرچہ اس کے کپڑے ناپاک ہیں کیونکہ وہ نجاست کو دھونے سے یا لباس تبدیل کرنے سے معذور ہے اور اس پر نماز کا اعادہ بھی واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔''

نیز نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم، وما نهيتكم عنه فانتهوا»[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2834]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [6858] صحيح مسلم، رقم الحديث [1337]

''جب میں تمھیں کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو اس کو حتی المقدور بجا لاؤ اور جب میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس سے بالکل باز آ جاؤ۔'' (سعودی فتویٰ کمیٹی)

ادائیگی نماز کے بعد ہوا کا نکلنا یاد آئے تو کیا جائے؟

سوال میں نے نماز ادا کی اور مکمل کرنے کے بعد مجھے یاد آیا کہ مجھے ہوا خارج ہوئی تھی، کیا میں اپنی نماز دوبارہ پڑھوں؟

جواب جی ہاں، اس پر اجماع ہے۔ جب بندہ حدثِ اصغر یا حدثِ اکبر سے طہارت حاصل کیے بغیر نماز ادا کرے تو بذریعہ اجماع اس پر فرض ہے کہ جب اس کو یاد آئے وہ نماز لوٹائے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

اجنبی مردوں کی موجودگی میں عورت کی نماز:

سوال جب عورت کے پاس بہت سے اجنبی مرد ہوں، مثلاً مسجد حرام میں تو وہ کس طرح نماز ادا کرے؟ اور ایسے ہی دورانِ سفر جب راستے میں کوئی ایسی مسجد میسر نہ آئے جس میں عورتوں کے لیے الگ نماز کی جگہ ہو؟

جواب عورت کے لیے نماز میں اپنے سارے بدن کا سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے چھپانا واجب ہے، لیکن جب وہ اجنبی مردوں کی موجودگی میں نماز ادا کرے تو چہرہ اور ہتھیلیوں سمیت سارا جسم چھپانا فرض ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

نماز میں ہتھیلیوں اور قدموں کو چھپانے کا حکم:

سوال نماز میں ہتھیلیوں اور قدموں کو چھپانے کا کیا حکم ہے؟

جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے کہ نماز میں ان کا چھپانا فرض نہیں ہے کیونکہ یہ پردہ میں شامل نہیں ہیں، انھوں نے اپنی کتاب ''الانصاف'' میں اسی موقف کو درست قرار دیا ہے۔ رہی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا عورت کرتے اور دوپٹے میں تہبند کے بغیر نماز پڑھ سکتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إذا كان الدرع سابغا يغطي ظهور قدميها»[1]

[1] **ضعیف**. سنن أبي داود، رقم الحديث [640]

"(ہاں) جب کرتہ اتنا لمبا ہو کہ وہ اس کے پاؤں کے اوپر والے حصے کو ڈھانپ لے۔"

اگرچہ یہ حدیث نماز میں پاؤں کے چھپانے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے لیکن اکثر اہل علم نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور انھوں نے کہا ہے کہ نہ اس کا مرفوع ہونا صحیح ہے اور نہ موقوف ہونا۔ لہٰذا اِس سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی، پس عورت کو نماز میں ہاتھوں اور پاؤں کو چھپانے کا حکم دینا، جب اس کے پاس اجنبی مرد نہ ہوں، محتاجِ دلیل ہے۔ اس کو تو صرف دوپٹہ اور کرتہ پہننے کا حکم دیا گیا ہے، البتہ آپ ﷺ کے اس فرمان «المرأة عورة»[1] "عورت سراسر پردہ ہے" کا عموم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہاتھوں اور پاؤں کا چھپانا زیادہ احتیاط والا عمل ہے۔ واللہ اعلم (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

عورت کی بغیر دوپٹے کے نماز:

سوال بغیر دوپٹے کے عورت کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لا يقبل الله صلاة حائض إلا بخمار»[2]

"اللہ تعالیٰ بالغہ عورت کی نماز بغیر دوپٹے کے قبول نہیں فرماتے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کی نماز بغیر ایسے دوپٹے کے جو اس کے سر کو چھپا لے، قبول نہیں ہوتی۔ حدیث کے لفظ "الحائض" سے مراد ایسی بالغہ عورت ہے جو شرعی احکام کی مکلّف ہو، نہ کہ وہ عورت جو اپنے ایامِ حیض گزار رہی ہو کیونکہ حائضہ کے لیے نماز ویسے ہی ممنوع ہے اور بالغہ کو حائضہ کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ غالباً ایسا ہی ہوتا ہے (یعنی عورت کو بالغ ہونے پر حیض شروع ہو جاتا ہے) وگرنہ عورت جب احتلام والی ہو تو مذکورہ حکم اسے بھی شامل ہوگا اگرچہ ابھی وہ حائضہ نہ ہوئی ہو۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

عورت کی نقاب اور دستانوں میں نماز کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے نقاب اور دستانے پہن کر نماز ادا کرنا جائز ہے؟

---

[1] صحیح. سنن الترمذي، رقم الحديث [1173]

[2] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [641]

جواب جب عورت اپنے گھر میں نماز ادا کر رہی ہو یا ایسی جگہ جہاں پر محرم کے علاوہ کسی غیر مرد کی نگاہ نہ پڑے تو اس کے لیے چہرہ اور ہتھیلیاں کھول کر نماز ادا کرنا مشروع ہے تا کہ پیشانی، ناک اور ہتھیلیاں بغیر کسی رکاوٹ کے سجدے والی جگہ پر لگ جائیں، لیکن جب وہ ایسی جگہ نماز ادا کر رہی ہو جہاں اس کے آس پاس غیر محرم مرد ہوں تو اس کے لیے اپنے چہرے کو چھپانا ضروری ہے کیونکہ غیر محرم مردوں سے چہرہ چھپانا واجب ہے اور ان کے سامنے چہرہ کھولنا حلال اور درست نہیں ہے، جیسا کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ اور صحیح فکر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی عقل مند آدمی انکار نہیں کر سکتا تو ایک مومن کو یہ کیسے لائق ہے کہ وہ اس کا انکار کرے؟

اور ہاتھوں پر دستانے پہننا ایک جائز کام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیویوں کے عمل سے یہی ظاہر ہوتا ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لا تنتقب المحرمة و لا تلبس القفازين))[1]

''احرام والی عورت نہ نقاب پہنے اور نہ ہی دستانے پہنے۔''

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ دستانے پہننا صحابیات کی عادت تھی۔ اس بنا پر اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت اجنبی مردوں کی موجودگی میں نماز ادا کرتے ہوئے دستانے پہنے۔ رہا چہرہ چھپانے کا مسئلہ تو وہ اس کو قیام اور جلوس کی حالت میں چھپائے رکھے اور جب سجود کرنا چاہے تو وہ چہرہ کھول لے تا کہ اس کی پیشانی سجدہ گاہ کے ساتھ چھوئے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اوقاتِ نماز

بیماری کے سبب فوت ہو جانے والی نمازوں کی قضا کا حکم:

سوال سوال میں بیماری کی وجہ سے عورت کی فوت شدہ نمازوں کے متعلق دریافت کیا گیا ہے نیز اس عورت کی طرف سے لکھے گئے خط میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ ایک محتاط گنتی

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [833]

کے مطابق اکیس دن بنتے ہیں، اس میں یہ بھی بیان ہے کہ نمازوں کے اوقات کی ابتدا ظہر یا عصر سے ہوئی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ہم تمھیں اس کے متعلق خبر دے کر فائدہ پہنچاتے ہیں کہ تم پر فوت شدہ نمازوں کی حتی الامکان ترتیب کے ساتھ قضا لازم ہے۔ اگر تمام نمازیں ایک ہی دن میں بلا مشقت ادا کی جا سکیں تو ایسا ہی کرنا چاہیے، نہیں تو ان نمازوں کو حسبِ طاقت دنوں اور اوقات پر تقسیم کر کے اول دن اور اول وقت سے ترتیب کے ساتھ ادا کرو۔

(سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

جب حائضہ یا نفاس والی عصر کے وقت پاک ہو تو کیا وہ ظہر کی نماز ادا کرے؟

سوال جب حائضہ یا نفاس والی عورت عصر کے وقت پاک ہو تو کیا اس پر عصر کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کرنا بھی لازم ہوگا یا صرف عصر کی نماز ہی ادا کرنا ہوگی؟

جواب اس مسئلہ میں راجح قول یہ ہے کہ اس پر صرف عصر کی نماز لازم ہوگی کیونکہ ظہر کی نماز کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے اور شریعت میں اصل "براءۃ الذمہ" (شرعی دلیل کے بغیر مکلّف نہ ہونا) ہے، پھر نبی ﷺ نے فرمایا:

« من أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر »[1]

"جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو گویا اس نے عصر کی نماز پالی۔"

آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس نے ظہر پالی اور اگر ظہر بھی واجب ہوتی تو نبی ﷺ اس کو بیان فرما دیتے۔ اور اس لیے بھی کہ اگر عورت ظہر کا وقت داخل ہونے کے بعد حائضہ ہو تو اس پر صرف ظہر کی قضا دینا لازم ہوگا نہ کہ عصر کی، حالانکہ ظہر عصر کے ساتھ جمع کی جا سکتی ہے، اس صورت میں اور مسئولہ صورت میں کوئی فرق نہیں ہے، سو اس بنا پر راجح قول یہ ہوگا کہ عورت پر صرف عصر کی نماز لازم ہے اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب عورت عشا کا وقت ختم ہونے سے پہلے پاک ہو تو اس پر صرف عشا کی نماز لازم ہوگی، نہ کہ مغرب کی نماز۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [554]

جب کوئی عورت کسی نماز کا وقت شروع ہوتے ہی حائضہ ہو جائے تو کیا وہ پاک ہونے کے بعد اس نماز کی قضا کرے گی؟

سوال ایک عورت، مثلاً: ایک بجے بوقت ظہر حائضہ ہوئی اور ابھی تک اس نے ظہر کی نماز ادا نہیں کی تو کیا حیض سے پاک ہونے کے بعد ظہر کی نماز قضا کرنا اس کے ذمہ ہوگا؟

جواب اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، ان میں سے بعض نے کہا: اس پر اس نماز کی قضا لازم نہیں ہوگی کیونکہ نہ اس نے کوتاہی کی اور نہ ہی وہ گناہ گار ہوئی، اس لیے کہ نماز کو آخری وقت تک مؤخر کرنا جائز ہے، اور بعض علماء نے کہا ہے: یقیناً اس پر اس نماز کی قضا لازم ہوگی۔ نبی ﷺ کے اس عمومی فرمان کی وجہ سے:

« من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك الصلاة »[1]

''جس نے ایک رکعت نماز پالی، بلاشبہ اس نے نماز پالی۔''

اور اس عورت کے لیے احتیاط اسی میں ہے کہ وہ اس نماز کی قضا کرے کیونکہ یہ ایک نماز ہی تو ہے اور اس کی قضا میں کوئی مشقت بھی نہیں ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

باجماعت نماز

عورتوں کی افضل صف:

سوال عورتوں کی صفیں مردوں کی صفوں سے فضیلت میں برعکس ہیں۔ اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

جواب یہ حکم اس وقت ہے جب حضرات و خواتین اکٹھے نماز ادا کر رہے ہوں لیکن جب نماز پڑھنے والی صرف عورتیں ہوں تو ان کی پہلی صف دوسری صف سے افضل ہے اور اسی طرح دوسری تیسری سے افضل ہے، خواہ امامت عورت کرا رہی ہو یا ایسا مرد جس کی امامت کراہت اور مفاسد سے خالی ہو، پھر جو بات ظاہر ہے وہ یہ کہ صرف

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [555] صحيح مسلم، رقم الحديث [607]

عورتوں کا صفوں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا بہت زیادہ معروف نہیں ہے، اس سلسلہ میں اِکا دُکا واقعات، جیسا کہ ام ورقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث منقول ہے جبکہ اس کے برعکس عورتوں کا مردوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا بکثرت منقول ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے:

« لا تمنعوا إماء الله مساجد الله »[1]

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے نہ روکو۔''

(سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

عورتوں کی امامت:

سوال کیا عورت کے لیے ایک عورت کی امامت کروانا جائز ہے؟ اور مقتدی عورت کہاں کھڑی ہوگی؟

جواب عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ دیگر عورتوں کی امامت کرائے اور امامت کرانے والی ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی لیکن جب مقتدی عورت ایک ہو تو وہ امامت کرانے والی عورت کی دائیں جانب کھڑی ہوگی۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

نمازِ تراویح میں عورت کی امامت اور دیگر عورتوں کی شرکت:

سوال جب عورتیں ایک گھر میں جمع ہوں اور وہ نفل نماز، مثلاً: تراویح یا فرض نماز پڑھنا چاہتی ہوں تو کیا ان میں سے ایک آگے بڑھ کر امامت کرا سکتی ہے، جس طرح مرد امام مردوں کی امامت کراتا ہے؟

جواب عورت کے لیے دیگر عورتوں کی امامت کرانا اور ان کو فرض اور تراویح پڑھانا جائز ہے لیکن وہ صف کے آگے کھڑی نہ ہو، جیسا کہ مرد امام صفوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے بلکہ وہ پہلی صف کے وسط میں کھڑی ہوگی۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کے لیے صف سے علیحدہ ہو کر تنہا نماز ادا کرنے کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے صف سے علیحدہ ہو کر تنہا کھڑے ہونا جائز ہے جبکہ اس کے

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [858] صحیح مسلم، رقم الحدیث [442]

ساتھ دیگر عورتیں بھی ہوں؟

جواب جب مسجد میں اس کے علاوہ اور عورتیں بھی موجود ہوں جو امام کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہوں تو ان کے لیے مردوں کی طرح صف بنانا واجب ہے اور جب وہ اکیلی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ (علامہ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ)

عورتوں کے لیے رمضان اور غیر رمضان میں امامت کے لیے کسی عورت کو مقرر کرنا:

سوال کیا عورتوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی عورت کو امام بنائیں جو ان کو رمضان وغیرہ میں نماز پڑھائے؟

جواب جی ہاں، ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عائشہ، ام سلمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایات مروی ہیں جو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں لیکن عورتوں کی امام ان کے وسط میں کھڑی ہوگی اور نماز میں جہری قراءت کرے گی۔

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

کیا عورتوں پر ہر فرض نماز باجماعت ادا کرنا لازمی ہے؟

سوال کیا عورتوں پر لازم وضروری ہے کہ وہ ہر فرض نماز باجماعت ادا کیا کریں؟

جواب عورتوں پر جماعت واجب نہیں، جماعت صرف مردوں پر واجب ہے لیکن عورتوں پر جماعت واجب تو نہیں البتہ ان کے لیے باجماعت نماز ادا کرنا جائز یا مستحب ہے۔ ان میں سے ایک عورت کا ان کی امامت کرانا بھی جائز ہے اور امامت کرانے والی ان کے وسط میں کھڑی ہوگی۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

موجودہ دور میں عورت کا مسجد میں نماز ادا کرنا:

سوال کیا اس زمانے میں عورت کا مسجد میں نماز ادا کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں، عورت کا موجودہ دور میں مسجد میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا تمنعوا إماء الله مساجد الله»[1]

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [858] صحيح مسلم، رقم الحديث [442]

نیز فرمایا:

«خیر صفوف الرجال أولها وشرها آخرها، وخیر صفوف النساء آخرها وشرها أولها»[1]

''مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور ان کی بدترین صف آخری صف ہے، اور عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے اور ان کی بدترین صف پہلی صف ہے۔'' (سعودی فتویٰ کمیٹی)

مسجد میں حائضہ اور نفاس والی عورت کی نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال جب حائضہ اور نفاس والی عورت فوت ہوجائے تو کیا مسجد میں ان کی نمازِ جنازہ ادا کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں تب جائز ہے جب گندگی پھیلنے کا خدشہ نہ ہو کیونکہ موت کے ساتھ ہی شرعی احکام ختم ہوجاتے ہیں۔ (الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

کیا عورت کے لیے ہر نماز خاوند کے ہمراہ مسجد میں جا کر ادا کرنا درست ہے؟

سوال ایک جوان باپردہ اور شرعی لباس زیبِ تن کرنے والی دوشیزہ، جو چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ پورا جسم ڈھانپتی ہے، اگر وہ ہر وقت کی نماز مسجد میں جا کر ادا کرنے کی رغبت رکھتی ہو تو کیا اس کو اجازت ہے؟ اور کیا اس کے لیے ہمیشہ اپنے خاوند کے ساتھ جانا لازم وضروری ہے؟

جواب جب عورت شرعی پردہ کرے، اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کو ڈھانپے اور خوشبو اور بے پردگی سے اجتناب کرنے والی ہو تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لا تمنعوا إماء اللّٰه مساجد اللّٰه»[2]

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے مت روکو۔''

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [440]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [858] صحیح مسلم، رقم الحدیث [442]

لیکن عورت کا گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ کی مذکورہ حدیث کے آخر میں ہے:

« و بیوتھن خیر لھن »❶

''اور ان کے گھر (نماز ادا کرنے کے حق میں) ان کے لیے بہتر ہیں۔''

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

نماز کی قضا کرنا افضل ہے یا نفل ادا کرنا؟

سوال سوال یہ ہے کہ نماز کی قضا کرنا افضل عمل ہے یا کہ نوافل ادا کرنا؟

جواب جب اس کے ذمہ کسی واجب کی قضا ہے تو اس کے لیے واجب کی قضا میں مشغول ہونا نوافل ادا کرنے سے اولیٰ و بہتر ہے اور خاص طور پر جب نوافل کی ادائیگی واجب کی قضا سے مشغول کردے۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

عورت کا گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے یا مسجد حرام میں؟

سوال کیا عورت کا اپنے گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے یا مسجد حرام میں؟

جواب مردوں اور عورتوں کے حق میں گھر کے اندر نماز ادا کرنا افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ کا عمومی فرمان ہے:

« أفضل صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة »❷

''آدمی کی فرض نماز کے سوا افضل نماز گھر میں ہے۔''

اسی وجہ سے نبی ﷺ اپنے گھر میں نوافل ادا کرتے تھے، حالانکہ آپ ﷺ کا ہی فرمان ہے:

« صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلاة فيما عداه إلا المسجد الحرام »❸

''میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز ادا کرنا دوسری مسجدوں میں ایک ہزار

❶ صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [567]

❷ صحیح. مسند أحمد [186/5]

❸ صحيح البخاري، رقم الحديث [1133] صحيح مسلم، رقم الحديث [1394]

نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔"

اسی بنا پر ہم کہتے ہیں: اگر ظہر کی اذان ہوجائے اور آپ مکہ میں اپنے گھر میں ہوں اور آپ ارادہ رکھتے ہوں کہ ظہر کی نماز مسجد حرام میں ادا کریں تو آپ کے لیے افضل یہ ہے کہ ظہر کی سنت مؤکدہ گھر میں ادا کریں، پھر مسجد حرام میں آئیں اور اس میں تحیۃ المسجد ادا کریں۔

اس لیے بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ تین مسجدوں (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) میں نماز کے ثواب کا کئی گنا ثواب فرض نمازوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ فرائض ہی ان مسجدوں میں ادا کیے جاتے ہیں۔ رہے نوافل تو ان میں یہ بڑھا ہوا اضافی ثواب نہیں ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ افضلیت عام ہے اور نفل نماز کو بھی شامل ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں نفل نماز ادا کرنا گھر میں ادا کرنے سے افضل ہے بلکہ نفل کا گھر میں ادا کرنا ہی افضل ہے، لیکن اگر آدمی مسجد حرام میں داخل ہوکر تحیۃ المسجد ادا کرے تو یہ دوسری مساجد میں ایک لاکھ تحیۃ المسجد سے افضل ہوگی اور مسجد نبوی کی تحیۃ المسجد دیگر مساجد کی ایک ہزار تحیۃ المسجد سے بہتر، سوائے مسجد حرام کے۔ اسی طرح اگر تم مسجد حرام میں داخل ہو اور تحیۃ المسجد ادا کرو اور ابھی تک فرض نماز کا وقت نہیں ہوا اور تم نوافل ادا کرو تو یہ نفل نماز ایک لاکھ نماز سے افضل ہوگی، باقی نمازوں کو بھی اسی پر قیاس کرلو۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال کیا صلاۃ القیام مسجد حرام میں افضل ہے یا گھر میں؟

جواب جہاں تک فرض نماز کا تعلق ہے تو عورت کا گھر میں نماز ادا کرنا مسجد حرام اور دیگر مسجدوں کی نسبت افضل ہے۔ رہا قیامِ رمضان تو بعض اہل علم کہتے ہیں کہ عورتوں کے لیے مساجد میں جاکر قیام میں شرکت کرنا افضل ہے۔ وہ اس بات کو دلیل بناتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل کو جمع کیا اور ان کو نمازِ تراویح پڑھائی۔ اور یقیناً عمر اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ ایک آدمی کو مقرر کرتے تھے تاکہ وہ مسجد میں عورتوں کو نماز تراویح پڑھائے، مگر مجھے اس کے متعلق تردد ہے کیونکہ عمر اور علی رضی اللہ عنہما

سے مروی آثار ضعیف ہیں اور قابلِ حجت نہیں ہیں۔ رہا نبی ﷺ کا اپنے اہل کو جمع کرنا تو اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ ان کو مسجد ہی میں ہی جمع کر کے نماز پڑھاتے تھے، مجھے اس بارے میں تردد ہے کہ آیا عورت کی نمازِ تراویح مسجد حرام میں افضل ہے یا اپنے گھر میں پڑھنا افضل ہے؟ بہتر مؤقف یہی ہے کہ بلاشبہ اس کا گھر میں قیام کرنا افضل ہے، الا یہ کہ کوئی ایسی نص مل جائے جو اس بات کی صراحت کرے کہ اس کا مسجد حرام میں قیام کرنا افضل ہے لیکن اس کے باوجود اگر وہ مسجد حرام میں آ کر قیام اللیل میں شرکت کرے تو امید کی جاتی ہے کہ وہ اس اجر و ثواب کو پا لے گی جو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے:

《صلاة في المسجد الحرام بمائة ألف صلاة》[1]

''مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔''

لیکن عورت کے مسجد میں حاضر ہونے پر اگر کوئی فتنہ مرتب ہوتا ہو تو بلاشک و شبہ اس کا گھر میں رہنا ہی افضل ہے۔

کیا مسجد حرام میں مقتدی یا منفرد نمازی کے آگے سے عورت کا گزرنا نماز کو توڑ دیتا ہے؟

سوال کیا عورت مسجد حرام میں امام کے ساتھ یا اکیلے نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزر کر اس کی نماز کو توڑ دیتی ہے؟

جواب عورت کے نماز توڑنے کے متعلق صحیح مسلم میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

《يقطع صلاة المرء المسلم إذا لم يكن بين يديه مثل مؤخرة الرحل: المرأة والحمار والكلب الأسود》[2]

''مسلمان آدمی کی نماز کو، جب اس کے آگے کجاوے کے پچھلے حصے کے برابر

---

[1] **صحيح**. مسند أحمد [397/3]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [511]

سترہ نہ ہو، عورت، گدھا اور سیاہ کتا توڑ دیتے ہیں۔''

لہٰذا جب کوئی عورت نمازی اور سترہ کے درمیان سے، اگر اس کے سامنے سترہ ہو، گزرے یا اس کے اور اس کی سجدہ کی جگہ کے درمیان سے گزرے جبکہ اس کے آگے سترہ نہ ہو تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اس پر نئے سرے سے نماز ادا کرنا واجب ہوگا، چاہے وہ آخری رکعت میں ہی کیوں نہ ہو، از سرِ نو نماز ادا کرنا پڑے گی، اور راجح قول کے مطابق اس مسئلہ میں مسجد حرام اور دیگر مساجد میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اس کے دلائل عمومی ہیں جن میں کسی جگہ کی کوئی تخصیص نہیں، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو بیان کرنے کے لیے یوں باب قائم کیا ہے: "باب السترة بمكة وغيرها"، ''مکہ اور دیگر جگہوں میں سترہ کا بیان۔ اور عموم سے حجت پکڑی ہے، لہٰذا اِس بنیاد پر جب عورت کسی نمازی اور اس کے سترہ کے درمیان سے گزرے یا نمازی اور اس کی سجدہ گاہ کے درمیان سے گزرے تو اس نمازی پر نماز کو دہرانا واجب ہوگا، الا یہ کہ وہ نمازی مقتدی ہو کیونکہ مقتدیوں کے لیے امام کا سترہ معتبر ہوتا ہے، لہٰذا کسی آدمی کے لیے ان مقتدیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے جو امام کے پیچھے نماز ادا کر رہے ہوں اور گزرنے والا گناہ گار نہیں ہوگا، لیکن مقتدیوں کے علاوہ کسی شخص کے سامنے سے گزرنا حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

« لو يعلم المار بين يدي المصلي ما ذا عليه لكان أن يقف أربعين خير له من أن يمر بين يديه »[1]

''اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو پتہ چل جائے کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو وہ چالیس (سال) تک بیٹھے رہنا اپنے لیے بہتر سمجھے۔''

بزار نے روایت کیا ہے کہ حدیث میں موجود "أربعين"[2] سے چالیس سال مراد ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورتوں کی صفوں کی درستگی کا حکم:

سوال کیا عورتوں کی صفوں کو درست اور برابر کرنا شرط ہے؟ اور کیا پہلی صف اور دوسری

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [488] صحيح مسلم، رقم الحديث [507]

[2] البحر الزخار، رقم الحديث [3198]

صفوں کا حکم برابر ہے، خاص طور پر جب عورتوں کی جائے نماز مکمل طور پر مردوں کی جائے نماز سے الگ تھلگ ہو؟

جواب عورتوں کی صفوں میں وہی چیزیں مشروع ہیں جو مردوں کی صفوں میں مشروع ہیں، یعنی ان کو درست اور برابر کرنے میں، اور پہلے اگلی صف اور پھر دوسری صف بنانا اور صفوں کے خلا کو پُر کرنا عورتوں اور مردوں کی صفوں میں برابر ہے۔ اور جب عورتوں اور مردوں کی صفوں کے درمیان کوئی پردہ نہ ہو تو پھر عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے کیونکہ اس میں مردوں سے دوری ہے، جیسا کہ حدیث میں بھی موجود ہے۔ اور اگر عورتوں اور مردوں کے درمیان کوئی حائل اور ساتر چیز ہو تو اس صورت میں جو بات راجح معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ عورتوں کی بہترین صف پہلی صف ہے کیونکہ اب ممانعت زائل ہوگئی ہے، نیز پہلی صف امام کے قرب کی وجہ سے بہتر ہوگی۔ واللہ اعلم
(فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

درمیانے تشہد کا حکم:

سوال درمیانے تشہد میں بیٹھنے کا کیا حکم ہے، واجب ہے یا سنت؟

جواب اہل علم کے دو قولوں میں سے صحیح قول کے مطابق درمیانے تشہد میں بیٹھنا واجب ہے، یہی امام احمد، اسحاق اور ابن حزم رحمہم اللہ کا مذہب ہے، اور اس کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ درمیانے تشہد میں بیٹھنے کا حکم مسيئ الصلوۃ کی روایت میں موجود ہے (وہ روایت جس میں یہ ذکر ہے کہ ایک صحابی درست نماز ادا نہیں کر رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس کو کہتے کہ جاؤ دوبارہ نماز پڑھو۔مترجم۔) یہ روایت فرائض، ارکان اور واجبات کو ثابت کرنے میں بڑی عمدہ روایت ہے، پس ابو داود میں رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسيئ الصلوۃ کو کہا:

((فإذا جلست في وسط الصلوة فاطمئن))[1]

''پس جب تو وسط نماز (درمیانے تشہد) میں بیٹھے تو مطمئن ہو کر بیٹھ۔''
(فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

---

[1] **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [860]

درمیانے تشہد میں درودِ ابراہیمی پڑھنے کا حکم:

سوال کیا درمیانہ تشہد درودِ ابراہیمی کے بغیر ہوگا یا وہ آخری تشہد کی طرح درودِ ابراہیمی کے ساتھ ہوگا؟ امید ہے کہ آپ اس مسئلہ پر مختلف دلائل ذکر فرمائیں گے۔

جواب جمہور تو اس طرف گئے ہیں کہ نماز کے درمیانی جلسہ (درمیانہ تشہد) میں صرف تشہد پڑھنا ہی کفایت کر جائے گا اور رسول اللہ ﷺ پر درود صرف آخری تشہد میں پڑھا جائے گا، ایک حدیث کعب بن عجرہ کے واسطے سے بخاری و مسلم میں موجود ہے، کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں یہ تو معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ پر سلام کیسے بھیجنا ہے؟ سو یہ بتایئے کہ آپ ﷺ پر درود کیسے پڑھا جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((قُولوا: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلىٰ آل إبراهيم إنك حميدٌ مجيد. اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلىٰ آل إبراهيم إنك حميدٌ مجيد.))[1]

''کہو: اے اللہ! محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر درود بھیج جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا، یقیناً تو تعریف کیا ہوا بزرگ ہے۔ اے اللہ! محمد ﷺ اور ان کی آل پر برکت نازل کر، جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر اور آلِ ابراہیم پر برکت نازل کی، بلاشبہ تو تعریف کیا ہوا بزرگ ہے۔''

اسی طرح ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ ہم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم دیا، سو بتایئے کہ ہم آپ ﷺ پر کیسے درود پڑھیں؟ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی حتی کہ ہم نے یہ پسند کیا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3190]

کہ کاش ہم آپ ﷺ سے یہ سوال نہ پوچھتے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُولوا: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم في العالمين إنك حميدٌ مجيد.»[1]

''کہو: اے اللہ! درود بھیج محمد ﷺ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے آلِ ابراہیم پر درود بھیجا، اور محمد ﷺ اور ان کی آل پر برکت نازل کر جس طرح تو نے جہانوں میں آلِ ابراہیم پر برکت نازل کی، بلاشبہ تو تعریف کیا ہوا بزرگ ہے۔''

اسی طرح کے الفاظ بخاری و مسلم میں ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی مروی ہیں۔

ثابت یہ ہوا کہ یہ احادیث، جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں، درمیانے اور آخری تشہد میں فرق نہیں کرتی ہیں، اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ درمیانے اور آخری دونوں تشہدوں میں نبی ﷺ پر درود پڑھنے کی مشروعیت کے قائل ہیں اور ابو محمد بن حزم رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور جمہور نے ایک ایسی حدیث سے دلیل پکڑی ہے جس حدیث میں ان کے موقف کی دلیل فی الحقیقت ہے ہی نہیں کیونکہ وہ سند کے اعتبار سے ضعیف روایت ہے اور متن کے اعتبار سے اس کا مفہوم بھی ضعیف ہے، اور وہ حدیث یہ ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ جب درمیانے تشہد میں بیٹھتے تو یوں محسوس ہوتا کہ آپ ﷺ کسی گرم پتھر پر بیٹھے ہیں۔ گویا کہ صحابی یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپ ﷺ درمیانے تشہد میں تھوڑی دیر کے لیے بیٹھتے تھے۔

یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اور اس حدیث سے جو معنی لیا گیا ہے اس کے متعلق اہل علم نے کہا ہے کہ یہ بات تو معلوم ہے کہ یقیناً آدمی جب آخری تشہد پڑھتا ہے، پھر وہ نبی ﷺ پر اسی طرح درود پڑھتا ہے جیسا کہ درمیانے تشہد میں پڑھا تھا، پھر وہ اس پر دعا کا اضافہ کرتا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے موجود ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [405]

«إذا فرغ أحدكم من التشهد الأخير فليتعوذ بالله من أربع: من جهنم، وعذاب القبر، ومن فتنة المسيح الدجال، ومن فتنة المحيا والممات»[1]

''جب تم میں سے کوئی شخص آخری تشہد سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے: جہنم سے، عذابِ قبر سے، مسیح دجال کے فتنہ سے اور زندگی و موت کے فتنہ سے۔''

بلکہ بعض اہل علم تو اس تعوذ کے وجوب کے قائل ہیں اور ابن حزم رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، طاؤس رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو نماز کا اعادہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس نے مذکورہ چار چیزوں سے پناہ طلب نہیں کی تھی۔ صحیح موقف جمہور علماء کا موقف ہے کہ درمیانے تشہد میں درود پڑھنا مستحب ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیئ الصلوۃ کو درود پڑھنے کا حکم نہیں دیا تھا اور اس حدیث پر نماز کے متعلقہ ارکان اور واجبات کے ثبوت پر اعتماد کیا جاتا ہے، اور اسی طرح صحیح مسلم میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کے بعد اور سلام سے قبل پڑھا:

«اللهم اغفرلي ما قدمت وما أخرت، وما أسررت وما أعلنت، وما أنت أعلم به مني، أنت المقدم وأنت المؤخر، لا إله إلا أنت»[2]

''اے اللہ! مجھے معاف کر دے وہ جو میں نے پہلے کیا اور جو بعد میں کیا اور جو میں نے مخفی کیا اور جو اعلانیہ کیا اور جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، تو ہی مقدم ہے اور تو ہی مؤخر ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔''

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تشہد کے بیان میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا:

«ثم ليتخير أحدكم من الدعا أعجبه إليه فليدعو به ربه»[3]

''پھر تم میں سے کوئی اپنی پسندیدہ دعا چن لے اور اس کے ساتھ اپنے رب

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [855]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [6035] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2719]

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث [800]

تعالیٰ سے دعا کرے۔''

ثابت یہ ہوا کہ خاص طور پر آخری تشہد کے بعد دعا کرنا مشروع اور مسنون ہے، پس اگر آدمی اس سلسلہ میں وارد ہونے والے اذکار بھی پڑھے، مثلاً وہ ذکر جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے اور وہ ذکر جو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے تو یہ دو ذکر تشہد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے برابر ہیں۔

ثابت ہوا کہ آخری تشہد درمیانے تشہد میں بیٹھنے کی مدت کی نسبت دوگنا ہے، کیا ایسا ہی نہیں ہے! بہرحال یہ حدیث ضعیف ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

عورت کی مسجد میں نماز کا حکم:

سوال عورت کی مسجد میں نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب عورتوں کے لیے مساجد میں مردوں کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے اپنے گھروں سے نکلنا جائز ہے، مگر ان کا اپنے گھروں میں نماز ادا کرنا ان کے لیے بہتر ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لا تمنعوا أماء الله مساجد الله »[1]

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے مت روکو۔''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لا تمنعوا النساء أن يخرجن إلى المساجد، و بيوتهن خير لهن »[2]

''عورتوں کو مساجد میں جانے سے مت روکو، اور ان کے گھر (ادائیگی نماز کے لیے) ان کے لیے بہتر ہیں۔''

پس ان کا گھروں میں رہ کر نماز ادا کرنا باپردہ ہونے کی وجہ سے ان کے لیے افضل ہے، اور جب وہ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں جانا چاہیں تو ان کے لیے شرعی آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [858] صحيح مسلم، رقم الحديث [442]

[2] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [567]

نمازِ جمعہ ادا کر لینے والی عورت سے نمازِ ظہر ساقط:

سوال جب عورت نمازِ جمعہ ادا کر لے تو کیا اس سے ظہر کی نماز ساقط ہو جائے گی؟

جواب جب عورت جمعہ کے امام کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کر لے تو وہ اس کو ظہر کی نماز سے کافی ہوگی، پس اس کے لیے اس دن نماز ظہر ادا کرنا جائز نہ ہوگا لیکن اگر وہ اکیلی نماز ادا کرے تو وہ صرف ظہر کی نماز ہی ادا کرے گی، نمازِ جمعہ ادا کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کی نمازِ جمعہ ادا کرنے کا حکم:

سوال عورت کی نمازِ جمعہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ مردوں سے قبل یا بعد میں یا ان کے ساتھ ہی ادا کرے گی؟

جواب عورت پر جمعہ واجب نہیں ہے لیکن اگر وہ امام کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کرے تو اس کی نماز درست ہے اور جب وہ اپنے گھر میں نماز ادا کرے تو وہ نمازِ ظہر، یعنی چار رکعتیں ادا کرے گی اور ادا بھی ظہر کا وقت داخل ہونے کے بعد کرے گی، یعنی زوالِ آفتاب کے بعد اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے کہ اس کے لیے گھر میں تنہا نمازِ جمعہ ادا کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

حائضہ کی شرم و حیا کی وجہ سے ادا کی گئی نماز کا حکم:

سوال ایک عورت جو حائضہ ہے، اس نے حیا و شرمندگی سے بچنے کے لیے نماز ادا کر لی، اس کے اس عمل کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے لیے جب وہ حائضہ یا نفاس والی ہو، نماز ادا کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے عورت کے متعلق ارشاد فرمایا:

«أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم»[1]

''کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت جب حائضہ ہوتی ہے تو وہ نماز ادا کرتی ہے اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے!''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [298] صحيح مسلم، رقم الحديث [79]

اور مسلمانوں کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ حائضہ کے لیے روزہ رکھنا حلال نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لیے نماز ادا کرنا حلال ہے۔ اس مذکورہ عورت پر، جس نے حالتِ حیض میں نماز ادا کی، لازمی ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرے اور اپنے اس فعل سے استغفار کرے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جو نمازِ فجر ادا کرنے کے لیے بیدار ہوئی لیکن اس نے طلوعِ آفتاب کے بعد خون دیکھا، کیا وہ فجر کی قضا کرے؟

سوال میں فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے بیدار ہوئی، لیکن میں نے طلوعِ آفتاب کے بعد خون دیکھا تو کیا پاک ہونے کے بعد مجھ پر اس نماز (فجر) کا اعادہ لازمی ہے؟ یا کہ مجھ پر کچھ لازم نہیں ہے؟

جواب ہاں، اس پر نماز (فجر) کا اعادہ لازمی ہے کیونکہ اصل تو یہ ہے کہ خون نہیں نکلا، اور جب اصل خون کا نہ نکلنا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو حیض آنے سے پہلے نماز کی ادائیگی کے لیے وقت مل گیا تھا۔ مجھے اس عورت کے طلوعِ آفتاب کے بعد نمازِ فجر کے لیے اٹھنے پر افسوس ہے۔ انسان پر محتاط رہنا لازمی ہے اور وہ اپنی بیداری کے لیے ضروری وسائل اختیار کرے تا کہ وہ بروقت نماز ادا کرے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حائضہ کے لیے مسجد میں ٹھہرنے کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے؟

جواب حائضہ کے لیے مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إني لا أحل المسجد لحائض و لا لجنب»[1]

''بلاشبہ میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لیے حلال نہیں کرتا۔''

اس حدیث کو ابو داود نے روایت کیا ہے۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إن المسجد لا يحل لحائض و لا جنب»[2]

[1] ضعیف. سنن أبي داود، رقم الحديث [232]

[2] ضعیف. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [645]

''یقیناً مسجد حائضہ اور جنبی کے لیے حلال نہیں ہے۔'' (اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

البتہ اس کے لیے مسجد میں ٹھہرے بغیر گزرنا جائز ہے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی وجہ سے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« ناوليني الخمرة من المسجد، فقلت: إني حائض، فقال: "إن حيضتك ليست بيدك" »[1]

''(اے عائشہ!) مجھ کو مسجد سے چٹائی پکڑاؤ، میں نے عرض کی: میں تو حائضہ ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔''

منتقی میں ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

حائضہ کے لیے شرعی اذکار: تہلیل (لا الٰہ الا اللہ)، تکبیر (اللہ اکبر وغیرہ)، تسبیح (سبحان اللہ وغیرہ) اور دیگر دعائیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کے لیے صبح و شام اور سونے اور بیدار ہونے کی شرعی مشروع دعائیں اور اَوراد پڑھنا جائز ہے نیز اس کے لیے شرعی علوم، مثلاً: تفسیر، حدیث اور فقہ پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔
(فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

نفاس والی عورت کی نماز

نفاس والی عورت کے لیے چالیس دن پورے ہونے سے پہلے نماز، روزہ اور حج ادا کرنے کا حکم:

سوال کیا نفاس والی عورت جب چالیس دن مکمل ہونے سے پہلے پاک ہو جائے تو کیا اس کے لیے روزہ رکھنا، نماز پڑھنا اور حج ادا کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں، اس کے لیے چالیس دن کے اندر روزہ رکھنا، نماز پڑھنا، حج وعمرہ ادا کرنا اور

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [298]

اس کے خاوند کا اس سے وطی کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ بیس دن کے بعد ہی پاک ہوجائے تو وہ غسل کرے، نماز پڑھے، روزہ رکھے اور اپنے خاوند کے لیے حلال ہوجائے۔ رہا عثمان بن ابی العاص سے مروی ہونا کہ وہ اس کو مکروہ کہتے ہیں تو اس کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے گا، اور پھر یہ کہ یہ ان کا ذاتی اجتہاد ہے، اس پر دلیل کوئی نہیں ہے۔ درست اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر وہ چالیس دن سے پہلے پاک ہوجائے تو اس کی طہارت صحیح اور اس کے عبادات کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں، اور اگر اسے چالیس دن کے اندر پھر خون جاری ہوجائے تو صحیح قول یہی ہے کہ وہ اسے چالیس دن کے اندر نفاس ہی شمار کرے گی لیکن طہارت کی حالت میں اس کا روزہ، نماز اور حج سب درست ہیں، اور ان مذکورہ اعمال میں سے کسی کا اعادہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ طہارت کی حالت میں ادا کیے گئے ہیں۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ)

ولادت کی درد والی عورت کی نماز کا حکم:

سوال کیا میرے لیے نماز ادا کرنا جائز ہوگا جبکہ میں ولادت کی درد محسوس کر رہی ہوں؟

جواب عورت حیض اور نفاس سے پاکی کے ایام میں نماز ادا کرے گی لیکن اگر وہ ولادت سے ایک دن یا اس کی مثل خون دیکھے تو وہ نفاس ہی کے تابع ہوگا، لہٰذا وہ اس میں نماز ادا نہیں کرے گی لیکن جب وہ خون نہ دیکھے تو وہ نماز ادا کرے گی اگرچہ وہ ولادت کی درد محسوس کر رہی ہو، جس طرح کہ مریض نماز ادا کرے گا جبکہ وہ مرض کی تکلیف میں مبتلا ہو اور جب تک وہ مریض رہتا ہے اس سے نماز ساقط نہیں ہوتی۔ (الشیخ الجبرین)

نفاس والی عورت کے روزے اور نماز کا حکم:

سوال نفاس والی عورت کے روزے اور نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب نفاس والی عورت پر حائضہ کی طرح روزہ رکھنا یا نماز ادا کرنا یا بیت اللہ کا حج کرنا حرام ہے لیکن اس پر حائضہ کی طرح ہی نفاس میں چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا واجب ہے۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

وہ عورت جسے سلس البول کی بیماری ہے اور وہ حمل کے آخری مہینے میں نماز سے رک گئی:

سوال ایک نو ماہ کی حاملہ عورت ہر وقت پیشاب جاری ہونے کے مرض میں مبتلا ہے۔ حمل کے آخری مہینے میں وہ نماز ادا کرنے سے رک گئی تو کیا اس کو ترکِ نماز شمار کیا جائے گا اور اس پر کیا لازم ہوگا؟

جواب مذکورہ خاتون اور اس جیسی دیگر خواتین کے لیے نماز ترک کرنا درست نہیں ہے بلکہ اس کے لیے اسی حالت میں نماز ادا کرنا واجب ہے۔ وہ ہر نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضو کرے، جس طرح مستحاضہ کرتی ہے اور پیشاب سے حفاظت کے لیے روئی وغیرہ استعمال کرے اور ہر وقت نماز ادا کرے، اور اس کے لیے وقت کے نوافل بھی مشروع ہیں، جیسے اس کے لیے مستحاضہ کی طرح دو دو نمازیں ظہر اور عصر، مغرب اور عشا جمع کرنا مشروع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔''

اور اس پر لازم ہے کہ وہ چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا کرے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے، وہ اس طرح کہ وہ اپنے کیے ہوئے پر نادم ہو اور عزم کرے کہ پھر وہ اس طرح کی حرکت نہ کرے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [النور: 31]

''اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

مستحاضہ کے لیے آدھی رات گزرنے پر قیام اللیل کرنے کا حکم:

سوال کیا مستحاضہ آدھی رات گزرنے پر عشا کے وضو کے ساتھ قیام اللیل کر سکتی ہے؟

جواب نہیں، جب نصف رات گزر جائے تو اس کے لیے نیا وضو کرنا واجب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس پر تجدید وضو لازمی نہیں اور یہی راجح قول ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عید کی نماز

خاص طور پر موجودہ زمانے میں عورتوں کا عید کے لیے نکلنے کا حکم:

سوال عورتوں کے عید گاہ جانے کا کیا حکم ہے؟ خاص طور پر ہمارے فتنوں کی کثرت کے زمانے میں، بعض عورتیں زیب و زینت کے ساتھ خوشبو لگا کر نکلتی ہیں۔ جب ہم جواز کا کہیں تو آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول: "لو رأى النبي صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن"[1] (اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو دیکھ لیتے جو عورتوں نے پیدا کر رکھی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ضرور منع کر دیتے) کے متعلق کیا فرمائیں گے؟

جواب ہمارا خیال یہ ہے کہ عورتوں کو عید گاہ کی طرف نکلنے کا حکم دیا جائے گا تاکہ وہ خیر اور مسلمانوں کی نماز اور ان کی دعا میں شرکت کر سکیں لیکن ان پر واجب ہے کہ وہ عام لباس پہن کر نکلیں، بے پردہ ہو کر اور خوشبو مہکا کر نہ نکلیں، اس طرح وہ سنت پر عمل اور فتنے سے اجتناب کریں گی۔ بعض عورتوں کی طرف سے جو بے پردگی اور خوشبو لگانا دیکھنے میں آیا ہے تو وہ ان کی جہالت اور ان کے ذمہ داروں کی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ بہر حال یہ ایک عمومی شرعی حکم، یعنی عورتوں کو نمازِ عید کے لیے نکالنے، سے مانع نہیں ہوگی!

رہا عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول تو یہ بات معروف ہے کہ بلاشبہ ایک مباح چیز حرام کا سبب بنتی ہے تو وہ حرام نہیں ہو جاتی ہے، پس جب اکثر عورتیں غیر شرعی طریقے سے نکلتی ہیں تو ان کی وجہ سے ہم پورے معاشرہ کو منع نہیں کر سکتے بلکہ صرف ان عورتوں کو روکیں گے جو اس طرح غیر شرعی طریقے سے نکلتی ہیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

متفرق مسائل

کس ہاتھ سے مسواک کی جائے؟

سوال دائیں ہاتھ سے مسواک کی جائے یا بائیں سے؟

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [831] صحيح مسلم، رقم الحديث [445]

جواب جس سے چاہے کر لے، کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔
(فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

سجدے میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے لگائے جائیں یا ہاتھ؟

سوال کیا نمازی سجدے میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے لگائے یا پہلے ہاتھ لگائے اور پھر گھٹنے؟

جواب امام ابو داود رحمہ اللہ نے قوی سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ـــ

« إذا سجد أحدكم، فلا يبرك كما يبرك البعير، وليضع يديه قبل ركبتيه »[1]

''جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو وہ اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ وہ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھے۔''

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ حدیث مقلوب ہے، یعنی راوی یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے تو ان کے خیال میں حدیث میں الفاظ الٹ گئے ہیں کیونکہ جب اونٹ بیٹھتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں پر بیٹھتا ہے اور اس کے ہاتھوں میں اس کے گھٹنے ہیں، نہ کہ پچھلی ٹانگوں میں لیکن اس طرح وہ انسان سے مختلف طریقے سے بیٹھتا ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إذا سجد أحدكم فلا يبرك كما يبرك البعير »

''جب تم میں سے کوئی سجدہ کرنا چاہے تو وہ اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔''

یعنی وہ اپنے گھٹنوں پر نہ بیٹھے جن پر کہ اونٹ بیٹھتا ہے بلکہ وہ پہلے ہاتھ زمین پر ٹکائے اور پھر گھٹنے۔

اس حدیث کی مخالفت کرنے والوں کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابو داود وغیرہ نے وائل بن حجر کی روایت سے بیان کیا ہے:

« أنه رأي النبي صلى الله عليه وسلم إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه »[2]

---

[1] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [840]

[2] **ضعيف**. سنن أبي داود، رقم الحديث [838]

"بلاشبہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا: جب سجدہ کرتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو رکھتے۔"

لیکن یہ حدیث شریک بن عبداللہ قاضی کے واسطے سے مروی ہے، اور وہ اگرچہ سچا راوی ہے مگر علمائے حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ سیئ الحفظ (کمزور حافظے والا) ہے۔

اسی لیے امام مسلم رحمہ اللہ نے جب اپنی صحیح میں اس شریک سے روایت کی تو کسی دوسرے ثقہ راوی کے ساتھ ملا کر روایت کی اور یہ امام مسلم رحمہ اللہ کی طرف سے اشارہ ہے کہ جس روایت میں شریک منفرد ہوگا وہ حجت نہیں ہوگی، لہٰذا مذکورہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

نمازِ قصر کا حکم:

سوال انسان سفر میں کب قصر نماز ادا کرے؟

جواب کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ میں کوئی ایسی صریح نص موجود نہیں ہے کہ جس کو مسافر کے نماز قصر کرنے کی مسافت قطعی طور پر طے کرنے میں نص قرار دینا ممکن ہو یا وہ اس سفر کو ہی متعین کرتی ہو جس میں انسان قصر نماز ادا کرے۔ اس مسئلہ میں صرف ترجیح سے فیصلہ کیا جاتا ہے اور ہم ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مطلق سفر سفر ہے، اس پر سفر اور مسافر کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ یہ موقف اللہ تعالیٰ کے اس طرح کے فرمان سے اخذ کیا گیا ہے:

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾

[البقرة: 184]

"پھر تم میں سے جو بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے۔"

تو جس طرح اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مطلق مرض کو مطلق بیان کیا ہے، ایسے ہی سفر کو بھی مطلق ہی بیان کیا ہے، جو بھی سفر ہو خواہ لمبا ہو یا چھوٹا، وہ سفر ہی ہے، اس پر سفر کے احکام مرتب اور لاگو ہوں گے، اور اس کے بُعدِ مسافت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے احکامِ سفر کے متعلق خاص رسالے میں اسی قول کو پسند کیا ہے۔ جب

مسافر اپنے شہر سے روانہ ہو اس پر مسافر کے احکام لاگو ہو جاتے ہیں، پس جب وہ شہر میں، جس کا اس نے قصد و ارادہ کیا تھا، اقامت کرے گا تو وہ زیادہ دن وہاں اقامت کرے یا کم دن وہ مسافر ہی شمار ہوگا جب تک کہ وہ وہاں مستقل اقامت کا ارادہ نہ کر لے۔

لیکن جب وہ اقامت کی نیت و ارادہ نہ کرے بلکہ اپنے دل میں کہے: میں آج یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا یا کل روانہ ہو جاؤں گا تو اس طرح اس شہر میں، جس کی طرف وہ سفر کر کے گیا ہے، جتنی لمبی مدت بھی ہو جائے وہ مسافر ہی شمار ہوگا۔

اور یقیناً یہ بات بھی ثابت ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خراسان کی طرف جہاد فی سبیل اللہ کے لیے روانہ ہوئے تو اتنی شدید برف باری ہوئی کہ ان پر اپنے ملک واپس لوٹنے کا راستہ منقطع ہو گیا، لہٰذا وہ چھ مہینے تک وہاں پر مقیم رہے، اس دوران وہ قصر نماز ہی ادا کرتے رہے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

تشہد میں انگلی کو کیسے حرکت دی جائے؟

سوال نماز میں تشہد کے دوران انگلی کو حرکت دینے کی کیا کیفیت ہوگی؟

جواب اس سلسلہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں تشہد کے لیے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ کہتے ہیں:

«فرأيته يحرکها يدعو بها»[1]

"پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگلی حرکت دیتے ہوئے اس کے ساتھ دعا کرتے۔"

حرکت دینے کا مطلب ہے اس کی جگہ میں حرکت دینا۔ امام احمد رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، انھوں نے کہا: "يحرکها شديدا" یعنی آپ اس کو شدید حرکت دیتے تھے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

تشہد میں انگلی کو کب حرکت دی جائے؟

سوال کیا تشہد میں "أشهد أن لا إله إلا الله" پڑھتے وقت انگلی کو حرکت دینا چاہیے؟

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [889]

جواب مطلق طور پر آپ ﷺ کی سنت سے ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے جو یہ واضح کرتی ہو کہ آپ ﷺ "أشهد أن لا إله إلا الله" پڑھتے وقت انگلی اٹھاتے تھے، لہٰذا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کسی بھی تعارض سے محفوظ ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ جو لوگ "أشهد أن لا إله إلا الله" کے وقت انگلی کو حرکت دینے کے قائل ہیں، وہ تو صرف رائے، اجتھاد اور استنباط سے بات کرتے ہیں، اور بلاشبہ علماء کے قواعد سے یہ بات طے شدہ ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، پس جب وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ تشہد میں بیٹھنے سے لے کر سلام پھیرنے تک اپنی انگلی کو حرکت دیتے تھے تو اس سنتِ صحیحہ کے ساتھ کسی استنباط کی بنیاد پر اختلاف کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

(علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

جلسۂ استراحت کا حکم:

سوال جلسۂ استراحت کا کیا حکم ہے؟ جب امام جلسۂ استراحت نہ کرتا ہو تو کیا مقتدی امام کی مخالفت کرتے ہوئے جلسۂ استراحت کرے؟

جواب جلسۂ استراحت سنت ہے، اس مسئلہ میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی اپنی کتاب زاد المعاد میں نقل کردہ بحث سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ انھوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ نے کسی ضرورت کی وجہ سے جلسۂ استراحت کیا تھا اور یہ عام لوگوں کے لیے مسنون ومشروع نہیں ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ کا یہ قول صحیح بخاری وغیرہ کی ثابت شدہ اس روایت کے خلاف ہے جس میں یہ بیان ہے کہ ابوحمید ساعدی نے ایک دن اپنے ساتھیوں کو کہا، جبکہ وہ بیٹھے ہوئے تھے: "کیا میں تم کو رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: "تو آپ ﷺ کی نماز کو ہم سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے،" ابوحمید نے کہا: "کیوں نہیں (میں جاننے والا ہوں،)" انھوں نے کہا: "اچھا تو پیش کرو"، تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر ان کو بتائی اور جب وہ دوسرے سجدے سے کھڑے ہونے لگے تو انھوں نے جلسۂ استراحت کیا، پھر (دوسری رکعت کے لے) اٹھے اور اس طرح

انھوں نے آپ ﷺ کی پوری نماز بیان کی تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: ''تُو نے سچ بیان کیا ہے، واقعتاً رسول اللہ ﷺ کی نماز ایسی ہی تھی۔''

پس ابن قیم رحمہ اللہ اور دیگر لوگ سات صدیوں کے گزر جانے کے بعد اس جلسۂ استراحت کی علت بیان کرنے چلے ہیں جبکہ ابو حمید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، پس وہ وہی کچھ بیان کرتے ہیں جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے، وہ آپ ﷺ کے متعلق زیادہ جانتے ہیں اور انھوں نے یہ جلسۂ استراحت کرنا آپ ﷺ سے ہی سیکھا تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''المجموع شرح المھذب'' میں اس مؤقف کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہ لائق ہے کہ وہ جلسۂ استراحت والی سنت کی محافظت کا اہتمام کریں کیونکہ یہ سنت آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

اور جب امام جلسۂ استراحت نہ کرے تو مقتدی کو اس کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ امام کی پیروی کرنا نماز کے واجبات میں سے ایک واجب ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا ركع فاركعوا، وإذا قال: سمع الله لمن حمده، فقولوا: ربنا لك الحمد، وإذا سجد فاسجدوا، وإذا صلىٰ قائماً فصلوا قياما، وإذا صلى جالسا فصلوا جلوسا أجمعين»[1]

''امام تو صرف اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے تو جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہے تو تم کہو: ''ربنا لك الحمد'' اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بیٹھ کر نماز ادا کرو۔''

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [371]

پس یہ حدیث امام کی اقتدا کے ضروری ہونے کی تائید کرتی ہے۔[1]

(علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

نمازِ فجر اور نمازِ وتر میں دعائے قنوت کا حکم:

سوال دعائے قنوت کا نمازِ فجر اور نمازِ وتر میں کیا حکم ہے؟

جواب دعائے قنوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف وتر میں ثابت ہے، یہ اس حدیث میں موجود ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی بن ابی طالب کو اس کی تعلیم دی تھی۔

اور نمازِ فجر میں سارا سال مستقل قنوت کرنا سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر اور باقی نمازوں میں مسلمانوں پر کوئی آفت اترنے کی وجہ سے قنوتِ نازلہ کرتے تھے۔ رہا فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ کے علاوہ اس دعا کے ساتھ قنوت کرنا تو اس کی مطلق کوئی اصل نہیں ہے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

دعائے (قنوت) وتر میں ہاتھ اٹھانے کا حکم:

سوال دعائے (قنوت) وتر میں ہاتھ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھانا مشروع ہے کیونکہ یہ قنوت نازلہ کی جنس سے ہے اور قنوتِ نازلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے، اس کو بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا حکم:

سوال سنن ابی داود میں ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس میں انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے کہا:

---

[1] اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام کی اقتدا انھی امور میں کی جائے گی جو مذکورہ بالا حدیث میں مذکور ہیں۔ اور ایسے امور میں امام کی پیروی درست نہیں جو وہ سنت کے خلاف ادا کرے، کیونکہ امام کی پیروی صرف انھی احکام میں درست ہے جو شرعاً صحیح ہیں نہ کہ ان امور میں جن میں امام سنت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ لہٰذا اگر امام مسنون جلسۂ استراحت نہیں کرتا تو اس کی پیروی نہیں ہوگی کیونکہ وہ خلاف سنت امر کا ارتکاب کرتا ہے۔ بلکہ مقتدی مسنون جلسۂ استراحت پر عمل کرے گا۔ (مترجم)

"كبر رسول الله ثم قرأ، ثم كبر للركوع، ثم قال: "سمع الله لمن حمده" حتى رجع كل عظم إلى موضعه"

''رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہا پھر قراءت کی، پھر رکوع جاتے ہوئے اللہ اکبر کہا، پھر کہا: "سمع الله لمن حمده" حتی کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر لوٹ آئے۔''

کیا ہم اس حدیث کو ہاتھوں کو اسی حالت پر لے جانے پر محمول کر سکتے ہیں جس طرح کہ وہ رکوع سے پہلے تھے، یعنی دایاں ہاتھ بائیں پر؟

جواب یہ حدیث معروف شرعی کیفیت پر بدن کو لانے پر دلالت کرتی ہے، پس ہر عضو کا استقرار اپنی اصل وضع، یعنی ان کو نیچے لٹکانا ہی مناسب ہے۔

فائدہ: ہر وہ نص جو بہت سے اجزاء کو متضمن ہو تو اس عام نص کے کسی ایک جز پر عمل کرنا سلف سے ثابت نہیں ہے، پس اس ایک جز پر عمل کرنا غیر مشروع ہوگا۔

اس اہم قاعدے سے غفلت کرنا ہی مسلمانوں میں بہت سی بدعات پھیلانے کا پہلا سبب ہے، پس اگر ہم ان بدعات پر غور کریں تو ہمیں سنت سے ہی نہیں بلکہ قرآن کریم سے بھی ان بدعات کے تمام دلائل مل جائیں گے۔

مثال: اذان کے شروع میں (درود) اضافہ یا آیات کے ساتھ نصیحت کرنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا۔ ہمیں تو اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ایسا کرنا بدعت ہے لیکن ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ذریعہ ہماری بات کو رد کرتے ہیں:

﴿ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ [الأحزاب: 56]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس پر صلوٰۃ بھیجو اور سلام بھیجو خوب سلام بھیجنا۔''

پس اس عام نص سے یہ استدلال کیا گیا کہ اس میں نبی ﷺ پر درود پڑھنے کو کسی وقت یا جگہ کے ساتھ محدود تو نہیں کیا گیا۔

اسی لیے امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بدعت دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے:

1. بدعت حقیقیہ: یہ وہ بدعت ہے جس کی مطلق طور پر نہ کتاب اللہ میں کوئی اصل اور بنیاد ہے اور نہ ہی سنتِ رسول اللہ ﷺ میں۔

2 بدعت اضافیہ: وہ ہے کہ جب آپ اس کی طرف ایک زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو آپ کو اس کی اصل اور ثبوت مل جائے گا اور جب آپ اس کو دوسرے زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو آپ کو اس کی کوئی اصل اور دلیل نہیں ملے گی۔

مثال: نمازوں کے بعد استغفار کرنا سنت ہے لیکن نماز کے بعد اجتماعی طور پر استغفار کرنا اس کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔

ایک اور مثال: یہ بھی پہلی مثال کی طرح ہے۔ سنت نماز ایک مشروع عمل ہے لیکن اگر کوئی شخص سنت نماز کی جماعت کا قائل ہو اور نبی ﷺ کے اس فرمان سے دلیل پکڑے "ید اللّٰه علی الجماعة"[1] "اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے"، یا اس حدیث کو دلیل بنائے:

« صلاة الإثنين افضل من صلاة المرء وحده، وصلاة الثلاثة أزكى عند اللّٰه من صلاة الإثنين »

"دو آدمیوں کا مل کر نماز پڑھنا اس کے اکیلا نماز پڑھنے سے افضل ہے اور تین آدمیوں کی نماز اللہ کے ہاں دو آدمیوں کی نماز سے افضل و پاکیزہ ہے۔"

تو یہ عمومی دلائل ہیں۔ جب کسی شخص کے دل میں نص عام کے ساتھ کسی معین عمل پر استدلال کرنے کا خیال گزرے تو سنت سے بدعت کی طرف انحراف سے بچنے کے لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم دیکھیں کیا سلف نے ایسا کیا ہے یا نہیں؟

اصل سوال کی طرف رجوع: اس سلسلہ میں کچھ احادیث ہیں جن کے عموم سے بعض علماء رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے مسئلہ پر استدلال کرتے ہیں لیکن سلف نے اس مسئلہ میں عموم سے استدلال نہیں کیا ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے مستحب یا سنت ہونے کا قائل ہو، جس طرح کہ اہل سنت رکوع سے پہلے ہاتھ باندھنے کا قائل ہیں۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

کیا غیر قبلہ کی طرف پڑھی ہوئی نماز وقت کے اندر اندر دہرائی جائے؟

سوال جب آدمی غلطی سے غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے، پھر اس نماز کا وقت

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [4020]

ختم ہونے سے پہلے اس کو اپنی غلطی کا علم ہو جائے تو کیا وہ نماز کو دھرائے گا؟

جواب نہیں، وہ نماز کو نہیں لوٹائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ بادلوں کے اندھیرے کی وجہ سے الگ الگ سمت میں منہ کر کے نماز ادا کر لی، صبح ہوئی تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز دھرانے کا حکم نہیں دیا۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

کسی شہر میں چار دن کی اقامت کی نیت پر قصر یا پوری نماز پڑھنے کا حکم:

سوال جب کوئی شخص نیت کرے کہ وہ کسی شہر میں چار دن قیام کرے گا تو کیا وہ پوری نماز پڑھے یا قصر نماز پڑھے؟

جواب قیام یا سفر کے موضوع کے ساتھ چار دن کا کوئی تعلق نہیں۔ قیام اور سفر وہ معاملہ ہے جس کا تعلق مکلّف انسان کی نیت اور وضع کے ساتھ ہے، مثلاً: وہ شخص جو کسی شہر اور ملک میں تجارت کی غرض سے جاتا ہے اور اس کا اندازہ ہے کہ اس کی تجارت کے لیے وہاں پر چار دن کا قیام درکار ہے تو یہ آدمی اس کی وجہ سے مقیم شمار نہیں ہوتا کیونکہ اس کی نیت اور ارادہ میں بدستور سفر موجود ہے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

عورت نماز پڑھ رہی ہو تو دروازے کی گھنٹی بجے، وہ کیا کرے؟

سوال جب میں نماز پڑھ رہی ہوں اور دروازے کی گھنٹی بجتی ہے اور میرے سوا کوئی اور گھر میں نہیں تو ایسی صورت میں میں کیا کروں؟

جواب اے سائلہ! جب تُو نفل نماز ادا کر رہی ہو تو اس میں گنجائش موجود ہے، یعنی نماز توڑ کر یہ معلوم کرنے میں کوئی مانع نہیں کہ دروازہ کون کھٹکھٹا رہا ہے۔ رہی فرض نماز تو اس میں سوائے کسی اہم چیز کے، جس کو چھوٹ جانے یا ضائع ہونے کا ڈر ہو، نماز توڑنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ اور جب مرد کی طرف سے تسبیح کے ساتھ اور عورت کی طرف سے تصفیق (الٹے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر تالی بجانا) کے ذریعہ آنے والے کو آگاہ کرنا ممکن ہو اس طرح کہ دروازے پر موجود شخص یہ جان لے کہ گھر والی یا گھر والا نماز میں مصروف ہے تو اسی پر اکتفا کرنا چاہیے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

《من نابه شيء في صلاته فليسبح الرجال ولتصفق النساء》[1]

''جس شخص کو نماز میں کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے تو مرد سبحان اللہ کہہ کر اور عورتیں الٹے ہاتھ سے تالی بجا کر (اس سے آگاہ کریں۔)''

جب دروازہ کھٹکھٹانے والے کو تسبیح یا تصفیق کے ذریعہ اس بات سے آگاہ کرنا ممکن ہو کہ گھر میں موجود مرد یا عورت نماز ادا کر رہے ہیں تو ایسا ہی کیا جائے، پس اگر دوری اور عدمِ سماع کی وجہ سے مذکورہ آگاہی کے طریقے سے بات نہ بنے تو نمازی کے لیے خاص طور پر اپنی نفل نماز توڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ رہی فرض نماز تو جب یہ خدشہ ہو کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا کسی اہم کام سے آیا ہے تو فرض نماز توڑنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، پھر بعد میں شروع سے اس کا اعادہ کر لے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

ٹیلی فون کی گھنٹی سن کر نماز چھوڑنے کا حکم:

سوال کیا ٹیلی فون کی گھنٹی سن کر نماز چھوڑنا جائز ہے؟

جواب اگر تو سوال کرنے والی نفل نماز ادا کر رہی ہے تو اس کے لیے نماز چھوڑنا کراہت کے ساتھ جائز ہے اور اگر وہ فرض نماز پڑھ رہی ہو تو نماز توڑنا حلال نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تُبْطِلُوٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾ [محمد: 33]

''اور اپنے اعمال باطل مت کرو۔''

لہٰذا جب اس نے فرض نماز ادا کرنی شروع کی تو اس کو توڑنا حلال نہیں ہے مگر مثال کے طور پر اگر اس ٹیلی فون پر جو بات ہوگی اس پر کوئی خطرناک معاملہ مرتب ہوتا ہے تو ایسی صورتِ حال میں اس کے لیے نماز چھوڑنا جائز ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

وتروں کی تعداد:

سوال میں الحمدللہ اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ میں ہمیشہ پانچوں نمازیں جامع مسجد میں باجماعت پڑھتی ہوں اور اگر کسی وقت مسجد میں نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو اکیلی ہی پڑھ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [421]

لیتی ہوں مگر اتنی بات ہے کہ میں عشا کی نماز کے بعد پانچ رکعت نفل (وتر) ادا کرنے کی بجائے تین رکعتیں ادا کرتی ہوں۔ میں امید کرتی ہوں کہ مجھے اس سوال کا جواب دیا جائے گا۔ نیز یاد رہے کہ میں نے اس کو مستقل عادت بنا رکھا ہے اور میں نے شہروں اور دیہاتوں کی تقریباً تمام ہی مساجد میں نصف سے زیادہ نمازیوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ میں افادے کی امید رکھتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

جواب وتروں کی کم از کم تعداد ایک رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ جب تم ایک یا تین یا پانچ یا سات یا نو یا گیارہ یا تیرہ یا اس سے زیادہ رکعات پڑھ لو گی (تو یہ جائز اور درست عمل ہوگا) کیونکہ اس مسئلہ میں وسعت ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کی قولی اور فعلی سنت اس پر دلالت کرتی ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "زاد المعاد في هدي خير العباد" میں وتر کے مسئلہ پر الگ سے کلام کیا ہے، لہٰذا ہم مزید فائدے کے لیے اس کی طرف رجوع کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

نمازِ وتر کا آخری وقت:

سوال وہ آخری وقت کون سا ہے جس میں وتر کی نماز پا لینا ممکن ہے؟

جواب وہ فجرِ صادق طلوع ہونے سے پہلے رات کا آخری وقت ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

« صلاة الليل مثنى مثنى، فإذا خشي أحدكم الصبح صلى ركعة واحدة توتر له ما قد صلى »[1]

"رات کی نماز دو دو رکعت (پڑھنا افضل) ہے تو جب تم میں سے کوئی فجرِ صادق طلوع ہونے کا خطرہ محسوس کرے تو وہ ایک رکعت وتر ادا کر لے جو اس کی نماز کو طاق بنا دے گا۔"

اس حدیث کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [946] صحيح مسلم، رقم الحديث [749]

بیوی خاوند کی امام:

سوال کیا میں اپنے خاوند کی نماز میں امامت کرا سکتی ہوں؟ درآں حالیکہ میں تعلیم و فقہ میں اس پر فوقیت رکھتی ہوں کیونکہ میں ''کلیہ شریعہ'' کی معلّمہ ہوں۔

جواب عورت کے لیے مرد کی امامت کرانا جائز نہیں ہے، خواہ مرد اس کا شوہر، بیٹا یا اس کا باپ ہو، اس لیے کہ عورت کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ مردوں کی امام بنے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

«لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة»[1]

''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنی باگ ڈور عورت کے سپرد کر دی۔''

حتی کہ اگر عورت مرد کی نسبت زیادہ تعلیم یافتہ ہو، پھر بھی وہ اس کی امامت نہیں کرا سکتی، کیونکہ نبی ﷺ کہا کرتے تھے:

«یؤم القوم أقرأهم لکتاب اللّٰه»[2]

''لوگوں کی امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو۔''

لیکن عورت اس خطاب میں مرد کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ﴾ [الحجرات: 11]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کوئی قوم کسی قوم سے مذاق نہ کرے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ کوئی عورتیں دوسری عورتوں سے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے معاشرے کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا، یعنی مرد اور عورتیں، اس بنا پر عورت نبی ﷺ کے اس عمومی فرمان: ''یؤم القوم أقرأهم لکتاب اللّٰه'' میں شامل نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [4163]

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث [673]

عورت کے لیے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر امام کی متابعت میں نماز ادا کرنا:

سوال ہم آپ سے عورت کے لیے اپنے گھر میں ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر نماز ادا کرنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں جبکہ وہ امام کی قراءت اور تکبیر سن رہی ہو، خواہ وہ فرض نماز ہو یا نفل، اور وہ اس جگہ میں ہو جہاں کے امام کی اقتدا کر رہی ہے یا دور ہو، مثلاً: وہ اپنے گھر سے دور ''ریاض'' میں ادا کی جانے والی نماز کی اقتدا کرے اور اس کے گھر سے یہ فاصلہ تقریباً ۳۵۰ کلومیٹر ہو۔ ہمیں جواب سے فائدہ پہنچائیں۔

جواب ایسا کرنا جائز نہیں ہے، خواہ فرض نماز ہو یا نفل، اگرچہ وہ امام کی قراءت اور تکبیر کو سن رہی ہو۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

حائضہ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا:

سوال ہماری بعض بہنیں جماعت کے دوران ہمارے سامنے بیٹھی رہتی ہیں اور ہم نماز ادا کر رہی ہوتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے، جانتے ہوئے کہ ہمارے سامنے بیٹھنے والی خواتین نماز نہیں پڑھتیں یا وہ حائضہ ہیں؟

جواب حائضہ عورتوں پر ضروری ہے کہ وہ پچھلی صفوں میں چلی جائیں اور دیگر نمازیوں کے لیے جگہ خالی کر دیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

عورت کا نمازی کے آگے سے گزرنا:

سوال والد محترم کا کہنا ہے کہ عورت جب فرض نماز ادا کرے تو اس کے آگے سے گزرنا جائز نہیں۔ ہمیں فائدہ پہنچایئے گا، اللہ تعالیٰ آپ کو فائدہ پہنچائے۔

جواب نماز پڑھنے والا خواہ مرد ہو یا عورت اس کے لیے اپنے سامنے سترہ رکھنا سنت ہے، اور مرد اور عورت میں سے کسی ایک کو بھی نمازی کے آگے سے یا نمازی اور سترے کے درمیان سے گزرنا جائز نہیں ہے، برابر ہے کہ نماز پڑھنے والا مرد ہو یا عورت اور آگے سے گزرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت، لیکن جب نمازی کے آگے سے گزرنے والی عورت ہو تو وہ اس کی نماز کو توڑ دے گی جس کے آگے سے یا اس کے اور سترے کے درمیان سے وہ گزرے گی، مگر مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے، چونکہ مسجد

حرام میں نمازی کے آگے سے گزرنے سے بچنا ممکن نہیں، اس لیے اس کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی تم طاقت رکھو۔''

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ [الحج: 78]

''اور اس (اللہ) نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔'' (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کا دوران نماز کسی کو خبردار کرنے کا طریقہ:

سوال جب عورت نماز پڑھتے ہوئے کسی کو خبردار کرنا چاہے تو کیا طریقہ کار اختیار کرے؟

جواب عورت کو جب نماز میں کوئی معاملہ درپیش ہو تو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ الٹے ہاتھ پر ہاتھ مارے، تکبیر نہ کہے۔ نماز کی کسی بھی حالت میں عورت کے لیے تصفیق تو جائز ہے لیکن تسبیح اور تکبیر جائز نہیں ہے، خاص طور پر جب اس جگہ مرد بھی موجود ہوں۔

عورت کے لیے سر ڈھانپے بغیر سجدہ تلاوت کرنا:

سوال قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے جب سجدے والی آیت آجائے تو کیا عورت بغیر دوپٹہ یا چادر اوڑھے سجدہ تلاوت کرے یا پھر وہ اس کے علاوہ کیا کرے؟

جواب عورت کے لیے اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ جب وہ آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو اپنا سر ڈھانپ کر سجدہ تلاوت کرے اور اگر وہ بغیر اوڑھنی کے بھی سجدہ کرے تو ہم امید کرتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ سجدۂ تلاوت کا حکم نماز کا حکم نہیں ہے، وہ تو صرف بقیہ اذکار اور بھلائی کے کاموں کی طرح اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

واجب اور مندوب کے ترک پر سجدۂ سہو:

سوال کیا واجبات اور مندوبات دونوں کے ترک پر سجدۂ سہو کرنا ہوگا یا صرف واجب کے

ترک کرنے پر؟

جواب اگر تم نماز کا کوئی واجب عمل بھول جاتی ہو تو سجدۂ سہو کرنا واجب ہوگا اور اگر تم کوئی مستحب عمل بھول جاتی ہو تو سجدۂ سہو مستحب ہوگا۔ اس موقف کی تائید پر امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کا وثوق دلالت کرتا ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو دلیل بنایا ہے جس کو ابو داود نے صحیح سند کے ساتھ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لكل سهو سجدتان بعد التسليم»[1]

''ہر سہو کے لیے سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔''

لیکن تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان « بعد التسليم » پر ہی نہ اکتفا کر لینا کیونکہ سہو کے سجدوں کی مختلف جگہوں کے متعلق مختلف احادیث ہیں۔ اور اس مسئلہ میں راجح بات یہ ہے کہ ہر حدیث کو اس کی جگہ پر عمل دیا جائے گا، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دو رکعتیں بھول گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے بعد دو سجدے کیے۔ اور اگر نماز میں ایسی جگہ سہو ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ سہو نہیں ہوا تو تم کو دو باتوں میں اختیار ہے کہ تم سلام سے پہلے سجدے کر لو یا بعد میں کر لو۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

مسلمان عورت کا ہار اور انگوٹھی پہن کر تصویر یا آئینے کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا:

سوال کیا مسلمان عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ گلے میں ہار اور ہاتھ میں انگوٹھی پہن کر نماز ادا کرے یا وہ اس حال میں نماز پڑھے کہ اس کے سامنے تصویر یا آئینہ ہو؟ ہمیں فائدے پہنچایئے اللہ آپ کو فائدہ پہنچائے۔

جواب مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ہر اس چیز سے دور رہے جو اس کو نماز میں مشغول کرے اور اس کو تشویش میں ڈالے، لہٰذا اُس کو یہ لائق نہیں کہ وہ آئینہ کی طرف اور کھلے دروازے یا کسی اور ایسی چیز کی طرف منھ کر کے نماز ادا کرے جو اس کو نماز سے مشغول کرے یا اس کو تشویش میں مبتلا کرے۔ ایسے آدمی کو یہ بھی لائق نہیں ہے کہ

[1] **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [1038]

وہ ایسی جگہ میں نماز ادا کرے جہاں پر تصویریں لٹک رہی ہوں یا نصب ہوں کیونکہ ایسا کرنے میں ان لوگوں کی مشابہت ہے جو تصویروں کی عبادت کرتے ہیں اور یہ ایک لحاظ سے ہے، اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہ تصویریں جب اس کے سامنے ہوں گی تو وہ اس کی نماز میں تشویش پیدا کریں گی اور ان کو دیکھنے کی وجہ سے بندہ نماز سے مشغول و غافل ہوجائے گا۔

رہا عورت کا دورانِ نماز زیورات پہننا تو یہ بھی ان چیزوں سے ہے تو نماز پڑھنے والی کو نماز سے غافل کرے گی، لہٰذا اُس کو اپنی نماز میں کوئی ایسا عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیے جو اس کو نماز سے غافل کردے بلکہ وہ زیورات کے پہننے اور کاسمیٹکس کے استعمال کو نماز سے فراغت تک مؤخر کردے، لیکن اگر وہ ایسا کرلے اور اس کو زیورات پہننے میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور زیادہ عمل نہیں کرنا پڑتا تو اس کی نماز صحیح ہوگی کیونکہ دورانِ نماز معمولی سا عمل، مثلاً کپڑا اور پگڑی درست کرنا، گھڑی پہننا اور اس طرح کے کام نماز کو متأثر نہیں کرتے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کا سر ڈھانپے بغیر سجدۂ تلاوت کرنا:

سوال سجدہ والی آیت تلاوت کرنے پر کیا میں اپنی ہیئت، یعنی سر اور جسم ڈھانپے بغیر سجدۂ تلاوت کرسکتی ہوں؟

جواب کسی بھی حالت میں سجدۂ تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ سر وغیرہ ننگا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس مسئلہ میں راجح بات یہ ہے کہ بلاشبہ سجدۂ تلاوت کے لیے نماز کا حکم نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

مسواک کس ہاتھ سے کی جائے؟

سوال مسواک استعمال کرنے کا کیا حکم ہے اور مسلمان کس ہاتھ سے مسواک کرے؟

جواب مسواک کرنا سنت ہے، کئی ایک احادیث میں نبی ﷺ نے مسواک کرنے کی رغبت دلائی ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ کس ہاتھ کے ساتھ مسواک کی جائے؟ تو اس مسئلہ میں ہمارے پاس کوئی نص موجود نہیں۔

بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ دائیں ہاتھ سے مسواک کی جائے اور بعض دوسرے فرماتے ہیں: بائیں ہاتھ سے کی جائے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ دائیں ہاتھ سے کی جائے وہ ہر چیز میں دائیں ہاتھ سے ابتدا کرنے والی حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔
(علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ)

نمازِ حاجت اور نمازِ حفظِ قرآن کا حکم:

سوال میں نے نمازِ حاجت اور نمازِ حفظِ قرآن کے متعلق سنا ہے تو کیا یہ دونوں مشروع ہیں کہ نہیں؟

جواب یہ دونوں نمازیں صحیح نہیں ہیں، نہ نمازِ حاجت اور نہ ہی نمازِ حفظِ قرآن، کیونکہ اس طرح کی عبادات کا ایسی شرعی دلیل کے بغیر جواز ممکن نہیں ہے جو دلیل بن سکتی ہو اور ان دو نمازوں کے لیے کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے جو حجت بن سکتی ہو، سو اس بنا پر یہ دونوں نمازیں غیر مشروع ہیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ)

سنن ادا کرنے والی عورت کی اقتدا میں کسی عورت کا فرض نماز ادا کرنا:

سوال ایک عورت مسجد میں داخل ہوئی اور ایک دوسری عورت، جو کہ نماز پڑھ رہی تھی، کے پہلو میں کھڑی ہوگئی اور اس کے پیچھے فرض نماز ادا کی یہ جانتے ہوئے کہ وہ عورت سنت نماز ادا کر رہی ہے تو کیا فرض نماز پڑھنے والی عورت کی نماز صحیح ہوگی؟

جواب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث اور بخاری مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، کہتے ہیں:

« كان معاذ بن جبل رضي الله عنه يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم صلاة العشاء الآخرة، ثم يأتي قومه فيصلي بهم تلك الصلوة »[1]

''معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشا کی نماز ادا کرتے، پھر وہ اپنی قوم کے پاس آ کر ان کو وہ نماز پڑھاتے۔''

پس وہ نماز معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے نفل اور ان کی قوم کے لوگوں کے لیے عشا کی فرض

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5755]

نماز ہوتی تھی۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا اور اہل ظاہر کا مذہب ہے کہ بلاشبہ نفل نماز پڑھنے والے کی امامت فرض پڑھنے والے کے لیے صحیح اور درست ہے مگر جمہور نے اس سے منع کیا ہے، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه »[1]

''امام تو اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا اُس سے اختلاف نہ کرو۔''

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث میں ہمارے اس موضوع کے ساتھ تعلق رکھنے والی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کے لیے وہ جگہیں، جن جگہوں میں اس کو امام کی اقتدا کرنا ہے، واضح فرما دی ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا ركع فاركعوا، وإذا قال: سمع الله لمن حمده، فقولوا: ربنا لك الحمد، وإذا سجد فاسجدوا، وإذا صلىٰ قائماً فصلوا قياما، وإذا صلى جالسا فصلوا جلوسا أجمعين »[2]

''امام تو صرف اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے تو جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم کہو: "ربنا لك الحمد" اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بیٹھ کر نماز ادا کرو۔''

اس حدیث میں بہت سی زائد باتیں ہیں لیکن اس میں جو اہم بات ہے وہ یہ کہ امام کی اقتدا کی جائے اور وہ بھی صرف ظاہری اعمال میں ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ علماء کا اس

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [689] صحيح مسلم، رقم الحديث [414]
[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [371]

بات پر اجماع ہے کہ نفل پڑھنے والے کے لیے فرض پڑھنے والے کی اقتدا کرنا جائز ہے اور ایسے ہی مقیم کے لیے مسافر کی اقتدا جائز ہے باوجود اس کے کہ دونوں کی رکعات کی تعداد مختلف ہے، مسافر قصر نماز ادا کرے گا اور وہ دو رکعتیں پڑھے گا اور اس کے پیچھے مقیم آدمی پوری نماز چار رکعتیں ادا کرے گا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

عورت کا اپنی نماز میں بلند آواز سے قراءت کرنا:

سوال کیا عورت کے لیے اپنی نماز میں اتنی بلند آواز سے قراءت کرنا جائز ہے جو کہ سنی جائے؟ جبکہ یہ نماز بھی جہری قراءت والی نہیں ہے بلکہ سنن رواتب (مؤکدہ) اور سری قراءت والی نماز ہے۔ اس سے اس کا مقصد ترتیل (ٹھہر ٹھہر کر) سے قرآن پڑھنا ہے تاکہ اس سے خشوع پیدا ہو اور وہ سہو ونسیان سے بچے اور اس کے پاس دیگر عورتیں اور مرد بھی نہیں ہیں۔

جواب جہاں تک رات کی نماز کا تعلق ہے تو اس کے لیے نماز میں بلند آواز سے قراءت کرنا جائز ہے، خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل، جب تک کہ اسے کوئی اجنبی مرد نہ سنے جس کے اس کی آواز سے فتنے میں مبتلا ہونے کا ڈر ہو، لہٰذا جب وہ رات کی نماز ایسی جگہ ادا کرے جہاں اس کی آواز کوئی اجنبی مرد نہیں سن رہا تو وہ ظاہری قراءت کر سکتی ہے مگر جب اس سے دوسروں کے تشویش میں پڑنے کا خدشہ ہو تو وہ سری آواز سے قراءت کرے۔

رہی دن کی نماز تو اس میں وہ پست آواز سے ہی قراءت کرے، اس لیے کہ دن کی نماز سری ہوتی ہے اور اس میں اتنی آواز بلند کر سکتی ہے جو صرف اسی کو سنائی دے کیونکہ سنت کی مخالفت کی وجہ سے دن کی نماز میں جہری قراءت کرنا مستحب نہیں ہے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا امام کے پیچھے آمین کہنا:

سوال ہم یہ جاننا چاہتی ہیں کہ کیا عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ نماز میں امام کے پیچھے آمین کہے؟

جواب ہاں، وہ آمین کہے گی کیونکہ حدیث میں ہے کہ بلاشبہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، پس ہمیں نماز سکھاتے ہوئے اس کا طریقہ سمجھاتے ہوئے فرمایا:

« إذا صليتم فأقيموا صفوفكم، وليؤمكم أحدكم »[1]

''جب تم نماز ادا کرنے لگو تو اپنی صفیں درست کرلو اور تم میں سے ایک آدمی تمھاری امامت کرائے۔''

''أحدكم'' کا لفظ جو اس حدیث میں مبہم بیان ہوا ہے ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواء فأعلمهم للسنة، فإن كانوا في السنة سواء فأقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء فأكبرهم سنا، لا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه، فإذا حضرت الصلاة أقيموا صفوفكم وليؤمكم أحدكم، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فأنصتوا، وإذا قال: غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا: آمين، يسمع الله لكم »[2]

''کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا لوگوں کی امامت کرائے، اگر وہ قرآن پڑھنے میں برابر ہوں تو ان میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا امامت کرائے، پس اگر وہ علم سنت میں برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جو ہجرت کرنے میں مقدم ہو، اور اگر وہ ہجرت میں بھی برابر ہوں تو وہ امام بنے جو ان میں عمر رسیدہ ہو۔ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی ریاست میں جا کر امامت نہ کرائے اور نہ ہی اس کے گھر میں اس کی (خاص) عزت والی جگہ پر بیٹھے مگر اس کی اجازت کے ساتھ، پس جب نماز کا وقت ہوجائے تو اپنی صفوں کو درست کرو اور تم میں سے

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [404]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [404]

ایک تمھاری امامت کرائے، تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموشی اختیار کرو، اور جب وہ "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" پڑھے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمھاری آمین کو سنتا ہے۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إذا قال الإمام: غير المغضوب عليهم ولا الضالين، فقولوا: آمين، فإنه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفرله ما تقدم من ذنبه »[1]

"جب امام "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی اس کے گزشتہ (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔"

لیکن عورت ہلکی آواز سے سری طور پر آمین کہے کیونکہ اس پر سنت پر عمل پیرا ہونے کے لیے آمین کہنا لازمی اور ضروری ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

نمازِ استخارہ

دو مختلف کاموں کے لیے دو ہی رکعتیں پڑھ کر استخارہ کرنا:

سوال کیا دو مختلف کاموں کے لیے دو ہی رکعتیں پڑھ کر استخارہ کرنا صحیح ہے؟

جواب ایک متعین چیز کے متعلق استخارہ کرنے کے لیے دو رکعتیں پڑھی جائیں، پھر کسی دوسرے کام کے متعلق استخارہ کرنے کے لیے الگ دو رکعتیں پڑھیں جائیں اور استشارے (مشورہ طلب کرنا) کا بھی یہی طریقہ ہے۔ اور دو مختلف کاموں یا ایک کام، جس میں اختیار دیا گیا ہو، صرف دو رکعتوں کے ساتھ ایسا کرنا کافی نہیں ہے۔
(فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [747] صحيح مسلم، رقم الحديث [410]
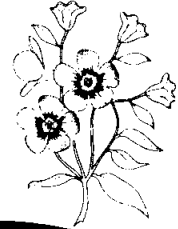
كتاب الجنائز
و
احكام المقابر
پانچواں باب

عورتوں کا قبرستان کی زیارت کرنے کا حکم

عورت قبر پر جا کر روئے تو صاحبِ قبر کی زیارت نہیں ہوتی ہے اور اگر نہ روئے تو زیارت ہوتی ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟:

سوال کیا میں اپنے بیٹے کی قبر کی زیارت کر سکتی ہوں؟ میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب والدہ طلوعِ آفتاب سے پہلے قبر پر جائے اور وہاں پر نہ روئے اور سورۃ الفاتحہ پڑھے تو اس کے بیٹے کے لیے اس کو دیکھنا ممکن ہوگا اور ان کے درمیان چھلنی کے سوراخوں کے برابر فاصلہ ہوگا، اور اگر وہ روئے تو وہ اپنے بچے کی زیارت سے روک دی جائے گی، یہ کہاں تک درست ہے؟ نیز یہ بتائیے کہ عورتوں کے قبرستان جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ جو عورت کا عمل ذکر کیا گیا ہے کہ جب وہ جمعہ کے دن طلوعِ آفتاب سے پہلے اپنے بیٹے کی قبر پر حاضر ہو کر سورۃ الفاتحہ پڑھے اور روئے نہیں تو اس کے لیے اس کے بیٹے سے پردہ دور کر دیا جائے گا اور وہ اپنے بیٹے کو یوں دیکھے گی جیسے وہ چھلنی کے سوراخوں کے درمیان سے اس کو دیکھ رہی ہے، بلاشبہ یہ ایک باطل قول ہے، بالکل صحیح اور درست نہیں ہے، اس قول پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

رہا عورتوں کا قبرستان جانا تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض تو اس کو مکروہ کہتے ہیں اور بعض نے اس کو جائز قرار دیا ہے جبکہ اس کے قبرستان جانے میں کوئی ممنوع کام شامل نہ ہو، اور بعض علماء نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ میرے نزدیک صحیح اور علماء کے مختلف اقوال میں سے راجح قول یہ ہے کہ یقیناً عورتوں کا قبرستان جانا حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں اور ان پر مساجد بنانے اور چراغ جلانے والیوں پر لعنت فرمائی ہے، اور کسی مباح فعل پر لعنت نہیں ہوا کرتی اور نہ ہی مکروہ فعل پر لعنت ہوتی ہے بلکہ فعلِ حرام پر لعنت ہوتی ہے، بلکہ اہل علم کے ہاں جو قاعدہ مشہور ہے وہ

اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ عورتوں کا قبروں کی زیارت کے لیے جانا کبیرہ گناہوں میں شامل ہے، اس لیے کہ اس پر لعنت مرتب ہوتی ہے اور وہ گناہ جب اس پر لعنت مرتب ہوتی ہو وہ کبیرہ گناہوں میں شامل ہو جاتا ہے، جیسا کہ یہ تمام یا اکثر اہل علم کے ہاں قاعدہ ہے۔

تو اس بنا پر اس عورت کو، جس کا بچہ فوت ہو گیا ہے، میری طرف سے یہ نصیحت ہے کہ وہ گھر میں ہی رہ کر اس کے لیے کثرت سے استغفار اور دعا کرے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اس کی دعا و استغفار کو قبول کر لے گا تو یہ اس کے بیٹے کے لیے مفید ہے اگرچہ وہ اس کی قبر کے پاس نہ بھی ہو۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

زیارتِ قبور کے بارے میں دو احادیث میں تطبیق و توفیق:

سوال میں نے پروگرام میں بعض علماء کو یہ حدیث پڑھتے ہوئے سنا: «لعن اللّٰه زائرات القبور»[1] ''قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اللہ کی لعنت ہو''، پھر انھوں نے یہ حدیث پڑھی: « كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا فزوروها، فإنها تذكركم الآخرة»[2] ''میں تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا (اب اجازت دیتا ہوں) لہٰذا تم ان کی زیارت کرو، بلاشبہ وہ تمھیں آخرت کی یاد دلائیں گی۔'' تو میں حیران ہوئی، لہٰذا مجھے بتایئے کہ ان دونوں حدیثوں کو میں کیسے جمع کروں؟

جواب عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنا جائز نہیں ہے اور حدیث « كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا فزوروها» اس حدیث « لعن اللّٰه زائرات القبور » کو منسوخ کرنے والی نہیں ہے بلکہ « كنت نهيتكم... الخ» حدیث کے عموم کی « لعن اللّٰه زائرات القبور» والی حدیث سے تخصیص ہو گئی ہے۔ اسی طرح ان حدیثوں کو جمع کیا جائے گا، اس بنا پر لوگوں میں سے مردوں کا قبروں کی زیارت کرنا مشروع ہوگا نہ کہ عورتوں کے لیے۔ علماء کے دو قولوں میں سے صحیح قول یہی ہے۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

---

[1] ضعيف. سنن أبي داود، رقم الحديث [3236]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [977]

عورتوں کا رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا:

سوال عورتوں کے رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور دلیل کے ساتھ عام شکل میں قبرستان کی زیارت کرنے والیوں کا کیا حکم ہے؟

جواب جہاں تک عورت کا قبروں کی زیارت کرنے کا تعلق ہے تو یہ نہ صرف حرام ہے بلکہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ نبی ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت فرمائی ہے اس لیے بھی کہ عورت کمزور عقل، ذکی الحس اور جلد متاثر ہونے والی ہے اور اس لیے بھی کہ جب عورت قبروں کو دیکھے تو وہ اپنی نرمی اور کمزوری کی وجہ سے بار بار ان کی زیارت کے لیے جائے گی تو اس طرح قبرستان عورتوں سے بھر جائیں گے اور خبیث اور فاجر لوگوں کی چراگاہ بن جائیں گے اور وہ لوگ قبرستانوں میں عورتوں پر گھات لگائیں گے جبکہ قبرستان بھی آبادی سے دور ہوتے ہیں، اس طرح عورتوں کے قبرستان جانے سے بہت بڑا شر پیدا ہوگا، لیکن اگر کوئی عورت قبرستان کے پاس سے گزرے، اس کا ارادہ تو قبرستان کی زیارت کا نہ تھا مگر وہ ٹھہر گئی اور مشروع سلام کہا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

رہا عورتوں کا رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا، تو یہ ممانعت کے عمومی حکم میں شامل ہے، بلاشبہ عورت رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت نہ کرے۔ بعض علماء نے کہا: وہ زیارت کر سکتی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر دوسری قبروں کی طرح نمایاں نہیں ہے بلکہ وہ تین دیواروں میں گھری ہوئی ہے تو جب عورت آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کرے گی تو وہ فی الحقیقت قبر کی زیارت نہیں ہوگی بلکہ وہ قبر کے آس پاس کی زیارت ہوگی لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ عرف عام میں اس کو زیارت ہی کہتے ہیں، لہٰذا اس کو یہی کافی ہے کہ وہ دوران نماز یہ پڑھے: «السلام عليك أيها النبي! ورحمة الله وبركاته» اے نبی ﷺ! آپ پر سلامتی، اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں''، تو اس کا یہ سلام نبی ﷺ کو پہنچ جائے گا اور اس کو اس کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کو قبر میں اتارتے وقت ڈھانپنے کا حکم:

سوال عورت کو قبر میں اتارتے وقت ڈھانپنے کا کیا حکم ہے اور کتنی دیر تک ان کو ڈھانپا جائے؟

جواب بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عورت کو جب قبر میں رکھا جائے تو اس کی قبر کو ڈھانپ لیا جائے تاکہ اس کے اعضائے جسم ظاہر نہ ہوں لیکن ایسا کرنا واجب نہیں ہے، اس پر قبر میں کچی اینٹیں لگانے تک اس کو ڈھانپا جائے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کو لحد میں اتارتے ہوئے چادر سے ڈھانپنا:

سوال بعض لوگ عورت کو قبر میں اتارتے وقت اس کو چادر سے ڈھانپ لیتے ہیں تاکہ لوگ اس کو نہ دیکھیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ ان اعمال میں سے ہے جن پر علماء نے عمل کیا اور اس کو مستحب جانتے ہوئے کہا: ایسا کرنا عورت کے لیے باپردہ ہے کیونکہ اگر اسے بغیر ڈھانپے لحد میں اتارا جائے گا تو بعض اوقات اس کے اعضائے جسم کے کھل جانے کا خدشہ ہوتا ہے لیکن ہمارے ہاں عنیزہ میں لوگ عورت کو ایسی چادر کے ساتھ لحد میں اتارتے ہیں جس سے اس کو ڈھانپا گیا ہوتا ہے، پھر جیسے جیسے وہ اینٹیں لگاتے جاتے ہیں چادر کو نکالتے جاتے ہیں تو اس طرح باپردہ تدفین عمل میں آجاتی ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

مرد کا اپنی بیوی کو قبر میں اتارنا:

سوال میں اور میرا باپ میری بیوی کی وفات کے بعد اس کے جنازے میں شریک ہوئے اور اس کی تدفین میں معاون بنے، پھر میں نے، میرے بیٹے نے اور میری بیوی کے چچا کے بیٹے نے مل کر اس کو قبر میں اتارا۔ میں نے بعض لوگوں سے سنا کہ مجھے اپنی بیوی کو قبر میں اتارنے کا حق نہیں تھا، ان کا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط؟ اگر یہ صحیح ہے تو کیا میرے ذمہ کوئی کفارہ تو نہیں ہے یا کوئی اور عمل جو میں کروں؟

جواب تمھارا اپنی بیوی کو قبر میں اتارنا جائز ہے اور جس نے یہ کہا کہ تجھے ایسا کرنے کا

کوئی حق نہیں ہے تو وہ اپنے اس قول میں غلطی پر ہے، تجھ پر کوئی کفارہ نہیں بلکہ، ان شاء اللہ، تجھ کو اس پر اجر ملے گا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

اجنبی مردوں کا عورت کو قبر میں اتارنا:

سوال میری ایک ٹانگ کٹی ہوئی ہے۔ میری بیوی بیمار ہوگئی اور اسے مملکت کے ایک ہسپتال میں داخل کر لیا گیا۔ میں اس کی وفات تک اس کے ساتھ ہی تھا، پھر وفات کے بعد اس کو ایمبولینس کے ذریعہ ہسپتال کے عملہ کے ساتھ قبرستان منتقل کر دیا گیا جبکہ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ قبر میں اتارتے وقت ان اجنبی مردوں نے اکیلے ہی اس کو قبر میں اتارا کیونکہ میں اپنی ٹانگ کے کٹا ہونے کی وجہ سے معذور تھا۔ میں اس مسئلہ میں پریشان ہوں، کیا اس میں مجھ پر کوئی گناہ ہے اور کیا عورت کو اجنبی مردوں کا قبر میں اتارنا کوئی قابل اعتراض بات ہے؟ جواب ارشاد فرما کر مجھے مستفید کیجیے۔

جواب جب عورت کو غیر محرم مرد قبر میں اتاریں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ عورت کے سفر کرنے کے لیے محرم کا ساتھ ہونا مشروط ہے نہ کہ اس کو قبر میں اتارنے کے لیے۔
(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

مردوں کی قبر پر دو اور عورت کی قبر پر ایک پتھر رکھنا:

سوال اس شخص کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جو مردوں کی قبر پر دو اور عورت کی قبر پر ایک پتھر رکھتا ہے، کیا یہ فرق مشروع ہے؟

جواب یہ فرق مشروع نہیں ہے اور علماء نے کہا: ایک یا دو پتھر یا ایک یا دو کچی اینٹیں اس غرض سے قبر پر رکھنا تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ قبر ہے اور اس پر اور قبر نہ کھودی جائے، ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رہا مرد اور عورت میں اس سلسلے میں فرق کرنا تو اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورتوں کو مردوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا حکم:

سوال ایک سائلہ کہتی ہے: اس کی ایک بیٹی فوت ہوگئی اور وہ اس کی وفات کے وقت موجود نہیں تھی۔ لوگوں نے اس کو ایسے قبرستان میں دفن کر دیا جہاں عورتیں دفن نہیں

ہیں، وہاں دفن ہونے والے صرف مرد ہیں۔ کیا اس کی بیٹی کی قبر مردوں کے ساتھ جائز ہے؟ کیا اب اس کو وہاں سے منتقل کرنا جائز ہے؟ ہمیں فائدہ پہنچاؤ، اللہ آپ کو فائدہ پہنچائے۔

جواب عورتوں کو مردوں کے اور مردوں کو عورتوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے جبکہ ہر ایک کی الگ الگ قبر بنائی جائے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

مردہ عورت کا پیٹ چاک کر کے اس میں سے زندہ بچہ نکالنا:

سوال کیا مردہ عورت کے بطن کو چاک کر کے اس سے زندہ بچہ نکالنا جائز ہے؟

جواب مصلحت کے تحت کسی خرابی سے بچنے کے لیے جائز ہے اور اس کو مثلہ (ہاتھ کان وغیرہ اعضاء جسم کو کاٹ کر حلیہ بگاڑنا) شمار نہیں کیا جائے گا۔ مجھ سے ایک ایسی عورت کے متعلق سوال کیا گیا جو فوت ہوگئی اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ تھا، کیا اس کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکالا جائے گا یا نہیں؟ تو میں نے جواب دیا: اہل علم رحمہم اللہ نے جو اس مسئلہ میں فرمایا ہے وہ معلوم ہے، انھوں نے کہا: اگر حاملہ عورت فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو اس کے پیٹ کو چاک کرنا حرام ہے، البتہ عورتیں اس بچے کو، جس کی زندگی کی امید باقی ہو، دیگر علاج معالجوں اور بچے پر ہاتھ داخل کر کے نکال سکتی ہیں۔ اگر اس طرح بچہ نکالنا ممکن نہ ہو تو عورت کو اس کے پیٹ کا بچہ مرنے تک دفن نہیں کیا جائے گا۔ اگر بچے کا کچھ حصہ زندہ باہر نکل آئے تو باقی کو نکالنے کے لیے پیٹ چاک کیا جا سکتا ہے، فقہاء کا یہ قول اس بنا پر ہے کہ یہ فوت شدہ کا مثلہ ہے۔

اور اصل یہ ہے کہ میت کا مثلہ کرنا حرام ہے، الا یہ کہ ایسا کرنے کی کوئی ٹھوس اور مضبوط مصلحت ثابت ہو جائے، یعنی جب عورت سے بچے کا کچھ حصہ زندہ باہر آ جائے تو باقی بچے کو نکالنے کے لیے پیٹ چاک کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں بچے کی مصلحت ہے، اس وجہ سے کہ اس حالت میں پیٹ چاک نہ کرنے سے بچے کی موت واقع ہو سکتی ہے اور زندہ کا مردہ سے زیادہ خیال رکھنا چاہیے لیکن آج کل کے ایام میں فن جراحت و سرجری

نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ بطن کو یا جسم کے کسی اور حصے کو چاک کرنا مثلہ شمار نہیں کیا جاتا، چنانچہ اب تو ڈاکٹر زندہ و حیات لوگوں کی رضا و رغبت کے ساتھ مختلف قسم کے آلاتِ سرجری کی مدد سے ایسا کرتے ہیں، اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ اگر فقہاء کرام اس صورت حال کا مشاہدہ کر لیتے تو وہ حاملہ کے بطن سے پیٹ چاک کر کے زندہ بچے کو نکالنے کے جواز کا فیصلہ دے دیتے، خصوصاً جب حمل کی مدت بھی پوری ہوچکی ہو اور یہ معلوم ہو چکا ہو یا غالب گمان ہو کہ پیٹ میں بچہ صحیح سلامت ہے اور ان کا مثلہ کے ساتھ معلل قرار دینا اس پر دلالت کرتا ہے۔

پیٹ چاک کر کے زندہ جنین کو نکالنے کے جواز پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ جب مصالح اور مفاسد کا تعارض ہو تو وہ بڑی مصلحتوں کو مقدم کرتے ہوئے دو ہلکی مفسدتوں کا ارتکاب کر لیا جائے گا اور یہ اس طرح کہ بے شک پیٹ کو چاک کرنے سے بچانا ایک مصلحت ہے اور زندہ بچے کو بچانا اس سے بڑی مصلحت ہے، نیز پیٹ چاک کرنا ایک خرابی ہے اور زندہ بچے کو فوت شدہ عورت کے پیٹ میں چھوڑ دینا کہ وہ دم گھٹ کر مر جائے اس سے بڑی خرابی ہے تو پیٹ چاک کرنا دو خرابیوں میں سے ہلکی خرابی ہوئی، پھر ہم مذکورہ سوال کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں: ان حالات میں پیٹ چاک کرنے کو لوگ مثلہ شمار نہیں کرتے اور نہ اس میں کوئی خرابی سمجھتے ہیں، لہٰذا بچے کو پیٹ سے نکالنے کے خلاف کوئی چیز باقی نہیں رہتی ہے۔ واللہ اعلم (السعدی)

عورت کا اپنے فوت شدہ خاوند کو دیکھنا اور اس کو غسل دینا:

سوال کیا عورت کے لیے اپنے فوت شدہ شوہر کو دیکھنا جائز ہے یا کہ اس کو دیکھنا حرام ہے؟ اور کیا عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے جب اور کوئی غسل دینے والا موجود نہ ہو؟

جواب عورت کے لیے اپنے فوت شدہ خاوند کو دیکھنا جائز ہے اور علماء کے زوجین میں سے ہر ایک کے دوسرے کو وفات کے بعد غسل دینے کے حکم کے متعلق مختلف اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ وہ اس کو غسل بھی دے سکتی ہے اگرچہ ان کے علاوہ بھی کوئی غسل دینے والا موجود ہو کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:

’’اگر ہم کو اس مسئلہ کا پہلے علم ہوتا جس کا ہمیں بعد میں علم ہوا تو رسول ﷺ کو صرف آپ کی بیویاں ہی غسل دیتیں۔‘‘[1] اس کو ابو داود نے بیان کیا ہے۔

اور اس لیے بھی کہ بلاشبہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کو ان کی بیوی اسماء بنت عمیس غسل دے، چنانچہ انھوں نے غسل دیا، نیز اس لیے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی ام عبداللہ رضی اللہ عنہا نے غسل دیا۔ اور اہل علم کے نزدیک یہ بھی صحیح ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو جب وہ فوت ہو جائے تو اس کو غسل دے، اس لیے کہ ابن منذر نے بیان کیا ہے کہ بلاشبہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کی وفات کے بعد غسل دیا تھا اور یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مشہور تھی تو انھوں نے اس کا انکار نہیں کیا، لہٰذا یہ ان کا اجماع ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

حائضہ کا میت کو غسل دینا اور کفن پہنانا:

سوال کیا حائضہ کے لیے جائز ہے کہ وہ میت کو غسل دے اور اس کو کفن پہنائے؟

جواب عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ حالتِ حیض میں عورتوں کو غسل دے اور ان کو کفن پہنائے۔ اور اس کے لیے مردوں میں سے صرف اپنے خاوند کو غسل دینا جائز ہے۔ حیض میت کو غسل دینے سے مانع شمار نہیں کیا جائے گا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

میت پر نوحہ کرنا

کیا چیخ و پکار کر کے دوسروں کو رلانا نوحہ ہے؟

سوال بعض عورتیں جب میت والوں کے گھر میں تعزیت کے لیے جاتی ہیں تو وہ چیخ و پکار کرتی ہیں اور ایسا کر کے تمام حاضرین کو رلا دیتی ہیں، کیا ان کا یہ عمل نوحہ میں شمار ہوگا؟

جواب ہاں، بلاشبہ یہ نوحہ سے ہے اور نبی ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت فرمائی، لہٰذا اُس عورت کے لیے یہ عمل حلال نہیں ہے اور میت والوں کو بھی یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اس عورت کو ایسا کرنے کی اجازت دیں۔ ان پر واجب ہے کہ جب

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [3141]

وہ اس نوحہ والے عمل کو مسلسل جاری رکھے تو وہ اس کو گھر سے نکال دیں۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

میت پر نوحہ کرنے کا حکم:

سوال میت پر نوحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب میت پر نوحہ کرنا حرام ہے اور نوحہ کا مطلب ہے روتے پیٹتے آواز کو بلند کرنا، کپڑے پھاڑنا اور رخسار پیٹنا اور بال نوچنا، چہرہ سیاہ کرنا، میت کے غم میں چہرہ نوچنا اور واویلا کرنا وغیرہ حرکتیں کرنا جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر جزع وفزع کرنے اور عدمِ صبر پر دلالت کرتی ہیں، یہ حرام ہیں اور کبیرہ گناہ ہے، اس لیے کہ بخاری ومسلم میں ہے، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیة»[1]

''وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے (مصیبت کے وقت) رخساروں کو پیٹا اور دامنوں کو چاک کیا اور جاہلیت کی پکاریں لگائیں۔''

اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''صالقہ'' ''حالقہ'' اور ''شاقہ'' سے براءت کا اظہار کیا ہے۔

''الصالقہ'' کا مطلب ہے وہ عورت جو مصیبت کے وقت اپنی آواز بلند کرتی ہے، ''الحالقہ'' سے مراد وہ عورت جو مصیبت کے وقت اپنے بال ہی مونڈ ڈالے اور ''الشاقہ'' وہ عورت جو مصیبت کے وقت اپنے کپڑے پھاڑتی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے «لعن النائحة والمستمعة»[2] نوحہ کرنے اور سننے والی پر لعنت فرمائی''، سننے والی وہ جو نوحہ سننے کا قصد وارادہ کرتی ہے اور اس کو نوحہ اچھا لگتا ہو۔

پس اے مسلمان عورت! تجھ پر مصیبت کے وقت اس طرح کے حرام فعل کے ارتکاب سے اجتناب کرنا واجب ہے، اور تو صبر کر اور ثواب کی امید رکھ تاکہ یہ مصیبت تیرے حق میں تیرے گناہوں کا کفارہ بن جائے اور تیری نیکیوں میں اضافے کا باعث بن

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1232] صحیح مسلم، رقم الحدیث [103]

[2] **ضعیف.** سنن أبي داود، رقم الحدیث [3128]

جائے۔ ہاں، اس کے لیے ایسے رونے کی اجازت ہے جس میں نوحہ اور حرام کام شامل نہ ہوں، اور اس میں اللہ کے فیصلے اور تقدیر پر ناراضگی کا اظہار نہ ہو۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔
(فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

عورت کو چھپانے کے لیے اس پر لوہا وغیرہ رکھنا:

سوال عورت کی میت پر اس کے اعضاء چھپانے کے لیے لوہا (سٹینڈ) رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ عورت کو پردہ فراہم کرتا ہے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا مردوں کے ساتھ نمازِ جنازہ میں شرکت کرنا:

سوال کیا عورت کے لیے مردوں کے ساتھ نمازِ جنازہ میں شرکت کرنا جائز ہے؟

جواب عبادات، جن کو اللہ نے اپنی کتاب میں مشروع قرار دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت میں بیان کیا، ان میں اصل یہ ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کے لیے عام ہیں، الا یہ کہ ان کے مردوں یا عورتوں کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل مل جائے، اور نمازِ جنازہ ان عبادات میں سے ہے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے مشروع قرار دیا ہے اور اس میں مردوں اور عورتوں سے عام خطاب ہے مگر عورتوں کی صفیں مردوں کی صفوں سے پیچھے ہوں گی۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ عورتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ اسی طرح ادا کی جیسے مردوں نے ادا کی تھی لیکن وہ تدفین کے لیے جنازوں کے پیچھے نہیں جائیں گی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کر رکھا ہے۔

عورت کا نمازِ جنازہ میں مردوں کے ساتھ کھڑے ہونا:

سوال کیا عورت کے لیے نمازِ جنازہ میں مردوں کے ساتھ کھڑے ہونا جائز ہے؟

جواب نمازِ جنازہ ہو یا دیگر نمازیں عورت کے لیے مردوں کے ساتھ کھڑے ہونا جائز نہیں ہے۔
اس کے لیے نماز جنازہ ادا کرنا تو مشروع ہے مگر وہ مردوں کے پیچھے کھڑی ہوگی جس طرح کہ دیگر نمازوں میں عورتیں مردوں کے پیچھے کھڑی ہوتی ہیں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

مردوں، عورتوں اور بچوں کی نمازِ جنازہ پڑھاتے وقت امام کہاں کھڑا ہو؟

سوال مردوں، عورتوں اور بچوں کی نماز جنازہ پڑھاتے وقت امام کہاں کھڑا ہوگا؟

جواب مرد اور عورتیں، بڑے ہوں یا چھوٹے، نمازِ جنازہ کے وقت امام مرد کے سر کے برابر اور عورت کے وسط میں کھڑا ہوگا اسی طرح امام چھوٹے بچے کے سر کے برابر کھڑا ہوگا اور چھوٹی بچی کے درمیان میں کھڑا ہوگا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

مجمع عام کے وقت میت کے مرد یا عورت ہونے کے متعلق اعلان کرنا:

سوال میت کی نمازِ جنازہ پڑھتے وقت اس کے مذکر یا مؤنث ہونے کا اعلان کرنا جبکہ مجمع بہت زیادہ ہو؟

جواب ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں تا کہ اگر وہ مذکر ہے تو لوگ مذکر کے صیغے کے ساتھ اس کے لیے دعا کریں اور اگر وہ مؤنث ہے تو تانیث کے لفظ کے ساتھ اس کے لیے دعا کریں اور اگر ایسا نہ بھی کیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ جو لوگ میت کے مذکر مؤنث ہونے کو نہیں جانتے وہ اپنے سامنے حاضر میت پر نماز کی نیت کر لیں گے (جو زبان سے نہیں بلکہ دل کے ساتھ ہوگی) اور ان کی نماز درست ہو جائے گی۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

مردوں، بچوں اور عورتوں کے جنازے کو امام کے سامنے رکھنے کی ترتیب:

سوال فوت شدہ مردوں، بچوں اور عورتوں کے جنازے امام کے سامنے رکھنے کی کیا ترتیب ہوگی؟

جواب نمازیوں کا تقدم امام کی نسبت اس کے قرب کے اعتبار سے ہوتا ہے تو جنازوں کا تقدم بھی امام سے قرب کے ساتھ ہوگا۔ جب نمازوں میں مرد، بچہ اور عورت ہو تو مرد کو امام کی جانب رکھا جائے گا، پھر بچے کو اور پھر عورت کو رکھا جائے گا اور مرد کا سر عورت کے وسط کے برابر رکھا جائے گا کیونکہ نمازِ جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام مرد کے سر کے برابر اور عورت کے وسط کے برابر کھڑا ہو۔ اگر اس کے برعکس ترتیب رکھی جائے عورتوں کو امام کے ساتھ اور مردوں کو ان سے پیچھے رکھا جائے تو یہ بھی درست ہے کیونکہ یہ ترتیب افضلیت کی بنیاد پر ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

نفاس والی عورت اور اس کے بچے پر نمازِ جنازہ کی ترتیب:

سوال جب نفاس والی عورت اپنے بچے کے ساتھ فوت ہو جائے تو ان پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی ترتیب کیا ہوگی؟

جواب جب نفاس والی عورت اور اس کا بچہ فوت ہو جائیں اور ان دونوں کو نمازِ جنازہ کے لیے لایا جائے تو اس میں قدرے تفصیل ہے۔ اگر تو بچہ مذکر ہو تو اس کو امام کی طرف رکھا جائے گا اور اگر وہ بچہ مؤنث ہو تو اس کی ماں کو امام کی طرف مقدم کیا جائے گا کیونکہ اس کی ماں اس سے بڑی ہے اور بڑے کو افضلیت حاصل ہوتی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ((کبر کبر)) [1] ''بڑے کو حق دو، بڑے کو حق دو۔'' اس حدیث کو بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا کفن مرد کے ذمے ہے:

سوال کیا عورت کو کفن دینا مرد کے ذمے ہے؟

جواب زیادہ راجح قول یہ ہے کہ بلاشبہ عورت کے کفن کا بندوبست کرنا مرد کے ہی ذمے ہے اگر وہ مال دار ہو۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کو قبر میں کون اتارے؟

سوال عورت کو قبر میں کون اتارے گا؟

جواب اگر اس عورت کا کوئی وصی ہو، یعنی اس نے اپنی موت سے قبل کہا: فلاں شخص مجھے دفن کرے تو ہم اس کی وصیت پر عمل کریں گے۔ اگر اس کا کوئی وصی نہ ہو تو ہم اس کے محرم رشتوں داروں میں سے قریبی رشتہ داروں کو ترجیح دیں گے اگر وہ خوش اسلوبی سے تدفین کا عمل سرانجام دے سکتے ہوں، اور اگر اس کے محرم قریبی رشتہ دار نہ ہوں یا موجود تو ہوں مگر اچھے انداز میں دفن کرنا نہیں جانتے یا وہ قبر میں اترنا نہیں چاہتے تو جو بھی اس کو قبر میں اتارے درست ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3002] صحيح مسلم، رقم الحديث [1669]

اور جو شخص اس کو قبر میں اتارے اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اس کا محرم رشتہ دار ہو، کوئی اجنبی شخص بھی اس کو قبر میں اتار سکتا ہے کیونکہ جب نبی ﷺ کی بیٹی اور عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ وفات پا گئیں تو آپ ﷺ قبرستان کی طرف روانہ ہوئے، جب تدفین کا مرحلہ آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« أيكم لم يقارف الليلة؟ »[1]

''گزشتہ رات کو کس نے مجامعت نہیں کی؟''

یعنی اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے، تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کی بیٹی کی قبر میں اتریں، باوجود اس کے کہ نبی ﷺ ان کے باپ اور ان کے شوہر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وہاں پر موجود تھے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کہ انھوں نے اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کی:

سوال آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ « أنها زارت قبر أخيها »[2] ''بلاشبہ انھوں نے اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کی''؟ (اس روایت کو ترمذی اور حاکم نے بیان کیا ہے اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔)

جواب بلاشبہ نبی ﷺ کے فرمان کے سامنے کسی کا قول معتبر نہیں، وہ صاحب قول کوئی بھی ہو۔ یہی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''تم لوگوں نے ہمیں گدھوں اور کتوں کے ساتھ ملا دیا''، یعنی جب عورت نمازی کے آگے سے گزرے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے جبکہ نبی ﷺ نے اس بات کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا:

« الكلب الأسود والحمار والمرأة تقطع الصلاة »[3]

''کالا کتا، گدھا اور عورت نماز کو باطل کر دیتے ہیں۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1277]

[2] **صحيح**. إرواء الغليل [......]

[3] **صحيح**. مسند أحمد [299/2]

عائشہ رضی اللہ عنہا معصومہ نہیں ہیں، لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو چھوڑ کر ان کے قول کو دلیل بنایا جائے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کو غسل دینے کا حق دار کون ہے؟

سوال عورت کو غسل دینے کا زیادہ حق دار کون ہے؟

جواب میت کے لیے یہ وصیت کرنا جائز ہے کہ اس کو صرف فلاں آدمی ہی غسل دے۔ اسی طرح عورت کے لیے بھی جائز ہے کہ اس کو صرف اس کا وصی ہی غسل دے۔ پھر اس کی ماں اور اوپر تک (یعنی نانی وغیرہ)، پھر اس کی بیٹی نیچے تک (نواسی وغیرہ)، پھر اس کی علاتی، اخیافی یا عینی بہن، پھر اس کی پھوپھیاں، پھر اس کی خالائیں...الخ

خاوند بھی اپنی بیوی کو اس کی وفات کے بعد غسل دے سکتا ہے اور بیوی اپنے خاوند کو اس کی وفات کے بعد غسل دے سکتی ہے کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

«أنه أوصى أن تغسله زوجته أسماء بنت عميس»

''انھوں نے یہ وصیت کی کہ ان کو ان کی بیوی اسماء بنت عمیس غسل دے۔''

(اس روایت کو امام مالک رحمہ اللہ نے ''موطأ'' میں بیان کیا ہے، نیز عبدالرزاق اور بیہقی رحمہما اللہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔)

مذکورہ جواز کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

«لو مت قبلي لغسلتك» [1] ''اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوگی تو میں تجھے غسل دوں گا۔'' اس کو امام احمد اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

نمازِ جنازہ میں امام کے عورت کے وسط میں کھڑے ہونے کی حکمت:

سوال نمازِ جنازہ میں امام کے عورت کے وسط میں کھڑے ہونے کی کیا حکمت ہے؟

جواب اس میں حکمت یہ ہے کہ بے شک عورت کے وسط میں دبچی اور فرج (شرمگاہ) ہوتی ہے تو امام اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تا کہ وہ مقتدیوں اور عورت کو دیکھنے میں رکاوٹ بن جائے، یہی حکمت ہے۔ واللہ اعلم (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

[1] حسن. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1465]

عورت میت پر کون سے صیغے استعمال کر کے دعا کی جائے؟

سوال جب میت مؤنث ہو تو کیا ہم "اللهم اغفرله" پڑھیں یا "اللهم اغفرلها" مؤنث ضمیر کے ساتھ پڑھیں؟

جواب مونث ضمیر کے ساتھ، اس لیے کہ مؤنث کے لیے مؤنث ضمیر ہم یوں پڑھیں گے:

"اللهم اغفرلها وارحمها، وعافها واعف عنها..." آخر دعا تک اور اگر سامنے دو میتیں ہو تو ہم پڑھیں گے: "اللهم اغفرلهما ..." آخر تک۔ اور اگر دو سے زیادہ عورتوں کی میتیں ہوتوں ہم پڑھیں گے: "اللهم اغفرلهن..." آخر تک۔ اور اگر میتیں مذکر اور مؤنث ہوں تو مذکر والی جانب غالب ہوگی اور ہم پڑھیں گے: "اللهم اغفرلهم..." آخر تک۔

پس ضمیر اس کے مطابق ہوگی جس کے لیے ہم دعا کر رہے ہوں، اور بعض وجوہ سے اس کی نظیر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کو امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ غم کی دعا کرتے ہوئے مرد یہ پڑھے:

« اللهم إني عبدك ابن عبدك ابن أمتك ... الخ »[1]

''اے اللہ! بلاشبہ میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری بندی کا بیٹا ہوں...الخ''

اور عورت پڑھے:

"اللهم، إني أمتك بنت عبدك بنت أمتك...الخ"

''اے اللہ! میں تیری باندی ہوں، تیرے بندے کی بیٹی ہوں، تیری باندی کی بیٹی ہوں...الخ'' (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

میت کو قبر میں اتارنے کا طریقہ:

سوال میت کو قبر میں کیسے اتارا جائے؟

جواب میت کو پاؤں کی طرف سے قبر میں اتارا جائے۔ میت کو قبر کے پاؤں کی طرف لایا

[1] صحیح. صحیح ابن حبان [253/3]

جائے، پھر اس کے سر کو سونت پر قبر میں داخل کیا جائے، یہی افضل طریقہ ہے کیونکہ ابو اسحاق نے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

''حارث نے یہ وصیت کی کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں، چنانچہ انھوں نے نماز جنازہ پڑھائی، پھر ان کو قبر کے پاؤں کی طرف سے قبر میں اتارا اور فرمایا: "هذا من السنة" [1] یہ سنت طریقہ ہے۔'' (اس کو ابو داود، عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور بیہقی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔)

اور ابن سیرین نے روایت کیا، کہتے ہیں:

''میں انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک ہوا، انھوں نے میت کے متعلق حکم دیا کہ اس کو قبر کے پاؤں کی طرف سے سونت کر لایا جائے۔'' (اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی ''کتاب الجنائز'' میں کہا ہے۔) (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

---

[1] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [3211]

کتاب الزکوٰۃ
چھٹا باب

زکوۃ کے مستحقین

بظاہر فقیر دکھائی دینے والی عورتوں پر زکوۃ:

سوال بعض عورتیں صحن (مسجد حرام وغیرہ) میں بیٹھی ہوتی ہیں جو بظاہر فقیر دکھائی دیتی ہیں، کیا ان کو زکوۃ دینا درست ہے؟

جواب انسان کے لیے اپنی مالی زکوۃ اور زکوۃِ فطر ہر اس شخص کو دینا جائز ہے جس کے متعلق اس کو غالب گمان ہو کہ وہ مستحقین زکوۃ میں سے ہے۔ اگر اس کو بعد میں یہ معلوم ہو کہ وہ مستحقین زکوۃ میں سے نہیں تھا پھر بھی اس کی دی ہوئی زکوۃ مقبول ہوگی، دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو نبی ﷺ سے مروی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

« أن رجلا خرج بصدقة، فتصدق بها على غني، فأصبح الناس يتحدثون: تصدق الليلة على غني، فقام الرجل المتصدق في الليلة الثانية فتصدق بها فوقعت في يد سارق، فأصبح الناس يتحدثون: تصدق الليلة على سارق، فقام الرجل المتصدق في الليلة الثالثة، فتصدق بها، فوقعت في يد زانية، فأصبح الناس يتحدثون: تصدق الليلة على زانية. فقيل لهذا الرجل: أما صدقتك فقد تقبلت، أما الغني فلعله يتعظ، فيتصدق، والسارق لعله يستغني، فيكف عن السرقة، والزانية لعلها تتعظ أيضاً فتستعف عن الزنى »[1]

''بلاشبہ ایک آدمی صدقہ لے کر روانہ ہوا اور ایک غنی کو صدقہ دے کر چلا آیا، لوگ باتیں کرنے لگے کہ گزشتہ رات ایک غنی پر صدقہ کیا گیا ہے۔ وہ صدقہ کرنے والا دوسری رات پھر صدقہ لے کر نکلا، پھر اس نے صدقہ کیا تو ایک چور کے ہاتھ میں دے کر چلا گیا، پھر لوگ باتیں کرنے لگے کہ گزشتہ رات ایک چور پر صدقہ کیا گیا ہے۔ وہ صدقہ کرنے والا شخص پھر تیسری رات صدقہ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1355] صحيح مسلم، رقم الحديث [1022]

لے کر نکلا، پس صدقہ کیا تو وہ ایک زانیہ کے ہاتھ لگ گیا، پھر لوگ باتیں کرنے لگے کہ گزشتہ رات ایک زانیہ پر صدقہ کیا گیا ہے تو اس آدمی کو (خواب میں) بتایا گیا کہ تیرا صدقہ تو قبول ہوگیا ہے۔ شاید کہ وہ غنی (جس پر تو نے صدقہ کیا) اس سے نصیحت حاصل کرے اور وہ بھی صدقہ کرے، اور شاید کہ چور غنی ہوجائے اور چوری سے باز آجائے، رہی زانیہ تو ہوسکتا ہے کہ وہ بھی نصیحت قبول کرتی ہوئی زنا کاری سے رک جائے۔"

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب آدمی اپنے غالب گمان کی بنا پر کسی مستحقِ زکوۃ کو صدقہ دے تو اس کا صدقہ درست ہوگا اگرچہ اس کو بعد میں معلوم ہو کہ وہ شخص مستحق زکوۃ نہیں تھا تو اس قاعدہ کی بنا پر، جو شریعت کی طرف سے آسانی کو بتاتا ہے، ہم کہتے ہیں: جب آپ صدقۂ فطر کے لیے کچھ خریدیں اور صحن کے آس پاس گھومنے والوں پر صدقہ کر دیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سونے چاندی کی زکوۃ

سونے کی زکوۃ کا حکم:

سوال بعض عورتیں سونا پہننے میں اسراف کا مظاہرہ کرتی ہیں جبکہ اس کا پہننا حلال ہے تو سونے میں زکوۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب سونا اور چاندی مردوں کے علاوہ عورتوں کے لیے حلال کیے گئے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أحل الذهب والحرير لأناث أمتي وحرم على ذكورها»[1]

"سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال کیے گئے ہیں اور اس کے مردوں پر حرام ہیں۔" (اس کو احمد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو ابوموسیٰ اشعری کی حدیث سے صحیح کہا ہے۔)

---

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [5148]

علماء نے اس کی زکوۃ میں اختلاف کیا ہے کہ کیا زیورات میں زکوۃ واجب ہے کہ نہیں؟ بعض علماء ان میں زکوۃ کے قائل ہیں جبکہ ان زیورات میں زکوۃ واجب نہیں کہتے جن کو عورت پہنتی ہے اور عاریتاً لیتی ہے۔ اور کچھ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ ان میں بھی واجب ہے اور یہی درست بات ہے، یعنی عمومی دلائل کی وجہ سے ان میں زکوۃ واجب ہے جب وہ نصابِ زکوۃ کو پہنچ جائیں اور ان پر ایک سال گزر جائے۔

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور چاندی کا ایک سو چالیس مثقال۔ جب سونے کے زیورات، خواہ وہ ہار ہوں یا کنگن وغیرہ، بیس مثقال ہوں تو ان میں زکوۃ واجب ہوگی اور بیس مثقال ساڑھے گیارہ سعودی جنیہ کے برابر ہے اور گراموں میں اس کی مقدار بانوے گرام ہے، جب سونے کے زیورات اس مقدار کو پہنچ جائیں تو ان میں زکوۃ واجب ہوگی، اور زکوۃ ہر سال ربع عشر، یعنی ایک ہزار سے پچیس ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ ایک عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے، آپ ﷺ نے پوچھا:

« أتعطين زكوة هذا؟» ''کیا تم ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟'' اس عورت نے جواب دیا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار؟ »[1]

''کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں قیامت کے دن ان کے عوض آگ کے کنگن پہنائے؟''

راویِ حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے کہا: اس عورت نے وہ کنگن اتار کر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر کے کہا: یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔''

(اس کو ابو داود اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سونے کے کچھ زیورات پہنا کرتی تھی، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے متعلق پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ ''کنز'' ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: « ما

---

[1] **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [1563]

بلغ أن تؤدي زكوته فزكي فليس بكنز» [1] ''جو زکوۃ کے نصاب کو پہنچ جائے اور اس کی زکوۃ ادا کی جائے تو وہ ''کنز'' نہیں ہے۔'' (اس کو ابوداود، دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔)

ابو داود نے صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان کی ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے ہاتھ میں چاندی کے کڑے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «ما هذا يا عائشة؟» ''اے عائشہ! یہ کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ جناب کی خاطر زینت کرنے کے لیے یہ بنائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أتؤدين زكوتهن» ''کیا تو ان کی زکوۃ ادا کرتی ہے؟'' میں نے کہا: نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «وهو حسبك من النار» [2] ''تجھے جہنم کی آگ کے لیے یہی کافی ہے۔'' (اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اس کو ''بلوغ المرام'' میں بیان کیا ہے۔)

اور ''وِرِق'' کا معنی چاندی ہوتا ہے، بہر حال مذکورہ بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ زیورات جن کی زکوۃ ادا نہیں کی جاتی، وہ ''کنز'' ہے جس کی وجہ سے صاحبِ کنز کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔ العیاذ باللہ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

زیورات کی زکوۃ کا حکم:

سوال زیوات کی زکوۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب زیورات اگر عورتوں کے ہوں تو امام مالک، لیث، شافعی، احمد اور ابو عبید رحمہم اللہ کے نزدیک تو زکوۃ نہیں ہے، اور یہ عائشہ، اسماء، ابن عمر، انس، جابر اور تابعین رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں زکوۃ ہے، اور یہ موقف عمر، ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر اور تابعین رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے، اور ابو حنیفہ، ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

[1] **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [1564]

[2] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [1565]

رہے مردوں کے زیورات تو جو اُن میں سے مباح ہیں ان پر زکوۃ نہیں ہے، مثلاً: تلوار کی نمائش کے لیے اور چاندی کی انگوٹھی۔ اور جن کا استعمال حرام ہے، جیسا کہ (سونا چاندی کے) برتن تو ان میں زکوۃ ہے لیکن جن کے استعمال میں اختلاف ہے تو ان کی زکوۃ میں اختلاف ہے امام مالک اور شافعی ؒ کے نزدیک تو ان میں زکوۃ ہے، البتہ ان کا استعمال جائز نہیں ہے، جبکہ یہ چاندی کے ہوں تو امام ابوحنیفہ اور احمد ؒ نے ان کو مباح کہا ہے۔ جہاں تک گھوڑے کے زیور کا تعلق ہے، مثلاً: زین، لگام وغیرہ تو جمہور علماء کے نزدیک ان میں زکوۃ ہے جبکہ امام مالک اور شافعی ؒ نے ان کے استعمال کو منع کیا ہے۔ ایسے ہی دوات اور سرمہ دانی وغیرہ، ان میں جمہور کے نزدیک زکوۃ ہے، خواہ وہ چاندی کی ہو یا سونے کی۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ)

عدم علم کی وجہ سے جس عرصہ میں زکوۃ ادا نہیں کی؟

سوال میں ایک شادی شدہ خاتون ہوں اور میری عمر لگ بھگ اکتالیس سال ہے۔ عرصہ پچیس سال سے میرے پاس ایک سونے کا ٹکڑا ہے جو تجارت کے لیے تیار نہیں کیا بلکہ زیب و زینت کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ میں کبھی اس کو بیچ دیتی اور کبھی اس میں اور مال ڈال کر اس سے بہتر خرید لیتی۔ اب میرے پاس کچھ زیور ہے اور میں نے سنا ہے کہ وہ سونا جو زینت کے لیے تیار کیا گیا ہو اس میں زکوۃ ہے۔ میں اس مسئلہ میں وضاحت چاہتی ہوں اور جب مجھ پر زکوۃ واجب تھی تو اس گزشتہ مدت کا کیا حکم ہے جس میں مَیں نے زکوۃ ادا نہیں کی؟ معلوم رہے کہ اب جو میرے پاس سونا ہے اس سے گزشتہ سالوں کی زکوۃ دینے کی طاقت نہیں رکھتی۔

جواب تم پر اسی وقت سے زکوۃ واجب ہے جب سے تجھے علم ہوا ہے کہ زیور میں زکوۃ واجب ہے لیکن آپ کے علم سے پہلے جو سال گزرے ہیں آپ کے ذمے ان کی زکوۃ واجب نہیں ہے کیونکہ شرعی احکام علم کے بعد لازم ہوتے ہیں۔ اور جب زیور نصابِ زکوۃ، یعنی بیس مثقال جو ساڑھے گیارہ سعودی جنیہ کے مساوی ہے، کو پہنچ جائے تو اس میں چالیسواں حصہ ہے، پس جب سونے کا زیور اس مقدار یا اس سے

زیادہ مقدار تک پہنچ جائے تو اس میں زکوۃ ہر ہزار ریال میں سے پچیس ریال ہوگی۔

اور چاندی کا نصاب ایک سو چالیس مثقال ہے اور چاندی کی یہ مقدار چھپن ریال یا اس کے برابر چاندی ہے۔ تو اس میں بھی زکوۃ سونے کی طرح چالیسواں حصہ ہے۔ رہا ہیرا اور دوسرے پتھر جب وہ پہننے کے لیے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں ہے۔ ہاں، اگر وہ تجارت کے لیے ہیں تو جب وہ سونے اور چاندی کی قیمت کے حساب سے زکوۃ کے نصاب کو پہنچ جائیں تو ان میں زکوۃ واجب ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

قیمتی پتھروں اور نگینوں سے مرصع زیورات کی زکوۃ کا حکم:

سوال ان زیورات کی زکوۃ کیسے نکالی جائے گی جو خالص سونے کے نہیں ہوتے بلکہ ان میں مختلف قسم کے نگینے اور قیمتی پتھر لگے ہوتے ہیں؟ کیا ان پتھروں اور نگینوں کا وزن بھی سونے کے ساتھ شمار کیا جائے گا کیونکہ سونے کو ان سے جدا کرنا مشکل ہے؟

جواب سونا اگر پہننے کے لیے ہو تو صرف اس میں زکوۃ ہے۔ رہے موتی، ہیرے اور اس جیسے دیگر قیمتی پتھر تو ان میں زکوۃ نہیں ہے۔ جب ہاروں وغیرہ میں موتی اور سونا دونوں ہوں تو بیوی یا اس کا شوہر یا عورت کے اولیاء غور وفکر کر کے سونے کی مقدار کا اندازہ لگائیں گے یا اس کے ماہرین کو دکھائیں گے تو جس مقدار کا غالب گمان ہو اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔ اگر وہ مقدار نصابِ زکوۃ کو پہنچتی ہو تو اس میں زکوۃ ادا کی جائے گی۔ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے جو کہ سعودی اور انگریزی جنیہ کے اعتبار سے ساڑھے گیارہ جنیہ ہے، اور گراموں میں اس کی مقدار بانوے گرام بنتی ہے۔ ہر سال زکوۃ ادا کی جائے گی اور اس میں زکوۃ چالیسواں حصہ، یعنی ہر ہزار ریال میں سے پچیس ریال، اہل علم کے مختلف اقوال میں سے صحیح قول یہی ہے۔

لیکن جب زیورات تجارت کے لیے ہوں تو جمہور اہل علم کے نزدیک ان میں دیگر سامانِ تجارت کی طرح موتیوں اور ہیروں کی قیمت سمیت تمام کی زکوۃ ادا کی جائے گی۔

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

زیورات کی زکوۃ قیمتِ خرید پر یا موجودہ قیمت پر؟

سوال کیا زیوارت کی قیمتِ خرید پر زکوۃ نکالنا جائز ہے یا ان کی زکوۃ نکالتے وقت ان کے وزن کی موجودہ قیمت پر زکوۃ ادا کرنا ضروری ہے؟

جواب زیوارت کی زکوۃ ان کی قیمت خرید کے مطابق نہیں نکالی جائے گی بلکہ سال گزرنے پر ان کے وزن کی موجودہ قیمت پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

بیوی کا اپنے خاوند کو زکوۃ دینا:

سوال کیا عورت اپنے شوہر کو اپنے زیورات کی زکوۃ دے سکتی ہے؟ یہ جانتے ہوئے کہ وہ ملازم ہے اور اس کی تنخواہ چار ہزار ریال ہے لیکن وہ تقریباً تیس ہزار ریال کا مقروض ہے۔

جواب علماء کے دو قولوں میں سے صحیح قول کے مطابق عورت اپنے خاوند کو زیورات یا زیورات کے علاوہ کی زکوۃ دے سکتی ہے جب اس کا شوہر فقیر ہو یا ایسا مقروض ہو کہ وہ قرض چکانے کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ عمومی دلائل اسی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ [التوبة: 60]

''صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے ہیں، اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے، اور گردنیں چھڑانے میں اور تاوان بھرنے والوں میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر میں (خرچ کرنے کے لیے ہیں۔) یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔'' (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

خاوند کا بیوی کی طرف سے زکوۃ نکالنے اور بیوہ بہن کے بیٹے کو زکوۃ دینے کا حکم:

سوال کیا میرے خاوند کے لیے میری طرف سے میرے مال کی زکوۃ نکالنا جائز ہے جبکہ

وہ مال اسی نے مجھے دیا ہے؟ اور کیا ایسی بہن، جس کا خاوند فوت ہو چکا ہے، کے بیٹے کو زکوۃ دینا جائز ہے جبکہ وہ نوجوان ہے اور شادی کرنے کا سوچ رہا ہے؟ مجھے فائدہ پہنچایئے۔

جواب جب تیرے پاس نصابِ زکوۃ کو پہنچنے والا سونا چاندی یا دیگر اموالِ زکوۃ ہوں تو تم پر اپنے مال میں زکوۃ ادا کرنا واجب ہے۔ جب تمھاری طرف سے تمھاری اجازت سے تمھارا شوہر زکوۃ نکال دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر تیری اجازت سے تیرا باپ یا بھائی وغیرہ زکوۃ نکال دیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جب تیرا بھانجا شادی کے اخراجات سے عاجز ہو تو اس کو شادی کرنے میں تعاون کرتے ہوئے زکوۃ دینا جائز ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

ماں کو زکوۃ دینے کا حکم:

سوال کیا کسی شخص کا اپنی ماں کو زکوۃ دینا جائز ہے؟

جواب مسلمان کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے والدین پر اور اپنی اولاد پر زکوۃ صرف کرے بلکہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ ان پر اپنے اصل مال میں سے خرچ کرے، جب تک ان کو مال کی ضرورت ہو وہ ان پر خرچ کرتا رہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

شادی شدہ محتاج بیٹی پر زکوۃ صرف کرنے کا حکم:

سوال کیا شادی شدہ ضرورت مند بیٹی پر زکوۃ صرف کرنا درست ہے؟

جواب ہر وہ جو اس صفت کے ساتھ متصف ہو جس کے ساتھ وہ زکوۃ کا مستحق ٹھہرتا ہے تو اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ اس کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ اس بنا پر جب آدمی کے لیے اپنی بیٹی اور اس کی اولاد پر اصل مال خرچ کرنا ممکن نہ ہو تو وہ ان کو زکوۃ دے سکتا ہے جبکہ افضل، محتاط اور اس کو بری الذمہ کرنے والی بات یہ ہے کہ وہ اس کے خاوند کو زکوۃ کا مال دے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا اپنے باپ کی حلال اور حرام مختلط کمائی سے اپنا جہیز تیار کرنے کا حکم:

سوال ایک سائلہ کہتی ہے: میرے باپ کی کمائی مختلط ہے، البتہ زیادہ حلال ہے۔ کیا اس

صورتِ حال میں میں کوئی کام تلاش کر لوں؟ عنقریب میری شادی ہونے والی ہے۔ کیا میں جہیز کی تیاری کے لیے اس سے مال لے لوں؟

جواب جب تک اس کا مال حلال و حرام کے ساتھ مختلط ہے، حلال غالب ہے اور بے شک حرام بہت تھوڑا ہے تو جمہور اہل علم کے مذہب کے مطابق تمھارے لیے اس نیت کے ساتھ مال لینا جائز ہے کہ آپ حلال مال سے لے رہی ہیں اور تمھارے اپنا جہیز بنانے کے لیے بھی اس میں سے مال لینا جائز ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

شادی شدہ حاجت مند عورت کا اپنے بھائی سے زکوۃ لینے کا حکم:

سوال جب کسی آدمی کی ایک شادی شدہ سگی بہن ہو جس کی شادی ایک فقیر الحال انسان سے ہوئی ہے، کیا اس عورت کے لیے اپنے بھائیوں سے زکوۃ لینا جائز ہے؟

جواب عورت کا اپنے خاوند پر خرچ کرنا واجب ہے، تو جب وہ فقیر ہو تو اس کی بیوی کے بھائیوں کو لازم ہے کہ وہ اپنی ہمشیرہ کو اپنے مالوں کی زکوۃ دیں تاکہ وہ اپنے اوپر، اپنے فقیر خاوند اور اس کی اولاد پر خرچ کرے بلکہ یہ بیوی جب مالدار ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہے تو وہ اپنے مال کی زکوۃ اپنے خاوند کو دے تاکہ وہ اہل و عیال پر خرچ کر سکے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کا اپنے خاص مال اور خاوند کے مال سے صدقہ کرنے کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے خاص مال سے خاوند کو بتائے بغیر اپنے کسی قریبی فوت شدہ کی طرف سے صدقہ کرے؟ اور اگر وہ خاوند کے مال سے اس طرح صدقہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے خاص مال سے اپنے فوت شدہ قریبی رشتہ داروں کی طرف سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کی خاطر صدقہ کرے تاکہ اس صدقہ کا ثواب اور فائدہ ان فوت شدگان کو پہنچے کیونکہ وہ اپنے مال میں تصرف کر رہی ہے اور وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود میں رہ کر اپنا مال خرچ کرنے میں آزاد ہے۔ اور صدقہ کرنا

ایک نیک عمل ہے اور جس کی طرف سے صدقہ کیا جائے، اللہ کے اس صدقہ کو قبول کرنے کے نتیجہ میں اس فوت شدہ کو ثواب پہنچتا ہے۔

لیکن جب وہ اپنے شوہر کے مال سے صدقہ کرے اور وہ اپنے خاوند کے متعلق یہ جانتی ہو کہ وہ صدقہ کرنے سے منع نہیں کرے گا تو اس کے صدقہ کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے لیکن جب اس کا خاوند اس کو اس سے منع کرتا ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کو کئی سالوں کے بعد ملنے والے حق مہر میں زکوۃ کا حکم:

سوال عورت کا حقِ مہر اس کے خاوند کے ذمہ ہے اور اس کو کئی سال گزر گئے اور عورت کے لیے اس سے اس کا مطالبہ کرنا ممکن نہ ہوا تاکہ کہیں ان کے درمیان طلاق کی نوبت نہ آجائے، پھر وہ اس کو حقِ مہر دے دیتا ہے یا کئی سالوں کے بعد اس کو حقِ مہر دے دیتا ہے تو کیا اس میں گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی یا حق مہر قبضہ میں آنے سے لے کر ایک سال گزرنے پر زکوۃ واجب ہوگی؟

جواب اس مسئلہ میں علماء کے کئی اقوال ہیں:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب ہے، خواہ شوہر خوشحال ہو یا تنگ دست، جیسا کہ امام شافعی کے مذہب میں دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور امام احمد کے مذہب میں اور ان کے شاگردوں میں سے ایک جماعت نے اس قول کی تائید کی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زکوۃ واجب ہے شوہر کے خوشحال ہونے کے ساتھ اور عورت کے حق مہر پر قبضہ کرنے لینے کے ساتھ، برخلاف اس کے کہ عورت کے لیے حق مہر پر قبضہ ممکن نہ ہو، جیسا کہ ان کے مذہب میں آخری قول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک سال کی زکوۃ واجب ہوگی، مالک کے قول کی طرح اور امام احمد کے قول کی طرح۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی حال میں بھی واجب نہیں ہے، جیسا کہ ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام احمد کے مذہب میں قول ہے۔

ان اقوال میں سے کمزور قول گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب کرنا ہے حتی کہ اس کے

قبضہ سے عاجز آنے کی صورت میں بھی، بلاشبہ یہ باطل قول ہے۔ ان کے لیے اس چیز کا لینا واجب ہوگا جو ان کو حاصل ہی نہیں ہوئی ہے تو شریعت میں یہ ممتنع ہے، پھر جب مدت لمبی ہوجائے تو زکوۃ اصل مال سے بھی بڑھ جائے گی، پھر جب نصاب کم ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عین نصاب میں زکوۃ واجب ہوگی، واجب طویل حساب کے بعد معلوم ہو جس سے شریعت پر عمل کرنا ممتنع ہو۔

ان اقوال میں سے اقرب الی الصواب قول اس کا قول ہے جو اس میں صرف سال گزرنے پر زکوۃ واجب قرار دیتا ہے یا اس کے قبضہ میں آنے کے وقت ایک ہی دفعہ زکوۃ واجب کرتا ہے۔ اس قول کی ایک وجہ ہے اور یہی وجہ درست ہے اور یہ قول ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا اور امام احمد کے مذہب میں بھی ان دونوں کی تائید میں قول موجود ہے۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

مؤجل حق مہر کی زکوۃ کا حکم:

سوال ایک عورت کا تین ہزار ریال حق مہر مؤجل ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اگر میں ہر سال اس کی زکوۃ ادا کیا کروں تو یہ عنقریب ختم ہوجائے گا تو میں کیا کروں؟

جواب جب شوہر فقیر ہو اور وہ اپنے ذمہ حق مہر اور دوسرے قرض کی زکوۃ نہ دیتا ہو تو جو قرض فقیر کے ذمہ ہو اس میں زکوۃ نہیں ہے کیونکہ قرض دار اس کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا ہے اور اس لیے بھی کہ فقیر کو مہلت دینے کا حکم ہے، لہٰذا اِس سے مطالبہ جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کو گرفتار کرنا جائز ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ جب کسی انسان کو یہ معلوم ہو کہ اس کا قرض دار فقیر ہے تو وہ اس سے اعراض کرے اور اس سے مطالبہ نہ کرے اور نہ ہی اس کو اس سلسلہ میں گرفتار ہی کیا جائے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

گھر کی خادمہ پر زکوۃِ (فطر) کا حکم:

سوال کیا گھر کی خادمہ پر زکوۃِ (فطر) ہے؟

جواب گھر کی اس خادمہ پر زکوۃِ فطر واجب ہے کیونکہ وہ مسلمانوں میں سے ہے لیکن کیا

زکوۃِ فطر اس پر واجب ہے یا اہل خانہ پر؟ تو اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ زکوۃِ فطر اس خادمہ پر واجب ہے، تاہم اگر اہلِ خانہ اس کی طرف سے ادا کر دیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سونے کی زکوۃ سونے سے یا ریالوں سے؟

سوال ایک سائلہ کہتی ہے: میرے خاوند نے میری ملکیت میں موجود تمام زیورات کا وزن کیا تو وہ تقریباً انچاس سعودی جنیہ تھا تو اس میں زکوۃ کتنی ہوگی؟ اور نیز زکوۃ سونے سے ادا کی جائے گی یا ریالوں کی شکل میں بھی ادا کی جا سکتی ہے؟

جواب سونا، چاندی اور دیگر سامانِ تجارت پر زکوۃ کی شرح چالیس فیصد ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اصل رقم کو چالیس پر تقسیم کریں تو تقسیم سے جو جواب آئے گا وہی رقم زکوۃ ادا کرنا ہوگی۔

یہ سونا جس کا سائلہ نے ذکر کیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ ہم اس کی قیمت دیکھیں گے، جتنی بھی قیمت ہوگی ہم اس کو چالیس پر تقسیم کریں گے اور حاصلِ تقسیم ہی زکوۃ ہوگی۔

رہا اس کا سوال کہ کیا سونے سے زکوۃ ادا کی جائے یا اس کی قیمت سے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قیمت سے زکوۃ نکالنے میں کوئی حرج نہیں اور سونے سے ہی زکوۃ دینا واجب نہیں ہے کیونکہ زکوۃ دینے والوں کی مصلحت قیمت سے زکوۃ نکالنے میں ہی ہے، مثلاً: اگر کسی فقیر کو آپ سونے کا ایک کنگن دے دیں یا اس کو اس کنگن کی قیمت ادا کریں تو اس کی قیمت اس کو زیادہ پسند اور نفع مند ہوگی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

زیب و زینت کے لیے رکھے ہوئے سونے پر زکوۃ کا حکم:

سوال ایک سائل کہتا ہے: کیا عورت کا وہ سونا جو اس نے زیب و زینت کے لیے رکھا ہے، اس پر زکوۃ ہے کہ نہیں؟

جواب جی ہاں، عورت کے سونے پر زکوۃ ہے جب وہ نصاب کو پہنچ جائے، اور نصاب بیس مثقال یا پچاسی گرام ہے، جب سونا اس نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہے، خواہ وہ اس کو ہمہ وقت پہنے یا کبھی کبھار پہنے، جب وہ نصاب کو پہنچ جائے گا تو

وہ اس کی زکوۃ ادا کرے گی۔ اور اگر بالفرض ایک عورت کے پاس زیورات ہیں جو نصابِ زکوۃ کو پہنچتے ہیں اور اس عورت کی بیٹیاں بھی ہیں اور ہر بیٹی کے پاس زیورات ہیں جو نصابِ زکوۃ کو نہیں پہنچتے تو بیٹیوں کے زیورات کو جمع کر کے ان کی زکوۃ نہیں دی جائے گی کیونکہ ہر بیٹی کی دوسری سے الگ مستقل ملکیت ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

قریبی رشتہ داروں کو زکوۃ دینے کی فضیلت:

سوال کیا میرا اِن بھائیوں اور بہنوں کو زکوۃ اور فطرانہ دینا درست ہے جو محتاج ہیں اور ہمارے والد کے بعد ہماری والدہ محترمہ ان کی کفالت کر رہی ہیں؟ اور کیا یہ زکوۃ ان بھائیوں اور بہنوں کو دینا درست ہے جو خرچے سے قاصر تو نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ محتاج ہیں جبکہ اس کے علاوہ لوگ، جن کو میں زکوۃ دیتا ہوں، بہت زیادہ ہیں؟

جواب تیرا اپنے اہل میں سے قریبیوں کو زکوۃ دینا زیادہ افضل ہے ان لوگوں کو زکوۃ دینے سے جو تیرے قریبی رشتہ دار نہیں ہیں کیونکہ قریبی رشتہ دار پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہی نہیں بلکہ صدقہ اور صلہ رحمی ہے، الا یہ کہ وہ قریبی رشتہ دار ایسے ہوں کہ ان کا خرچہ آپ کے ذمہ ہو اور آپ اپنے مال کو خرچ ہونے سے بچانے کے لیے ان کو زکوۃ دیں، پس یہ جائز نہیں ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہے کہ وہ بھائی اور بہنیں، جن کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے، فقیر ہیں اور آپ کا مال ان پر خرچ کرنے کے لیے کافی نہیں ہے تو آپ کے لیے ان کو زکوۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسے ہی ان بہن بھائیوں نے اگر لوگوں کا قرض دینا ہے تو آپ اپنی زکوۃ سے ان کا قرض چکا دیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ قریبی رشتہ دار پر اپنے قریبی کا قرض چکانا لازمی نہیں ہے تو آپ کا اپنی زکوۃ سے ان قرضوں کو چکانا جائز ہوگا حتی کہ اگر آپ کے بیٹے یا باپ پر کسی کا قرض ہے اور وہ اپنا قرض چکانے کی طاقت نہیں رکھتے تو تُو اپنی زکوۃ سے ان کے قرضے اتار سکتا ہے، یعنی یہ جائز ہوگا کہ تُو اپنی زکوۃ سے اپنے باپ کا اور اپنے بیٹے کا قرض چکائے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس قرض کا سبب

آپ کے ذمہ واجب خرچ کا حصول نہ ہو۔ اگر اس قرض کا سبب آپ پر واجب خرچ کا حصول ہو تو آپ کے لیے اپنی زکوۃ سے قرض اتارنا جائز نہیں ہے تاکہ اس کو ان لوگوں پر، جن پر خرچ کرنا واجب ہے، خرچ روکنے کا حیلہ بنایا جائے کہ وہ قرض لیں اور پھر یہ اپنی زکوۃ سے ان کا قرض اتارے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

مہرِ موَجل کی زکوۃ کی ادائیگی کا طریقہ:

سوال ایک آدمی نے ایک عورت سے تقریباً بیس ہزار ریال حقِ مہر پر نکاح کیا اور حقِ مہر ادا نہیں کیا۔ وہ عورت اس کے پاس دس سال بغیر حقِ مہر وصول کیے رہی، پھر شوہر نے اس کو حقِ مہر دے دیا تو اب وہ اس کی زکوۃ کیسے ادا کرے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ اس پر ہر سال کی زکوۃ واجب ہے جب وہ غنی اور خرچ کرنے والے کے ذمہ ہو، اس لیے کہ وہ رقم اس کے پاس موجود ہونے کے حکم میں ہے، لیکن جب وہ اس کو اپنے قبضہ میں لے گی تو وہ اس کی زکوۃ ادا کرے گی، اگر چاہے تو اپنے مال کے ساتھ ہی اس کی زکوۃ ادا کر دے۔ اور اگر وہ قرض ایسے شخص کے ذمہ ہو جو تنگ دست اور ٹال مٹول کرنے والا ہے تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔ اگرچہ وہ دس سال تک باقی رہے، اس لیے کہ وہ عورت اس سے عاجز شمار ہوگی۔ لیکن جب وہ اس کو اپنے قبضے میں لے گی تو وہ قبضے میں لینے والے ایک ہی سال کی زکوۃ ایک ہی مرتبہ ادا کر دے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

نصف شعبان کی رات کو صدقہ کرنے کا حکم:

سوال میرے والد نے مجھے اپنی زندگی کے دوران وصیت کی تھی کہ میں اپنی حسبِ استطاعت صدقہ کرتا رہوں اور یہ صدقہ ہر سال نصف شعبان کی رات میں ہو اور میں اب تک اس پر عمل کر رہا ہوں۔ کچھ لوگوں نے مجھے اس پر ملامت کی، وہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے، پس کیا میرے باپ کے حسبِ وصیت نصف شعبان کی رات کو صدقہ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے ہمیں اس سلسلہ میں فتویٰ دیجیے۔

جواب: اس صدقہ کو ہر سال نصف شعبان کی رات کے ساتھ خاص کرنا بدعت ہے، جائز نہیں ہے اگر چہ اس کی وصیت آپ کو آپ کے باپ نے کی ہے۔ آپ یہ صدقہ کیا کریں لیکن اس کو نصف شعبان کے ساتھ خاص نہ کریں بلکہ سارے سال میں کسی مہینے کو خاص کیے بغیر کسی بھی مہینے میں ادا کر دیا کریں جبکہ اس کے لیے افضل رمضان کا مہینہ ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)
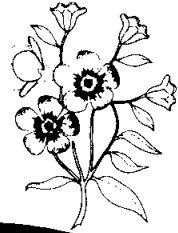
کتاب الصیام
ساتواں باب

روزے کی شرائط

عورت روزہ کب رکھنا شروع کرے؟

سوال میں چودہ سال کی تھی کہ مجھے ماہواری آئی اور میں نے اس سال رمضان کے روزے نہیں رکھے۔ معلوم رہے کہ یہ عمل میری اور میرے خاندان کی جہالت کی وجہ سے ہوا کیونکہ ہم اہل علم سے دور رہتے ہیں اور ہمیں اس کا علم نہیں۔ پھر جب میں پندرہ برس کی ہوئی تو میں نے روزے رکھے۔ اسی طرح میں نے بعض مفتیان سے سنا کہ عورت کو جب ماہواری آئے تو اس پر روزہ فرض ہوجاتا ہے اگرچہ وہ بلوغ کی عمر کو نہ پہنچی ہو؟

جواب یہ سائلہ جس نے اپنے متعلق یہ بیان کیا کہ اسے چودہ سال کی عمر میں حیض آیا اور اسے یہ علم نہ تھا کہ وہ اس کے ساتھ بالغ ہوگئی ہے تو اس نے جو اس سال کے روزے چھوڑے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ وہ ناواقف تھی اور ناواقف پر کوئی گناہ نہیں ہوتا، لیکن جب اسے یہ علم ہوگیا کہ اس پر روزے فرض تھے تو اب وہ جلدی سے اس مہینے کے روزے کی قضا کرے جو اسے حیض کے بعد آئے تھے، اس لیے کہ جب عورت بالغ ہوجاتی ہے اس پر روزہ فرض ہوجاتا ہے۔ اور عورت کی بلوغت چار چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے معلوم ہوتی ہے:

1. اس کی عمر پندرہ سال ہوجائے۔
2. اس کے زیرِ ناف بال اگ پڑیں۔
3. اسے احتلام ہونے لگے۔
4. اسے حیض آنے لگے۔

جب ان چار چیزوں میں سے کوئی چیز حاصل ہوجائے تو وہ بالغ ہوجاتی ہے، شریعت کی مکلّف ہوجاتی ہے اور اس پر اسی طرح عبادات واجب ہوجاتی ہیں جس طرح

بڑی عمر کی عورت پر واجب ہوتی ہیں۔ تو میں اس سائلہ کو کہتا ہوں: اب جب اس نے اس مہینے کے روزے نہیں رکھے تھے جب وہ حائضہ ہوئی تو اب وہ اس مہینہ کے روزے رکھے، اور وہ جلدی ایسا کر لے تاکہ اس سے گناہ زائل ہو جائے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب عورت فجر کے بعد حیض سے پاک ہو تو اس کے روزے کا کیا حکم ہے؟:

سوال جب عورت فجر کے متصل بعد پاک ہوئی تو کیا وہ کھانے پینے سے رک جائے اور اس دن کا روزہ رکھے؟ اور اس دن کا روزہ ہوگا یا اس پر اس دن کی قضا ہوگی؟

جواب جب عورت طلوعِ فجر کے بعد حیض سے پاک ہو تو اس دن کھانے پینے سے رکنے کے متعلق علماء کے دو قول ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ اس پر باقی دن کھانے پینے سے رکنا لازم ہے لیکن اس دن کا روزہ شمار نہیں ہوگا بلکہ اس پر اس دن کی قضا واجب ہوگی اور امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس پر باقی دن کھانے پینے سے رکنا لازم نہیں ہے، اس لیے کہ اس دن اس کے لیے روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ وہ دن کے اول حصے میں حائضہ تھی اور روزہ رکھنے والوں میں سے نہ تھی، اور جب اس کا روزہ نہیں ہوگا تو اس کے کھانے پینے سے رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور یہ وقت اس کے لیے کھانے پینے کے حرام ہونے کا وقت نہیں ہے، اس لیے کہ وہ دن کے شروع میں روزہ چھوڑنے کی پابند تھی بلکہ اس پر شروع دن میں روزہ رکھنا حرام تھا اور شرعی روزہ، جیسا کہ ہم جانتے ہیں، وہ مکمل اس طرح ہے کہ اللہ عز و جل کی عبادت کی غرض سے طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک روزہ توڑنے والے کاموں سے رک جانا۔

اور یہ قول، جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں، کھانے پینے سے رکنے والے قول سے زیادہ راجح ہے۔ اور دونوں قول اس عورت پر اس دن کی قضا لازم کرتے ہیں۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جس عورت کو غروبِ آفتاب کے وقت اذان سے پہلے حیض آ جائے؟

سوال عورت نے روزہ رکھا اور غروبِ آفتاب کے وقت اور اذان سے تھوڑا سا پہلے اسے حیض آ گیا تو کیا اس کا روزہ باطل ہو جائے گا؟

جواب اگر تو اسے غروبِ آفتاب سے پہلے حیض آیا تو اس کا روزہ باطل ہوگیا، وہ اس کی قضا دے گی اور اگر غروبِ آفتاب کے بعد آیا تو روزہ درست ہے، اس پر قضا نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

غروبِ آفتاب سے پہلے حیض کو محسوس کرے مگر خون جاری نہ ہو:

سوال جب عورت خون محسوس کرے اور غروبِ آفتاب سے پہلے خون جاری نہ ہو یا وہ اپنے معمول کے مطابق حیض کی درد محسوس کرے تو کیا اس دن کا اس کا روزہ درست ہوگا یا اس کو اس دن کی قضا دینا پڑے گی؟

جواب جب روزے دار پاک عورت غروب آفتاب سے پہلے حیض کے شروع ہونے کو محسوس کرے لیکن خونِ حیض غروبِ آفتاب کے بعد جاری ہو، یا وہ حیض کے شروع ہونے کی درد محسوس کرے، لیکن خون سورج کے غروب ہونے کے بعد جاری ہو تو اس دن کا روزہ صحیح ہوگا، اور اگر وہ فرض روزہ ہے تو اس کا اعادہ لازم نہیں ہوگا اور اگر وہ نفلی روزہ ہے تو اس کا ثواب باطل نہیں ہوگا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب حاملہ عورت کو خون کا دھبہ لگے تو اس کے روزے کا حکم:

سوال میری بیوی دو ماہ کی حاملہ ہے۔ اس کو ایک دفعہ رمضان کی ابتدا میں عشا کے بعد خون کا دھبہ لگا۔ کچھ دنوں کے بعد غروبِ آفتاب سے پہلے پھر اس کو خون کا داغ لگا جس کا رنگ ہلکا تھا، واضح رہے کہ اس نے مسلسل روزے رکھے ہیں۔ اب اس پر کیا واجب ہے؟

جواب جب عورت حاملہ ہو اور اس کو خون نکلے اور وہ خون حاملہ کی سابقہ عادت کے مطابق نہ ہو تو یہ خون کچھ بھی شمار نہیں ہوگا، خواہ وہ ایک دھبہ ہو یا دو دھبے اور خواہ بہت سا

خون، اس لیے کہ حاملہ جو خون دیکھتی ہے اس کو فاسد خون شمار کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ اس منظّم عادت کے مطابق ہو جو حمل سے پہلے اس کی عادت تھی تو بلاشبہ وہ حیض ہوگا، لیکن جب ایک دفعہ خون بند ہوجائے اور بعد میں یہ امور لاحق ہوں تو عورت روزہ رکھے گی اور نماز ادا کرے گی، اس کا روزہ صحیح ہوگا اور ایسے ہی اس کی نماز۔ اور اس کے ذمے کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حائضہ اور حاملہ عورت کا رمضان کے ایام میں کھانے پینے کا حکم:

سوال کیا حائضہ اور نفاس والی عورت رمضان کے ایام میں کھا پی سکتی ہیں؟

جواب ہاں، وہ رمضان کے ایام میں کھا پی سکتی ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ ان کا کھانا پینا مخفی ہو خصوصاً جب ان کے پاس گھر میں بچے ہوں کیونکہ اس سے ان کے ذہنوں میں اشکالات پیدا ہوں گے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب حائضہ یا نفاس والی عورت فجر سے پہلے پاک ہو اور وہ فجر کے بعد غسل کرے تو اس کے روزے کا حکم؟

سوال جب حائضہ یا نفاس والی عورت فجر سے پہلے پاک ہو اور فجر کے بعد غسل کرے تو کیا اس کا روزہ صحیح ہوگا کہ نہیں؟

جواب ہاں، حائضہ عورت کا روزہ صحیح ہوگا جب وہ فجر سے پہلے پاک ہو جائے اور طلوعِ فجر کے بعد غسل کرے۔ اور یہی حکم نفاس والی عورت کا ہے، اس لیے کہ وہ اس وقت روزہ رکھنے کے اہل لوگوں میں شمار ہوتی ہے، اور وہ اس کے مشابہ ہے جس کو جنابت کی حالت میں فجر طلوع ہو تو اس کا روزہ صحیح ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ [البقرۃ: 187]

”تو اب ان سے مباشرت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمھارے لیے لکھا ہے،

اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہو جائے۔"

پس جب اللہ نے فجر واضح ہونے تک جماع کرنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ غسل طلوعِ فجر کے بعد ہو۔ نیز عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

« أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصبح جنبا من جماع أهله وهو صائم »[1]

"بلاشبہ نبی ﷺ اپنے اہل سے جماع کی وجہ سے جنبی ہوتے اور آپ ﷺ روزے دار ہوتے۔"

یعنی آپ ﷺ طلوعِ صبح کے بعد جنابت کا غسل کرتے۔

(فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين رحمہ اللہ)

حائضہ اور نفاس والی عورت کے روزے کا حکم:

سوال حائضہ اور نفاس والی عورت کے روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب حائضہ اور نفاس والی عورت پر روزہ رکھنا حرام ہے اور دوسرے دنوں میں اس کی قضا دینا واجب ہے کیونکہ بخاری ومسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے:

« كنا نؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلاة »[2]

"ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا مگر نماز کی قضا کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔"

یہ انھوں نے اس وقت فرمایا جب ان سے ایک عورت نے سوال کرتے ہوئے کہا: حائضہ عورت کو کیا ہے کہ وہ روزے کی قضا دیتی ہے مگر نماز کی قضا نہیں دیتی؟ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے وضاحت کی کہ یہ توقیفی امور میں سے ہے جن میں صرف نص کی پیروی کی جاتی ہے۔

(فضيلة الشيخ صالح الفوزان)

---

1. دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث [1830]
2. صحيح مسلم، رقم الحديث [335]

عورت کے ہاں رمضان میں بچہ پیدا ہوا، وہ بچے کو دودھ پلانے کی وجہ سے آئندہ رمضان تک قضا نہ دے سکی، آئندہ رمضان میں پھر بچہ پیدا ہوگیا کیا وہ روزے رکھنے کی بجائے نقدی کی شکل میں کفارہ دے لے؟

سوال ایک عورت نے رمضان میں بچہ پیدا کیا اور رمضان کے بعد اپنے دودھ پیتے بچے کی وجہ سے روزوں کی قضا نہ دے سکی، وہ پھر حاملہ ہوگئی اور آئندہ رمضان آ گیا، کیا وہ روزے رکھنے کی بجائے نقدی کی شکل میں کفارہ دے سکتی ہے؟

جواب اس عورت پر واجب یہ ہے کہ وہ ان ایام کے بدلے میں، جن کے روزے اس نے چھوڑے تھے، روزے رکھے اگرچہ دوسرے رمضان کے گزرنے کے بعد ہی سہی کیونکہ اس نے پہلے اور دوسرے رمضان کے دوران عذر کی وجہ سے قضا کو ترک کیا ہے، اور میں نہیں سمجھتا کہ اس پر یہ بھی مشکل تھا کہ وہ سردیوں کے ایام میں ایک ایک دو دو دن کے روزے رکھ لیتی، اور اگر وہ دودھ پلا رہی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قوت دے گا اور روزہ اس کو اور اس کے دودھ کو متاثر نہیں کرے گا۔ اسے حتی الوسع دوسرے رمضان کے آنے سے پہلے گزشتہ رمضان کی قضا دینے کی حرص رکھنی چاہیے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر دوسرے رمضان تک مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حمل اور رضاعت کی وجہ سے چھوڑے ہوئے تین چار رمضان کے روزوں کی قضا کا حکم:

سوال میری بیوی پر تین یا چار رمضان کے روزوں کی قضا واجب ہے۔ وہ حمل یا رضاعت کی وجہ سے ان کے روزے نہیں رکھ سکی تو کیا وہ ان روزوں کی بجائے کھانا کھلا سکتی ہے؟ اس لیے کہ وہ تین یا چار رمضان کے روزے رکھنے میں بڑی مشقت محسوس کرتی ہے؟

جواب اس پر قضا کو مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ یہ تاخیر اس پر حمل اور رضاع کی

مشقت کی وجہ سے ہے لیکن جب اسے استطاعت ہو تو وہ جلدی سے قضا دے لے، اس لیے کہ وہ مریض کے حکم میں ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾ [البقرة: 185]

''اور جو بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے۔''

اور اس کے ذمہ کھانا کھلانا نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جب عورت پیٹ میں بچے اور اپنی جان کے خوف کی وجہ سے روزے چھوڑے:

سوال جب عورت پیٹ میں بچے کی وجہ سے روزے ترک کرے تو اس پر کیا لازم ہے؟ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کے اپنی جان اور پیٹ کے بچے پر خوف کی وجہ سے روزے ترک کرنے میں کیا فرق ہے؟

جواب امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ جب عورت صرف اپنے پیٹ میں بچے کی وجہ سے روزے ترک کرے تو اس پر قضا لازم ہوگی، اس لیے کہ اس نے روزے نہیں رکھے اور بچے کی کفالت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس کی طرف سے ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلائے کیونکہ اس عورت نے بچے کی مصلحت کی خاطر روزے ترک کیے ہیں۔ اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ حاملہ پر صرف قضا واجب ہے، برابر ہے کہ اس نے اپنی جان کے خوف سے روزے ترک کیے ہوں یا بچے کی وجہ سے یا دونوں چیزوں کے خوف کی وجہ سے، اور اس پر یہ حکم اس کو مریض سمجھ کر لگایا جائے گا اس پر اس سے زیادہ کچھ واجب نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حاملہ اور مرضعہ پر روزے چھوڑنے کے بعد کیا واجب ہے؟

سوال حاملہ یا مرضعہ جب اپنی جان پر یا اپنے بچے پر خطرہ محسوس کرتی ہوئی رمضان کے مہینے میں روزہ ترک کر دیں تو ان کے ذمہ کیا واجب ہے؟ کیا وہ روزہ چھوڑ کر اس کے عوض کھانا کھلائیں اور قضا دیں گی یا روزہ چھوڑ کر صرف قضا دیں گی، کھانا نہیں کھلائیں گی یا روزہ چھوڑ کر صرف کھانا کھلائیں گی اور قضا نہیں دیں گی... ان تینوں باتوں میں سے کون سی بات درست ہے؟

جواب جب وہ رمضان کا روزہ رکھنے سے اپنی جان پر اور جنین پر خطرہ محسوس کرتی ہو تو وہ روزہ چھوڑ دے اور اس کے ذمہ صرف اس کی قضا واجب ہوگی کیونکہ اس سلسلہ میں اس کی حالت اس شخص کی سی ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا یا روزہ رکھنے سے اپنی جان کے نقصان کا خدشہ محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ [البقرة: 185]

''اور جو بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے۔''

اور ایسا ہی دودھ پلانے والی رمضان میں دودھ پلانے سے جب اپنی جان کا خطرہ محسوس کرے یا روزہ رکھ کر بچے کو دودھ نہ پلانے کی صورت میں بچے کے کسی نقصان سے ڈرے تو وہ روزے چھوڑ دے اور اس کے ذمہ صرف اس کی قضا واجب ہوگی۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

امتحانات کی وجہ سے چھوڑے ہوئے روزوں کا حکم:

سوال میں ایک جوان لڑکی ہوں۔ مجھے امتحانات نے رمضان کے چھ روزے چھوڑنے پر قصداً مجبور کر دیا کیونکہ وہ رمضان میں شروع ہوئے اور مضامین کافی مشکل تھے، اگر میں ان دنوں کے روزے ترک نہ کرتی تو میرے لیے یہ درسی مواد مشکل ہونے کی وجہ سے یاد کرنا ممکن نہ تھا۔ میں امید رکھتی ہوں کہ آپ مجھے اس کی خبر دیں گے کہ اب میں کیا کروں تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے؟ جزاکم اللہ خیرا

جواب آپ پر اس سے توبہ کرنا اور چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا کرنا لازم ہے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور حقیقی توبہ، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ یہ ہے: گناہ سے باز آ جانا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت اور اس کی سزا کے خوف سے اس کو ترک کر دینا اور کیے ہوئے گناہ پر نادم ہونا اور سچا عزم کرنا کہ دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ اور اگر اس گناہ کا تعلق بندوں پر کیے ہوئے ظلم کے ساتھ ہو تو ایسی صورت میں توبہ تب مکمل

ہوتی ہے جب ان کے حقوق ادا کیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [النور: 31]

''اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا ﴾ [التحریم: 8]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی طرف توبہ کرو خالص توبہ۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

« التوبة تجب ما قبلها »[1] ''توبہ گزشتہ (گناہ) کو مٹا دیتی ہے۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

« من كان عنده لأخيه مظلمة من عرض أو شيء فليتحلله اليوم قبل ألا يكون دينار ولا درهم، وإن كان له عمل صالح أخذ من حسناته بقدر مظلمته، فإن لم يكن له حسنات، أخذ من سيآت صاحبه فحمل عليه »[2]

''جب کسی نے اپنے بھائی پر اس کی عزت یا (مال وغیرہ کی) کسی چیز کے حوالے سے ظلم کیا ہے تو وہ آج اس سے معاف کروا لے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس دن اس کے پاس نہ دینار ہوگا اور نہ درہم، اگر اس کے پاس نیک اعمال ہوں گے تو اس سے اس کے ظلم کی مقدار میں نیکیاں لے لی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہ اس کے سر تھوپ دیے جائیں گے۔''

اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

---

1. موضوع. السلسلة الضعيفة [141/3]
2. صحيح. مسند أحمد [506/2]

افطار پر مجبور کرنے کا حکم

جب مرد رمضان کے دنوں میں اپنی بیوی سے جماع کر کے اس کو روزہ توڑنے پر مجبور کرے:

سوال جب آدمی رمضان کے دنوں میں اپنی بیوی سے مجامعت کرے اور اس کی بیوی اس میں مجبور ہو جائے یہ جانتے ہوئے کہ وہ دونوں غلام آزاد کرنے اور اپنی معاشی مصروفیات کی وجہ سے (کفارے کے) روزے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تو کیا ان کے لیے کھانا کھلانا کافی ہوگا اور اس کی نوعیت اور مقدار کیا ہوگی؟

جواب جب آدمی بیوی کو جماع پر مجبور کرے اور وہ دونوں روزے سے ہوں تو عورت کا روزہ تو صحیح ہے، اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے لیکن مرد پر جماع کرنے کی وجہ سے کفارہ ہے اگر اس نے یہ جماع رمضان میں دن کے وقت کیا ہے۔ اس کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے، اور اگر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہے، اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا، دلیل اس کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں موجود ہے، نیز اس پر اس روزے کی قضا بھی لازم ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

مسافر کے رمضان کے دن میں سفر سے واپس لوٹ کر کھانے پینے اور اپنی روزے دار بیوی سے جماع کرنے کا حکم:

سوال ایک آدمی قصر نماز کی مسافت کا مسافر ہے، اور اس کا یہ سفر رمضان کے مہینے میں ہے، پس اس نے دورانِ سفر روزہ ترک کر دیا اور دن کے وقت ہی واپس اپنے اہل وعیال میں پہنچ گیا اور وہ اپنی روزے دار بیوی سے رضا مندی سے یا جبراً جماع کرنا چاہتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور اگر اس کی بیوی رضا مندی سے یا مجبوراً جماع کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب جہاں تک آدمی کا تعلق ہے تو وہ جیسا کہ تم نے سنا مسافر ہے اور سفر کی وجہ سے روزہ چھوڑے ہوئے ہے، جب وہ اپنے شہر میں آیا تب بھی وہ روزے سے نہیں تھا تو اس مسافت کے مسافر کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے، ان میں سے بعض نے تو کہا ہے: بلاشبہ جب مسافر اپنے شہر میں اس حال میں آئے کہ وہ مفطر تھا تو اس کو رمضان کا احترام کرتے ہوئے (کھانے پینے وغیرہ سے) رکنا لازم ہے اگرچہ اس کا یہ رکنا (روزے کے اعتبار سے) کچھ بھی شمار نہ ہوگا کیونکہ اس کو اس دن کے روزے کی قضا دینا ہی پڑے گی۔ اور علماء میں سے بعض نے کہا ہے کہ جب مسافر روزہ چھوڑ کر اپنے شہر میں لوٹے تو اس پر (کھانے پینے وغیرہ سے) رکنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کو دن کے باقی حصے میں کھانا پینا جائز ہے، اور یہ دونوں قول امام احمد رحمہ اللہ سے بھی مروی ہیں۔ ان میں سے صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لیے (کھانے پینے وغیرہ سے) رکنا لازم نہیں ہے کیونکہ اس کو اس رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اس کے حق میں یہ وقت حرام نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے لیے دن کے اول حصے میں کھانا پینا مباح تھا جبکہ روزہ، جیسا کہ ہمیں معلوم ہے، طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک افطار کرنے والی اشیاء سے رکنے کا نام ہے، اسی لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''جس نے اول دن میں کھایا وہ آخر میں بھی کھائے کیونکہ اس کے حق میں یہ دن حرام نہیں ہے۔''

اس قول پر بنیاد رکھتے ہوئے اس آدمی کے لیے، جو دن کے وقت مفطر بن کر اپنے شہر میں لوٹا، دن کے باقی حصے میں کھانا پینا جائز ہے۔

رہا جماع کرنا تو اس کے لیے اپنی روزہ دار بیوی، جس نے فرض روزہ رکھا ہوا ہے، جماع کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جماع اس کے روزے کو فاسد کر دے گا، پس اگر خاوند اس کو مجبور کر کے اس سے جماع کر لے تو عورت پر کوئی کفارہ نہیں ہے، اور اس خاوند پر بھی کفارہ نہیں ہے کیونکہ جب وہ سفر سے مفطر بن کر اپنے شہر میں لوٹا اس پر کسی چیز سے رکنا لازم نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

روزہ توڑنے والے اعمال

حاملہ کو آنے والے خون کا حکم:

سوال میں رمضان کے مہینے میں حاملہ تھی اور رمضان کے بیسویں دن مجھے تیز خون آ گیا مگر میں نے نہ کچھ کھایا نہ پیا بلکہ میں روزے سے رہی لیکن میں نے ہسپتال میں چار دن کے روزے چھوڑے اور رمضان کے بعد میں نے چھوڑے ہوئے روزے رکھ لیے۔ کیا اب میں پھر دوبارہ روزے رکھوں جبکہ بچہ ابھی تک میرے پیٹ میں ہے؟ مجھے فائدہ پہنچایئے، اللہ آپ کو فائدہ پہنچائے۔

جواب تمھارا حمل کے دوران خون آتے ہوئے بھی روزہ رکھنا استحاضہ کی طرح تمھارے روزے کو متاثر نہیں کرتا اور تمھارا روزہ صحیح ہے، اور وہ چار روزے جو تم نے ہسپتال میں چھوڑے اور رمضان کے بعد ان کی قضا دے لی، وہ تجھے کافی ہیں اور اب تمھیں دوباہ وہ روزے رکھنے لازمی نہیں ہیں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

رمضان کے دنوں میں اپنی بیوی کا بوسہ لینے اور اس سے کھیل کود کرنے کا حکم:

سوال جب آدمی رمضان کے دن میں اپنی بیوی کا بوسہ لے یا اس سے کھیل کود کرے تو کیا اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا یا نہیں؟ ہمیں فائدہ پہنچائے اللہ آپ کو فائدہ پہنچائے۔

جواب آدمی کا روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لینا، اس سے کھیل کود کرنا اور بغیر جماع کے مباشرت کرنا سب جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی ﷺ روزے کی حالت میں بوسہ بھی لے لیتے تھے اور مباشرت بھی کر لیتے تھے لیکن اگر اس کو اپنے سریع الشہوت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کام میں واقع ہونے کا خدشہ ہو تو اس کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے، پس اگر اس کو منی نکل آئے تو اس کو (کھانے پینے وغیرہ سے) رکنا اور روزے کی قضا دینا لازم ہے، اور جمہور اہل علم کے نزدیک اس پر کفارہ نہیں ہے۔ رہی مذی تو علماء کے دو قولوں میں سے صحیح

قول کے مطابق اس سے اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ اصل اس کے روزے کا صحیح ہونا اور باطل نہ ہونا ہے اور اس لیے بھی کہ مذی سے بچنا بہت مشکل ہے۔

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

رمضان کے دنوں میں بغیر انزال کے اپنی بیوی سے جماع کرنے کا حکم:

سوال ایک آدمی نے ماہِ رمضان کے ایک دن میں اپنی بیوی سے بغیر انزال کے جماع کر لیا، اس کا کیا حکم ہے؟ اور عورت، جبکہ وہ اس سے ناواقف ہے، پر کیا لازم ہے؟

جواب ماہِ رمضان میں دن کے وقت روزے کی حالت میں مجامعت کرنے والے پر کفارۂ مغلظہ لازم ہے اور وہ کفارہ ایک غلام آزاد کرنا، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ اور عورت پر بھی یہی کفارہ ہے اگر وہ اس مجامعت پر راضی ہو اور اگر وہ جماع پر مجبور کی گئی ہو تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اور اگر وہ دونوں میاں بیوی مسافر ہوں تو ان پر نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ اور نہ ہی باقی دن میں (کھانے پینے وغیرہ سے) رکنا لازم ہے، ایسی صورت میں ان پر صرف اس دن کے روزے کی قضا دینا لازم ہے کیونکہ ان پر (سفر کی وجہ سے) روزہ لازمی نہیں ہے اسی طرح جس نے کسی ضرورت کی وجہ سے روزہ چھوڑا، جیسے کسی معصوم کو ہلاکت میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لیے، پس اگر اس نے اس دن جماع کیا جس دن کا روزہ اس نے چھوڑا ہوا تھا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس لیے کہ اس نے واجب روزے کو نہیں توڑا۔ رہا وہ روزے دار جس نے اپنے شہر میں اقامت کے دوران فرض روزے کی حالت میں مجامعت کی تو اس پر پانچ چیزیں لازم ہوں گی:

(1) گناہ، (2) روزے کا فاسد ہونا، (3) (کھانے پینے وغیرہ سے) رکنے کو لازم پکڑنا، (4) قضا کا وجوب، (5) کفارے کا وجوب۔

اور کفارے کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے متعلق مروی ہے جس نے رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کیا تھا۔ اور یہ آدمی روزے

کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی کھانا کھلانے کی طاقت رکھتا تھا تو اس سے کفارہ ساقط ہوگیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتے، اور عاجزی کے ساتھ کچھ واجب نہیں ہے۔ اور جماع ہونے کی صورت میں انزال ہونے اور نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے، خلاف اس صورت کے کہ اگر اس کو جماع کے بغیر انزال ہوا تو اس پر کفارہ تو لازم نہیں ہے، البتہ اس میں گناہ ہے اور (کھانے پینے وغیرہ سے) رکنا اور قضا دینا لازم ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورتوں کے لیے رمضان کے دنوں میں سرمہ اور زیب وزینت کی اشیاء استعمال کرنا:

سوال عورتوں کے لیے رمضان کے دنوں میں سرمہ اور زیب و زینت کی دیگر اشیاء کے استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

جواب علماء کے دو قولوں میں سے صحیح قول کے مطابق سرمہ مطلق طور پر عورتوں اور مردوں کے روزہ کو نہیں توڑتا لیکن روزے دار کے لیے اس کو رات کے وقت استعمال کرنا افضل ہے۔ اسی طرح وہ اشیاء بھی روزہ نہیں توڑتیں جن سے چہرے میں حسن و جمال پیدا ہوتا ہے، جیسے صابن، تیل اور اس قسم کی دیگر اشیاء جو ظاہری جلد سے تعلق رکھتی ہیں اس قسم کی چیزوں میں مہندی، پالش، زینک اور اس کے مشابہ چیزیں شامل ہیں۔ اس کے باوجود پالش اور زینک جب چہرہ کے لیے نقصان دہ ہو تو اس کا استعمال مناسب نہیں ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

عورت کا روزہ کی حالت میں جدید سامانِ زینت استعمال کرنے کا حکم:

سوال میں روزہ کی حالت میں بعض جدید اشیائے زیبائش استعمال کرتی ہوں، کیا یہ میرے روزہ کو متاثر کرتی ہیں؟

جواب عورت پر کوئی حرج نہیں ہے جب وہ اپنے چہرے پر تیل لگائے، خواہ وہ اس کی زیبائش میں اضافہ کرے یا نہ کرے۔ اہم بات یہ ہے کہ جملہ قسم کے تیل اور کریمیں جو چہرے پر لگائی جاتی ہوں یا پیٹھ پر اور جسم کے کسی اور حصے پر، یہ نہ تو روزے دار کے روزے کو متاثر کرتی ہیں اور نہ ہی روزے کو توڑتی ہیں۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا روزے کی حالت میں بالوں پر مہندی لگانے کا حکم:

سوال کیا روزے کی حالت میں بالوں پر مہندی لگانا جائز ہے کیونکہ میں نے سنا ہے کہ مہندی روزے دار کے روزہ کو توڑ دیتی ہے؟

جواب اس میں کوئی حجت نہیں ہے۔ روزے کی حالت میں مہندی لگانا روزے کو نہیں توڑتا اور نہ ہی روزے دار پر کوئی اثر ڈالتا ہے، اسی طرح سرمہ لگانا، کان اور آنکھ میں دوائی کا قطرہ ڈالنا یہ تمام اشیاء روزے دار کو نقصان نہیں پہنچاتیں اور نہ ہی اس کا روزہ توڑتی ہیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

روزے کی حالت میں ڈراپر کے ذریعہ دوائی استعمال کرنے کا حکم:

سوال سانس کے مریضوں کے پاس دوا ہوتی ہے جس کو وہ نسوار کے طور پر ناک کے ذریعہ استعمال کرتے ہیں، کیا اس کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

جواب ضیق النفس کی دوائی، جسے مریض ڈراپر کے ذریعہ استعمال کرتا ہے، وہ ہوا کی نالی کے راستے پھیپھڑوں تک پہنچتی ہے نہ کہ معدہ تک، لہٰذا یہ دوائی کھانا پینا کے مشابہ نہیں ہے بلکہ وہ پیشاب کے راستے میں ٹپکائے جانے والے قطرے، سرمہ اور انجکشن وغیرہ کے مشابہ ہے جو دماغ یا بدن میں منہ یا ناک کے علاوہ دوسرے راستے سے پہنچتے ہیں۔

ان اشیاء کے استعمال کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ یہ روزہ دار کے روزے کو توڑتی ہیں یا نہیں؟ بعض علماء نے ان چیزوں کے استعمال کو مفطر قرار نہیں دیا ہے اور بعض علماء نے ان میں سے بعض چیزوں کو مفطر اور بعض کو مفطر نہیں کہا ہے، لیکن سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں سے کسی چیز کے استعمال کو کھانا پینا نہیں کہا جائے گا۔ لیکن جنھوں نے ان کے کلی یا جزئی استعمال کو مفطر کہا ہے انھوں نے ان کو کھانے پینے کے حکم میں شامل کیا ہے اور اس کی جامع علت یہ بیان کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک چیز انسان کے اختیار سے اس کے پیٹ تک پہنچتی ہے، اور ان کی دوسری دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«وبالغ في الاستنشاق إلا أن تكون صائما»[1]

''اور پانی دماغ تک لے جانے میں مبالغہ کر مگر جب تو روزے سے ہو۔''

پس اس مبالغہ کرنے سے روزے دار کو مستثنیٰ کیا گیا تاکہ کہیں پانی اس کے حلق یا معدے میں پہنچ کر اس کے روزے کو فاسد نہ کر دے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو چیز بھی روزے دار کے اختیار سے معدے میں پہنچ جائے وہ روزے کو توڑ دیتی ہے۔

اور جن علماء نے ان اشیاء کے استعمال سے روزہ فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا، جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے ہمنوا، انھوں نے ان چیزوں کو کھانے پینے پر قیاس کرنے کو درست قرار نہیں دیا ہے کیونکہ ادلۂ شرعیہ میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو یہ تقاضا کرتی ہو کہ ہر وہ چیز جو دماغ یا بدن تک پہنچ جائے یا جسم کے کسی بھی راستے سے پیٹ میں پہنچ جائے وہ مفطر ہے اور جب ان اوصاف میں سے کسی وصف کا افطارِ صائم کے حکم کی علت ہونا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے کہ شرعاً اس علت پر حکم کو معلق کیا جائے اور اس کو حلق یا معدہ تک پہنچنے والی اشیاء کے مشابہ قرار دے کر روزے کے فاسد ہونے کا حکم لگایا جائے تو یہ قیاس کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ چاہے وہ اشیاء منہ کے راستے سے داخل ہوں یا ناک کے راستہ سے کیونکہ یہ دونوں محض راستے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ صرف کلی اور بلا مبالغہ استنشاق سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور نہ ہی شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔ اور منہ کا ایک راستہ ہونا تو یہ ایک علت طردی ہے جس کا کوئی اثر نہیں ہے، اسی لیے جب پانی یا اس جیسی کوئی اور چیز ناک کے راستے سے داخل ہو تو اس کا حکم منہ کے راستے سے داخل ہونے والی چیز کا ہوگا، پھر بعض اوقات ناک کے راستے کو غذا داخل کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا منہ اور ناک دونوں برابر ہوئے۔

لہٰذا جو بات درست معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ناک کے راستے سے استعمال کی جانے والی دوائی سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسے کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ کسی لحاظ سے بھی کھانے پینے کے حکم میں داخل نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [142]

رمضان کی قضا

حاملہ کی شرمگاہ سے اترنے والے پانی کا حکم:

سوال ایک عورت جو نو ماہ کی حاملہ ہے، اس پر رمضان کا مہینہ آیا اور مہینے کی ابتدا میں اسے پانی آتا رہا جو خون نہیں تھا، وہ اس پانی کے اترنے کے دوران روزے رکھتی رہی۔ اس واقعہ کو دس سال ہو چکے ہیں۔ اب میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس عورت پر ان روزوں کی قضا لازم ہے کہ اس کو معلوم تھا کہ اس کو پانی اتر رہا ہے اور پھر اس نے روزے رکھے؟

جواب اگر صورتِ واقعہ وہی ہے جو بیان کی گئی ہے تو ایسی صورت میں اس عورت کے روزے صحیح ہیں، اس پر ان کی قضا واجب نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

وہ عورت جس نے بیماری کی وجہ سے روزے ترک کیے اور ان کی قضا دیے بغیر فوت ہوگئی:

سوال گزشتہ رمضان میں میری بیوی بائیس دن کے روزے رکھنے کے بعد بیمار ہوگئی اور اس کے آٹھ دن کے روزے چھوٹ گئے۔ اس کی مرض شدت اختیار کر گئی اور وہ باقی روزے پورے نہ کر سکی اور رمضان کے چند دن بعد فوت ہوگئی۔ ہمیں بتایئے کہ ہم اس کے چھوڑے ہوئے روزوں کا کیا کریں؟ آپ کا انتہائی شکریہ۔

جواب یہ عورت جو ماہِ رمضان میں بیمار ہوگئی اور بیماری کی وجہ سے کچھ روزے چھوڑ دیے اور اس کی بیماری نے طول پکڑا حتی کہ وہ فوت ہوگئی، اس کے چھوڑے ہوئے روزوں کے حوالے سے اس پر کچھ واجب نہیں ہے، اس لیے کہ اس نے کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی کوتاہی کرتے ہوئے قضا کو ترک کیا ہے، بلکہ بیماری اس کے اور اس کے روزے رکھنے اور ان کی قضا دینے کے درمیان حائل ہوگئی، لہٰذا اِس سلسلہ میں اس کے ذمہ کچھ بھی واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: 286]

''اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔''

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

فوت شدہ مرد اور عورت کے چھوڑے ہوئے رمضان اور نذر کے روزوں کی قضا کا حکم:

سوال مسلمانوں میں سے کوئی مرد یا عورت اس حال میں فوت ہوا کہ اس کی وفات سے قبل اس پر رمضان کے روزوں کی قضا تھی تو کیا اس کی طرف سے روزے رکھے جائیں یا کھانا کھلا دیا جائے؟ اور جب یہ روزے نذر کے ہوں، رمضان کے نہ ہوں تو ان دو حالتوں میں روزوں کی قضا کا کیا حکم ہے؟

جواب جہاں تک رمضان کے روزوں کا تعلق ہے جب انسان اس حال میں فوت ہو کہ اس کے ذمہ رمضان کے کچھ روزے رکھنا باقی تھے جو اس نے بیماری کی وجہ سے چھوڑ دیے تھے تو یہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے:

1. پہلی حالت یہ ہے کہ اس کی بیماری فوت ہونے تک مسلسل رہی ہو اور اس کو روزہ رکھنے کی قوت حاصل نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور نہ ہی اس کی طرف سے قضا دی جائے گی، اور نہ ہی اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے گا کیونکہ وہ اس معاملے میں معذور ہے۔
2. دوسری حالت یہ ہے کہ اس کو اس بیماری سے، جس کی وجہ سے اس نے روزے چھوڑے، شفا مل گئی ہو اور اس پر ایک اور رمضان گزر گیا ہو اور اس نے روزے نہ رکھے ہوں اور دوسرے رمضان کے بعد وہ فوت ہو جائے تو اس صورت میں اس کی طرف سے ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے کیونکہ اس نے قضا کو موخر کر کے کوتاہی کی ہے حتی کہ اس پر دوسرا رمضان آ گیا اور پھر وہ فوت ہو گیا۔

رہا نذر کا روزہ تو وہ بھی اس کی طرف سے رکھا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من مات وعليه صوم، وفي رواية: صوم نذر، صام عنه وليه))[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1851] صحيح مسلم، رقم الحديث [1147]

''جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس کے ذمہ روزہ تھا اور ایک روایت میں ہے، نذر کا روزہ اس کے ذمہ تھا تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے۔''

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

ستائیس سال پہلے ولادت کی وجہ سے چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا کا حکم:

سوال میری عمر پچاس سال ہے۔ اب سے ستائیس سال پہلے میرے ایک بچے کی ولادت کے بعد میرے پندرہ دن کے روزے چھوٹ گئے تھے، اور اس سال میرے لیے ان روزوں کی قضا دینا ممکن نہ ہوا تو کیا اب میں ان کی قضا دے لوں؟ اور کیا میں گناہ گار ہوں؟ مجھے فائدہ پہنچایئے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جواب اس تاخیر کی وجہ سے تم پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جناب میں توبہ کرنا لازم ہے اور تم پر مذکورہ ایام کی قضا کے ساتھ ساتھ ملک کی عمومی غذا سے ہر دن کے عوض نصف صاع مسکین کو کھلانا واجب ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

کئی سال پہلے کی ماہواری کی وجہ سے چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا کا حکم:

سوال ایک سال میں نے ایامِ ماہواری کے روزے چھوڑے اور اب تک میں وہ روزے نہیں رکھ سکی، اس واقعہ کو کئی سال گزر گئے ہیں اب میں چاہتی ہوں کہ مجھ پر جو روزوں کا قرض ہے اس کو ادا کروں لیکن مجھے ان ایام کی تعداد بھی معلوم نہیں، سو میں کیا کروں؟

جواب تم پر تین کام لازم ہیں:

1. پہلا کام اس تاخیر کی اللہ کے ہاں توبہ کرنا اور اس گزشتہ سستی پر ندامت کا اظہار کرنا اور آئندہ سے اس طرح کی کوتاہی نہ کرنے کا عزم کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [النور: 31]

''اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

اور یہ روزوں میں تاخیر نافرمانی ہے اور اس سے اللہ کی جناب میں توبہ کرنا واجب ہے۔

2. دوسرا کام: غالب گمان کے مطابق جلدی سے روزے رکھنا اور آپ کے گمان پر جو غالب آئے کہ آپ نے اتنے دن کے روزے ترک کیے ہیں، ان کی قضا دینا اگر

آپ کا گمان ہے کہ وہ دس دن ہیں تو دس دن کے روزے رکھو اور اگر آپ گمان کرتی ہیں کہ وہ اس سے زیادہ یا کم ہیں تو اپنے غالب گمان کے مطابق روزے رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة: 286]

''اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی تم طاقت رکھو۔''

3 تیسرا کام: ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلانا جب آپ کو اس پر قدرت ہے، چاہے ایک ہی مسکین پر سارے دنوں کے عوض میں صرف کر دیا جائے۔ اگر آپ فقیرہ ہیں، کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتیں تو آپ پر روزے اور توبہ کے علاوہ کچھ لازم نہیں ہے اور ہر دن کے عوض جو کھانا کھلانا واجب ہے اس کی مقدار ملک کی عمومی غذا کا نصف صاع ہے جس کا وزن ڈیڑھ کلو بنتا ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

جہالت کی بنا پر دوسو روزوں کا بوجھ رکھنے والی عورت کا حکم جو فی الحال بیمار بھی ہے:

سوال ایک پچاس سالہ عورت جو شوگر کی مریضہ ہے اور روزہ اس کے لیے بہت ہی مشقت کا باعث بنتا ہے لیکن وہ رمضان کے روزے رکھا کرتی تھی اور وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ رمضان میں ایامِ حیض کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کے لیے بہت سی گنجائش ہے اور اس پر تقریباً دوسو دنوں کے روزے جمع ہو گئے، ان ایام کا کیا حکم ہے؟ خاص طور پر اب جبکہ وہ مرض کی حالت میں ہے، کیا اللہ اس کے گزشتہ چھوڑے ہوئے روزوں کو معاف کر دے گا یا کہ وہ روزے رکھے اور روزے داروں کے روزے کھلوائے؟ اور کیا روزے داروں کو ہی کھانا کھلانا ضروری ہے یا کسی بھی مسکین کو کھانا کھلا سکتا ہے؟

جواب یہ عورت اگر واقعی اسی حالت میں ہے جو سائل نے بیان کی ہے کہ وہ بڑھاپے یا

بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے میں تکلیف محسوس کرتی ہے تو وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دے، پس وہ گزشتہ ایام کو شمار کرتی رہے اور ان میں سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلاتی رہے، اور اسی طرح موجودہ رمضان کے روزے اگر اس پر گراں گزرتے ہیں اور مانع کے زائل ہونے کی امید نہیں کی جاتی تو وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ایک عورت کی اذانِ فجر کے بعد کھائی گئی دوائی کا حکم:

سوال میری ماں نے رمضان میں اذانِ فجر کے تھوڑی دیر بعد دوائی کھائی اور میں نے اس کو متنبہ بھی کیا کہ جب وہ اس وقت میں دوائی کھائے گی تو اس کو اس دن کے روزے کی قضا دینا پڑے گی، لہٰذا اُس کا کیا حکم ہے؟

جواب جب مریض نے رمضان میں طلوعِ فجر کے بعد دوائی نوش کی تو اس کا یہ روزہ درست نہیں ہوگا کیونکہ اس نے عمداً افطار کیا ہے اور اس پر باقی دن کھانے پینے سے رکنا لازم ہے، جب اس پر بیماری کی وجہ سے کھانے پینے سے رکنا مشکل ہو تو وہ مرض کی وجہ سے روزہ چھوڑ سکتا ہے اور اس پر قضا لازم ہوگی کیونکہ اس نے عمداً افطار کیا ہے۔ اور بیمار کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ رمضان کے روزے کے وقت دوائی استعمال کرے مگر انتہائی ضرورت کے وقت، مثلاً اس کی موت واقع ہونے کا ڈر ہو تو اس کو گولیاں دی جائیں جو اس کی تخفیف کا باعث بنیں، پس وہ اس حالت میں مفطر شمار ہوگا اور بیماری کی وجہ سے روزہ چھوڑنے میں اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اس عورت کا حکم جو گھر والوں کے سامنے روزہ رکھتی ہے اور چھپ کر افطار کر لیتی ہے:

سوال ایک عورت کہتی ہے: میں اپنی بلوغت کے آغاز میں تین سال تک رمضان میں اپنے گھر والوں کے سامنے روزہ رکھتی اور چھپ کر افطار کر لیتی۔ شادی کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور جب میں نے ان مہینوں کے روزوں کی قضا کا ارادہ کیا

تو میرے خاوند نے مجھے کہا: توبہ ماقبل کی خطاؤں کو مٹا دیتی ہے، اور تو اپنے روزوں کے ساتھ مجھے اور میرے بچوں کو فراموش کرنا چاہتی ہو تو کیا مجھ پر روزے رکھنے لازم ہیں یا میں ایک سو اسّی مسکینوں کو کھانا کھلا دوں؟

جواب جب یہ عورت سرے سے روزہ نہ رکھتی تو اسے قضا کرنا فائدہ نہ دیتا کیونکہ ہمارے ہاں ایک اہم قاعدہ ہے:

''بلاشبہ جن عبادات کے اوقات مقرر ہیں، جب انسان ان کو بلا عذر وقت سے ٹال دے تو وہ عبادات اس سے قبول نہیں کی جاتیں۔''

اور اس قاعدے کی بنیاد پر اگر اس عورت نے سرے سے روزہ ہی نہیں رکھا تو اس پر قضا کرنا لازم نہیں اور اس کا توبہ کرنا ماقبل کی غلطیوں کو مٹا دے گا۔

اور اگر وہ روزہ تو رکھتی تھی لیکن دن کے وقت افطار کر دیتی تھی تو اس کے ذمہ قضا لازم ہے اور اس کے خاوند کو اس سے منع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ روزوں کی قضا کرنا واجب ہے، اور شوہر کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو روزوں کی واجب قضا کرنے سے منع کرے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ان عورتوں کا حکم جنھوں نے دوسرا رمضان آنے تک گزشتہ رمضان کی قضا نہیں کی:

سوال بعض عورتوں پر دوسرا رمضان داخل ہو جاتا ہے اور انھوں نے ابھی پہلے رمضان کے دنوں کی قضا پوری نہیں کی ہوتی، ان پر کیا واجب ہے؟

جواب ان پر اس عمل کی وجہ سے اللہ کے ہاں توبہ کرنا واجب ہے کیونکہ جس پر رمضان کی قضا واجب ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ بلا عذر اس کو دوسرے رمضان تک مؤخر کر دے، دلیل اس کی عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے:

''مجھ پر رمضان کے روزوں کی قضا باقی ہوتی تو میں اس کو شعبان سے پہلے قضا کرنے کی طاقت نہ رکھتی۔''

یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ قضا کو دوسرے رمضان تک مؤخر کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اِس عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے اس عمل پر اللہ عزوجل کے ہاں توبہ کرے اور

دوسرے رمضان کے بعد چھوڑے ہوئے دنوں کی قضا پوری کرے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جس عورت نے روزہ فرض ہونے سے لے کر اب تک ماہواری کے ایام میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا نہیں کی:

سوال ایک سائلہ کہتی ہے: بلاشبہ جب سے اس پر روزہ فرض ہوا وہ روزے رکھا کرتی تھی لیکن ماہواری کی وجہ سے چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا نہیں کرتی تھی، اور افطار کے ایام کی تعداد سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ راہنمائی چاہتی ہے کہ اب اس پر کیا واجب ہے؟

جواب ہمیں اس پر افسوس ہے کہ مومنہ عورتوں سے اس طرح کا فعل سرزد ہوتا ہے۔ یقیناً یہ روزے چھوڑنا، میری مراد ہے کہ اس کا واجب روزوں کی قضا کو ترک کرنا یا تو جہالت کی وجہ سے ہے یا سستی اور کوتاہی کی وجہ سے، اور یہ دونوں ہی مصیبت ہیں کیونکہ جہالت کا علاج علم اور سوال ہے اور سستی کا علاج اللہ عزوجل کا تقوی، اس کی نگرانی، اس کے عذاب سے ڈرنا اور اس کی رضا والے کاموں کی طرف جلدی کرنا ہے، لہٰذا اِس عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنی غلطی پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور معافی طلب کرے اور حتی الوسع ان دنوں کا اندازہ لگائے جن دنوں کے اس نے روزے چھوڑے ہیں اور ان کی قضا کرے تب ہی وہ بری الذمہ ہو سکے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حائضہ کے روزوں کی قضا کرنے اور نمازوں کی قضا کرنے کی حکمت:

سوال اس میں کیا حکمت ہے کہ حائضہ روزوں کی قضا کرے اور نمازوں کی قضا نہ کرے؟

جواب اولاً: یہ بات مخفی نہیں کہ بلاشبہ مسلمان پر ان احکام کی بجا آوری ضروری ہے جن کو بجا لانے کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور ان تمام کاموں سے رکنا واجب ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے، خواہ اس کو امر و نہی کی حکمت معلوم ہو یا نہ ہو۔ اس کا اس حقیقت پر ایمان ہونا چاہیے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو وہی کام کرنے کا حکم

دیتے ہیں جن میں ان کی مصلحت ہوتی ہے، اور ان کو انھی کاموں سے منع کرتے ہیں جن میں ان کا نقصان ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تمام تشریعات حکمت پر مبنی ہیں، جس کو صرف وہی جانتا ہے اور ان میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں پر ان کی حکمتیں ظاہر کرتا ہے تا کہ اس سے مومن کا ایمان زیادہ ہو، اور کچھ حکمتوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے لیے خاص کر لیتا ہے تا کہ مومن اللہ کے حکم کو تسلیم کر کے اسی طرح اپنے ایمان میں اضافہ کرے۔

ثانیاً: یہ بات معلوم ہے کہ نمازوں کی تعداد زیادہ ہے، دن رات میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہیں تو ایک یا دو دن میں ان نمازوں کی قضا حائضہ پر مشقت کا باعث بنے گی۔ اللہ عظیم نے سچ ہی تو فرمایا ہے:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴾

[النساء: 28]

''اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (بوجھ) ہلکا کرے، اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

اس عورت کا حکم جس نے نفسیاتی مرض کی وجہ سے چار سال کے روزے ترک کیے:

سوال ایک عورت نفسیاتی مرض، یعنی حرارت اور اعصابی بے چینی میں مبتلا ہے، اس نے اس کے بعد تقریباً چار سال کے روزے ترک کیے، کیا ایسی حالت میں وہ روزوں کی قضا کرے گی یا نہیں؟ اور اس کا حکم کیا ہوگا؟

جواب جب اس نے استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے روزے ترک کیے تو اس پر واجب ہے کہ جب اس کو قدرت حاصل ہو تو وہ ان چار سالوں کے رمضان کے روزوں کی قضا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ [البقرة: 185]

اور جو بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے، اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر جو اس نے تمھیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو۔''

اور اگر ڈاکٹرز کی رپورٹ کے مطابق اس کی بیماری اور روزے سے عاجزی زائل ہونے کی امید نہ ہو تو وہ ہر دن کے عوض، جس کا اس نے روزہ چھوڑا، ایک مسکین کو نصف صاع گندم یا کھجور یا چاول یا کوئی اور غلہ، جو اس کے گھر والے کھاتے ہیں، کھلائے۔ جس طرح بہت بوڑھا آدمی اور بوڑھی عورت جن کو روزہ مشقت میں ڈال دے اور گراں گزرے، ان کو کھانا کھلانے سے روزے سے رخصت ہے، لہٰذا اُس عورت پر بھی قضا واجب نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

وہ عورت جس نے پندرہ دن کے روزے رکھے، پھر بیماری کی وجہ سے روزوں سے عاجز آ گئی:

سوال رمضان سے چند دن پہلے میری ماں بیمار پڑ گئی، بیماری نے اس کو کمزور کر دیا اور وہ اس کے ساتھ ساتھ عمر رسیدہ بھی ہے، اس نے رمضان میں پندرہ دن کے روزے رکھے اور باقی دنوں کے روزے رکھنے پر قادر نہ ہوئی اور نہ ان کی قضا ہی دے سکی تو کیا اس کے لیے صدقہ دینا جائز ہے؟ یومیہ صدقہ کس قدر کافی ہوگا؟ واضح رہے کہ میں اس کی کفالت کرتی ہوں تو کیا میں اس کی طرف سے صدقہ ادا کر دوں جبکہ اس کے پاس اتنا مال نہیں کہ وہ اس سے از خود صدقہ کر سکے؟

جواب جو کوئی بھی بڑھاپے اور ایسی بیماری کی وجہ سے، جس کے ختم ہونے کی امید نہ ہو، روزہ نہ رکھ سکے تو وہ روزہ چھوڑ دے اور ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ [البقرة: 184]

''ان پر فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"نزلت رخصة للشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان الصيام، فيطعمان مكان كل يوم مسكيناً."[1]

''یہ آیت ایسے بوڑھے مرد اور عورت کی رخصت کے متعلق نازل ہوئی جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تو وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔''

(اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لہٰذا تمھاری ماں پر واجب ہے کہ وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے، اس غذا کا نصف صاع جو ملک میں کھائی جاتی ہے۔ اور اگر وہ اپنی طرف سے کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتی تو پھر اس کے ذمہ کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ اگر آپ اس کی طرف سے کھانا کھلانا چاہتی ہیں تو یہ من باب الاحسان ہے اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

شادی شدہ عورت کے نفلی روزوں کا حکم:

سوال شادی شدہ عورت کے نفلی روزوں کا کیا حکم ہے؟

جواب خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر عورت کے لیے (نفل) روزہ رکھنا جائز نہیں کیونکہ بخاری و مسلم وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا يحل لامرأة أن تصوم وزوجها شاهد إلا بإذنه، وفي بعض الروايات: إلا رمضان»[2]

''کسی عورت کو اپنے خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا حلال نہیں ہے، اور بعض روایت میں ہے سوائے رمضان کے۔''

لیکن جب اس کا خاوند اس کو نفلی روزہ رکھنے کی اجازت دے یا وہ اس کے پاس

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4235]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [4899]

موجود ہی نہ ہو یا اس کا خاوند ہی نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کے لیے نفلی روزہ رکھنا مستحب ہے، خاص طور پر وہ مستحب دنوں کا روزہ رکھ سکتی ہے جو یہ ہیں: سوموار اور جمعرات کا روزہ، ہر مہینہ میں (ایامِ بیض چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے) تین روزے، ماہِ شوال کے چھ روزے، ذوالحجہ کے نو روزے، عرفہ کے دن کا روزہ اور عاشورے کا روزہ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ ملا کر۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

روزے رکھنے کی خاطر بندشِ حیض کی گولیاں کھانے کا حکم:

سوال لوگوں کے ساتھ روزے رکھنے کی خاطر ماہواری کو روکنے والی گولیاں کھانے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب میں تو اس سے خبردار کرتا ہوں، اس لیے کہ بندشِ حیض کی گولیاں استعمال کرنے میں بہت سا نقصان ہے، اطباء کی معرفت میرے پاس اس کا ثبوت موجود ہے، لہٰذا میں سائلہ سے کہتا ہوں: یہ حیض و ماہواری ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے، لہٰذا تُو اللہ کے لکھے ہوئے پر قناعت کرتے ہوئے اس وقت تک روزے رکھ جب تک کوئی مانع رکاوٹ نہ ہو اور جب کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو اللہ عزوجل کی تقدیر پر رضا مندی کا اظہار کرتے ہوئے روزہ ترک کر دے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بندشِ حیض کی گولیاں استعمال کر کے رمضان کے روزے رکھنے کا حکم:

سوال میں نے ماہِ رمضان میں بندشِ حیض کی گولیاں استعمال کیں، کیا میں ماہِ رمضان کے ان دنوں میں روزے رکھ سکتی ہوں جن میں میں نے یہ گولیاں کھائی ہیں؟ جبکہ میں لوگوں کے ساتھ روزے رکھ رہی ہوں اور نماز ادا کر رہی ہوں، کیا ان روزوں سے مجھ پر کچھ لازم ہوگا یا نہیں؟

جواب عورت کو ایسی ادویات استعمال کرنا جائز ہے جن سے ان کی ماہواری مؤخر ہو جاتی ہے اس طرح وہ حج و عمرہ کر سکتی ہے اور رمضان کے روزے رکھ سکتی ہے۔ تجھ پر ان

دنوں کی قضا کرنا لازم نہیں ہے جن ایام میں گولیاں استعمال کرنے کی وجہ سے حیض مؤخر ہو گیا اور تُو نے لوگوں کے ساتھ روزے رکھے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

روزے دار عورت کے لیے کھانا چکھنے کا حکم:

سوال رمضان کے دنوں میں روزے دار عورت کے لیے کھانا چکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ ضرورت کے تحت ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ چکھنے کے بعد کھانے کو فوراً تھوک دے گی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ٹیلی ویژن، ریڈیو اور ڈش انٹینا کے سامنے بیٹھ کر رمضان گزارنے والی خواتین کو شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی طرف سے نصیحت:

سوال آج کی مسلمان خاتون ٹیلی ویژن، ریڈیو یا ڈش انٹینا کے سامنے جاگ کر اور بازاروں میں گھوم کر اور سوئی رہ کر رمضان گزارتی ہے، آپ اس ماڈرن مسلمہ کو کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب مسلمان پر، خواہ مرد ہو یا عورت، ماہِ رمضان کا احترام کرنا مشروع ہے، اس کا اطاعت والے کاموں میں مصروف ہونا اور گناہوں اور نافرمانیوں سے بچنا ہمہ وقت ضروری ہے لیکن رمضان کے مہینے میں اس کے احترام کی وجہ سے اور زیادہ ضروری ہے۔ ٹیلی ویژن، ریڈیو، یا ڈش انٹینا کے ذریعہ پیش کی جانے والی فلمیں اور ڈرامے دیکھتے ہوئے جاگتے رہنا یا لہو ولعب اور گانے سننے کے لیے شب بیداری یہ سب رمضان اور غیر رمضان میں حرام ہے اور نافرمانی ہے لیکن رمضان میں ان کا گناہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

جب اس حرام شب بیداری کے ساتھ واجبات کو ضائع کرنا اور دن کے وقت نمازوں کی ادائیگی سے سوئے رہنا وغیرہ چیزیں شامل ہو جائیں تو یہ مزید نافرمانیاں ہیں، اسی طرح نافرمانیاں نافرمانیوں کو کھینچتی ہیں اور ایک دوسرے کو دعوت دیتی ہیں، اللہ ہمیں ان سے محفوظ فرمائے۔

عورتوں کو کسی انتہائی ضرورت کے بغیر بازاروں میں جانا حرام ہے اور وہ بھی باپردہ اور عزت و وقار کے ساتھ نکلیں تو درست ہے، نیز وہ مردوں سے اختلاط یا ان سے گفتگو سے پرہیز کریں، البتہ حسبِ ضرورت فتنے سے بچتی ہوئی گفتگو کر سکتی ہیں، نیز اس شرط کے ساتھ کہ رات میں گھر سے باہر نکلنے کا وقت طویل نہیں ہونا چاہیے تاکہ وہ ان کے وقتِ نماز سے غافل ہو کر سو جانے کا سبب نہ بن جائے، یا اس طرح کہیں وہ اپنے خاوند یا اولاد کے حقوق کو ضائع نہ کرنے لگ جائیں۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

رمضان کے ایام میں روزے دار کے عورتوں سے ہم کلام ہونے اور ان کا ہاتھ چھونے کا حکم:

سوال رمضان کے ایام میں روزے دار کے عورت کے ہاتھ کو چھونے اور اس سے گفتگو کرنے کا کیا حکم ہے جبکہ بعض تجارتی مراکز اور دوکانوں میں اس طرح کی حرکات دکھائی دیتی ہیں؟

جواب جب آدمی کا عورت سے کلام کرنا فتنہ و شک اور حصولِ لذت سے خالی ہو جیسا کہ تجارتی لین دین اور راستہ دریافت کرنا وغیرہ کے لیے ہو یا بغیر قصد و ارادہ کے اس کے ہاتھ چھونا تو یہ رمضان اور غیر رمضان ہر موقع پر جائز ہے، لیکن اگر مرد لطف اندوز ہونے کی خاطر اس سے گفتگو کرے تو نہ یہ رمضان میں جائز ہے اور نہ دوسرے مہینوں میں، البتہ رمضان میں اس کی ممانعت اور زیادہ سخت ہوگی۔
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

ایام رمضان میں حرام گفتگو سے روزے کے فاسد ہونے کا حکم:

سوال کیا رمضان کے ایام میں آدمی کے حرام گفتگو کرنے سے اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟

جواب جب ہم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھیں:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ [البقرة: 183]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا لکھ دیا گیا ہے جیسے ان لوگوں پر لکھا گیا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم بچ جاؤ۔"

تو ہمیں روزہ کے وجوب کی حکمت معلوم ہوتی ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا تقویٰ اور عبادت ہے۔تقویٰ کا مطلب ہے حرام کاموں کو چھوڑ دینا جب تقویٰ کا لفظ مطلق استعمال ہوتا ہے تو یہ اوامر پر عمل کرنے اور نواہی کے ترک کرنے کو شامل ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«من لم يدع قول الزور والعمل به والجهل، فليس لله حاجة أن يدع طعامه وشرابه» [1]

"جس شخص نے (روزہ رکھ کر بھی) جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنا اور جہالت کا مظاہرہ کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔"

اس بنا پر روزے دار کو یہ تاکیدی حکم ہے کہ وہ حرام اقوال و افعال سے پرہیز کرے، لوگوں کی غیبت نہ کرے، جھوٹ نہ بولے، ان کی چغلیاں نہ کرے اور حرام تجارت نہ کرے، الغرض وہ تمام حرام کاموں سے پرہیز کرے، جب انسان رمضان کا پورا مہینہ اس طرح گزارے گا تو باقی سارا سال اس کا نفس سیدھا رہے گا۔لیکن افسوس کہ بہت سے روزے دار اپنے روزے کے دن اور افطار کے دن میں کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ وہ حرام گفتگو، کذب بیانی اور دھوکا دہی وغیرہ کی اپنی پرانی عادت پر قائم رہتے ہیں اور ان کو روزے کے احترام و وقار کا کوئی شعور نہیں ہوتا۔اس طرح کے اعمال روزہ دار کے روزے کو فاسد تو نہیں کرتے مگر روزے کے اجر و ثواب میں کمی واقع کر دیتے ہیں۔

رمضان کے روزوں کی قضا کرنے سے پہلے شوال کے چھ روزے رکھنے کے جواز کا حکم، اور ماہ شوال میں سوموار کے دن قضائے رمضان اور سوموار کے روزے کی نیت کرنے کا حکم:

سوال انسان کو شوال کے چھ روزوں کا ثواب اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک وہ ماہِ رمضان کے روزے مکمل نہ کرے، پس جس کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5710]

کرنا باقی ہے تو وہ رمضان کی قضا کرنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے کیونکہ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

«من صام رمضان ثم أتبعه بست من شوال... الخ»[1]

''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے...الخ۔''

اس بنا پر ہم اس شخص کو کہیں گے جس کے ذمہ رمضان کی قضا کرنا باقی ہے: پہلے قضا کے روزے رکھو، پھر شوال کے چھ روزے رکھو۔ اور جب ان چھ دنوں کے روزے سوموار اور جمعرات کے دن واقع ہوں گے تو اس کو دونوں نیتوں، یعنی چھ دنوں کے اجر کی نیت اور سوموار، جمعرات کے دنوں کی نیت کا ثواب ملے گا کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ مانوى...الخ»[2]

''اعمال نیتوں کے ساتھ معتبر ہیں اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے نیت کی ہوگی...الخ۔'' (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کے اعتکاف کرنے کا حکم:

سوال کیا عورت کو اعتکاف کرنا جائز ہے؟

جواب عورت کا اعتکاف درست ہے اور مسجد میں مسنون ہے۔ عورت کے اعتکاف کرنے میں جب کوئی فتنہ پیدا ہونے کا خدشہ نہ ہو تو وہ بیٹھ سکتی ہے، لیکن اگر اس کے اعتکاف کرنے میں کسی فتنے کا ڈر ہو تو وہ اعتکاف نہ کرے کیونکہ مستحب عمل پر جب کوئی ممنوع مرتب ہوتا ہو تو اس مستحب سے رکنا واجب ہے، جس طرح مباح عمل پر کسی ممنوع کے مرتب ہونے سے اس مباح سے رکنا واجب ہو جاتا ہے۔

اگر ہم فرض کریں کہ جب عورت مسجد میں اعتکاف کرے تو وہاں پر فتنہ کھڑا ہوگا، جیسا کہ مسجد حرام میں ہوتا ہے کیونکہ مسجد حرام میں عورتوں کے اعتکاف کرنے کے لیے کوئی

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [1146]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1]

مخصوص جگہ نہیں ہے، جب عورت اس میں اعتکاف کرے گی تو اس کے لیے سونا لازمی ہے، خواہ رات کے وقت یا دن کے وقت اور عورت کا آنے جانے والے مردوں کے درمیان میں سونا فتنہ کا باعث ہے، لیکن جب کسی فتنے کا ڈر نہ ہو تو عورت کا اعتکاف کرنا درست ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

روزے دار کے لیے ایام رمضان میں عطریات استعمال کرنا:

سوال روزہ دار کے لیے ایامِ رمضان میں عطریات استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب ایامِ رمضان میں ان کو استعمال کرنے اور سونگھنے میں کوئی حرج نہیں، سوائے دھونی کے، اس کو وہ نہیں سونگھے گا کیونکہ اس کا دھواں ہوتا ہے جو معدے میں پہنچ جاتا ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

رات کے باقی ہونے کا گمان کر کے کھانا کھانا اور اثنائے کھانا اذان کی آواز سن کر کھانا چھوڑ دینا:

سوال میں نے حسبِ استطاعت فجر کے وقت کا اندازہ لگایا تو مجھے گمان ہوا کہ ابھی رات باقی ہے، میں سحری کے لیے اٹھی، اسی دوران میں نے فجر کی اذان سنی تو میں نے کھانے کا لقمہ پھینک دیا اور روزے کی نیت کر لی، کیا میرا روزہ درست ہوگا؟

جواب روزہ صحیح اور درست ہے، اس لیے کہ اس نے فجر واضح ہونے کے بعد کچھ نہیں کھایا۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

وصال کے روزے کا حکم:

سوال وصال کا روزہ کیا ہے؟ اور کیا وہ مسنون ہے؟

جواب وصال کا روزہ یہ ہے کہ انسان دو دن روزہ افطار نہ کرے، بلکہ دو دن کا مسلسل روزہ رکھے۔ نبی ﷺ نے اس سے منع کیا اور فرمایا:

«من أراد أن يواصل فليواصل إلى السحر»[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1862] مسند أحمد [8/3]

''جس نے وصال کرنا ہو وہ سحری تک وصال کر لے۔''

سحری تک وصال کرنا صرف جائز ہے مستحب نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے تو روزہ جلدی افطار کرنے کی رغبت دلائی ہے اور فرمایا:

((لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر)) ❶

''جب تک لوگ روزہ جلدی افطار کریں گے تب تک وہ خیر و بھلائی میں رہیں گے۔''

لیکن آپ ﷺ نے صرف سحری تک وصال کرنے کو مباح اور جائز قرار دیا ہے تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! (آپ ﷺ ہمیں منع کرتے ہیں) اور خود وصال کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إني لست کھیئتکم)) ❷ ''بلاشبہ میں تمھاری طرح نہیں ہوں۔''

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بھول کر کھانے پینے والے کا حکم:

سوال بھول کر کھانے پینے والے کا کیا حکم ہے؟ کیا بھول کر کھانے پینے والے کو دیکھنے والے کے لیے یاد دہانی کرانا واجب ہے؟

جواب جس شخص نے بھول کر کھا لیا یا پی لیا، اس حال میں کہ وہ روزے سے تھا تو بلاشبہ اس کا روزہ صحیح اور درست ہے لیکن جب اسے یاد آ جائے تو کھانے پینے سے رک جانا واجب ہے حتی کہ اگر کھانے کا لقمہ اور پانی کا گھونٹ اس کے منہ میں بھی ہو تو اس کو پھینکنا واجب ہے۔ بھول کر کھانے پینے والے کے روزے کے مکمل ہونے کی دلیل نبی ﷺ کا وہ فرمان ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آپ ﷺ سے ثابت ہے:

((من نسي وھو صائم فأکل أو شرب، فلیتم صومه، فإنما أطعمه اللّٰه وسقاہ)) ❸

''جو نسے روزہ دار نے بھول کر کھایا پیا تو وہ اپنا روزہ مکمل کرے کیونکہ اسے اللہ

❶ صحیح البخاري، رقم الحدیث [1856] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1098]

❷ صحیح البخاري، رقم الحدیث [1822] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1102]

❸ صحیح مسلم، رقم الحدیث [1155]

تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔''

اور اس لیے بھی کہ انسان کا بھول کر ممنوع کام کرنے پر مواخذہ نہیں کیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ [البقرة: 286]

''اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔''

اللہ تعالیٰ بندے کی اس دعا پر فرماتے ہیں:

''میں نے ایسے ہی کیا۔''

رہا بھول کر کھانے پینے والے کو دیکھنے والا، پس بلاشبہ اس پر یاد دھانی کرانا واجب ہے کیونکہ یہ برائی سے روکنے کی قبیل سے ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطيع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه ...الخ »[1]

''تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کو اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے (برا جانے)...الخ۔''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ روزے دار کا روزے کی حالت میں کھانا پینا ''منکر'' ہے لیکن اس کو کھانے پینے کی معافی بھول کی حالت میں ہے کیونکہ بھول پر مواخذہ نہیں ہے، لیکن جس نے اس کو کھاتے پیتے دیکھا تو اس کے پاس اس کو منع کرنے کے ترک پر کوئی عذر نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

روزے کی حالت میں انجکشن لگوانے کا حکم:

سوال کیا رمضان میں دن کے وقت بطورِ علاج انجکشن لگوانا روزے کو متاثر کرتا ہے؟

جواب بطورِ علاج انجکشن کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اس انجکشن کی ہے جس کے ذریعے (جسم میں) غذا پہنچائی جاتی ہے اور وہ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [49]

کھانے پینے سے کفایت کرتا ہے اور وہ اسی لیے ہوتا ہے تو یہ انجکشن روزہ توڑ دیتا ہے کیونکہ نصوصِ شرعیہ جس معنی پر مشتمل ہیں جب وہ معنی مسئلہ کی صورتوں میں سے جس صورت میں بھی پایا جائے گا تو اس صورت پر اس نص کا حکم لگا دیا جائے گا۔

دوسری قسم: اس انجکشن کی ہے جو غذائی نہیں ہوتا، یعنی وہ کھانے پینے سے کفایت نہیں کرتا تو یہ انجکش روزے کو نہیں توڑتا کیونکہ یہ صورت لفظاً اور معناً اس نص کی زد میں آتی ہے، پس یہ انجکشن نہ کھانا پینا ہے اور نہ ہی کھانے پینے کے معنی میں ہے۔ اور اصل روزہ کا صحیح ہونا ہے یہاں تک کہ کوئی شرعی دلیل مل جائے جو اس کو فاسد قرار دے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

روزے کی حالت میں غرارے کرنا:

سوال کیا غرارے کرنے والی دوا استعمال کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب جب تک وہ اس دوائی کو نہ نگلے گا اس وقت تک اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن روزے دار کو اس قسم کی دوائی انتہائی ضرورت کی حالت میں ہی استعمال کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے استعمال کی صورت میں جب تک وہ پیٹ میں داخل نہ ہو، روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا رمضان میں جھوٹی گواہی دینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال کیا رمضان میں جھوٹی گواہی دینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ جھوٹی گواہی یہ ہے کہ انسان اس چیز کی گواہی دے جس کا اسے علم ہی نہیں ہے یا وہ اپنے علم کے خلاف گواہی دے تو اس سے روزہ ٹوٹتا تو نہیں لیکن اس کا اجر وثواب کم ہو جاتا ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کتنے سفر پر روزہ چھوڑنا جائز ہے؟

سوال وہ کتنا سفر ہے جس پر روزہ چھوڑنا جائز ہے؟

جواب وہ سفر جس سے روزہ چھوڑنا اور نماز قصر کرنا جائز ہوتا ہے وہ تقریباً تراسی کلومیٹر

ہے۔ علماء میں سے بعض نے اس مسافت کو محدود نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک ہر مسافت جس کو لوگوں کے عرف میں سفر کہا جاتا ہو وہ سفر ہے اور اس میں نماز قصر کرنا جائز ہوگا۔ رسول ﷺ جب تین فرسخ (22 کلومیٹر) سفر کرتے تو قصر نماز ادا کرتے تھے۔

حرام سفر میں نماز قصر کرنا اور روزہ افطار کرنا جائز نہیں کیونکہ نافرمانی کے سفر کے لیے رخصت لائق نہیں ہے۔ بعض اہل علم عمومی دلائل کی وجہ سے نافرمانی اور اطاعت کے سفر میں کوئی فرق نہیں کرتے ہیں۔ والعلم عند اللہ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جس شہر میں ساڑھے نو دس بجے سورج غروب ہوتا ہے وہاں افطاری کا حکم:

سوال ہم ایک ایسے شہر میں رہتے ہیں جہاں پر شام ساڑھے نو یا دس بجے سورج غروب ہوتا ہے، ہم کس وقت روزہ افطار کریں؟

جواب تم اس وقت روزہ افطار کرو گے جب سورج غروب ہوگا، جب تک تمھارے ہاں دن اور رات چوبیس گھنٹے کے ہوں تو تم پر غروبِ آفتاب کے وقت ہی روزہ افطار کرنا واجب ہوگا، چاہے دن کتنا ہی لمبا کیوں نہ ہو جائے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بے نماز روزے دار کے روزے کا حکم:

سوال مسلمانوں کے بعض علماء اس شخص پر عیب لگاتے ہیں جو روزہ تو رکھتا ہے مگر نماز نہیں پڑھتا، کیا نماز روزے میں داخل ہے؟ میں روزہ رکھتا ہوں اور میرا ارادہ یہ ہے کہ میں ''باب الریان'' (جنت کا وہ دروازہ جس سے روزے دار جنت میں داخل ہوں گے) سے داخل ہونے والوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤں، جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ ایک رمضان دوسرے رمضان تک کے درمیانی گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، میں اس کی وضاحت چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔

جواب وہ لوگ آپ پر یہ عیب لگاتے ہیں کہ آپ روزہ رکھتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے، انھوں نے جو آپ پر عیب لگایا ہے وہ یہ عیب لگانے میں درست ہیں یہ اس لیے کہ بلاشبہ نماز اسلام کا ستون ہے اور اسلام نماز کے ساتھ ہی قائم ہوتا ہے، نماز کا تارک

کافر اور ملتِ اسلام سے خارج ہے اور اللہ تعالیٰ کافر آدمی کا روزہ، صدقہ، حج اور دیگر نیک اعمال قبول نہیں فرماتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ [التوبۃ: 54]

''اور انھیں کوئی چیز اس سے مانع نہیں ہوئی کہ ان کی خرچ کی ہوئی چیزیں قبول کی جائیں مگر یہ بات کہ بے شک انھوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نماز کو نہیں آتے مگر اس طرح کہ سست ہوتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ ناخوش ہوتے ہیں۔''

اس بنا پر اگر آپ روزہ رکھتے ہیں اور نماز ادا نہیں کرتے تو ہم آپ سے کہیں گے: بلاشبہ آپ کا روزہ باطل ہے، صحیح نہیں ہے، نہ اللہ کے ہاں تجھے کوئی فائدہ دے گا اور نہ ہی تجھے اللہ کے قریب کرے گا۔ اور جہاں تک آپ کے اس وہم کا تعلق ہے کہ ایک رمضان دوسرے رمضان تک کے درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے تو ہم آپ کو کہیں گے: آپ اس سلسلہ میں وارد ہونے والی حدیث کو نہیں پہچانتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

« الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة و رمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن ما اجتنب الكبائر »[1]

''پانچ نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک کے درمیانے گناہوں کا کفارہ ہیں جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔''

نبی ﷺ نے رمضان سے رمضان تک کے کفارے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے لیکن تم جو روزہ رکھتے ہو اور نماز نہیں پڑھتے تُو نے کبیرہ گناہوں سے پرہیز نہیں کیا ہے۔ ذرا سوچو تو سہی ترکِ نماز سے بڑا گناہ کونسا ہے!

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [233]

بلکہ یقیناً ترکِ نماز کفر ہے تو کیسے ممکن ہے کہ آپ کا روزہ آپ کے گناہوں کا کفارہ بنے! پس ترکِ نماز کفر ہے اور آپ کا روزہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

لہٰذا اے میرے بھائی! آپ پر لازم ہے کہ آپ اللہ کی جناب میں توبہ کریں اور اللہ نے جو آپ پر نماز فرض کی ہے اس کو ادا کریں اور پھر روزہ رکھیں کیونکہ جب نبی ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

« ليكن أول ما تدعوهم إليه: شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله، فإن هم أجابوك لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات لكل يوم وليلة... إلخ»[1]

''سب سے پہلے تو جس چیز کی طرف ان کو دعوت دے وہ یہ ہے: گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پس اگر وہ تیری یہ دعوت قبول کر لیں تو ان کو بتانا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں...الخ۔''

تو آپ ﷺ نے شہادتین کے بعد عمل کی دعوت کا آغاز نماز اور زکوۃ سے کیا۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

طلوعِ فجر سے پہلے پاک ہونے والی اور نمازِ فجر کے بعد غسل کرنے والی عورت کے روزے کا حکم:

سوال جب حائضہ عورت پاک ہوکر نمازِ فجر کے بعد غسل کرے، نماز پڑھے اور اس دن کا روزہ مکمل کرے تو کیا اس پر اس دن کے روزے کی قضا کرنا واجب ہوگی؟

جواب جب حائضہ طلوعِ فجر سے پہلے پاک ہوجائے، چاہے ایک منٹ پہلے ہی سہی مگر اسے اپنی طہارت کا یقین ہو تو اگر ایسا رمضان میں ہوا ہے تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہوگا، اس کا اس دن کا روزہ صحیح ہوگا اور اس پر اس دن کی قضا کرنا لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس نے پاکی کی حالت میں روزہ رکھا ہے، اور غسل اگرچہ اس نے طلوعِ فجر

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1331] صحيح مسلم، رقم الحديث [19]

کے بعد کیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جس طرح آدمی جماع یا احتلام سے جنبی ہو اور سحری کھا کر طلوعِ فجر کے بعد غسل کرے تو اس کا یہ روزہ صحیح ہوگا۔

اس مناسبت سے میں ایک اور امر سے خبردار کرنا پسند کرتا ہوں وہ یہ کہ جب عورتوں کو حیض آتا ہے اور انھوں نے اس دن کا روزہ رکھا ہوتا ہے، پس بعض عورتیں یہ گمان کرتی ہیں کہ جب ان کو افطاری کے بعد عشا کی نماز پڑھنے سے پہلے حیض آئے تو اس دن کا روزہ فاسد ہوجاتا ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ جب غروبِ آفتاب کے بعد حیض آئے، چاہے ایک لحظہ بعد ہی سہی تو اس کا روزہ مکمل اور صحیح ہوگا۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ایک عورت جس نے ہر سال ماہِ رجب کے روزے رکھنے کی نذر مانی، پھر کبر سنی کی وجہ سے عاجز آ گئی:

سوال ایک عورت نے ہر سال ماہِ رجب کے روزے رکھنے کی نذر مانی، پھر وہ عمر رسیدہ ہوگئی اور روزے رکھنے سے عاجز آ گئی تو اب وہ کیا کرے؟

جواب اولاً: میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ نذر سے دور رہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا:

«إنه لا يأتي بخير، وإنما يستخرج به من البخيل»[1]

"نذر کوئی بھلائی نہیں لاتی، اس کے ذریعہ صرف بخیل آدمی سے مال نکالا جاتا ہے۔"

اور بلاشبہ اللہ عزوجل نے قرآن میں اس کی ممانعت کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: 38]

"اور انھوں نے اپنی پکی قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی قسم کھائی کہ اللہ اسے نہیں اٹھائے گا جو مر جائے، کیوں نہیں! وعدہ ہے اس کے ذمے سچا اور لیکن اکثر

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6234] صحيح مسلم، رقم الحديث [1639]

لوگ نہیں جانتے۔"

جب صورتِ حال یہ ہے تو نذر مت مان، پس اگر تو نذر مان لے تو اگر وہ اطاعت کرنے کی نذر ہو تو تجھ پر اس کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

《من نذر أن يطيع الله فليطعه》[1]

"جس نے اللہ کی اطاعت کرنے کی نذر مانی تو وہ اس کی اطاعت کرے۔"

خواہ یہ نذر حصولِ نعمت کے ساتھ اور تکلیف کے دور ہونے سے مشروط ہو یا مطلق نذر ہو۔

انتباہ:

اطاعت کی نذر کبھی تو حصولِ نعمت یا دفعِ ضرر کے ساتھ مشروط ہوتی ہے اور کبھی بغیر شرط کے مطلق ہوتی ہے۔

یہ تین حالات ہیں جب کوئی کہنے والا کہے: اللہ کے لیے مجھ پر نذر کہ میں کل روزہ رکھوں گا، یہ اطاعت کی نذر ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں: اطاعت والی نذر ہے۔ مطلق ہے یا مقید؟ ہم کہتے ہیں: مطلق ہے، یعنی اس کا کوئی سبب نہیں ہے۔ لیکن جب اس نے کہا: اگر میں امتحان میں کامیاب ہو گیا تو اللہ کے لیے مجھ پر نذر ہے کہ میں تین دن روزے رکھوں گا۔ یہ مصلحت و فائدے کے حصول کے ساتھ مقید ہے۔ اور جب نذر ماننے والے نے کہا: اگر اللہ میرے بیمار کو شفا دے گا تو اللہ کے لیے میرے ذمہ نذر ہے کہ میں مہینہ بھر روزے رکھوں گا، یہ اطاعت والی نذر ہے جو دفعِ ضرر کے ساتھ، جو کہ مرض ہے، مقید ہے۔

اس بنا پر اطاعت والی نذر کو پورا کرنا واجب ہے لیکن ماہِ رجب کے روزوں کی نذر ماننا، ہم اس نذر ماننے والی سے سوال کرتے ہیں کہ اس نے ماہِ رجب کے روزوں کو کیوں خاص کیا ہے؟ عبادت کے لیے؟ ہم اس کو کہیں گے: یہ مکروہ نذر ہے اور اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ رجب کو روزوں کے ساتھ خاص کرنا مکروہ ہے، یعنی آدمی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ سارے سال میں سے رجب کو خاص کرے۔

ایک سوال: اگر کوئی کہنے والا کہے: اللہ کے لیے مجھ پر یہ نذر واجب ہے کہ میں یہ لباس

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6318]

پہنوں گا، کیا اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی نذر پوری کرے یا واجب نہیں ہے؟

جواب: اس پر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ مباح نذر کا حکم قسم والا حکم ہے، پس اب اگر وہ چاہے تو لباس پہن لے، چاہے تو نہ پہنے اور اس پر قسم کا کفارہ دینا واجب ہوگا جو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو لباس پہنانا یا ایک گردن کا آزاد کرنا ہے، اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو لگاتار تین دن کے روزے رکھے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کتاب الحج
آٹھواں باب

حج کی شرائط

عورت کا محرم رشتہ دار کے بغیر بااعتماد یا قریبی رشتہ دار خواتین کے ساتھ حج کرنے کا حکم:

سوال کیا مسلمان عورت کے لیے بااعتماد عورتوں کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرنا درست ہے؟ جبکہ اس کے گھر والوں میں سے کسی کا اس کے ساتھ جانا ممکن نہ ہو، یا اس کا باپ وفات پا چکا ہو تو کیا وہ فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے اپنی ماں، خالہ اور پھوپھی کے ساتھ جا سکتی ہے؟ یا اس شخص کے ساتھ جس کا وہ انتخاب کرے جو محرم بن کر اس کو حج کروائے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ عورت کے لیے اپنے خاوند یا مردوں میں سے محرم رشتہ دار کے علاوہ کسی کے ساتھ سفرِ حج کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے لیے بااعتماد عورتوں اور غیر محرم بااعتماد مردوں یا اپنی پھوپھی یا خالہ اور ماں کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے خاوند یا مردوں میں سے محرم کے ساتھ سفر کرے، پس اگر اس کو خاوند یا محرم رشتہ دار میں سے کوئی ساتھ جانے والا میسر نہیں تو اس پر، جب تک وہ اس حالت میں ہے، شرعی استطاعت کی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حج کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾

[آل عمران: 97]

''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے۔''

عورت کا خاوند کی وفات والی عدت میں حج کرنے کا حکم:

سوال ایک عورت نے اپنے خاوند کے ساتھ حج کرنے کا عزم کیا لیکن اس کا خاوند شعبان کے مہینے میں فوت ہو گیا، کیا اس کے لیے حج کرنا جائز ہے؟

جواب ائمہ اربعہ کے مذہب میں عورت کے لیے خاوند کی وفات والی عدت میں سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

جس عورت کا محرم دورانِ حج فوت ہوگیا؟

سوال اس عورت کے متعلق کیا حکم ہے جس کا محرم دورانِ حج فوت ہو جائے؟

جواب جب کسی جگہ دوسرے محرم کے ملنے کا احتمال ہو تو اس کو بلا لیا جائے نہیں تو عورت محرم کے بغیر ہی سفر کر لے، مگر وہ ایسی جگہ سفر کر کے نہ جائے جہاں اس کی جان و عزت کو خطرہ لاحق ہو۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

عورت کا خاوند کی موجودگی اور اس کے حج سے منع کرنے کے باوجود اپنے داماد کے ساتھ حج کرنے کا حکم:

سوال میں ایک شادی شدہ عورت ہوں اور حج کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ میں اپنے خاوند کے ساتھ چالیس سال تک اسی طرح زندگی گزارتی رہی کہ جب میں اس کو حج پر جانے کا کہتی ہوں تو وہ مان جاتا ہے لیکن جب حج یا عمرے کا موسم آتا ہے تو وہ مجھے جانے سے منع کر دیتا ہے کیونکہ اس کے پاس گائیں اور بکریاں ہیں اور وہ انھی کے ساتھ مشغول رہتا ہے، خود اس نے پانچ سے زیادہ حج کیے ہیں۔ میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں تو کیا میں اپنے داماد کے ساتھ حج پر جا سکتی ہوں؟ اس لیے کہ میں نے اپنے خاوند سے مطالبہ کیا کہ میں اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ چلی جاتی ہوں مگر اس نے انکار کیا ہے۔

جواب جب تیرے خاوند کے وہی حالات ہیں جو تو نے بیان کیے ہیں اور تو نے فرض حج اور عمرہ بھی ادا نہیں کیا ہے تو تجھ پر واجب ہے کہ تو ان محرم رشتہ داروں کے ساتھ سفرِ حج کرے جن کا تو نے ذکر کیا ہے اگرچہ تیرا خاوند اس کی اجازت نہ دے کیونکہ تیرا حج کی ادائیگی کی قدرت ہوتے ہوئے اس کو ترک کرنا حرام ہے، اور اللہ خالق کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر فرض حج کے لیے جانے کا حکم:

سوال بیوی کا اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر فرض حج کی ادائیگی کے لیے جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب جب استطاعتِ حج کی شرطیں پوری ہوں تو فرض حج کرنا واجب ہو جاتا ہے اور خاوند کی اجازت استطاعت کی شرطوں میں شامل نہیں ہے، اور نہ ہی خاوند کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو فرض حج کرنے سے منع کرے بلکہ اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں اپنی بیوی سے مکمل تعاون کرے۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

حج میں عورت کے محرم کا خرچہ اس کے ذمے ہے:

سوال فقہاء نے بیان کیا ہے کہ بلاشبہ حج میں عورت کے محرم کا خرچہ عورت کے ذمے ہے تو فقہاء کی اس سے کیا مراد ہے؟

جواب فقہاء کی اس خرچے سے مراد وہی ہے جو انھوں نے صراحت کی ہے کہ عورت کے ذمہ اپنے اور اپنے محرم کا زادِ راہ اور سواری ہے۔ زادِ راہ نام ہے ہر اس چیز کا جس کی دورانِ سفر ضرورت ہوتی ہے، لیکن دوسری ضروریات، جو اس سفر کے متعلقہ نہ ہوں، وہ ''زاد'' کے مفہوم میں داخل نہیں ہیں۔ (السعدی)

عورت کے محرم کے بغیر کیے ہوئے حج کا حکم:

سوال کیا عورت کا محرم کے بغیر کیا ہوا حج باطل ہو جاتا ہے؟

جواب حج تو باطل نہیں ہوگا، البتہ وہ صرف گنہگار ہوگی۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

عورت کا ایک اجنبی مرد اور دو عورتوں کے ساتھ سفرِ حج پر روانہ ہونے کا حکم:

سوال ایک مسکین عورت نے اجنبی لوگوں کے ساتھ حج کیا جبکہ اس نے اپنے قریبی رشتہ داروں سے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ حج پر جائیں مگر انھوں نے انکار کر دیا تو اس نے پھر ایک مرد اور دو عورتوں، جن میں تیسری یہ شامل ہوگئی، کے ساتھ حج کیا، کیا اس عورت کا حج درست ہوگا یا نہیں؟

جواب اس کا حج صحیح ہے، البتہ محرم کے بغیر سفر کرنے کی وجہ سے نافرمان شمار ہوگی ان دلائل کی وجہ سے جو اس کے نافرمان ہونے پر دلالت کرتے ہیں، لہٰذا اس کو اس فعل پر اللہ عزوجل سے معافی مانگنا چاہیے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

عورت کا محرم کے بغیر حج کرنے کا حکم:

سوال ایک عورت کہتی ہے: میری ماں مغرب میں ہے جبکہ میں سعودی عرب میں کام کرتی ہوں۔ میں ارادہ رکھتی ہوں کہ اس کو یہاں بلواؤں تاکہ ہم فریضۂ حج ادا کریں جبکہ میری ماں کے ساتھ محرم نہیں ہے کیونکہ میرا باپ فوت ہو چکا ہے اور میرے بھائی اس کے ساتھ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے جانے کی قدرت نہیں رکھتے، کیا میری ماں کے لیے جائز ہے کہ وہ اکیلی آ کر حج ادا کرے؟

جواب اس کو حج کے لیے اکیلی آنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا بیان ہے:

« لا تسافر المرأة إلا مع ذی محرم »[1]

''کوئی عورت اپنے محرم رشتہ دار کے بغیر سفر نہ کرے۔''

نبی ﷺ نے یہ اس وقت ارشاد فرمایا جب آپ ﷺ مجمع عام میں لوگوں سے خطاب کر رہے تھے، ایک صحابی نے کھڑے ہو کر کہا: میری بیوی حج کرنے کے لیے روانہ ہوئی ہے جبکہ میرا نام فلاں فلاں غزوے میں شرکت کرنے والوں میں لکھ دیا گیا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

« انطلق، فحج مع امرأتك »[2] ''جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج ادا کرو۔''

اور جب عورت کے ساتھ محرم رشتہ دار نہ ہو تو اس پر حج واجب نہیں ہوتا، یا تو اس سے مکہ نہ پہنچنے کی قدرت کی وجہ سے فریضۂ حج ساقط ہو جاتا ہے، اور قدرت کا نہ ہونا ایک شرعی عذر ہے، یا یہ کہ اس پر ادائیگی واجب نہیں ہے اس معنی میں کہ اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے وہ حج کرے گا جس کو وہ اپنے بعد چھوڑ جائے گی۔ بہر حال میں سائلہ

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1763] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1341]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [4935]

سے کہتا ہوں کہ جب عورت محرم رشتہ دار کے نہ ہونے کی وجہ سے بغیر حج کیے فوت ہو جائے تو وہ گنہگار نہیں ہے اور نہ ہی اس کو اس کا کوئی نقصان ہوگا کیونکہ وہ شرعی طور پر معذور ہے اور حج کرنے کی طاقت نہیں رکھتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾

[آل عمران: 97]

''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس کے گھر کا حج (فرض) ہے جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے۔'' (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا عورت کا بغیر محرم کے حج کرنا درست ہے؟ کیا سمجھ دار بچہ اس کا محرم بن سکتا ہے؟

سوال جب عورت بغیر محرم کے حج کرے تو کیا اس کا حج درست ہوگا؟ اور کیا سمجھ دار بچہ اس کا محرم بن سکتا ہے؟

جواب جہاں تک اس کے حج کا تعلق ہے وہ تو صحیح ہو گا لیکن اس کا بغیر محرم کے سفر کرنا رسول علیہ السلام کی نافرمانی ہوگا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا تسافر المرأة الّا مع ذی محرم»[1]

''کوئی عورت محرم رشتے دار کے بغیر سفر نہ کرے۔''

اور وہ چھوٹا بچہ، جو ابھی بالغ نہیں ہوا، وہ محرم نہیں بن سکتا محرم کی شرطیں درج ذیل ہیں: مذکر، بالغ اور عاقل ہو، جب ان صفات کا حامل نہیں ہوگا تو وہ محرم نہیں ہوگا۔

بیوی کا اپنے خاوند کے مال سے حج کرنا جبکہ وہ پہلے فرض حج ادا کر چکی ہو:

سوال کیا میری بیوی کا میرے خالص مال سے حج کرنا جائز ہے جبکہ وہ اپنا فریضۂ حج پہلے ادا کر چکی ہو یا کہ یہ جائز نہیں ہے؟

جواب ہاں، یہ جائز ہے جبکہ اس نے اپنا فرض حج ادا کر لیا ہو، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے ساتھ یہ احسان کرنے کا اچھا بدلہ عطا کرے گا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1763] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1341]

مواقیت

میقات سے پہلے عمرے کا احرام باندھنے کا حکم:

سوال کیا مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ میقات آنے سے پہلے ہی عمرے کا احرام باندھ لے؟

جواب یہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انھوں نے فتویٰ دیا تھا کہ ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت پر زیادتی ہے۔ (الألبانی رحمہ اللہ)

حج کا احرام باندھے بغیر میقات سے گزر جانے کا حکم:

سوال ہم یمن کے رہنے والے ہیں۔ ہم نے حج کا قصد وارادہ کیا اور ہم حج سے دس دن قبل طائف پہنچ گئے، پھر ہم نے مدینہ کا قصد کیا اور ہم بغیر احرام باندھے میقات سے گزر گئے تو کیا ہمارے اس عمل کی وجہ سے ہمارے ذمہ کوئی چیز ہے؟

جواب یہ لوگ جو بغیر احرام باندھے میقات سے گزر گئے یا تو انھوں نے عمرے کا قصد کیا تھا اور احرام باندھا، یعنی احرام کا لباس پہنا اور عمرے کا تلبیہ کہا اس وقت میں جب وہ میقات سے گزر چکے تھے تو یہ لوگ گناہ گار ہوں گے۔

لیکن کیا اس پر ''دم'' (بکری وغیرہ کی قربانی) ہے؟ تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے، پس اکثر علماء اس شخص پر ''دم'' واجب کرتے ہیں جو بغیر کسی عذرِ شرعی کے عمداً میقات سے گزر گیا، لیکن میں ذاتی طور پر حج یا عمرے کا احرام باندھنے والے پر ہر غلطی کے ارتکاب کرنے پر خون کو واجب کرنے پر مطمئن نہیں ہوں اگر چہ یہ گناہ کتنا ہی بڑا ہو جب تک کوئی نصِ شرعی نہ ہو جو خون کو واجب کرنے والی ہو۔

جبکہ لوگ اس میں وسعت پیدا کرتے ہیں۔ بلاشبہ جس نے بھی عمداً یا بھول کر یا ناواقفیت کی وجہ سے صحیح چیز کی مخالفت کی، اس پر خون واجب ہے، اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو دلیل بناتے ہیں جو فی الحقیقت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے لیکن ہم صحیح بخاری میں ایک ایسا قصہ پاتے ہیں جو اس کے منافی ہے۔ وہ قصہ اس اعرابی کا ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے عمرے کا تلبیہ پکارتے ہوئے سنا اس حال میں کہ اس اعرابی نے ایک جبہ

زیبِ تن کیا ہوا تھا جس سے خلوق کی خوشبو مہک رہی تھی تو نبی ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ جبہ اتار دے اور خلوق خوشبو کو دھو دے اور اپنے عمرے میں وہی کچھ کرے جو وہ حج میں کرتا ہے، آپ ﷺ نے اس کو کفارہ کا حکم نہیں دیا۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں جب کوئی شخص عمرے کی نیت کیے ہوئے بغیر احرام باندھے میقات سے گزر جائے تو اس پر بلاشبہ گناہ تو ہوگا اور اس پر بعض علماء کے نزدیک ''دم'' بھی ہوگا لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ اس پر دم لازم ہے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

عمرے کے لیے جانے والی حائضہ عورت بغیر احرام باندھے میقات سے گزر جائے اور مکہ سے احرام باندھے:

سوال میں عمرے کے لیے جا رہی تھی، میں حیض کی حالت میں میقات سے گزر گئی اور احرام نہ باندھا، پھر میں پاک ہونے تک مکہ میں جا کر ٹھہری رہی، پاک ہونے کے بعد میں نے مکہ سے احرام باندھا، کیا یہ جائز ہے یا مجھ پر کیا واجب ہے؟

جواب مذکورہ عمل جائز نہیں ہے۔ وہ عورت جو عمرے کا ارادہ رکھتی ہے اس کے لیے احرام باندھے بغیر میقات سے گزرنا جائز نہیں ہے حتی کہ وہ اگر حائضہ ہے تو وہ حالتِ حیض میں ہی احرام باندھے گی۔ اس کا احرام صحیح اور درست ہوگا، دلیل اس کی یہ ہے کہ بلاشبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے اس وقت بچے کو جنم دیا جب نبی ﷺ حج کے ارادے سے احرام باندھنے کے لیے ذوالحلیفہ (میقاتِ اہلِ مدینہ) میں ٹھہرے ہوئے تھے تو اسماء رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کے پاس پوچھنے کے لیے کسی کو بھیجا کہ میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اغتسلي واستثفري بثوب وأحرمي))[1]

''غسل کر اور ایک کپڑے کا لنگوٹ باندھ لے اور پھر احرام پہن لے۔''

اور حیض کا خون (حکم میں) نفاس کے خون کی طرح ہے، پس ہم اس حائضہ کو کہیں گے، جو حج یا عمرے کا ارادہ رکھتی ہے اور میقات سے بغیر احرام باندھے گزر جاتی

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1218]

ہے: غسل کر اور ایک کپڑے کا لنگوٹ باندھ کر احرام پہن لے۔

لنگوٹ کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ پر ایک کپڑا رکھ کر اس کو باندھ لے گی، پھر وہ چاہے حج کے لیے یا عمرے کے لیے احرام باندھ لے گی لیکن جب وہ احرام باندھ کر مکہ میں پہنچے گی تو وہ پاک ہونے تک نہ بیت اللہ میں جائے گی اور نہ ہی اس کا طواف کرے گی کیونکہ نبی ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو، جب وہ عمرے کے دوران حائضہ ہوگئی تھیں، فرمایا:

«افعلي ما يفعل الحاج غير ألا تطوفي بالبيت حتى تطهري»[1]

''وہ سب کچھ کر جو ایک حاجی کرتا ہے، البتہ پاک ہونے سے پہلے بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔'' (یہ روایت بخاری و مسلم کی ہے۔)

صحیح بخاری میں یہ روایت بھی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب وہ پاک ہوئیں تو انھوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت جب حیض کی حالت میں حج یا عمرے کا احرام باندھے یا اس کو طواف سے پہلے حیض آ جائے تو وہ پاک ہو کر غسل کرنے سے پہلے نہ طواف کرے گی اور نہ ہی سعی کرے گی، لیکن اگر اس نے پاکی کی حالت میں طواف کیا اور طواف مکمل کرنے کے بعد اس کو حیض آ گیا تو وہ حیض کی حالت میں ہی یہ عمرہ جاری رکھتے ہوئے سعی کرے گی اور اپنے کچھ بال کاٹے گی، یوں اس کا عمرہ مکمل ہو جائے گا کیونکہ صفا و مروہ کی سعی کے لیے طہارت شرط نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حج کی اقسام

کون سا حج افضل ہے؟

سوال بعض لوگ کہتے ہیں: حج اِفراد حج تمتع سے افضل ہے کیونکہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے مفرد حج کیا، پس اگر حج تمتع افضل ہوتا تو ان کو بھی معلوم ہوتا تو ہم ان لوگوں کو کیا جواب دیں؟

جواب حج اِفراد جس کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ اس کا بعض حالات میں فضیلت والا ہونا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5239] صحيح مسلم [1211] سنن أبي داود [1786]

ممکن ہے لیکن ہمارا اِس کو اپنا طریقہ بنانا اور اس کو حج قِران اور تمتع سے افضل قرار دینا تو اس کی مطلق طور پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور فی الحقیقت یہ لوگ اپنے مذہب کی تائید میں جھگڑا کرتے ہیں نہ کہ سنت کی مدد کے لیے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے حج قِران کیا اور لوگوں کے سامنے عام بیان کر دیا کہ ان کے قِران سے تمتع افضل ہے۔ آپ ﷺ کے اس قول کی دلیل کے ساتھ:

«لو استقبلت من أمري ما استدبرت لما سقت الهدي، ولجعلتها عمرة»[1]

''اگر مجھے اپنے اس امر (تمتع کے قِران سے افضل ہونے) کا پہلے علم ہوتا جس کا مجھے بعد میں علم ہوا تو میں اپنے ساتھ قربانی نہ لے کر آتا اور میں اس کو عمرہ بناتا۔''

پس جب صحیح سند سے ثابت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج مفرد کیا، کیا وجہ ہے کہ انھوں نے اس بات کو نذر انداز کر دیا جس پر آپ ﷺ نے ابھارا اور صحابہ کرام کو اس کا حکم دیا؟ نیز وہ آپ ﷺ کے اس فرمان کو بھی بھولتے ہیں:

« دخلت العمرة في الحج إلى يوم القيامة وشبك صلى الله عليه وسلم بين أصابعه»[2]

''آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر فرمایا کہ قیامت تک کے لیے عمرہ حج میں داخل ہوگیا ہے۔''

اور ہم یہ نہیں کہتے کہ حج مفرد باطل ہے لیکن ہم قطعی طور پر اس کو غیر مشروع قرار دیتے ہیں اور اسی لیے ہم ہر حاجی کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ حج تمتع کرے، پس اگر وہ کسی دوسری قسم کا حج کرنا چاہتا ہے تو حج قِران وہ ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے کیا ہے، آپ ﷺ ذوالحلیفہ مقام سے اپنے ساتھ قربانی لائے تھے، اور قربانی لائے بغیر قِران کرنا تو یہ وہ چیز ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے کئی نصوص کے ذریعہ منع فرمایا ہے، ان میں سے واضح نص یہ ہے:

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [6802]
2. صحيح مسلم، رقم الحديث [1218]

« دخلت العمرة في الحج إلى يوم القيامة وشبك صلى الله عليه وسلم بين أصابعه »[1]

''آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر فرمایا کہ قیامت تک کے لیے عمرہ حج میں داخل ہوگیا ہے۔''

اس لیے کہ یہ عام حکم ہے، اور وہ بات درست نہیں ہے جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ تمتع اصحابِ رسول ﷺ کا خاصہ تھا، اس لیے کہ سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کر کے حلال ہونے کا حکم دیا اور وہ مروہ پر تھے، آپ ﷺ نے ان کو کہا:

« لولا أني سقت الهدي لحللت معكم »[2]

''اگر میں اپنے ساتھ قربانی نہ لایا ہوتا تو میں بھی تمھارے ساتھ عمرہ کر کے حلال ہوجاتا۔''

تو سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے یہ کہتے ہوئے سوال کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہمارا یہ حج تمتع اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« بل لأبد الأبد، دخلت العمرة في الحج يوم القيامة »[3]

''بلکہ یہ ابد الاباد کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے عمرہ حج میں داخل ہوگیا ہے۔'' (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

عمرہ درمیان میں چھوڑ کر حج کرنے کا حکم:

سوال گزشتہ سالوں میں سے ایک سال ہم حج کے لیے گئے اور ہمارے ساتھ ایک ایسی عمر رسیدہ خاتون تھی جو کبھی بیماریوں سے شفایاب نہیں ہوتی تھی، اس کے ساتھ اس کی بیٹی ہوتی تھی۔ ہم نے حج تک فائدہ اٹھانے کے لیے عمرے کا احرام باندھا، اور جب ہم حرم میں آئے تو اس عورت کے لیے اللہ نے یہ مقدر کر دیا کہ وہ بیماری اور رش کی وجہ سے طواف مکمل نہ کرسکی اور پھر ہمیں منیٰ لے جایا گیا، پھر وہاں سے

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [1218]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1493] المعجم الكبير [124/7]

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث [1218]

عرفات اور اس طرح اس نے حج کے تمام مناسک پورے کر لیے، جیسے وقوفِ عرفہ اور مزدلفہ میں رات گزارنا اور طوافِ وداع کرنا یہ جانتے ہوئے کہ اس کی بیٹی نے اس کی طرح عمل کیا ہے تو کیا اس کا حج صحیح ہے اور اس پر کیا لازم ہے؟

جواب مذکورہ عورت سے جو یہ عمل ہوا ہے اس سے اُس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوا ہے کہ اس نے حج کو عمرے پر داخل کر دیا اور وہ حج قِران کرنے والی بن گئی، اس کے ذمہ ایک طواف اور ایک سعی ہے اور اس کا یہ طواف اور سعی اس کے حج اور عمرے کی طرف سے کفایت کر جائیں گے۔ اور اس کی بیٹی نے وہی کچھ کیا جو اس کی والدہ نے کیا تو اس کا حکم بھی اپنی والدہ کی طرح ہی ہے۔ رہا طوافِ وداع تو اس کا کرنا ضروری ہے اگرچہ گردنوں پر سوار ہو کر ہی کیا جائے اس طواف میں سعی نہیں ہے، اور ان ماں بیٹی نے چونکہ طوافِ وداع نہیں کیا لہٰذا اُن کے ذمہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک فدیہ کے طور پر مکہ میں جانور ذبح کرے اور فقراء میں تقسیم کر دے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حج وعمرہ کا طریقہ

طواف کے آغاز میں حجرِ اَسود کو بوسہ دینے کا حکم:

سوال میں جناب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ طواف کے آغاز میں حجرِ اَسود کو بوسہ دینے کا کیا حکم ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ اس پر رش نہ کیا جائے اور وہ عورتوں کے حق میں غیر مشروع ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے رمل (پہلوانوں کی طرح ٹہل ٹہل کر چلنا) بھی مشروع نہیں ہے اور ان کے لیے بیت اللہ سے دور رہنا مشروع ہے نہ کہ قریب رہنا، یہ اس لیے کہ وہ پردہ ہیں۔ اور حجرِ اَسود کا بوسہ لینے کے مقام پر مردوں کا بہت رش ہوتا ہے، پس عورت کا سترِ عورت لازم اور مطلوب ہے اور یہ بوسہ لینا وغیرہ چیزیں بس مندوب ہی ہیں۔ (محمد بن ابراہیم)

عورت کے مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال عورت کے مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب جب وہاں پر رش ہو تو حجر اسود کے بوسے کی طرح اس کو بھی ترک کر دینا چاہیے اور عورت پردہ ہے، لہٰذا وہ اس سے اجتناب کرے۔ قاضی ابن رشد نے ذکر کیا ہے کہ یہ بالاجماع عورت کے حق میں مندوب نہیں ہے، اور مجھے اجماع کا تو معلوم نہیں، البتہ اصحاب کا کلام یہ ہے کہ بلاشبہ عورت مردوں کے ساتھ رش نہیں کرے گی۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عورت حجر اسود کا بوسہ لے کر استلام کر سکتی ہے جب صرف عورتیں طواف کر رہی ہوں یا جب رش نہ ہو، لیکن ابن رشد کا یہ قول تقریباً جمہور کا ہی قول ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

طوافِ قدوم کے پہلے تین چکروں میں عورتوں اور مردوں کے حق میں رمل کا حکم:

سوال کیا طوافِ قدوم کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا مردوں کے ساتھ خاص ہے یا عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے عام ہے؟

جواب رمل مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ عورتوں کے حق میں رمل اور تیز دوڑنا مسنون نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورتوں کے لیے صفا ومروہ میں دو سرخ نشانوں کے درمیان دوڑنے کا حکم:

سوال کیا عورتیں یا وہ جس کے ساتھ عورتیں ہیں، سعی کرتے ہوئے سبز نشانوں کے درمیان تیز چلیں گی؟

جواب عورتیں دو نشانوں کے درمیان نہیں دوڑیں گی، اور ایسے ہی وہ شخص جس کے ساتھ عورت ہے وہ بھی عورت کی رعایت رکھتے ہوئے اور اس کی حفاظت کی غرض سے تیز نہیں دوڑے گا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

وہ عورت جس نے عمرہ کیا مگر مدینہ نہ جا سکی، اس کے عمرے کا حکم:

سوال میں عمرے کی نیت سے مکہ گئی لیکن مکہ میں ایک دن قیام کے بعد میں بیمار پڑ گئی اور

میں عمرے کے ارکان پورے نہ کرسکی۔ بلاشبہ ہم نے کعبہ کے گرد سات چکر لگا لیے اور صفا اور مروہ کی سعی بھی کر لی لیکن اس بیماری کی وجہ سے ہم نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ نہ جا سکے اور اسی طرح میں اپنے شہر واپس آ گئی، درآں حالیکہ میں مدینہ جائے بغیر واپس آنے پر غمگین اور پریشان ہوں۔ کیا ہمارا یہ عمرہ معتبر متصور ہوگا؟

جواب عمرہ کرنے والی اس عورت نے طواف اور سعی کی ہے اور ابھی اس پر بال چھوٹے کروانا باقی ہیں، جب وہ تین کام، یعنی طواف، سعی اور بال چھوٹے کروائے گی تو اس کا عمرہ مکمل ہوجائے گا۔ رہا مدینہ کی زیارت والا معاملہ تو یہ عمرے کو مکمل کرنے والی چیزوں میں سے نہیں ہے اور نہ ہی عمرے کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہے۔ مسجدِ نبوی کی زیارت کرنا ایک مستقل سنت ہے جس کو انسان، جب اسے میسر آئے، ادا کرسکتا ہے تو مذکورہ عورت کے سوال کے مطابق اس کے عمرے میں سے صرف بال کٹوانے والا عمل باقی ہے کیونکہ اس نے بال نہیں کٹوائے۔ اور بال کٹوانے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اگر اب بھی وہ بال کٹوا لیتی ہے تو اس کا عمرہ مکمل ہوجائے گا اور اگر اس نے عمرے کے بعد فوراً واپسی کا سفر نہیں کیا تو اس کے ذمہ طوافِ وداع کرنا بھی باقی ہے، لیکن اگر اس نے سعی اور کٹوانے کے فوراً بعد واپسی کا سفر کیا تو اس کے ذمہ طوافِ وداع نہیں ہے کیونکہ صحیح قول یہ ہے کہ عمرے میں طوافِ وداع واجب ہے، دلیل اس کی آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ عمومی قول ہے:

« لا ينفر أحد حتى يكون آخر عهده بالبيت »[1]

''تم میں سے کوئی شخص آخری وقت بیت اللہ کے پاس گزارے (طوافِ وداع کیے) بغیر واپس نہ جائے۔''

اور اس لیے بھی کہ عمرہ حج کی طرح ہے، سوائے ان چیزوں کے جن میں دونوں کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

« اصنع في عمرتك ما أنت صانع في حجك أو كما تصنع في حجك »[2]

[1] **صحيح**. مسند أحمد [222/1]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1750]

"(اے مخاطب!) تو اپنے عمرے میں وہی کچھ کر جو تو اپنے حج میں کرنے والا ہے یا جو تو اپنے حج میں کرتا ہے۔"

اور عمرہ حج اصغر ہے، وہ سب کچھ جو حج میں فرض ہے عمرے میں بھی فرض ہے مگر جس چیز کے مستثنیٰ ہونے کی دلیل مل جائے جیسے، وقوف (منی،عرفات و مزدلفہ)، کنکریاں مارنا اور (منی و مزدلفہ میں) رات گزارنا۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں: اگر تُو اپنے عمرے کی سعی کر کے واپس اپنے شہر گئی ہے تو تجھ پر طوافِ وداع واجب نہیں، اس لیے کہ آپ کا وہ طواف جس کے بعد آپ نے سعی کی ہے وہی بیت اللہ کے ساتھ آپ کا آخری وقت شمار ہو جائے گا، اور اگر تُو نے اس کے بعد مکہ میں قیام کیا تو تُو نے طواف وداع میں خلل پیدا کر لیا ہے۔

رہا مذکورہ عورت کا یہ کہنا: میں نے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت نہیں کی، اس کا ارادہ یہ ہے کہ اس نے مدینہ کا سفر کر کے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کا ارادہ کیا اور قبروں کی زیارت کے لیے، وہ قبریں کسی کی بھی ہوں، رختِ سفر باندھنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، و مسجدي هذا، والمسجد الأقصى»[1]

"تین مسجدوں یعنی مسجد حرام، میری یہ مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی کی طرف رختِ سفر نہ باندھا جائے۔"

مطلب اس کا یہ ہے کہ روئے زمین کی کسی بھی جگہ کی طرف عبادت کے قصد و ارادے سے رختِ سفر نہ باندھا جائے کیونکہ جن جگہوں کو رختِ سفر باندھنے کے لیے خاص کیا گیا ہے وہ مذکورہ تین مسجدیں ہیں، اور جو جگہیں ان کے علاوہ ہیں ان کی طرف رختِ سفر نہ باندھا جائے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1765] صحيح مسلم، رقم الحديث [1340]

عورتوں کے رات کو چاند غروب ہونے کے بعد مزدلفہ سے چلے آنے اور منیٰ پہنچتے ہی رش کے ڈر سے اسی وقت کنکریاں مارنے کا حکم:

سوال ان عورتوں کا کیا حکم ہے جو چاند کے غروب ہونے کے بعد مزدلفہ سے کمزور لوگوں کے ساتھ واپس لوٹ آتی ہیں اور منیٰ پہنچتے ہی رش کے خوف سے جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار لیتی ہیں؟

جواب موفق ابن قدامہ نے ''مغنی'' میں کہا:

''کمزور لوگوں اور عورتوں کو مزدلفہ سے رات کو ہی منیٰ بھیج دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور عائشہ رضی اللہ عنہا ان لوگوں میں سے ہیں جو کمزوروں کو رات کو ہی منیٰ بھیج دیتے، یہی موقف عطاء، ثوری، شافعی، ابوثور اور اصحاب الرائے کا ہے۔ اور ہم اس میں کوئی اختلاف نہیں جانتے کیونکہ اس میں ان کے ساتھ نرمی ہے، ان کو رش کی تکلیف سے بچانا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی اقتدا ہے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ نے ''نیل الاوطار'' میں کہا:

''دلائل اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو مزدلفہ سے رات کو آنے کی رخصت نہیں ہے، ان کے لیے جمرات کو کنکریاں مارنے کا وقت طلوعِ آفتاب کے بعد ہے۔ اور جن کو رخصت ہے، جیسے عورتیں اور کمزور و ناتواں لوگ تو ان کے لیے طلوعِ آفتاب سے پہلے بھی کنکریاں مارنا جائز ہے۔''

اور امام نووی رحمہ اللہ نے ''مجموع الفتاویٰ'' میں کہا:

''امام شافعی اور ان کے شاگردوں نے کہا: سنت یہ ہے کہ کمزور و ناتواں عورتوں وغیرہ کو مزدلفہ سے طلوعِ فجر سے پہلے آدھی رات کو ہی منیٰ روانہ کر دیا جائے تاکہ وہ لوگوں کا رش ہونے سے پہلے جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار لیں۔''

پھر انھوں نے اس موقف پر دلالت کرنے والی احادیث ذکر کیں۔ (الفوزان)

عورت کے لیے حج وعمرہ میں سر منڈوانے کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے حج وعمرہ میں اپنا سر منڈوانا جائز ہے؟

جواب عورت حج وعمرہ میں اپنے سر کے بالوں کے اطراف سے انگلی کے پورے کے برابر بال کاٹے گی اور اس کے لیے سارے بال مونڈ کر حلق کروانا جائز نہیں ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے مغنی میں کہا: عورت کے لیے بال کاٹنا مشروع ہے، نہ کہ حلق کروانا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ابن المنذر نے کہا: اہل علم نے اس پر اجماع کیا ہے کیونکہ ان کے حق میں حلق کروانا مثلہ ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ليس على النساء حلق، وإنما على النساء التقصير»[1]

''عورتوں پر حلق کروانا نہیں ہے بلکہ ان پر تو صرف بال چھوٹے کروانا مشروع ہے۔'' (اس روایت کو ابو داود نے بیان کیا ہے۔)

اور علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تحلق المرأة رأسها»[2]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنا سر مونڈنے سے منع فرمایا ہے۔''

اور امام احمد رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: ہر ایک مینڈھی سے ایک پورے کے برابر بال کم کرے گی۔ ابن عمر، شافعی، اسحاق اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے۔

ابو داود رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے سنا، ان سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنے سارے سر کے بال کاٹتی ہے، فرمانے لگے: ہاں، وہ اپنے بالوں کو سر کے آگے جمع کرے، پھر اپنے بالوں کے کنارے سے ایک پورے کے برابر کاٹ دے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''المجموع'' میں کہا: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کو سر مونڈنے کا حکم نہ دیا جائے بلکہ ان کا کام اپنے سر کے بال کم کروانا ہے کیونکہ حلق ان کے حق میں مثلہ ہے۔ (الفوزان)

---

[1] **صحيح**. سنن الدارمي [89/2]

[2] **ضعيف**. سنن أبي داود، رقم الحديث [914]

عورت کے لیے مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے مخصوص رنگوں کا لباس پہننے کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے مخصوص رنگوں کے کپڑے زیبِ تن کرنا ضروری ہے؟

جواب عورت کے لیے حج میں کوئی مخصوص لباس پہننا ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ عام حالات میں جو لباس زیبِ تن کرتی ہے وہ حج میں پہنے گی، بشرطیکہ وہ اس کے بدن کو چھپانے والا ہو اور اس میں زینت اور مردوں کی مشابہت نہ ہو۔ اور احرام پہننے والی عورت کو برقع اور وہ نقاب جو خاص چہرے کے لیے سیا یا بُنا گیا ہے، پہننے سے منع کیا گیا ہے، اور ایسے دستانے پہننا بھی منع ہے جن کو خاص ہاتھوں کے لیے بنایا گیا ہو۔ اور اس پر اپنے چہرے کو برقع اور نقاب کے علاوہ کسی چیز سے ڈھانپنا اور اپنی ہتھیلیوں کو دستانوں کے علاوہ ڈھانپنا واجب ہے کیونکہ یہ دونوں عورۃ ہیں اور ان کو ڈھانپنا واجب ہے۔ اور اس کو ان دونوں کو حالتِ احرام میں مطلق طور پر ڈھانپنے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ان کو صرف برقع اور دستانوں کے ذریعہ ڈھانپنے سے منع کیا گیا ہے۔ (الفوزان)

حج کے واجبات

منیٰ میں رات گزارنا واجب ہے یا سنت مؤکدہ؟

سوال کیا منی میں رات گزانا واجب ہے یا سنت مؤکدہ؟

جواب ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ منیٰ میں رات گزارنا واجب ہے کیونکہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے معذور لوگوں کے علاوہ کسی کو منیٰ میں رات نہ گزارنے کی رخصت نہیں دی ہے، وہ معذور لوگ مکہ میں پانی پلانے والے اور بکریوں کے چرواہے وغیرہ ہیں۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

عورت کا فرض حج میں کسی سے رمیِ جمار کروانے کا حکم:

سوال ایک عورت نے رمیِ جمار کے علاوہ تمام مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے حج کیا اور اس

نے رمیِ جمار کے لیے کسی کو اپنا وکیل بنا دیا کیونکہ اس کے پاس چھوٹا بچہ ہے، اور یہ بات بھی معلوم رہے کہ یہ اس کا فرض حج ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب جب عورت کے پاس کوئی نہ ہو جو اس کے بچے کی نگہداشت کرنے کے لیے اس کے پاس رہ سکے تو اس پر کسی سے رمی کروانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن جب بچے کی نگرانی کرنے والا کوئی میسر ہو تو اس کے لیے کسی سے رمی کروانا حلال نہیں ہے، خواہ اس کا یہ حج فرض ہو یا نفل۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حج کرنے والے بچوں پر ہدی کا حکم:

سوال کیا بچوں پر ہدی کرنا لازم ہے؟

جواب جو شخص اپنے بچوں میں سے کسی کو حج کروانے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ بچے پر اسی طرح احکامِ حج منطبق کرے جس طرح وہ اپنے نفس پر ان کو منطبق کرتا ہے اور انھی احکام میں سے ہدی بھی ہے۔

لیکن جب اسے قربانی میسر نہ ہو تو وہی حکم لاگو ہوگا جو قربانی نہ ہونے کی صورت میں اس کے نفس پر لاگو ہوتا ہے، یعنی وہ اس کی طرف سے روزے رکھے۔ ہمیں تو قرآن وسنت سے استنباط کرتے ہوئے یہی سمجھ آتی ہے۔ واللہ اعلم (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

رات کو رمیِ جمار کرنے کا حکم:

سوال کیا رات کو رمیِ جمار کرنا جائز ہے؟

جواب طلوعِ فجر تک رمیِ جمار کرنا جائز ہے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

اس عورت کا حکم جس نے مناسکِ حج تو تمام ادا کیے مگر جہالت یا نسیان کے ساتھ بال نہیں کٹوائے اور اسی حالت میں وہ وطن واپس پہنچ گئی:

سوال ایک عورت نے حج کیا اور حج کے تمام اعمال پورے کیے، سوائے اس کے کہ اس نے لاعلمی یا بھول کر بال نہیں کٹوائے اور اسی حالت میں اپنے وطن پہنچ گئی اور وہ محرم ان امور سے بھی اجتناب کرتی رہی جو محرم کے لیے ناجائز ہیں تو اس پر کیا واجب ہے؟

جواب جب معاملہ اسی طرح ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس عورت نے بھول کر یا لاعلمی کی وجہ سے بال نہ کٹوانے کے علاوہ سارے مناسکِ حج ادا کیے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ اپنے وطن میں، جب اس کو یاد آیا، وہ بال کٹوا لے اور اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں کیونکہ بال کٹوانے کی تاخیر اس کی لاعلمی کی وجہ سے ہوئی ہے یا اس کے بھول جانے کی وجہ سے جبکہ اس کی نیت حج کو پورا کر لینے کی تھی۔ ہم اللہ سے سب کے لیے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کو صحیح کام کی توفیق دے اور اس کو قبول فرمائے۔

اگر اس کے خاوند نے اس عورت کے بال کٹوانے سے پہلے اس سے جماع کر لیا تو اس پر خون ہوگا اور وہ ایک بکری یا اونٹ اور گائے کا ساتواں حصہ قربانی سے کفایت کر جائے گا جس کو حرم مکہ کے مساکین کے لیے ذبح کیا جائے گا، الا یہ کہ جماع عورت کے حرم سے نکل جانے کے بعد اس کے اپنے شہر وغیرہ میں ہوا تو پھر وہ عورت جہاں چاہے قربانی ذبح کر کے مساکین پر تقسیم کر دے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

تاخیر کی صورت میں طوافِ وداع کا طوافِ افاضہ سے کفایت کرنے کا حکم:

سوال جب طوافِ افاضہ طوافِ وداع تک مؤخر ہو جائے تو کیا طوافِ وداع طوافِ افاضہ سے کفایت کر جائے گا؟ کیا ایک طواف ہی کافی ہے یا میں اب دو طواف کروں؟

جواب جب اس نے مکہ سے لوٹتے وقت طوافِ افاضہ نہ کیا اور اس کی طرف سے طوافِ وداع پر اکتفا کیا تو یہ اس سے کفایت کر جائے گا اگرچہ اس کے بعد سعی واقع ہو، جیسا کہ اس کے حج تمتع کرنے کی صورت میں ہے۔ اور اگر وہ دوبارہ طوافِ وداع کر لے تو یہ افضل اور بہتر ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

محظورات الاحرام (احرام کی حالت میں ممنوع کام)

دورانِ حج اپنی بیوی سے مباشرت وغیرہ کر لینے کا حکم:

سوال اس شخص کا کیا حکم ہے جس نے دورانِ حج اپنی بیوی سے مباشرت کی؟

جواب محرم کے لیے اپنی بیوی سے مباشرت، جماع یا ایسے کلام کر کے جس میں جماع کا

ذکر ہو، فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾ [البقرة: 197]

''پھر جو ان میں حج فرض کر لے تو حج کے دوران نہ کوئی شہوانی فعل ہو اور نہ کوئی نافرمانی اور نہ کوئی جھگڑا۔''

رفث کا معنی ہے جماع اور جماع پر ابھارنے والی اشیاء، یعنی شہوانی گفتگو، مباشرت اور دیکھنا وغیرہ، اور ﴿فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ﴾ کا معنی ہے حج کا احرام باندھا۔

لیکن جب وہ مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد اپنے احرام سے حلال ہو جائے، یعنی اس نے بڑے جمرے (جمرہ عقبہ) کو عید کے دن دس تاریخ کو کنکریاں مار لیں اور حلق کروا لیا یا بال چھوٹے کروا لیے اور طوافِ افاضہ کر لیا اور اگر اس پر سعی واجب ہو تو اس نے طوافِ افاضہ کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لی، جب اس نے یہ تین کام کر لیے تو اس کے لیے اپنی بیوی سے وطی اور اس مباشرت سے، جو اللہ نے اس لیے مباح کی ہے، فائدہ اٹھانا حلال ہو جاتا ہے۔ (الفوزان)

عورت کا اپنے چہرے سے چادر دور رکھنے کے لیے لکڑی یا پٹکا استعمال کرنے کا حکم:

سوال عورت کا اپنے چہرے سے چادر کو دور رکھنے کے لیے لکڑی یا پٹکا استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت پر اپنے چہرے سے چادر کو دور رکھنے کے لیے لکڑی یا پٹکا استعمال کرنا لازم نہیں ہے۔ عورتیں غیر مسنون چیزوں کو اختیار کرنے سے بچیں، یعنی وہ لکڑی جس کو وہ اپنے سر کے آگے لگاتی ہیں یا پگڑی جسے وہ اپنے سر پر باندھتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں بدعت ہیں۔

علماء کا یہ قول کہ عورت کی چادر اس کے چہرے کو نہ چھوئے۔ اس کا کوئی قائل نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کوئی نص ہی ہے۔ اور حدیث «وإحرام المرأة في وجهها» [1] ''عورت

[1] سنن الدارقطني [294/2]

کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔'' صحیح نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ جب چادر اس کے چہرے کو چھو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اس پر واجب یہ ہے کہ جب مرد اس کے پاس سے گزرے تو وہ اپنا چہرہ ڈھانپ لے اور اگر اس دوران چادر اس کے چہرے کو چھو جائے تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی کوئی فدیہ لازم ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ عورت کو مطلق طور پر اپنا چہرہ ڈھانپنا منع نہیں ہے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول میں ہے:

((كان الركبان يمرون بنا ونحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم محرمات، فإذا حاذوا بنا سدلت إحدانا جلبابها من على رأسها على وجهها، فإذا جاوزونا كشفناه))[1]

''جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام کی حالت میں تھیں تو ہمارے پاس سے مردوں کے قافلے گزرتے، جب وہ ہمارے برابر آتے تو ہم میں سے ہر ایک اپنی چادر سر سے نیچے کر کے چہرے پر ڈال لیتی اور جب وہ ہم سے آگے گزر جاتے تو پھر ہم اپنے چہرے کھول دیتی تھیں۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا نے چہرے پر کپڑا ڈالنے سے کسی فدیہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(محمد بن ابراہیم)

احرام باندھنے والی عورت کے سر سے بال ٹوٹ کر گر جائے تو اس کا حکم:

سوال احرام باندھنے والی وہ عورت کیا کرے جس کے سر سے بال ٹوٹ کر گر جائے؟

جواب محرم، خواہ مرد ہو یا عورت، جب اس کے سر سے وضو میں مسح کے دوران یا غسل کے دوران کچھ بال ٹوٹ کر گر جائیں تو اس کو کوئی نقصان نہیں ہے، اور اسی طرح اگر مرد کی داڑھی یا مونچھوں کے بال یا اس کے ناخن کا کوئی حصہ ٹوٹ کر گر جائے تو اس کو یہ چیز نقصان نہیں دے گی جب تک اس نے عمداً ایسا نہ کیا ہو کیونکہ منع یہ ہے کہ وہ عمداً احرام کی حالت میں اپنے بال یا ناخن نہ کاٹے اور اسی طرح عورت بھی ان

[1] ضعيف. سنن أبي داود، رقم الحديث [1833]

چیزوں کو عمداً نہ کاٹے۔ رہی ان چیزوں میں سے وہ چیز جو بغیر ارادے کے از خود گر جائے تو یہ مردہ بال ہوتے ہیں جو حرکت ملنے سے گر جاتے ہیں، ان کا گرنا محرم کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

جو عورت طوافِ افاضہ اور وداع کیے بغیر اپنے وطن لوٹ گئی اس کے حج کا حکم:

سوال گزشتہ سال میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے گئی اور میں نے طواف افاضہ اور وداع کے علاوہ تمام مناسکِ حج ادا کیے کیونکہ ایک شرعی عذر نے مجھے ان کی ادائیگی سے روکا، پس میں اس نیت کے ساتھ کہ میں کسی دن دوبارہ آ کر طواف کرلوں گی، اپنے شہر مدینہ منورہ لوٹ گئی، چونکہ میں دینی امور سے ناواقف تھی اس لیے میں ہر چیز سے حلال ہوگئی اور میں نے ہر وہ کام کرلیا جو دورانِ احرام حرام ہوتا ہے۔ میں نے واپس جا کر طواف کرنے کے متعلق سوال کیا تو مجھے بتایا گیا کہ تیرے لیے طواف کرنا جائز نہیں کیونکہ تو نے اپنا حج فاسد کرلیا ہے اور تجھ پر اس کا اعادہ لازم ہے، یعنی آئندہ سال گائے یا اونٹ کی قربانی دیتے ہوئے دوبارہ حج کرنا لازمی ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟ کیا اس کا کوئی اور حل ہے؟ اور کیا میرا حج فاسد ہوگیا ہے؟ اور کیا مجھ پر حج کو لوٹانا لازمی ہے؟ مجھے بتایا جائے کہ مجھ پر کیا کرنا واجب ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا فرمائے۔

جواب یہ بھی ان بیماریوں میں سے ہے جو بغیر علم کے فتویٰ دینے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس حالت میں آپ پر لازم یہ ہے کہ آپ مکہ جائیں اور صرف طوافِ افاضہ کر لیں۔ رہا طوافِ وداع تو وہ آپ پر مکہ سے نکلتے وقت حیض کی حالت میں ہونے کی وجہ سے لازم نہیں ہے کیونکہ حائضہ پر طوافِ وداع لازم نہیں ہے، دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے:

« أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت إلا أنه خفف عن الحائض »[1]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ کے ساتھ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1668] صحيح مسلم، رقم الحديث [1328]

(طوافِ وداع کرتے ہوئے) گزرنا چاہیے، البتہ آپ ﷺ نے حائضہ سے اس کی تخفیف کر دی۔"

اور ابوداود کی ایک روایت میں ہے:

«أن يكون آخر عهدهم بالبيت الطواف» [1]

"ان کا آخری وقت بیت اللہ کے ساتھ طواف (کرتے ہوئے صرف) ہو۔"

نیز اس لیے کہ جب نبی ﷺ کو بتایا گیا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا طوافِ افاضہ کر چکی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فلتنفر إذاً» [2] "تب وہ (بغیر طوافِ وداع کیے ہوئے) روانہ ہو جائے۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حائضہ سے طوافِ وداع ساقط ہے۔ رہا طوافِ افاضہ تو وہ آپ کو لازمی طور پر کرنا ہی پڑے گا۔ اور جب تُو لاعلمی کی وجہ سے ہر چیز سے حلال ہوگئی تو یہ بھی آپ کے حق میں نقصان دہ نہیں ہے، اس لیے کہ جو بھی احرام کے دوران ممنوع کاموں میں سے کسی کام کا لاعلمی کی بنیاد پر ارتکاب کر لیتا ہے، اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ [البقرة: 286]

"اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔"

بندے کی طرف سے اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں نے ایسے ہی کیا۔"

یعنی میں نسیان و غلطی سے کیے ہوئے کام پر نہیں پکڑوں گا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾ [الأحزاب: 5]

"اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس میں تم نے خطا کی اور لیکن جو تمھارے دلوں نے ارادے سے کیا۔"

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2002]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [4140]

پس وہ تمام ممنوعہ کام جن کو کرنے سے اللہ نے محرم کو منع کیا ہے، جب وہ لاعلمی میں بھول کر یا مجبوراً ان کا ارتکاب کرے گا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا، لیکن جب اس کا عذر ختم ہو جائے تو اس پر عمل سے باز آنا واجب ہوگا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا لاعلمی کی وجہ سے احرام کے دوران دستانے پہن لینے کا حکم:

سوال عورت نے حالتِ احرام میں ممانعت کے حکم سے لاعلمی کی وجہ سے دستانے پہن لیے، اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے معذور ہے۔
(فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

محرمہ کے لیے لباس تبدیل کرنے، نقاب اور دستانے پہننے کا حکم:

سوال کیا حج کا احرام باندھنے والی عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ جب چاہے اپنا لباس تبدیل کر لے؟ اور کیا احرام کے لیے مخصوص لباس ہے؟ نیز محرمہ کے حق میں نقاب اور دستانوں کا کیا حکم ہے؟

جواب محرمہ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے لباس کو دوسرے لباس کے ساتھ تبدیل کر لے، خواہ یہ عورت حاجہ ہو یا غیر حاجہ، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ دوسرا لباس مردوں کے سامنے زیب و زینت کا اظہار کرنے والا لباس نہ ہو۔ اس بنا پر جب وہ اپنا وہ لباس، جس میں اس نے احرام باندھا تھا، تبدیل کرنے کا ارادہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ اور احرام کے لیے ایسے کپڑے نہیں ہیں جن کو ہم عورت کی نسبت خاص کریں بلکہ وہ جونسا لباس چاہے پہن سکتی ہے، سوائے اس کے کہ وہ نقاب اور دستانے نہیں پہنے گی (یعنی صرف محرمہ نقاب اور دستانے نہ پہنے،) اور نقاب مشہور ہے، وہی جو چہرے پر پہنا جاتا ہے اور اس میں آنکھوں کے لیے سوراخ ہوتے ہیں لیکن دستانے وہ ہیں جو ہاتھوں پر پہنے جاتے ہیں رہے مرد تو ان کے احرام کا خاص لباس ہے اور وہ تہبند اور چادر ہے، وہ قمیص، شلوار، پگڑی اُوورکوٹ (Over Coot) اور موزے

نہیں پہنیں گے، ان کے لیے ایک چادر سے دوسری چادر اور تہبند کے عوض دوسرا تہبند پہننا جائز ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کے دورانِ حج برقع اور نقاب پہننے کا حکم:

سوال دورانِ احرام عورت کے برقع اور نقاب پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب بلاشبہ نبی ﷺ نے احرام والی عورت کو نقاب پہننے سے منع فرمایا ہے اور برقع پہننا بالاولیٰ منع ہے، اس بنا پر وہ مکمل طور پر چادر کے ساتھ اپنا چہرہ ڈھانپے گی جب اس کے آس پاس اجنبی مرد ہوں لیکن جب اس کے آس پاس اجنبی مرد نہ ہوں تو وہ اپنا چہرہ کھول لے گی، یہی افضل اور سنت ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

فرمانِ رسول ﷺ ہے: احرام والی عورت نقاب اور دستانے نہ پہنے۔ تو کیا وہ چہرہ اور ہتھیلیاں ننگی رکھے؟

سوال رسول اللہ ﷺ احرام والی عورت کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ نقاب اور دستانے نہ پہنے تو کیا احرام والی عورت اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں ننگی رکھے گی؟

جواب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

« لا تنتقب المحرمة و لا تلبس القفازين »[1]

''محرمہ نہ نقاب اوڑھے اور نہ دستانے پہنے۔''

یعنی اس کے لیے (حالتِ احرام میں) نقاب اوڑھنا جائز نہیں ہے لیکن جب مرد اس کے پاس سے گزریں تو اس پر نقاب کے بغیر (مکمل طور پر) اپنا چہرہ ڈھانپنا واجب ہے۔ وہ چادر کے ساتھ چہرہ ڈھانپے گی، جیسا کہ نبی ﷺ کے دور میں عورتیں کیا کرتی تھیں کیونکہ نقاب چہرے کے لیے لباس ہے، جیسے قمیص بدن کے لیے ہے لیکن احرام کے دوران عورت پر دستانے پہننا حرام ہے مگر حلال ہونے کی حالت میں پہننا حرام نہیں ہیں، الا یہ کہ جب مرد پاس سے گزریں تو وہ اپنی چادر یا کسی اور کپڑے سے اپنے ہاتھ ڈھانپ لیں گی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [833]

ابہا سے عمرہ کے لیے آنے والا شخص روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مجامعت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جو رات کے وقت ابہا سے مکہ آیا اور صبح کو شیطان نے اس کو وسوسہ ڈالا تو اس نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا؟

جواب یہ آدمی اور اس کی بیوی عمرے کے لیے آئے۔ رات کو عمرہ کرنے کے بعد انھوں نے صبح روزہ رکھا اور اس دن، جس میں انھوں نے روزہ رکھا، مرد نے اپنی بیوی سے مجامعت کر لی، ہم کہتے ہیں: اس پر صرف اسی دن کے روزہ کی قضا دینا واجب ہے، نہ اس پر گناہ ہے اور نہ کفارہ اس پر صرف اس دن کے روزے کی قضا واجب ہے کیونکہ مسافر کے لیے اپنا روزہ توڑنا جائز ہے، خواہ وہ اپنا روزہ کھانے پینے یا جماع سے توڑے کیونکہ مسافر پر روزہ واجب نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ [البقرة: 185]

''تو تم میں سے جو اس مہینے میں حاضر ہو وہ اس کا روزہ رکھے اور جو بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے۔''

لہٰذا میں اپنے بھائیوں کے لیے یہ پسند کرتا ہوں جو مکہ میں فتویٰ دیتے ہیں کہ جب ان سے کوئی سوال کرنے والا آئے کہ اس نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مناسب یہ ہے کہ ہم اس سے تفصیل پوچھیں اور اس کو کہیں: کیا تو مسافر ہے یا نہیں؟ جب وہ کہے کہ وہ مسافر ہے تو ہم کہیں: تجھ پر صرف قضا واجب ہے لیکن جب وہ اپنے وطن میں رمضان کے دنوں میں اپنی بیوی سے مجامعت کرے اور وہ دونوں روزہ رکھے ہوئے ہوں تو اس پر درج ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں:

أولاً: روزے کا فاسد ہونا۔

ثانیاً: باقی دن کھانے پینے سے رک جانا۔

ثالثاً: اس دن کی قضا دینا۔

رابعاً: گناہ گار ہونا۔

خامساً: کفارے کا واجب ہونا جو کہ ایک گردن آزاد کرانا ہے۔

لیکن جب وہ گردن آزاد نہ کرا سکے تو دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھنا، اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

محرم کے بغیر کیے ہوئے عمرے کا حکم:

سوال ایک عورت نے اپنے خاوند کے ساتھ احرام باندھا اس حال میں کہ وہ حائضہ تھی جب وہ پاک ہوئی تو اس نے اپنے شوہر کے بغیر عمرہ کیا۔ عمرہ مکمل کرنے کے بعد اس کو پھر خون جاری ہوگیا تو کیا وہ اپنا عمرہ دھرائے گی؟ اور ایسے ہی اگر وہ حیض کے دوران حرم کے صحن میں آئے تو کیا وہ اس کی وجہ سے گناہ گار ہوگی؟

جواب ہم کہتے ہیں کہ جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ یہ عورت مکہ میں اپنے محرم کے ساتھ آئی اور اس نے حیض کی حالت میں میقات سے احرام باندھا، اور اس کا حالتِ حیض میں میقات سے احرام باندھنا صحیح ہے کیونکہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے جب ذوالحلیفہ مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کرتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ مجھے نفاس آ گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《 اغسلي واستثفري بثوب وأحرمي 》[1]

''تو غسل کر اور ایک کپڑے سے لنگوٹ باندھ کر احرام پہن لے۔''

لہٰذا اس کا احرام صحیح ہے اور جب وہ مکہ آئی تو وہ پاک ہوگئی اور اس نے جو شوہر کے بغیر عمرہ کیا تھا اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ شہر کے اندر ہی ہے، لیکن اس کو خون کا لوٹ آنا اس کی طہارت کو، جو اس نے دیکھی تھی، مشکوک بنا دیتا ہے۔

پس ہم اس کو کہتے ہیں: جب تو نے یقیناً طہارت دیکھی تو تمھارا عمرہ درست ہوگیا لیکن اگر تمھیں اپنی اس طہارت میں شک ہے تو تُو عمرہ کو دھرا لے، لیکن نئے سرے سے عمرہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ میقات پر جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1218]

آپ یہیں سے احرام باندھ کر طواف کریں، سعی کریں اور بال کاٹ لیں۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حائضہ اور نفاس والی عورت احرام کیسے باندھے؟ اور اگر احرام یا طواف کے بعد حیض آ جائے تو وہ کیا کرے؟

سوال جب حائضہ اور نفاس والی عورت احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو وہ کیا کرے؟ اگر اس کو احرام باندھنے کے بعد یا طواف مکمل کرنے کے بعد حیض آ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب جب حائضہ یا نفاس والی عورت میقات سے گزرے اور وہ حج یا عمرے کا ارادہ رکھتی ہے تو وہ وہی کچھ کرے جو پاک عورتیں کرتی ہیں، یعنی غسل کرے، لیکن وہ ایک کپڑے سے لنگوٹ باندھ لے اور احرام پہن لے، پھر جب وہ پاک ہو تو وہ طواف کرے اور سعی کر کے اپنے بال کاٹ لے، اس کا عمرہ مکمل ہے۔ لیکن اگر اس کو احرام باندھنے کے بعد حیض یا نفاس آیا تو وہ پاک ہونے تک احرام کی حالت میں رہے گی، پھر وہ طواف کرے، سعی کر کے بال کاٹ لے، لیکن جب اسے طواف کے بعد حیض و نفاس آئے تو وہ عمرہ جاری رکھے، اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی کیونکہ عمرہ کے وہ کام جو طواف کے بعد کرنا ہوتے ہیں، ان میں حدث سے اور حیض سے طہارت حاصل کرنا شرط نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

احرام کے دوران حیض آنا

دورانِ حیض ادا کیے ہوئے مناسکِ حج کا حکم:

سوال ایک عورت نے حج کے لیے سفر شروع کیا اور سفر کے شروع کی تاریخ سے پانچ دن بعد اس کو ماہواری آ گئی، اس نے میقات پر پہنچ کر غسل کیا اور احرام باندھ لیا اور وہ ماہواری سے پاک نہ ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں پہنچ کر وہ حرم سے باہر ہی رہی اور اس نے حج و عمرہ کے کاموں میں سے کوئی کام نہ کیا۔ منیٰ میں دو دن ٹھہرنے کے بعد وہ پاک ہوگئی اور اس نے غسل کیا اور پاکی کی حالت میں تمام مناسکِ عمرہ (اور حج) ادا کیے،

پھر حج میں طوافِ افاضہ کرتے ہوئے اسے دوبارہ خون جاری ہوگیا مگر اس نے شرماتے ہوئے اپنے ولی کو خبر نہ دی اور اسی حالت میں مناسکِ حج مکمل کر لیے اور اپنے وطن لوٹ کر اپنے ولی کو بتایا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ جب اسے طوافِ افاضہ کے دوران حیض آیا اور وہ اس کی طبیعت اور دردوں سے اس کو پہچان گئی کہ یہ خونِ حیض ہی ہے تو بلاشبہ اس کا طوافِ افاضہ صحیح نہیں ہے، اس پر لازم ہے کہ دوبارہ مکہ جائے تاکہ وہ طوافِ افاضہ کرے، لہٰذا وہ میقات سے عمرے کا احرام باندھے اور طواف، سعی اور بال کاٹ کر عمرہ ادا کرے، پھر اس کے بعد طوافِ افاضہ کرے، لیکن اگر یہ خون معروف طبعی حیض کا خون نہ ہو بلکہ کسی دوسری جیسی چیزوں کی وجہ سے آیا ہو تو اس کا طواف صحیح ہوگا ان لوگوں کے نزدیک جو طواف کے لیے طہارت کی شرط نہیں لگاتے۔ اور پہلی صورت میں اگر عورت کسی دور کے ملک سے تعلق رکھتی ہے جہاں سے اس کا مکہ واپس آنا ممکن نہ ہو تو اس کا حج صحیح ہوگا کیونکہ وہ، جو کچھ اس نے کیا، اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کو ماہواری آئی، وہ شرما گئی اور اسی حالت میں حرم گئی اور سعی کی اور نماز ادا کی:

سوال میں نے حج کیا تو مجھے ماہواری آ گئی، میں نے حیا کرتے ہوئے کسی کو نہ بتایا اور حرم چلی گئی، نماز پڑھی، طواف کیا اور سعی کی، اب مجھ پر کیا لازم ہے؟ جبکہ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ نفاس کے بعد اب مجھے ماہواری کا خون ہی آیا ہے۔

جواب حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے نماز ادا کرنا حلال نہیں ہے، خواہ وہ مکہ میں یا اپنے ملک میں یا کسی بھی جگہ میں ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے عورت کے متعلق فرمایا:

«أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم»[1]

”کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آ جائے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔“

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [298] صحيح مسلم، رقم الحديث [79]

اور مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ حائضہ کے لیے نماز ادا کرنا اور روزہ رکھنا حلال نہیں ہے۔ لٰہذا یہ مذکورہ عورت، جس نے یہ ممنوعہ کام کیے، اس پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے اور ان کاموں پر اللہ سے معافی مانگے۔ رہا حیض کی حالت میں طواف کرنا تو وہ حج نہیں ہے، لیکن سعی کرنا درست ہے کیونکہ راجح قول یہ ہے کہ حج میں سعی کو طواف پر مقدم کرنا جائز ہے، سو اس بنا پر اس کے لیے طواف کو لوٹانا واجب ہے کیونکہ طوافِ افاضہ حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور اس کے بغیر مکمل حلال ہونا جائز نہیں ہے۔

اس بنا پر یہ عورت اگر شادی شدہ ہے تو اس کے طوافِ افاضہ کرنے سے پہلے اس کا خاوند اس سے مجامعت نہیں کر سکتا، اور اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو طواف سے پہلے اس کا نکاح منعقد نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ہم ینبع سے جدہ آئے تو جدہ میں میری بیوی کو حیض آ گیا؟

سوال میں اور میرے گھر والے عمرے کی غرض سے ینبع سے آئے لیکن جب ہم جدہ پہنچے تو میری بیوی کو حیض آ گیا، میں نے اپنی بیوی کے بغیر عمرہ مکمل کر لیا، میری بیوی کی نسبت کیا حکم ہے؟

جواب تیری بیوی کی نسبت (حکم) یہ ہے کہ وہ حیض سے پاک ہونے تک ٹھہری رہے، پھر اپنا عمرہ مکمل کرے کیونکہ جب صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« أحا بستنا هي ؟» ''کیا وہ ہمیں (واپسی سے) روکنے والی ہے؟''

لوگوں نے بتایا: انھوں نے طوافِ افاضہ کر لیا ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « فلتنفر إذاً »[1] ''پھر وہ واپس لوٹے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان « أحابستنا هي ؟ » ''اس بات کی دلیل ہے کہ عورت پر واجب ہے کہ جب وہ طوافِ افاضہ سے پہلے حائضہ ہو جائے تو وہ پاک ہونے تک ٹھہری رہے، پھر طواف کرے اور ایسے ہی طوافِ عمرہ طوافِ افاضہ کی طرح ہے کیونکہ وہ عمرے کا رکن ہے۔ جب عمرہ کرنے والی طواف سے پہلے حائضہ ہو جائے تو وہ پاک ہونے تک انتظار کرے، پھر طواف کرے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [4140]

ایک عورت مکہ آنے کے بعد حائضہ ہوئی، اس کے گھر والے مکہ سے روانہ ہونا چاہتے ہیں، کیا وہ اس کا انتظار کریں؟

سوال اس عورت کا کیا حکم ہے جو مکہ پہنچنے کے بعد حائضہ ہوگئی؟ اس کے گھر والے مکہ سے سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کیا وہ انتظار کریں گے یا سفر پر روانہ ہو جائیں گے، خواہ سفر چھوٹا ہو یا بڑا؟

جواب جب عورت کو طواف سے پہلے حیض آ جائے تو وہ پاک ہونے تک وہیں (مکہ میں) رکی رہے، پھر وہ عمرہ مکمل کرنے کے لیے طواف کرے، الا یہ کہ اس نے احرام کی معذوری کی شرط لگاتے ہوئے کہا ہو: اگر مجھے کوئی رکاوٹ پیش آ جائے تو جہاں مجھے کوئی رکاوٹ روکے گی میں وہیں حلال ہوجاؤں گی، تو وہ اس حالت میں حلال ہوجائے اور اپنے گھر والوں کے ساتھ روانہ ہوجائے، اس پر کوئی حرج نہیں ہوگا۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حائضہ عورت کے احرام کی دو رکعتیں پڑھنے اور مخفی طور پر قرآن مجید کی آیت دہرانے کا حکم:

سوال حائضہ احرام کی دو رکعتیں کیسے ادا کرے؟ نیز کیا حائضہ کے لیے مخفی طور پر قرآن حکیم کی آیات دہرانا جائز ہے؟

جواب اولاً: ہم کو یہ جاننا چاہیے کہ احرام کی کوئی نماز نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی قولی، فعلی اور تقریری روایت ثابت نہیں کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے احرام کی نماز کو مشروع قرار دیا ہو۔

ثانیاً: یقیناً یہ حائضہ جو احرام سے پہلے حائضہ ہوئی، اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ حیض کی حالت میں احرام باندھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت عمیس کو، جب وہ ذوالحلیفہ مقام پر نفاس والی ہوگئی، حکم دیا کہ وہ غسل کر کے ایک کپڑے کے ساتھ لنگوٹ باندھ کر احرام پہن لے، اور ایسے ہی حائضہ اپنے احرام میں پاک ہونے تک باقی رہے گی، پھر بیت اللہ کا طواف کرے گی اور سعی کرے گی۔

رہا سوال کا یہ حصہ کہ کیا وہ قرآن پڑھ سکتی ہے؟ ہاں، حائضہ ضرورت اور مصلحت کے پیش نظر قرآن مجید پڑھنے کا حق رکھتی ہے لیکن بغیر ضرورت اور مصلحت کے جب وہ صرف اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قرآن کی تلاوت کرے تو اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ وہ نہ پڑھے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حائضہ عورت کا طوافِ افاضہ کے لیے کسی کو وکیل بنانے کا حکم:

سوال ایک عورت نے حج کیا اور طوافِ افاضہ سے پہلے اسے حیض آ گیا۔ جب اس کے خاندان نے اپنے وطن لوٹنے کا ارادہ کیا تو اس عورت نے اپنی طرف سے طوافِ افاضہ اور سعی کرنے کے لیے ولی بنا دیا، اس نے طواف اور سعی کر دی اور یہ لوگ اپنے وطن کو لوٹ گے، کیا اس طرح کے کاموں میں وکالت جائز ہے؟ معلوم ہو کہ اس کا یہ حج نفل ہے۔

جواب فقہاء کا ظاہری کلام اس طرح کے کاموں کے جواز کا ہے جب حج نفل ہو اور جس کو اس نے وکیل بنایا اس نے بھی اسی سال حج کیا ہو اور مناسکِ حج پورے کر چکا ہو۔ اس طرح کے اعمال میں وکالت خاص طور پر ضرورت کے وقت جائز ہے۔ واللہ اعلم

(محمد بن ابراہیم)

یوم الترویہ (آٹھ ذوالحج) کو نفاس کی شروعات:

سوال جب ایک عورت کو ترویہ والے دن آٹھ ذوالحج کو نفاس آ جائے، اس نے طواف اور سعی کے علاوہ تمام ارکان حج ادا کر لیے اور اس کا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ دس دن کے بعد پاک ہو جائے گی تو کیا وہ طہارت اور غسل کے بعد باقی رکن، یعنی طوافِ حج، ادا کر سکتی ہے؟

جواب جب تک اسے طہارت کا یقین نہ ہو جائے اس کے لیے غسل کرنا اور طواف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور سوال سے جو سمجھ آتی ہے کہ اس نے کہا: بے شک اس نے مکمل طہارت نہیں دیکھی، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مکمل طہارت دیکھے، پھر جب وہ پاک ہو جائے گی تو وہ غسل کر کے طواف اور سعی کرے گی۔ اگر وہ طواف سے پہلے بھی سعی کر لے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی ﷺ سے حج میں اس شخص کے متعلق سوال

کیا گیا جس نے طواف سے پہلے سعی کر لی تو آپ ﷺ نے فرمایا:
((لا حرج)) [1] ''اس میں کوئی حرج نہیں۔'' (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

طوافِ افاضہ سے پہلے حیض و نفاس شروع ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال ایک عورت کو طوافِ افاضہ کرنے سے پہلے حیض یا نفاس آ گیا، کیا اس کے لیے مکہ میں ٹھہرے رہنا لازمی ہے یہاں تک کہ وہ پاک ہو اور طواف کرے، یا اس کے لیے جائز ہے کہ جدہ وغیرہ چلی جائے اور پھر جب وہ پاک ہو تو واپس مکہ آ کر طواف کرے؟

جواب اگر تو وہ مکہ میں ٹھہرنے کی استطاعت رکھتی ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ پاک ہونے تک مکہ میں ٹھہرے اور اپنا حج مکمل کرے، پس اگر وہ ٹھہرنے کی طاقت نہیں رکھتی تو پھر اس کو اپنے محرم کے ساتھ جدہ، طائف وغیرہ میں چلے جانے سے کوئی مانع نہیں ہے، پھر وہ پاک ہونے کے بعد اپنے محرم کے ساتھ واپس پلٹے اور اپنے مناسکِ حج پورے کرے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

طوافِ وداع

حائضہ کے لیے مسجد حرام میں داخل ہونے اور دورانِ طواف حیض محسوس کرنے کا حکم:

سوال کیا حائضہ کے لیے مسجد حرام میں داخل ہونا جائز ہے کہ نہیں؟ اور جب وہ دورانِ طواف خونِ حیض کو محسوس کرے تو وہ کیا کرے؟

جواب حائضہ کے لیے مسجد حرام میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ ہاں، وہ اس میں صرف گزر سکتی ہے لیکن اس میں طواف، سماعِ ذکر یا تسبیح و تہلیل کے لیے رکنا جائز نہیں ہے۔
اور جب وہ دورانِ طواف خونِ حیض کو اترتا ہوا محسوس کرے تو جب تک اس کو واضح طور پر حیض کے آ جانے کا یقین نہ ہو جائے وہ اپنا طواف جاری رکھے، پھر جب اسے یقین ہو جائے کہ اس کا حیض جاری ہو گیا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ طواف کو چھوڑ کر لوٹ جائے اور پاک ہونے تک انتظار کرے، پس جب وہ پاک ہو جائے تو نئے سرے سے طواف شروع کرے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [83] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1306]

کیا سعی والی جگہ مسجد حرام کا حصہ ہے؟

سوال کیا سعی والی جگہ مسجد حرام کا حصہ ہے؟ کیا حائضہ اس میں جا سکتی ہے؟ کیا اس شخص پر، جو سعی والی جگہ کی طرف سے مسجد حرام میں داخل ہو، تحیۃ المسجد پڑھنا واجب ہے؟

جواب ظاہر تو یہی ہے کہ سعی والی جگہ مسجد کا حصہ نہیں ہے، اسی لیے انھوں نے ان دونوں کے درمیان چھوٹی سی دیوار بنا کر فاصلہ کر دیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگوں کے حق میں بہتر ہے کیونکہ اگر اس کو مسجد میں داخل اور شامل کر دیا جائے تو اس عورت پر، جو طواف اور سعی کے درمیان حائضہ ہو جائے، سعی کرنا منع ہو جائے۔ اور میں تو یہی فتویٰ دیتا ہوں کہ جب عورت طواف کے بعد اور سعی سے پہلے حائضہ ہو جائے تو وہ سعی کرے کیونکہ سعی والی جگہ مسجد میں شمار نہیں کی جاتی۔

لیکن تحیۃ المسجد تو کہا جاتا ہے کہ جب انسان طواف کے بعد سعی کر لے، پھر وہ مسجد کی طرف آئے تو وہ اس میں نماز پڑھے، اور اگر اس نے تحیۃ المسجد چھوڑے تو اس پر کوئی قدغن نہیں ہے۔

اور افضل یہ ہے کہ وہ فرصت دیکھ کر دو رکعتیں ادا کر لے کیونکہ یہاں پر ادا کی گئی نماز فضیلت والی نماز ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عرفہ کے دن حائضہ ہونے والی عورت کا حکم:

سوال جب عورت عرفہ کے دن حائضہ ہو جائے تو کیا کرے؟

جواب جب عورت عرفہ کے دن حائضہ ہو جائے تو وہ اپنا حج جاری رکھے اور وہ کچھ کرے جو لوگ کرتے ہیں، البتہ وہ بیت اللہ کا طواف حیض سے پاک ہونے کے بعد کرے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

خاوند کی وفات والی عدت اور دوسری کوئی عدت گزارنے والی عورت کے حج پر جانے کا حکم:

سوال جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے کیا دورانِ عدت اس کے لیے حج کرنا جائز ہے؟ اور وفات کے علاوہ دوسری کسی عدت والی عورت کے لیے اس عدت کے دوران دوسرا حج جائز ہے؟

جواب جس عورت کا خاوند فوت ہوجائے اس کی نسبت حکم یہ ہے کہ اس کے لیے عدت پوری ہونے سے پہلے گھر سے نکلنا اور حج کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس حالت میں حج کی طاقت رکھنے والی شمار نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس حالت میں اس پر گھر میں رہ کر عدت گزارنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ﴾ [البقرۃ: 234]

''اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے اور دس راتیں انتظار میں رکھیں۔''

پس اس کے لیے عدت پوری ہونے تک اپنے گھر میں رہ کر عدت پوری ہونے کا انتظار کرنا واجب ہے۔ رہی خاوند کی وفات کے علاوہ دوسری عدت گزارنے والی عورت، بلاشبہ رجعی طلاق تو اس کو بیوی کے حکم میں ہی رکھتی ہے، لہٰذا وہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر سفر نہ کرے، لیکن اس کے خاوند پر کوئی حرج نہیں کہ وہ مصلحت کے پیش نظر اس کو اس کے محرم کے ساتھ حج کرنے کی اجازت دے، لیکن طلاق بائنہ کی عدت گزرنے والی عورت، پس بلاشبہ مشروع یہ ہے کہ وہ بھی اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہے لیکن جب اس کا خاوند اتفاق کرے تو وہ حج کے لیے جا سکتی ہے کیونکہ اس عدت میں اس کو حق حاصل ہے، پس اگر وہ عورت کو اجازت دیتا ہے تو اس عورت پر کوئی حرج نہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ جس کا خاوند فوت ہوجائے اس پر واجب ہے کہ وہ گھر میں ٹھہرے باہر مت نکلے، لیکن رجعی طلاق والی عورت، پس وہ بیوی کے حکم میں ہے اور اس کا معاملہ اس کے خاوند کے سپرد ہے، اور طلاق بائن والی عورت اس کو طلاق رجعی والی عورت سے زیادہ آزادی حاصل ہے، لیکن اس کے باوجود اس کا خاوند اس کی عدت کو محفوظ کرنے کے لیے اس کو سفرِ حج سے روک سکتا ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کے کسی دوسری عورت یا مرد کی طرف سے حج کرنے کا حکم:

سوال کیا عورت کا کسی کی طرف سے حج کرنا جائز ہے؟

جواب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت کے لیے کسی دوسری عورت کی طرف سے حج کرنا جائز ہے، خواہ وہ دوسری عورت اس کی بیٹی ہو یا بیٹی کے علاوہ کوئی اور عورت ہو، اسی طرح ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک عورت کا مرد کی طرف سے بھی حج کرنا جائز ہے، جس طرح کہ نبی ﷺ نے خثعم قبیلے کی عورت کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے حج کرے۔ یہ آپ ﷺ نے اس وقت اس کو کہا تھا جب اس نے سوال کرتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بلاشبہ اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر فرض کیا ہوا حج میرے باپ پر اس حال میں فرض ہوا ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہو چکا ہے تو نبی ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے حج کرے، باوجود اس کے کہ مرد کا احرام عورت کے احرام سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

میری مالدار پھوپھی حج کیے بغیر فوت ہوگئی:

سوال ایک عورت کی پھوپھی اپنی زندگی میں مالدار تھی اور حج کیے بغیر فوت ہوگئی، کیا اس کے متروکہ مال سے حج واجب ہے؟ یا اس کی طرف سے حج کرنے کے لیے اپنے مال سے تبرع واحسان کیا جائے؟

جواب اس کے مالِ متروکہ سے حج کرنا واجب ہے، اور اگر اس کی طرف سے تبرع و احسان کیا جائے تو بھی جائز ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

بیوی کا خاوند کی طرف سے حج کرنے کا حکم:

سوال ایک سائل کہتا ہے: کیا جائز ہے کہ اس کی والدہ اس کے والد کی طرف سے حج کرے، جبکہ اس کی والدہ اپنا فرض حج ادا کر چکی ہے؟

جواب جب تیری والدہ نے اپنا فرض حج ادا کر لیا ہے تو اب اس کو تیرے والد کی طرف سے حج کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

جس نے بچپن میں حج کیا، پھر بلوغت کے بعد دوبارہ حج کرنے سے پہلے اپنے دادے کی طرف سے حج کرنے کا حکم:

سوال ایک بچے نے بلوغت سے پہلے اپنی طرف سے حج کیا، پھر بلوغت کے بعد اس کے باپ نے اس کو اس کے دادے کی طرف سے حج کرنے کا حکم دیا، پس اس نے اپنے دادے کی طرف سے حج تمتع کرنے کے لیے عمرے کا احرام باندھا، پھر اس نے (ذوالحجہ کے) آٹھویں دن مسئلہ پوچھا تو اس کو بتایا گیا کہ تیرا پہلا حج نفل تھا اور بلوغت کے بعد تجھ پر حج کرنا واجب ہے، لہٰذا یہ حج تیری طرف سے ہوگا (نہ کہ تیرے دادے کی طرف سے،) یہ قول کہاں تک درست ہے؟ کیا اب اس کا یہ حج تمتع ہوگا یا مفرد، کیونکہ اس نے اپنے دادے کی طرف سے عمرہ مکمل کرلیا ہے؟

جواب اسے جو بتایا گیا ہے وہ درست ہے کیونکہ شبرمہ کی حدیث سے یہی مقصود ہے جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کو کہا: « هل حججت عن نفسك؟ » ''کیا تو نے اپنی طرف سے حج کیا ہوا ہے؟'' اس نے کہا: جی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« حج عن نفسك، ثم حج عن شبرمة »[1]

''پہلے اپنی طرف سے حج کرو، پھر شبرمہ کی طرف سے۔''

اور اس شخص کے عمرہ مکمل کرنے یا نہ کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ جز کا حکم وہی ہے جو کل کا حکم ہے اور یہ عمرہ دادے کی طرف سے بدل کر اس کی طرف سے ہوگا۔ یعنی بچے کی طرف سے جواب بالغ ہو کر اپنے دادے کی طرف سے حج کر رہا ہے۔

نوٹ: بہت سے لوگ اس حدیث کو انسان کے اپنے دادے کی طرف سے حج کے جواز کی دلیل بناتے ہیں، لیکن اس شخص کا قول جس نے شبرمہ کی طرف سے حج کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس نے کہا: "أخ لي أو قريب لي" (وہ میرا بھائی ہے یا میرا قریبی ہے)، یہ عبارت اس کا قول نہیں ہے، بلکہ یہ اس کا قول ہونا محال ہے۔

[1] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [1811]

بالفرض میں آپ سے سوال کروں "من هذا؟" "یہ کون ہے؟" آپ کہیں: "هذا أخ لي أو قريب لي"، "یہ میرا بھائی ہے یا میرا قریبی ہے" تو آپ نے مجھے گمراہ کیا، تو کوئی کہنے والا اپنے نبی ﷺ کو ایسے کہہ سکتا ہے؟

پس ضروری ہے کہ اس شخص نے آپ ﷺ کو کہا ہو: "أبي أو أخي، أو ابن عمي... إلخ" (میرا باپ یا میرا بھائی یا میرے چچا کا بیٹا...الخ) یعنی محدود لفظ بولا جس سے سوال کرنے والے کو دوبارہ سوال کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

لہٰذا اس حدیث کو اپنے کسی قریبی کی طرف سے حج کرنے کے جواز کی دلیل بنانا صحیح نہیں، پھر اگر اس آدمی نے کہا: "أخ لي" (وہ (شبرمہ) میرا بھائی ہے) تو کیا یہ بھائی (شبرمہ) جس کی طرف سے اس کا یہ قریبی حج کر رہا ہے، جس طرح آج لوگ بہت سے فوت شدہ مسلمانوں کی طرف سے حج کرتے ہیں۔

تب تو ہم یہی تصور کریں گے کہ یہ شبرمہ ایک مریض تھا اور حج کرنے سے عاجز آ گیا تو اس نے اپنے کسی قریبی کو وصیت کی کہ وہ اس کی طرف سے حج کر دے۔

(علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

کسی مسلمان کا اپنے والدین کی طرف سے حج یا عمرہ کرنے کا حکم جبکہ وہ بقیدِ حیات ہیں:

سوال کیا کسی مسلمان آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے زندہ والدین کی طرف سے حج یا عمرہ ادا کرے؟

جواب اس مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے۔ جہاں تک فرض حج اور فرض عمرے کا تعلق ہے تو وہ اسلام کے حج اور اسلام کے عمرے کی طرح ہے، ان میں زندہ آدمی کی نیابت جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وہ زندہ آدمی ایسے عاجز آ جائے کہ وہ حج یا عمرے کو ٹھیک طور پر ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے، جیسے کسی مریض کی ایسی دائمی مرض ہو کہ وہ اس بیماری کی وجہ سے حج پر جانے کے لیے سواری پر بیٹھنے اور ارکان حج ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا وہ بہت بوڑھا کھوسٹ ہو۔

دلیل اس کی وہ حدیث ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے اپنے باپ کے متعلق

سوال کیا کہ اس پر اللہ کی طرف سے حج اس حال میں فرض ہوا ہے کہ وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ نبی ﷺ نے اس کو جواب دیا: "حجي عن أبيك" (تو اپنے باپ کی طرف سے حج کر) رہا نفل حج تو اس میں یہ گنجائش ہے۔ زندہ کی طرف سے حج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ وہ طاقت بھی رکھتا ہو۔ یہ علماء کے ایک گروہ کا موقف ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کے ذبیحہ کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے جانور ذبح کرنا جائز ہے؟ کیا اس کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کھانا جائز ہے؟

جواب عورت کے لیے مرد کی طرح جانور ذبح کرنا جائز ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت سے ثابت ہے۔ اس کے ذبیحہ سے کھانا جائز ہے، جب وہ عورت مسلمان ہو یا اہل کتاب میں سے ہو اور وہ شرعی طریقہ سے ذبح کرے، حتی کہ مرد کی موجودگی میں بھی وہ ذبح کرسکتی ہے جو اس ذبح میں اس کا قائم مقام بن سکتا ہو۔ عورت کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی یہ شرط ہرگز نہیں ہے کہ وہ مرد کے نہ ہونے کی وجہ سے ذبح کرے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

شیخ عثیمین کا فتویٰ:

ہاں، عورت کے لیے قربانی کے جانور وغیرہ ذبح کرنا جائز ہے کیونکہ اصل یہ ہے کہ عورتیں اور مرد عبادات وغیرہ میں شریک ہیں، الا یہ کہ کوئی دلیل ایسی ہو جو اس تشارک کو روکنے والی ہو، اس بنا پر کہ اس لونڈی کے قصے میں یہ بات ثابت ہے جو سلع پہاڑ پر بکریاں چرا رہی تھی، بھیڑیے نے ایک بکری کو زخمی کر دیا تو اس لونڈی نے ایک تیز دھار پتھر کے ساتھ اس بکری کو ذبح کر لیا، اور یہ واقعہ نبی ﷺ کے دور کا ہے اور نبی ﷺ نے اس کا گوشت کھانے کا حکم دیا تھا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حج وعمرہ کے متفرق مسائل

ایک عورت ہزار درہم کی مالک ہے، وہ ان درہموں کا اپنی بیٹی کو جہیز دے یا حج کرے؟

سوال ایک عورت کے پاس ایک ہزار درہم ہے اور اس نے نیت کی کہ وہ اپنی بیٹی کو ان سے کپڑے خرید دے گی، کیا اپنی بیٹی کو ان درہموں سے جہیز دینا افضل ہے یا ان سے حج کرنا افضل ہے؟

جواب ہاں، وہ ہزار درہم رقم سے حج کرے اور چاہے تو باقی رقم سے بیٹی کی شادی کر دے کیونکہ حج اس کے ذمہ فرض ہے جب وہ اس کی طرف راستے کی طاقت رکھتی ہو، اور جس کے پاس اتنی رقم (ہزار درہم) ہو وہ حج کے راستے کی طاقت رکھنے والا شمار ہوگا۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

عورت کا دورانِ احرام سونے وغیرہ کے زیورات پہننے کا حکم:

سوال عورت کا دورانِ احرام سونے کی انگوٹھیاں وغیرہ پہننے کا کیا حکم ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ اکثر اوقات میں غیر محرم مردوں کے سامنے ظاہر ہو جاتی ہیں؟

جواب عورت احرام کی حالت میں جو چاہے سونا پہنے، اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ اسراف کی حد کو نہ پہنچے حتی کہ وہ ہاتھوں میں انگوٹھیاں اور کنگن بھی پہن سکتی ہے، لیکن وہ سونا پہننے کی حالت میں فتنے میں واقع ہونے کے ڈر سے اجنبی مردوں سے اس کو چھپا کر رکھے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حج اور عمرہ کرنے والی عورت کا اجنبی مردوں کے سامنے اپنا چہرہ کھولنے کا حکم:

سوال حج اور عمرہ کرنے والی عورت کا اجنبی مردوں کی موجودگی میں اپنا چہرہ کھولنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس پر ایسا کرنا حرام ہے۔ عورت کے حج، عمرہ اور ان کے علاوہ مواقع پر اجنبی مردوں کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا جائز نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا مطاف میں رش کے وقت طواف کرنا یا مردوں سے دور رہ کر کسی دوسری عبادت میں مشغول ہونا افضل ہے:

سوال عورت کے لیے ان دو کاموں میں سے کون سا کام افضل ہے: مطاف میں رش کے وقت طواف کرنا یا مردوں سے دور رہ کر کسی دوسری عبادت میں مشغول ہونا؟

جواب جب عمرہ یا حج کا موسم ہو تو اس میں افضل یہ ہے کہ انسان بار بار طواف نہ کرے، حتی کہ مرد بھی طواف میں تکرار نہ کرے تو عورت کیسے کر سکتی ہے۔؟

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

موجودہ دور میں عورت دن کے وقت کسی اور سے کنکریاں مروا لے یا رات کے وقت خود کنکریاں مارے؟

سوال کیا اس دور میں رمی کے دوران رش اور بھیڑ عورت کے لیے معقول عذر ہے کہ اس کے لیے یہ جائز ہو کہ وہ کسی سے کنکریاں مروائے؟ اور ان دو کاموں میں سے کون سا کام افضل ہے: وہ کسی کو اپنا نائب بنا دے جو دن کے وقت اس کی طرف سے کنکریاں مار دے یا وہ رات کے وقت از خود کنکریاں مارے؟

جواب ہاں، یہ عذر شمار ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے رمی کے دوران مردوں سے ٹکرانے کی وجہ سے اس کی حرمت پامال ہوتی ہے، لہٰذا اُس کو اختیار ہے کہ وہ اپنا نائب بنا دے جو دن کے وقت اس کی طرف سے رمی کرے یا وہ رات کے وقت بذات خود رمی کر لے۔

(فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

عمرہ یا حج کی غرض سے یا عام حالات میں تکلیف سے بچنے کی خاطر مانعِ حمل گولیاں استعمال کرنے کا حکم:

سوال عمرہ یا حج کی غرض سے یا عام حالات میں حمل کی تکالیف سے بچنے کی خاطر مانعِ حمل گولیاں استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب میں نہیں سمجھتا کہ عورت بلا کسی انتہائی ضرورت کے ان کو استعمال کرے، مثلاً وہ

کمزور جسم کی مالک ہو یا بیمار ہو یا اس جیسی کوئی اور ضرورت ہو جو اس کو یہ گولیاں استعمال کرنے پر مجبور کر دے۔ اور جب حمل کے سبب اس کو نقصان ہوتا ہو اور اس کے لیے یہ گولیاں استعمال کرنا جائز ہو جائیں تو اس کے شوہر کا اس پر اتفاق کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ نسل میں تصرف کا جس طرح عورت کو حق ہے اسی طرح مرد کو بھی اس کا حق حاصل ہے۔

اس وجہ سے علماء نے کہا ہے: مرد کے لیے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز نہیں ہے، اور عزل بھی عدمِ حمل کے اسباب میں سے ہے، لہٰذا ہر عورت کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ اس سے پرہیز کرے کیونکہ اولاد کا زیادہ ہونا برکت اور نفع کا باعث بنے گا اور اس سے نبی ﷺ کے حکم پر عمل پیرا ہونے کی سعادت حاصل ہوگی۔ رہا عمرے اور حج کی ادائیگی کے قابل بننے کے لیے ان گولیوں کو استعمال کرنا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ ایک عارضی معاملہ ہے، البتہ ان تمام حالات میں ان گولیوں کے استعمال کرتے وقت ڈاکٹر کی رائے لے لینا ضروری ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورتوں کے لیے رش میں حجر اسود کو بوسہ دینا یا مردوں کے رش سے دور رہنا افضل ہے؟

سوال سائل کہتا ہے: میں نے بعض طواف کرنے والوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو حجر اسود کا بوسہ لینے کے لیے روانہ کرتے ہیں۔ کیا ان کے لیے بوسہ لینا افضل ہے یا مردوں کے رش سے دور رہنا افضل ہے؟

جواب اگر اس سائل نے یہ عجیب امر دیکھا ہے تو میں نے اس سے بھی عجیب امر دیکھا ہے، میں نے اس شخص کو دیکھا جو فرض نماز کی سلام پھیرنے سے پہلے ہی اٹھ جاتا ہے تاکہ وہ تیزی سے دوڑ کر حجر اسود کو بوسہ دے، پس وہ اپنی فرض نماز کو، جو کہ ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے، باطل کر دیتا ہے تاکہ وہ حجر اسود کو بوسہ دے جو واجب نہیں ہے اور مشروع بھی نہیں ہے، الا یہ کہ وہ طواف کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

یہ لوگوں کی جہالت ہے۔ لوگوں کو یہ جہالت ایسی چمٹی ہوئی ہے کہ انسان کو اس پر افسوس ہوتا ہے، پس حجر اسود کو بوسہ دینا یا استلام کرنا صرف طواف میں سنت ہے، کیونکہ

میں نہیں جانتا کہ طواف سے ہٹ کر حجر اسود کو استلام کرنا کوئی مستقل سنت ہے میں یہاں پر کہوں گا کہ مجھے علم نہیں ہے، اور میں اس شخص سے امید کرتا ہوں جو میرے علم کے خلاف علم رکھتا ہے کہ وہ ہمیں بھی وہ علم پہنچا دے، اللہ اس کو جزائے خیر عطا کرے۔

تب ثابت ہوا کہ حجر اسود کا بوسہ طواف کے مسنون اعمال سے ہے، پھر وہ بھی اس صورت میں جب اس میں کوئی اذیت نہ ہو، نہ طواف کرنے والے کو اور نہ دوسروں کو۔ اگر اس سے طواف کرنے والے یا کسی دوسرے کو اذیت پہنچتی ہو تو ہم دوسرے مرتبے کی طرف منتقل ہو جائیں گے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے مشروع قرار دیا ہے وہ یہ کہ بے شک انسان حجر اسود کو استلام کرے اور اپنے ہاتھ کو چوم لے۔ اور یہ مرتبہ بھی ممکن نہ ہو مگر اذیت اور مشقت کے ساتھ تو ہم تیسرے مرتبے کی طرف منتقل ہو جائیں گے جو اللہ کے رسول ﷺ نے ہمارے لیے مشروع قرار دیا ہے اور وہ ہے اس کی طرف اشارہ کرنا، پس ہم دائیں ہاتھ کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کریں گے اور ہاتھ کو بوسہ نہیں دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی سنت تو یہی ہے اور جب یہ کام مشکل اور خطرناک ہو جیسا کہ سائل ذکر کر رہا ہے کہ عورتوں کو حجر اسود کا بوسہ لینے کے لیے بھیجا جاتا ہے، حالانکہ بعض اوقات عورت حاملہ یا بوڑھی ہوتی ہے یا ایسی نوعمر بچی جو اس کی طاقت نہیں رکھتی یا بچے کو اٹھا کر بوسہ دلوانے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ تمام صورتیں ناپسندیدہ ہیں کیونکہ ایسا کرنے سے خود کرنے والوں کے لیے نقصان اور دوسروں کے لیے تنگی اور ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے، یہ سارا کچھ یا تو حرام ہے یا کہ کم از کم مکروہ ضرور ہے۔

لہٰذا کسی بھی انسان کو، الحمدللہ جب اس مسئلہ میں وسعت ہے، ایسا نہیں کرنا چاہیے، پس اپنے اوپر آسانی کرو سختی نہ کرو، وگرنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کریں گے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اپنی زندہ والدہ کو طواف کر کے ایصالِ ثواب کرنے کا حکم:

سوال کیا یہ جائز ہے کہ میں طواف کروں اور اپنی بقید حیات والدہ کو اس کا ایصال ثواب کروں؟

جواب حنابلہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ بلاشبہ اعمال کا ثواب مسلمان کو ہبہ کیا جا سکتا ہے،

خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، اور انھی اعمال میں طواف، نماز اور ان کی طرح کے دوسرے اعمال شامل ہیں۔[1] (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

خادمہ کو اس کے محرم کے بغیر حج، عمرہ یا کسی بھی ملک کے سفر پر ساتھ لے جانے کا حکم:

سوال سائل کہتا ہے: گھر میں ہماری ایک خادمہ ہے، جب ہم حج، عمرہ، یا ملک کے کسی بھی شہر کے سفر کا ارادہ کریں تو کیا ہم اس کو محرم کے بغیر ساتھ لے جا سکتے ہیں؟ ہمیں جواب سے آگاہ فرما کر فائدہ پہنچائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جواب کیا یہ خادمہ عورت نہیں؟ تو پھر کونسی دلیل ہے جو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: ((لا تسافر امرأة إلا مع ذي محرم)) (عورت اپنے محرم کے بغیر سفر نہ کرے) کی زد سے نکالتی ہے؟

ہاں، بالفرض خادمہ کا ان کے پیچھے گھر میں رہنا ممکن نہ ہو کیونکہ ملک میں اس کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے تو اس حالت میں وہ ضرورت کی وجہ سے ان کے ساتھ سفر پر جا سکتی ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا ہر عورت کو عاجز سمجھ کر مزدلفہ سے چاند غروب ہونے کے بعد عید کی رات منیٰ بھیجا جا سکتا ہے؟

سوال کیا ہر عورت کو ان عاجز اور کمزور لوگوں میں شمار کیا جا سکتا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند غروب ہونے کے بعد عید کی رات مزدلفہ سے منیٰ لوٹ آنے کی رخصت عنایت فرمائی تھی؟

جواب نہیں، ہر عورت عاجزوں میں سے نہیں ہے۔ عاجزی ایک ایسا وصف ہے جو مرد میں بھی ہو سکتا ہے اور عورت میں بھی، اسی طرح قوت اور قدرت بھی ایسا وصف ہے جو مرد اور عورت دونوں میں ہو سکتا ہے۔ اسی لیے عائشہ رضی اللہ عنہا نے خواہش کی تھی کہ وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر سے پہلے مزدلفہ سے لوٹنے کی اجازت لے لیتی، جیسے سودہ رضی اللہ عنہا نے اجازت لے لی۔ قوت اور قدرت کا اعتبار مردوں اور عورتوں میں یکساں ہوگا۔

[1] لیکن یہ فتویٰ دلیل کا محتاج ہے کیونکہ صدقہ کے علاوہ کسی عمل کا ثواب پہنچنا ثابت نہیں۔ (مترجم)

اور صحیح بات یہ ہے کہ جب حاجی کے لیے فجر سے پہلے مزدلفہ سے لوٹنا جائز ہے تو اس کے لیے منیٰ پہنچتے ہی رمی کرنا بھی جائز ہے اور طلوعِ آفتاب تک انتظار کرنا لازم نہیں ہے لیکن اگر وہ طلوع آفتاب تک انتظار کرے تو یہ افضل تو ہے، لازم نہیں ہے کیونکہ مزدلفہ سے لوٹنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے رش کی وجہ سے آدمی پر (کنکریاں مارنے میں) مشقت اور تکلیف نہ ہو، پس جب آپ طلوعِ فجر سے پہلے منیٰ پہنچ گئی ہیں اور آپ جمرہ کو کنکریاں مارنا چاہتی ہیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے، لیکن طاقت اور قدرت رکھنے والا انسان تو وہ مزدلفہ سے نمازِ فجر پڑھے بغیر نہ لوٹے، جیسا کہ نبی ﷺ نے کیا تھا۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

چالیس دن سے پہلے نفاس سے پاک ہونے والی عورت کے حج کا حکم:

سوال جب نفاس والی عورتیں چالیس دن سے پہلے پاک ہوجائیں تو کیا ان کا حج درست ہے؟ اگر وہ طہارت نہ دیکھے تو کیا کرے؟ یہ جانتے ہوئے کہ وہ حج کی نیت کیے ہوئے ہے؟

جواب جب نفاس والی عورتیں چالیس دن سے پہلے پاک ہوجائیں تو وہ غسل کریں، نماز ادا کریں اور وہ سب کام کریں جو پاک عورتیں کرتی ہیں حتی کہ وہ طواف بھی کریں کیونکہ نفاس کی کم از کم مدت کی کوئی حد بندی نہیں ہے۔

لیکن جب ایسی عورت طہارت نہ دیکھے تو اس کا حج بھی صحیح ہے لیکن وہ پاک ہونے تک بیت اللہ کا طواف نہ کرے کیونکہ نبی ﷺ نے حائضہ کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے منع کیا ہے، اور نفاس بھی حیض ہی کی طرح ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کتاب النکاح
نواں باب

حقِ مہر نکاح کی شرطوں میں سے ہے

کسی مسلمان کا اپنی بیٹی کا اللہ کی رضا کے لیے بغیر حقِ مہر کے نکاح کرنے کا حکم:

سوال کیا مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ اللہ کی رضا کی خاطر اپنی بیٹی کا بغیر حقِ مہر کے نکاح کرے؟

جواب نکاح میں مال کا ہونا ضروری ہے، جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ ﴾ [النساء: 24]

''اور تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں جو ان کے سوا ہیں کہ اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو۔''

اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہ والی حدیث، جس کی صحت پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کو فرمانا جس نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا جس نے اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا:

« التمس ولو خاتما من حديد »[1]

''لوہے کی ایک انگوٹھی ہی تلاش کر لاؤ۔''

جب انسان بغیر حقِ مہر کے شادی کرے گا تو عورت کے لیے مہرِ مثل واجب ہوگا۔ نیز عورت کو قرآن وحدیث کی کچھ تعلیم دے کر اور علوم نافعہ کی کچھ قابلِ ذکر تعلیم دے کر اس سے نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکور شخص کا نکاح اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کرنے والی عورت کے ساتھ اس کو قرآن کی تعلیم دینے کی بنیاد پر کر دیا تھا کیونکہ اس شخص کے پاس مال نہیں تھا۔ اور مہر عورت کا حق ہے، پس اگر وہ نیک بخت اس کے کسی حصے سے دست بردار ہو جائے تو یہ صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4741]

نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا﴾ [النساء: 4]

''اورعورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دو، پھر اگر وہ اس میں سے کوئی چیز تمھارے لیے چھوڑنے پر دل سے خوش ہوجائیں تو اسے کھا لو، اس حال میں کہ مزے دار، خوشگوار ہے۔'' (ابن باز رحمہ اللہ)

مہرِ مؤجل اور اس میں زکوۃ کا حکم:

سوال کیا عورت کے حق مہر کو مؤجل کرنا درست ہے؟ نیز کیا اس پر زکوۃ واجب ہوگی؟

جواب مہرِ مؤجل جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ [المائدة: 1]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! عہد پورے کرو۔''

اور عقد کو پورا کرنا عقد اور جو اس کے ساتھ شرط لگائی گئی ہو اس کو پورا کرنے پر مشتمل ہے کیونکہ عقد میں مشروط عقد کی شرائط میں سے ہے۔ جب انسان سارے یا بعض حق مہر کے مؤجل ہونے کی شرط لگائے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر اس نے حقِ مہر کا کوئی وقت مقرر کیا ہے تو وہ اس وقت کے پورا ہونے پر واجب ہوجائے گا اور اگر اس نے حقِ مہر کو مؤجل نہیں کیا تو وہ طلاق کے ساتھ جدائی یا نکاح کے فسخ ہونے یا شوہر کی موت کے ساتھ واجب ہوجائے گا۔ اور اس میں مہرِ مؤجل میں سے زکوۃ ادا کرنا عورت کے ذمہ واجب ہوگا، اگر اس کا خاوند مالدار ہو۔ اور اگر وہ فقیر و تنگ دست ہے تو عورت پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

اور اگر لوگ اس مسئلہ، یعنی مہرِ مؤجل کے مسئلہ پر عمل کرلیا کریں تو اکثر لوگوں کے لیے شادی کرنا آسان ہوجائے۔ اور عورت اگر عقل وشعور کی مالک ہے تو اس کے لیے حقِ مہر میں تاخیر کو قبول کر لینا جائز ہے لیکن اگر اس کو مجبور کیا جائے یا اگر وہ حقِ مہر میں تاخیر کو قبول نہ کرے تو اس کو طلاق کی دھمکی دے تو اس صورت میں حق مہر ساقط نہیں ہوگا کیونکہ عورت کو حقِ مہر ساقط کرنے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حقِ مہر کے وجوب کا وقت:

سوال عورت کے لیے حق مہر کب واجب ہوگا؟ کا عقد نکاح حق مہر کو واجب کرتا ہے یا دخول حق مہر کو واجب کرنے والا ہے؟

جواب عورت کے لیے مکمل حقِ مہر خلوت، جماع، موت اور مباشرت سے ثابت ہوجاتا ہے۔ جب انسان کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے ساتھ خلوت اختیار کر لے تو اگر وہ اس کو طلاق دے گا تو عورت کے لیے پورا حقِ مہر ثابت ہوجائے گا' اور اگر اس سے نکاح کر کے اس سے مجامعت کر لے تو بھی پورا حقِ مہر ثابت ہوجائے گا، اور اگر وہ اس سے مباشرت کر لے تو بھی اس کے لیے پورا حقِ مہر ثابت ہوجائے گا، پس یہ چار امور ہیں جن کے ساتھ حقِ مہر واجب ہوجاتا ہے: خاوند کی موت، بیوی سے خلوت، اس سے جماع اور اس سے مباشرت کر لینے کے ساتھ۔ اس بنا پر اگر کوئی آدمی کسی عورت سے نکاح کرے، پھر اس سے نہ دخول کرے، نہ اس کو دیکھے اور نہ ہی سے اس کلام کرے اور فوت ہوجائے تو ایسی صورت میں عورت پر کیا واجب ہوگا؟

اس پر عدت واجب ہوگی اور اس کے لیے وراثت ثابت ہوگی، اگر خاوند نے اس کا مہر مقرر نہ کیا ہو تو اس کے لیے مہرِ مثل ثابت ہوگا، یقیناً بعض لوگ اس سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ خاوند نے نہ اپنی بیوی کو دیکھا اور نہ اس سے دخول ہی کیا؟

ہم کہتے ہیں ہاں، کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ﴾ [البقرة: 234]

''اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے اور دس راتیں انتظار میں رکھیں۔''

اور یہ اس کی بیوی ہے اگرچہ اس نے اس سے دخول نہیں کیا۔ اور اگر اس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے دخول اور خلوت سے پہلے طلاق دے دی تو کیا اس کو پورا

حق مہر ملے گا؟ اگر حقِ مہر متعین ہو تو اس کو نصف حقِ مہر ملے گا، اور اگر حقِ مہر متعین نہ ہو تو بھی اس کو کچھ نہ کچھ ملے گا، اور اس پر عدت واجب نہیں ہوگی۔ اللہ عز وجل فرماتے ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ﴾

[الأحزاب: 49]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ انھیں ہاتھ لگاؤ تو تمھارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرتے ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے:

﴿ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ﴾ [البقرة: 237]

''اور اگر تم انھیں اس سے پہلے طلاق دے دو کہ انھیں ہاتھ لگاؤ، اس حال میں کہ تم ان کے لیے کوئی مہر مقرر کر چکے ہو تو تم نے جو مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف (لازم) ہے مگر یہ کہ معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔'' (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

منگنی توڑنے والے کے اپنی منگیتر کو دیے ہوئے تحائف کا حکم:

سوال منگنی توڑنے والے کے اپنی منگیتر کو دیے ہوئے تحائف کا کیا حکم ہے؟

جواب منگنی کرنے والے مرد و عورت کی منگنی جب مرد کی طرف سے ٹوٹے تو مرد کو اس کو دیے ہوئے تحائف میں سے کچھ بھی واپس نہیں ملے گا، چاہے وہ عورت میں ظاہر ہونے والے کسی عیب کی وجہ سے ہی کیوں نہ منگنی توڑ رہا ہو لیکن اگر منگنی توڑنے والی عورت ہو تو مرد نے جو کچھ اس کو دے رکھا ہو گا وہ واپس لے گا۔ (عفیفی رحمہ اللہ)

زوجین کی رضا مندی کا بیان

عورت کا اپنے سے بڑی عمر کے مرد کے ساتھ نکاح کرنے پر راضی ہوجانے کا حکم:

سوال عورت ایک ایسے مرد سے نکاح کرنے پر راضی ہوگئی جو اس سے عمر میں بڑا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ہمیں آپ کا خط ملا جس میں آپ نے یہ ذکر کیا ہے کہ آپ کو اپنی عمر سے چھوٹی لڑکی کے ساتھ نکاح کا اتفاق ہو رہا ہے، اور اس کی عمر اکیس سال ہے جب کہ آپ کی عمر باون سال ہے، اور اس نے آپ سے موافقت کر لی ہے اور وہ اور اس کے گھر والے اس پر راضی ہیں بعض لوگوں نے اس شادی پر اس لڑکی کے آپ سے کم سن ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا ہے اور آخر تک جو آپ نے خط میں وضاحت کی میں نے اس کو پڑھا۔

پس اس کا جواب یہ ہے: اگر عورت راضی ہے اور وہ عاقلہ اور سمجھدار ہے اور اس کے اولیاء راضی ہیں اور آپ اس کے کفو ہیں تو اس میں کوئی شرعی مانع نہیں جو اس شادی سے روکتا ہے اور جو اس پر اعتراض کر رہا ہے وہ غلطی پر ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

باپ کا اپنی بیوہ بیٹی کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کا حکم:

سوال اس بیٹی کا کیا حکم ہے جس کا نکاح اس کے باپ نے اجازت کے بغیر کر دیا اس وقت جب وہ بیوہ تھی؟

جواب جب صورتِ حال وہ ہے جو آپ نے بیان کی ہے تو اس کا بعد والا نکاح درست نہیں ہے کیونکہ نکاح کی شرطوں میں زوجین کا راضی ہونا شامل ہے، اور بیوہ عورت کو، ایک قول کے مطابق جب وہ نو سال سے تجاوز کر گئی ہو، اس کا باپ مجبور نہیں کر سکتا۔ (محمد بن ابراہیم)

باپ نے اپنی نابالغ بچی کسی کو ہبہ کر دی، باپ کے فوت ہونے اور بچی کے بالغ ہونے کے بعد بچی نے اس ہبہ سے انکار کر دیا:

سوال اس بچی کا کیا حکم ہوگا جس کو اس کے باپ نے کم سنی میں ایک آدمی کو ہبہ کر دیا، پھر اس کا باپ تو فوت ہوگیا اور اس بچی نے بالغ ہونے کے بعد باپ کے اس ہبہ سے انکار کر دیا اور وہ اس آدمی سے راضی نہ ہوئی جس کو اس کے باپ نے ہبہ کیا تھا؟

جواب جب معاملہ ایسے ہی ہے جیسے بیان کیا گیا ہے تو مذکورہ ہبہ کے ذریعہ سے شادی درست نہ ہوگی اور صرف اتنے سے ہی وہ بچی اس آدمی کی بیوی نہیں بن جائے گی کیونکہ اس میں عقدِ نکاح کی شرطیں موجود نہیں ہیں۔ (محمد بن ابراہیم)

یتیم بچی کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کا حکم:

سوال کیا یتیم بچی کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح جائز ہے؟

جواب یتیم بچی کا نکاح اس کا بھائی اس کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔اور بیوہ کی اجازت یہ ہے کہ وہ بول کر اجازت دے اور کنواری عورت کی اجازت یا تو کلام کے ساتھ ہے یا خاموش رہنے کے ساتھ کہ وہ بول کر انکار کرے: نہیں، یا وہ کہے کہ وہ راضی ہے تو اس کی اجازت پر گواہی کی ضرورت نہ ہوگی، الا یہ کہ جب ڈر ہو کہ اس کا بھائی یا ولی اس کو نکاح پر مجبور کر رہے ہیں تو پھر اس کی اجازت پر گواہی کا ہونا ضروری ہے۔

(السعدی)

جب عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا گیا، وہ کہے: اگر میرا یہ ولی راضی ہے تو میں بھی راضی ہوں:

سوال جب ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا گیا تو اس نے کہا: جب میرا یہ ولی راضی ہوگا تو میں بھی راضی ہوں تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب ہاں، جب وہ اس قول کے بعد راضی رہے اور اپنی رضا سے رجوع نہ کرے کیونکہ اس کی رضا معتبر ہے، خاص طور پر جب اس کا ولی باپ کے علاوہ کوئی اور ہو۔

(السعدی)

لڑکی کو ایسے آدمی سے نکاح پر مجبور کرنا جو اس کو پسند نہیں ہے:

سوال کیا لڑکی کو ایسے شخص سے شادی کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے جو اس کو پسند نہ ہو؟

جواب نہ اس کا باپ اور نہ ہی اس کی ماں اس کو نکاح پر مجبور کر سکتے ہیں اگرچہ وہ اس آدمی کی دین داری پر راضی ہی ہوں۔ (السعدی)

جب ایک عورت تمباکونوش سے شادی کرنا چاہے جبکہ اس کے اولیاء راضی نہ ہوں:

سوال ایک عقل وشعور والی خاتون کو ایک تمباکونوش آدمی نے نکاح کا پیغام بھیجا اور وہ اس سے نکاح کرنے پر راضی ہے جبکہ اس کے اولیاء اس پر راضی نہیں ہیں، کیا اس آدمی سے اس عورت کا نکاح صحیح ہے؟

جواب اولیاء کو مذکور آدمی سے نکاح کرنے سے روکنے کا حق ہے کیونکہ یہ شخص ان کی بدنامی کا باعث بنے گا کیونکہ یہ ایک ایسی معصیت ہے جس کے ساتھ ان کو عار دلائی جائے گی۔ (محمد بن ابراہیم)

کنواری لڑکی کا باپ کی اجازت کے بغیر شادی کرنے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ٹیلی فون اور خط وکتابت کے ذریعہ آپس میں گفتگو کرنے کا حکم:

سوال کیا کنواری لکڑی کا باپ کی اجازت کے بغیر شادی کرنا جائز ہے؟ اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا آپس میں دوستی کی حد میں رہتے ہوئے ٹیلی فون کے ذریعہ سے گفتگو کرنے اور خط وکتابت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے لیے باپ کی اجازت کے بغیر شادی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کا ولی ہے اور وہ اس سے زیادہ اچھے انداز میں جانچ پڑتال کر سکتا ہے، لیکن باپ کو بھی یہ جائز نہیں ہے کہ جب لڑکی اپنے نیک ہمسر سے شادی کرنا چاہے کہ وہ اس کو نکاح کرنے سے روکے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إذا أتاكم من ترضون دينه وأمانته فزوجوه، إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد كبير»[1]

---

[1] **حسن**. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1967]

''جب تمھارے پاس ایسا شخص نکاح کا پیغام لے کر آئے جس کی دینداری اور امانت و دیانت سے تم خوش ہو تو اس کو رشتہ دے کر اس کی شادی کر دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد برپا ہوگا۔''

اور لڑکی کو ایسے شخص سے شادی کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے جس سے اس کا باپ خوش نہ ہو کیونکہ باپ اس کی نسبت زیادہ گہری نظر رکھتا ہے، اور اس لیے بھی کہ وہ نہیں جانتی کہ شاید اس کی بھلائی اور بہتری اس سے شادی نہ کرنے میں ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ عَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّ ہُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ ﴾ [البقرۃ: 216]

''اور ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو۔''

لہٰذا عورت پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک شوہر عطا کرے۔ اور نوجوان لڑکیوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ نوجوان لڑکوں کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعہ گفتگو کریں کیونکہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا، اور نوجوان لڑکے اس کے متعلق طمع کریں گے اور اس سے لڑکیوں کی حیا جاتی رہے گی اور بہت سی دیگر خرابیاں بھی جنم لیں گی۔ (الفوزان)

قریب کے ولی کی عدم دستیابی کی وجہ سے دور کے ولی کا نکاح کروانا:

سوال خط کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایک شخص اپنے چچا کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہے مگر اس لڑکی کا ولی اس کے پانچ سالہ بھائی کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اس لڑکی کا ایک چچا عرصہ پندرہ سال سے حبشہ میں کسی جگہ مقیم ہے، اس کو کئی دفعہ ٹیلی گرام بھی بھیجا گیا، مگر اس نے جواب نہیں دیا۔

جواب ہم تمھاری رہنمائی کرتے ہیں کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ انھوں نے ذکر کیا ہے کہ اس لڑکی کا چچا حبشہ میں کسی ایسی مشہور و معروف جگہ پر نہیں رہتا کہ اس کا حاضر ہونا اور شادی کا وکیل بننا ممکن ہو تو اس لڑکی کے دور کے موجود ولی کے ذریعہ اپنا نکاح کروانے میں کوئی مانع نہیں ہے، خصوصاً اس وقت جب اس کو اس کے ہمسر نے نکاح کا پیغام دیا ہو اور وہ اس سے نکاح کرنے میں رغبت بھی رکھتی ہو۔ (محمد بن ابراہیم)

دور کے ولی کے کروائے ہوئے نکاح کو قریب کے ولی کے ماننے پر درست کرنے کا طریقہ:

سوال ایک لڑکی کا اس کے بھائی نے نکاح کروایا، بعد میں باپ نے اس سے اتفاق کر لیا، جب ہم اس نکاح کو درست کرنا چاہیں تو ہم کیا کریں؟

جواب جب کسی عورت کا بھائی اس کے باپ کی طرف سے وکیل بنے بغیر اس کا نکاح کروا دے تو نکاح صحیح نہ ہوگا اگرچہ باپ بعد میں متفق ہو جائے، اور جب وہ اس نکاح کو صحیح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو باپ بذات خود اس لڑکی کا نیا نکاح کرے یا وہ وکیل مقرر کر دے جو اس کا نکاح کرے، وہ وکیل خواہ اس کا بھائی ہو یا کوئی اور۔

(محمد بن ابراہیم)

جب کوئی آدمی کسی لڑکی کو نکاح کا پیغام بھیجے اور لڑکی کا ولی اس سے انکار کرے:

سوال جب کوئی شخص کسی لڑکی کو نکاح کی پیش کش کرے اور لڑکی کا ولی اس کو نکاح سے محروم رکھنے کے لیے اس کا انکار کر دے، اس سلسلہ میں اسلام کیا راہنمائی کرتا ہے؟

جواب اولیاء پر واجب یہ ہے کہ جب ان کو ایسے ہمسر نکاح کا پیغام بھیجیں جن کو وہ پسند کرتے ہیں تو ان کو جلدی سے اپنی بچیوں کی ان کے ساتھ شادی کر دینی چاہیے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا أتاكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه، إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد كبير»[1]

"تمھارے پاس ایسا شخص شادی کے لیے آئے جس کی دین داری اور خوش اخلاقی کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے شادی کر دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ برپا ہوگا اور بڑا فساد کھڑا ہوگا۔"

ان کو ان کے چچا وغیرہ کے بیٹوں، جن کو وہ پسند نہیں کرتیں، سے شادی کرنے کی غرض سے ان کو پسند کی جگہ پر شادی کرنے سے روکنا نہیں چاہیے اور نہ ہی بہت سا مال حاصل کرنے کے لیے اور نہ ہی دیگر اغراض کے لیے ان کو شادی سے روکنا چاہیے، جن کو

[1] **حسن**. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1967]

اللہ اور اس کے رسول نے مشروع نہیں قرار دیا۔

ولاۃِ امور مثلاً امراء اور قاضی صاحبان پر واجب ہے کہ وہ ظلم سے روکیں اور انصاف رائج کرنے کے لیے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کے اولیاء کے نکاح سے روکنے اور ظلم کرنے کے سبب اللہ کے حرام کردہ کاموں میں واقع ہونے سے بچانے کے لیے قریب سے قریب تر دیگر اولیاء کو مقرر کریں تا کہ وہ ان کی شادی کا اہتمام کر سکیں۔

(ابن باز رحمہ اللہ)

باپ بیٹے کی غیر صالح لڑکی سے شادی کرنا چاہے یا باپ بیٹے کی نیک عورت سے شادی کرنے پر انکار کرے:

سوال جب باپ اپنے بیٹے کی غیر صالح عورت سے شادی کرانا چاہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کا کیا حکم ہے کہ جب وہ نیک عورت سے نکاح کرنا چاہے اور باپ انکار کر دے؟

جواب باپ کے لیے بیٹے کی ایسی عورت سے شادی کرانا جائز نہیں ہے جس عورت کو وہ پسند نہیں کرتا، خواہ وہ دینی عیب کی وجہ سے اس کو ناپسند ہے یا جسمانی نقص اور عیب کی وجہ سے۔ اور کتنے ہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو ایسی عورت سے شادی کرنے پر مجبور کیا جن پر وہ راضی نہ تھے اور بعد میں ان کو ندامت و پشیمانی کا سامنا کرنا پڑا، لیکن پھر بھی وہ یہی کہتے ہیں: اس عورت سے شادی کر لو کیونکہ وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے یا یہ کہ وہ تیرے خاندان اور برادری وغیرہ کی عورت ہے۔ ایسی صورت میں نہ بیٹے پر لازم ہے کہ وہ اس نکاح کو قبول کرے اور نہ والد کا حق ہے کہ وہ بیٹے کو اس نکاح پر مجبور کرے۔ ایسے ہی اگر لڑکا ایک نیک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن باپ اس کو روک دیتا ہے تو اس صورت میں بھی بیٹے پر باپ کی اطاعت لازم نہیں ہے، جب بیٹا ایک نیک خاتون سے شادی کرنے پر آمادہ ہے اور اس کا باپ کہتا ہے: اس سے شادی نہ کر۔ تو لڑکے کو یہ حق ہوگا کہ وہ اس سے شادی کرے اگرچہ اس کا باپ اس کو منع کرے کیونکہ بیٹے کے لیے ایسے کام میں باپ کی

اطاعت لازم نہیں جس میں اس کے باپ کا کوئی نقصان نہیں، البتہ بیٹے کا اس میں فائدہ ہے۔ اور اگر ہم کہیں: بیٹے پر لازم ہے کہ وہ ہر چیز میں اپنے باپ کی اطاعت کرے حتی کہ اس میں بھی جس میں اس کا فائدہ ہے اور باپ کا نقصان نہیں ہے تو اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی، لیکن اس طرح کے حالات میں بیٹے کو لائق یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے اور حتی الوسع اس کو نرم کرے اور حسبِ طاقت اس کو قائل کرے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ٹیلی فون پر نکاح کا حکم:

سوال جب نکاح کے ارکان و شرائط مکمل ہوں، الا یہ کہ ولی اور خاوند ایک ملک میں ہوں تو کیا ٹیلی فون پر نکاح جائز ہے؟

جواب موجودہ دور میں دھوکہ، فراڈ اور ایک دوسرے کی آواز کی نقالی کرنا بکثرت پایا جاتا ہے حتی کہ ایک ہی شخص ایک پوری جماعت، جس میں مذکر و مؤنث، بڑے اور چھوٹے شامل ہوں، کی آواز کی نقل مختلف انداز اور زبان و لہجے میں اتارنے کی اتنی مہارت رکھتا ہے کہ سننے والا سمجھتا ہے کہ یہ مختلف لوگوں کی آوازیں ہیں، حالانکہ وہ ایک شخص کی آواز ہوتی ہے، لہٰذا شرمگاہوں کی حفاظت اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے شریعت کی خصوصی توجہ اور دیگر معاملات کے مقابلہ میں زیادہ احتیاط کرنے کی تعلیم کے پیش نظر افتا کی کمیٹی نے یہ طے کیا کہ عقدِ نکاح میں ایجاب و قبول اور وکالت کے مسئلہ پر ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو کو قابلِ اعتماد نہ سمجھا جائے تاکہ مقاصدِ شریعت اور شرمگاہوں اور عزت و آبرو کی حفاظت کے متعلق اس کی خاص عنایت محقق ہو سکے اور خواہش پرست اور دھوکہ و خیانت کرنے والے کسی قسم کا کھلواڑ نہ کرنے پائیں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

بالغ لڑکی کا ولی نہیں، قاضی بھی نہیں تو کیا امیرِ شہر قاضی کا قائم مقام بن سکتا ہے؟

سوال ایک لڑکی شادی کی عمر کو پہنچ گئی اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے جو اس کی شادی کرائے اور نہ ہی شہر میں کوئی قاضی ہے تو کیا امیرِ شہر قاضی کا قائم مقام بن کر اس کا نکاح کروا سکتا ہے؟

جواب لڑکی کا نکاح کرانے کے لیے لوگوں میں سے سب سے زیادہ ولایت کا حقدار اس کا باپ ہے، پھر اس کے باپ کا باپ۔ یعنی دادا اوپر تک، پھر اس کا بیٹا نیچے تک، پھر اس کا سگا بھائی، پھر اس کا علاتی بھائی، پھر اس سے قریب والا اور اس قریب والا عصبات میں سے اسی قرابت پر جو ترتیب وراثت میں ہوتی ہے، پھر بادشاہ جس کا نائب حاکم شرعی ہوتا ہے، لیکن امیر تو ولی امر کی طرف سے اس کی نیابت اداری امور میں ہوگی، اور قضا کے احکام کو نافذ کرنے میں۔ مذکورہ مسئلہ میں جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ امیر کو ایسی عورتوں پر ولایت کا حق نہیں ہے جن عورتوں کا ولی نہیں، ان کی ولایت کا حق قاضی کو ہے جب ان کے اہل میں سے ان کا کوئی ولی نہ ہو، اور ہمارے شہروں میں سے کوئی شہر ایسا نہیں جہاں قاضی نہ ہو، یا تو شہر میں قاضی ہے یا وہ قضا میں کسی دوسرے شہر کا تابع ہے جس میں قاضی موجود ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جھوٹی ولایت کی سزا:

سوال ایک عورت کا باپ اور بھائی ہے اور اس کے باپ کا وکیل نکاح وغیرہ میں حاضر ہوتا ہے۔ وہ عورت کچھ گواہوں کے پاس گئی اور اپنا اور اپنے باپ کا نام تبدیل کر لیا اور دعویٰ کیا کہ اس کو ایک شخص نے طلاق دی ہوئی ہے اور اب وہ اس سے نیا نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اس نے ایک اجنبی آدمی کو کھڑا کیا اور کہا کہ یہ اس کا بھائی ہے، پس اس پر ساری تحریر لکھ دی گئی، پھر اس کی کارگزاری ظاہر ہوگئی اور عدالت میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے تو کیا اس عورت کو اس کام پر تعزیر لگائی جائے گی؟

جواب اس عورت کو سخت تعزیر لگنی چاہیے اور اگر ولی امر اس کو کئی بار تعزیر لگائے تو یہ بہت اچھا ہوگا، جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایسے فعل کے ارتکاب پر مکرر تعزیر لگاتے تھے جو فعل کئی حرام کاموں پر مشتمل ہوتا تھا، چنانچہ وہ پہلے دن تعزیر ایک سو (درے وغیرہ) لگاتے، اور دوسرے دن سو، اور تیسرے دن سو، یعنی تعزیر قسطوں میں لگاتے تاکہ اس کے بعض اعضاء خراب نہ ہو جائیں۔ اسی طرح یہ مذکورہ عورت اس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی اور اس نے اپنے بھائی کا نائب کھڑا کیا اور یہ

کبیرہ گناہ ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«من ادعى إلى غير أبيه أو تولى غير مواليه فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرفا ولا عدلاً» ❶

"جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی یا جس غلام نے اپنے آقاؤں کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ اس کا کوئی فرض عمل قبول ہوگا اور نہ نفل۔"

بلکہ صحیح بخاری میں سعد اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی ثابت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«من ادعى إلى غير أبيه فالجنة عليه حرام» ❷

"جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف نسبت کی، اس پر جنت حرام ہے۔"

اور صحیح مسلم میں ہی ایک حدیث ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے جو اس مذکورہ حدیث سے بلیغ ہے۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ليس من رجل ادعى إلى غير أبيه وهو يعلم إلا كفر، ومن ادعى ما ليس له فليس منا وليتبوأ مقعده من النار، ومن رمى بالكفر رجلا أو قال: عدو الله وليس كذلك إلا حار عليه» ❸

"جس کسی نے بھی جانتے ہوئے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور طرف اپنی نسبت کی، اس نے کفر کیا۔ اور جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے، وہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھ لے۔ اور جس نے کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہا، حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو اس کا لگایا ہوا یہ عیب اسی پر لوٹ آئے گا۔"

یہ بہت بڑی وعید ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والے کو سخت سزا دی جائے، وہ سو کوڑوں اور اس طرح کی سزا کا مستحق ہے۔

---

❶ صحیح مسلم، رقم الحدیث [1370]

❷ صحیح البخاري، رقم الحدیث [4071]

❸ صحیح مسلم، رقم الحدیث [61]

نیز اس نے گواہوں پر اس معاملہ میں پردہ ڈالا، ان کو باطل عقد میں ملوث کیا اور باطل نکاح کیا، لہٰذا جمہور علماء فرماتے ہیں: بغیر ولی کے نکاح باطل ہے اور ایسا کرنے والے کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اقتدا کرتے ہوئے وہ تعزیر کا حکم سناتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے بلکہ علماء کا ایک گروہ اس پر رجم وغیرہ کی حد لگاتے ہیں۔ اور جس نے مطلق طور پر یا مدینہ میں بغیر ولی کے نکاح کو جائز قرار دیا، اس نے بھی اس طرح جھوٹے نسب کا دعویٰ کرنے اور باطل ولی بنانے کی صورت میں جائز قرار نہیں دیا، لہٰذا ایسے شخص کی سزا پر مسلمانوں میں اتفاق ہے۔

نیز مذکورہ عورت کو اس کی کذب بیانی پر بھی سزا ملنی چاہیے۔ اسی طرح اس کے اس دعوے پر کہ اس کا خاوند تھا اور اس نے اس کو طلاق دی ہے۔ اور خاوند کو بھی سزا ملنی چاہیے اور ایسے ہی اس شخص کو بھی جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس عورت کا بھائی ہے اس کو ان جرموں پر سزا دی جائے۔

اور ان کو کو جھوٹی گواہی پر سزا دی جائے جو انھوں نے اس عورت کی نسبت اور اس کی شادی اور طلاق کی نسبت اور اس کے ولی کے حاضر نہ ہونے کے متعلق جھوٹی گواہی دی ہے کیونکہ وہ اس لائق ہیں کہ ان کی سزا میں خوب مبالغہ کیا جائے۔ بلاشبہ فقہاء نے جھوٹے گواہ کا منھ کالا کرنے کی دلیل پکڑی ہے اس سے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ اس کا چہرہ سیاہ کیا کرتے تھے، یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ اس کے چہرے کی سیاہی اس کے جھوٹ کی وجہ سے ہے، اور وہ اس کو پیچھے کی طرف منہ کر کے سواری (گدھے وغیرہ) پر الٹا سوار کرتے تھے یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ اس نے اصل بات کو الٹا کیا ہے، اور اس کو شہر میں گھماتے تھے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ وہ جھوٹا گواہ ہے۔

ان لوگوں کو تعزیر لگانا حاکم کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، بلکہ حاکم، محتسب اور دیگر ولاۃِ امور، جو یہ تعزیر لگانے کا اختیار رکھتے ہیں، بھی یہ تعزیر لگا سکتے ہیں۔ اور یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ ان حالات میں، جن میں عورتوں کا فساد اور بہت سی جھوٹی گواہیاں دلوائی گئیں، ایسے ہی ہونا چاہیے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إن الناس إذا رأوا المنكر فلم يغيروه أو شك أن يعمهم بعقاب منه»[1]

''جب لوگ برائی کو دیکھ کر اس سے روکنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی طرف سے عذاب نازل کر دے۔'' واللہ اعلم

(ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

نکاح کے آداب

نکاح کے اعلان کی غرض سے عورتوں کے دف بجانے کا حکم:

سوال اعلانِ نکاح کی خاطر عورتوں کے دف بجانے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورتوں کا دف بجانا مستحب ہے تا کہ نکاح کا اعلان اور اس کی تشہیر ہو جائے مگر یہ صرف عورتوں میں ہونا چاہیے، اس کے ساتھ موسیقی، آلاتِ لہو اور گویوں کی آوازیں نہیں ہونی چاہییں۔ اور اس مناسبت سے شعر پڑھنا بھی جائز ہے اور وہ اس طرح کہ عورتوں کی آواز مرد نہ سننے پائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فصل ما بين الحلال والحرام الدف والصوت في النكاح»[2]

''حلال اور حرام نکاح میں فرق کرنے والی چیز دف بجانا اور آواز ہے۔''

قاضی شوکانی رحمہ اللہ نے ''نیل الاوطار'' میں کہا:

''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کے موقع پر دف بجانا اور اس طرح کے کلام کو بلند آواز سے پڑھنا: "أتيناكم أتيناكم..." (ہم تمھارے پاس آئے ہیں، ہم تمھارے پاس آئے ہیں...) اور اس طرح کے اور کلام پڑھنا جائز ہے، نہ کہ وہ گیت جو شرور کو ابھارنے والے، حسن و فخر کے وصف پر مشتملہوتے ہیں، کیونکہ اس طرح کے گیت نکاح کے موقع پر اور عام حالات میں بھی حرام ہیں۔''

---

[1] **صحيح**. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [4005]

[2] **حسن**. سنن الترمذي، رقم الحديث [1088]

بیٹی اور داماد کو اپنے پاس ٹھہرانے کا حکم:

سوال صورتِ حال یہ ہے کہ بعض علاقوں میں جب کوئی نوجوان کسی خاندان میں شادی کے لیے آتا ہے تو بچی کا والد بہت زیادہ حقِ مہر کی شرط لگاتا ہے، اور جب شادی پر مکمل اتفاق ہوجاتا ہے اور نوجوان کی شادی ہوجاتی ہے تو بچی کا والد انکار کر دیتا ہے کہ اس کا شوہر اس کو اپنے گھر لے جائے۔ باپ ایسا اس لیے کرتا ہے تاکہ اس کی بچی اسی کی خدمت میں رہے، حالانکہ وہ اس سے سخت تکلیف محسوس کرتی ہے۔ اب کیا وہ اپنے خاوند کے گھر جائے یا اپنے باپ کے گھر رہے؟ یقیناً اس سے بہت سی مشکلات کھڑی ہوگئی ہیں۔ میں جناب سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ اس مسئلہ میں لوگوں کی صحیح راہنمائی کریں گے۔

جواب بلاشبہ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کے لیے حقِ مہر کے مسئلہ میں آسانی اور میانہ روی کو مشروع فرمایا ہے، اسی طرح ولیمے کا معاملہ ہے، تاکہ ہر ایک کے لیے آسانی اور سہولت کے ساتھ شادی کرانا ممکن ہوسکے اور تاکہ اس کے ذریعہ بھلائی پر تعاون ہو تو بقدرِ طاقت خرچ کر کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو پاک دامنی کی راہ پر ڈالا جا سکے۔

اس مسئلہ پر خیر خواہی اور حق کی تلقین کی ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے ہم کئی بار لکھ چکے ہیں اور اس موضوع پر مجلس کبار علماء کی طرف سے کئی قرار دادیں اور سفارشات بھی جاری ہوچکی ہیں، جن کا مضمون یہ تھا کہ حق مہر میں تخفیف اور نرمی کی ترغیب دینا اور ولیمے کرنے میں تکلف سے کام نہ لینا اور معاشرے کو اس چیز کی رغبت دلانا جو نوجوانوں کے لیے حصولِ نکاح کو آسان کر دے۔ یقیناً میں بھی اس مناسبت سے اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو اس مسئلہ میں تعاون اور اس کی تلقین کرنے کی وصیت کرتا ہوں تاکہ نکاح کثرت سے ہوں اور بے حیائی کم ہو اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت اور نگاہوں کو پست رکھنا آسان ہوجائے۔ اس کے لیے نکاح تمام اسباب سے بڑا معاون سبب ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« یا معشر الشباب! من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج، فإنه أغض

للبصر و أحصن للفرج، و من لم يستطع فعليه بالصوم، فإنه له وجاء»[1]

''اے نوجوانوں کی جماعت! جو بھی تم میں سے گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ شادی کر لے، پس بے شک وہ (شادی) نگاہ کو پست رکھنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے۔ اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے، پس بلاشبہ وہ اس کی شہوت کو ختم کر دیں گے۔''

نیز رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته»[2]

''جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔'' (اس کو بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے۔)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه»[3]

''جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔''

(اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔)

تحقیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے ان بندوں کی تعریف کی ہے جو ایک دوسرے کو حق بات اور صبر کی تلقین کرتے ہیں چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ [العصر: 1 تا 3]

''زمانے کی قسم کہ بے شک ہر انسان یقیناً گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔''

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1806] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1400]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [2310] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2580]

[3] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2699]

اس میں کوئی شک نہیں کہ حقِ مہر اور ولیمے کی تخفیف میں تعاون کرنا اور اس کی تلقین کرنا وہ بھی اس امر میں داخل ہے۔ اور حقِ مہر و ولیمے کی تخفیف سے جن فائدوں کی امید کی جا سکتی ہے وہ درج ذیل ہیں:

نکاح کا کثرت سے ہونا، غیر شادی شدہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں کمی، شرمگاہوں کی حفاظت، نگاہوں کا پست ہونا، بے حیائیوں کا کم ہونا اور امت کا زیادہ ہونا، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة» [1]

''محبت کرنے والی، زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورتوں سے شادی کرو کیونکہ میں قیامت کے دن تمھاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر کثرت ظاہر کروں گا۔''

رہا عورت کے والد یا بھائی کا اس کو اپنے خاوند کے ساتھ جانے سے روکنا تاکہ وہ انھی کی خدمت کرتی رہے اور ان کی بکریاں یا اونٹ چراتی رہے تو یہ غلط ہے، جائز نہیں ہے۔ ولی الامر پر واجب ہے کہ وہ میاں بیوی کو اکٹھا کرنے میں مدد کرے جس طرح اس پر یہ واجب ہے کہ وہ بغیر کسی شرعی طریقے کے ان کی جدائی کا سبب بننے والی چیز سے خبردار کرے۔

میں عورتوں کے اولیاء کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اپنی بچیوں کے ان کے ہمسروں سے، اگرچہ وہ فقیر ہی کیوں نہ ہوں، شادی کرنے میں جلدی کریں اور اس مسئلہ میں ان کی معاونت کریں تاکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان پر عمل پیرا ہو سکیں:

﴿ وَاَنكِحُوا الْاَيَامٰى مِنكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ [النور: 32]

''اور اپنے میں سے بے نکاح مردوں، عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں سے، جو نیک ہیں، ان کا بھی اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

---

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [3227]

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بے نکاح اور نیک غلام ولونڈیوں کے نکاح کرانے کا حکم دیا ہے، اور اس نے خبر دی ہے، اور وہ اپنے خبر دینے میں سچا ہے کہ نکاح فقیروں کے لیے غنٰی کے اسباب میں سے ہے تاکہ خاوند اور عورتوں کے اولیاء مطمئن ہوجائیں کہ بلاشبہ فقر شادی میں رکاوٹ نہ بنے بلکہ شادی تو رزق اور مالداری کے اسباب میں سے ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

شادی کے موقع پر تین میٹر لمبا مخصوص جوڑا پہننا:

سوال شادی کے موقع پر پہنا جانے والا مخصوص جوڑا ''فسنان'' اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ جو تقریباً تین میٹر لمبا ہوتا ہے اور دلہن اس کو اپنے پیچھے گھسیٹتی ہے نیز شب زفاف میں گلوکاراؤں پر اٹھنے والے مصارف کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے جو عورت کے متعلق ہے تو اس میں سنت یہ ہے کہ عورت اپنا کپڑا ایک بالشت (مرد کے کپڑے سے) نیچے کرلے اور ایک ذراع سے زیادہ نہ کرے تاکہ پردہ بھی ہوجائے اور قدم بھی ننگے نہ ہوں، لیکن ایک ذراع سے زیادہ کرنا وہ دلہن اور غیر دلہن دونوں کے لیے غلط ہے، جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بھاری قیمتوں والے ملبوسات میں ناحق مال کا ضیاع ہے، لہٰذا ملبوسات میں میانہ روی اختیار کرنا چاہیے، ان میں ایسی چیزیں جڑنے کی ضرورت نہیں ہے جن پر بہت زیادہ خرچ اٹھتا ہے جو امت کو اس کے دین اور دنیا کے امور میں کام آسکتا ہے۔

رہا اچھی آواز سے گانے والیوں کا معاملہ تو بہت سا مال خرچ کر کے ان کو لانا جائز نہیں ہے۔ رہی وہ گانے والی جو رات کے وقت خوشی کے اظہار کے لیے جو بہت سادے اور معمولی انداز میں گیت گاتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ شادی کے موقع پر گیت گانا اور دف بجانا جائز ہے بلکہ اگر اس سے کوئی شر پیدا نہ ہو تو یہ مستحب ہے، لیکن یہ رات کے وقت صرف عورتوں کے اندر ہو اور رت جگے اور بلند آواز کے بغیر ختم ہوجائے، بلکہ معمول کے وہ گیت جس میں شادی، خاوند اور دلہن کی برحق تعریف ہوتی ہے اور جو اس طرح کے کلمات پر مشتمل ہوتے ہیں جن میں کسی قسم کا شر نہ ہو اور وہ صرف عورتوں میں

ہوں، ان کے ساتھ مرد شریک نہ ہوں اور بغیر لاؤڈ سپیکر کے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں معمول تھا۔ رہا گویوں کو بہت سا مال خرچ کر کے بطورِ فخر کے لانا، یہ جائز نہیں غلط ہے۔ اسی طرح لاؤڈ سپیکر کا استعمال کیونکہ اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور رات کو دیر تک جاگتے رہنے سے فجر کی نماز ضائع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے، یہ غلط ہے، اس کو ترک کرنا واجب ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

شادی کے موقع پر گھروں کو سجانے کا حکم:

سوال رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان «إنه ليس لي أن أدخل بيتا مزوقا»[1] ''میں آراستہ اور سج دھج والے گھر میں داخل ہونے والا نہیں ہوں۔'' تزویق کا کیا معنی ہے؟ کیا مذکورہ حدیث سے اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے؟

جواب ''تزویق'' کا معنی ہے آرائش وسجاوٹ کرنا۔ مذکورہ حدیث میں آپ ایسے گھر میں جانے کو حرام قرار نہیں دے رہے بلکہ آپ ﷺ اس تقویٰ کا مظاہرہ کر رہے ہیں جو نبوت ورسالت کے منصب کے لائق ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان اس وقت کامل مسلمان ہوگا جب وہ رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلے گا اور آپ ﷺ کے پسندیدہ راستے پر چلے گا اور آپ ﷺ کے ناپسندیدہ کاموں سے دور رہے گا۔

(الالبانی رحمہ اللہ)

ہوٹلوں اور میرج ہالوں میں شادی وغیرہ کی تقریبات کا حکم:

سوال آپ جناب کی ان تقریبات کے متعلق کیا رائے ہے جو ہوٹلوں میں منعقد کی جاتی ہیں؟

جواب وہ تقریبات جو ہوٹلوں میں منعقد کی جاتیں ہیں ان میں کئی غلطیاں اور قابلِ گرفت باتیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یقیناً ان تقریبات میں غالباً بلاضرورت فضول خرچی اور اسراف ہوتا ہے۔

دوسری بات ہوٹل وغیرہ میں تقریب منعقد کرنے سے مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے اور یہ اختلاط بہت برا اور منکر ہے، اسی بناء پر کبار علماء کی کونسل نے جلالۃ الملک کی

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [3755]

خدمت میں ایک قرار داد پیش کی جس کا مضمون یہ ہے:

''اس بات کی نصیحت کہ ولیمے اور شادیوں کا ہوٹلوں میں انعقاد ممنوع قرار دیا جائے اور یہ کہ لوگ اپنے گھروں میں ولیمے کا اہتمام کریں اور ہوٹلوں میں ان کا تکلف نہ کریں کیونکہ ان پُر تکلف ولائم سے بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔''

اسی طرح وہ میرج ہال جو بھاری قیمت دے کر کرائے پر لیے جاتے ہیں۔ اس قرارداد میں خیر خواہی کے جذبے سے یہ سب کچھ بیان ہوا کہ لوگوں پر رفق ومہربانی کرنے اور معیشت کو تباہی سے بچانے کے لیے روکا جانا چاہیے تاکہ متوسط طبقہ کے لوگوں کے لیے شادی کا خرچ آسان ہو اور وہ تکلف سے بچ جائیں، کیونکہ جب ان میں سے کوئی اپنے چچا کے بیٹے یا کسی اور قریبی رشتہ دار کو دیکھتا ہے کہ اس نے ان ہوٹلوں میں بڑے پر تکلف ولائم کا اہتمام کیا ہے تو وہ بھی ان کی طرح تکلف کرتے ہوئے اپنے اوپر قرضوں اور خرچوں کا بوجھ لاد کر ان کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرے گا یا اس تکلف سے ڈر کر شادی کو لیٹ کرے گا۔

تو میری تمام مسلمان بھائیوں کو یہ نصیحت ہے کہ وہ ان تقریبات کو ہوٹلوں میں منعقد نہ کریں اور نہ ہی مہنگے میرج ہالوں میں ان کا اہتمام کریں، البتہ کم خرچ والا سستا میرج ہال میسر آجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، مگر بہتر یہی ہے کہ وہ میرج ہالوں کی بجائے اپنے یا اپنے کسی رشتہ دار کے گھر میں اگر ممکن ہو تو ان تقریبات کو منعقد کر لیا کریں۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

عورت سے دبر میں یا حیض ونفاس کی حالت میں جماع کرنے کا حکم:

سوال عورت سے اس کی دبر میں یا حیض ونفاس کی حالت میں مجامعت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کی دبر میں اور حیض ونفاس کی حالت میں اس سے جماع کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ

حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ [البقرة: 222,223]

''اور تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے: وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے، بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔ تمھاری عورتیں تمھارے لیے کھیتی ہیں، سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت میں عورتوں سے حیض کی حالت میں کنارہ کشی اختیار کرنے کے وجوب کی صراحت کی ہے، اور ان کے پاک ہونے تک ان کے قریب جانے سے منع کیا ہے، پس یہ دلیل ہے کہ عورتوں سے حیض کی حالت میں جماع کرنا حرام ہے، اسی طرح نفاس کی حالت میں بھی کیونکہ نفاس بھی حیض ہی کی طرح ہے تو جب وہ غسل کر کے پاک صاف ہو جائیں تو خاوند کے لیے ان سے مجامعت کرنا جائز ہوتا ہے وہاں مجامعت کرنا جہاں اللہ نے اس کو حکم دیا ہے، اور وہ ہے ان کی فرج (اگلی شرمگاہ) میں مجامعت کرنا کیونکہ وہی کھیتی کی جگہ ہے۔

رہی دبر تو وہ گندگی اور پاخانے کی جگہ ہے، وہ کھیتی کی جگہ نہیں ہے، لہٰذا بیوی کی دبر میں جماع کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ شریعت مطہرہ میں یہ واضح گناہ و نافرمانی ہے۔ تحقیق ابو داود اور نسائی نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ملعون من أتی امرأته في دبرها»[1]

''جس نے عورت کی دبر میں مجامعت کی وہ ملعون ہے۔''

سنن ترمذی و نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [2162]

« لعن اللّٰہ من عمل عمل قوم لوط »[1]

''اللہ نے اس شخص پر لعنت فرمائی جس نے قومِ لوط جیسا عمل کیا۔''

آپ ﷺ نے تین بار یہ ارشاد فرمایا۔ (اس کو امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔)

لہٰذا تمام مسلمانوں پر اس سے بچنا اور ہر اس کام سے دور رہنا جس کو اللہ نے حرام کیا، واجب ہے۔ اور تمام خاوندوں پر اس منکر کام سے اجتناب کرنا لازم ہے اور بیویوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اس سے اجتناب کریں اور اپنے خاوندوں کو یہ بہت بڑا منکر فعل نہ کرنے دیں اور وہ منکر کام ہے: حیض، نفاس کی حالت میں اور دبر میں جماع کرنا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ہر اس کام سے محفوظ اور سلامت رکھے جو اس کی شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

عورت کی دبر میں مجامعت کرنے والے کا حکم:

سوال ایک سائلہ کہتی ہے: میں اپنے خاوند کے متعلق کیا کروں؟ وہ میری دبر میں مجامعت کرنا چاہتا ہے۔ جب میں اس سے انکار کرتی ہوں تو وہ مجھے کہتا ہے: اب میں تیری دبر میں مجامعت نہیں کروں گا لیکن جماع کے وقت وہ پھر اسی طرح کرتا ہے، میں نے اسے کہا: مجھے طلاق دے دے لیکن جب میں اسے یہ کہتی ہوں تو وہ مجھے مارتا ہے اور میرے پاس اس کے بچے بھی ہیں، لہٰذا میں کروں تو کیا کروں؟

جواب غالب گمان یہ ہے کہ وہ اس عورت سے پچھلی جانب سے جماع کرتا ہے اور دبر میں جماع کرنا وہ اس طرح کہ آلۂ تناسل کا اگلا حصہ عورت کی دبر، یعنی دبر کے حلقے میں داخل ہو تو یہ حرام ہے اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ بلاشبہ نبی ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو اپنی بیوی کی دبر میں مجامعت کرے۔ یہ حدیث ترمذی وغیرہ میں موجود ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

« ملعون من أتى امرأته في دبرها »[2]

''جس نے عورت کی دبر میں وطی کی وہ ملعون ہے۔''

---

[1] **حسن**. مسند أحمد [309/1]

[2] **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [2162]

رہا بغیر دخول کے دبر سے مباشرت کرنا تو میں اس عورت کے خاوند کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس چرواہے کی طرح نہ بنے جو چراگاہ کے قریب بکریاں وغیرہ چراتا ہے لیکن اگر وہ ایسا کرتا ہے اور اسی پر اکتفا کرتا ہے تو یہ بالاتفاق جائز ہے، لیکن اگر وہ دبر میں دخول کرنا چاہتا ہے تو اس سائلہ پر واجب ہے کہ وہ اس کی بات نہ مانے کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اس کو اپنے خاوند سے اس گناہ میں موافقت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اگر وہ دونوں متفق ہو کر اس نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں تو جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''لائق یہ ہے کہ ان دونوں میں جدائی کروا دی جائے۔''

مگر سوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف پیچھے سے مباشرت کرتا ہے، مجامعت نہیں کرتا، کیونکہ دبر کے حلقے کا گوشت تنگ ہونے کی وجہ سے دبر میں جماع کرنا بہت سی تکلیفوں کا باعث بنتا ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

اس شخص کا حکم جس نے لاعلمی میں اپنی بیوی کی دبر میں جماع کیا:

سوال اس شخص کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے جس نے لاعلمی میں اپنی بیوی کی دبر میں مجامعت کی؟

جواب آدمی پر اپنی بیوی کی دبر میں جماع کرنا حرام ہے۔ جس شخص سے کسی طرح کی لاعلمی کی وجہ سے یہ کام ہوا تو وہ معذور ہے اور اس کو معافی ہوگی، بشرطیکہ وہ اس کی حرمت کا علم ہونے کے بعد اس سے باز آ گیا ہو۔ عورت کی دبر میں وطی کے حرام ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو احمد، بخاری اور مسلم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ بلاشبہ یہودی کہا کرتے تھے:

''جب عورت کی دبر کی جانب سے اس کی قبل (اگلی شرمگاہ) میں وطی کی جائے اور عورت حاملہ ہو جائے تو اس سے پیدا ہونے والا بچہ بھینگا ہوگا۔''

جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر یہ آیت اتری:

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ [البقرة: 223]

''تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں، سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔''

اور مسلم نے زیادہ کیا ہے: ﴿اَنّٰی شِئْتُمْ﴾ کا مطلب ہے اگر چاہے تو اس کو منھ کے بل لٹا کر مجامعت کرے اور چاہے تو سیدھا لٹا کر، سوائے اس کے یقیناً جب مجامعت قبل (اگلی شرمگاہ) میں دبر کی جانب سے ہوگی اس حال میں کہ عورت منھ کے بل لیٹی ہو تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا۔

مذکورہ آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ آدمی کے لیے اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت کرنے کی کوئی بھی حالت اختیار کرنا جائز ہے، چاہے تو اسے گدی کے بل لٹا لے یا منھ کے بل الٹا لٹا لے، البتہ وطی عورت کی قبل (اگلی شرمگاہ) میں ہی ہونی چاہیے، دلیل اس کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فہم ہے، اور وہ عرب ہیں۔ اللہ نے عورتوں کا نام کھیتی اس لیے رکھا ہے کہ اس سے اولاد کی امید کی جاتی ہے جبکہ دبر میں وطی کے ذریعہ اولاد کی امید نہیں کی جاتی۔ مذکورہ آیت کے سببِ نزول کے متعلق جو بیان کیا گیا ہے کہ پیچھے سے وطی کرنے سے جو حمل ہوتا ہے تو وہ بچہ بھینگا ہوتا ہے، حالانکہ دبر میں وطی کرنے سے بالکل حمل نہیں ہوتا نہ بھینگا نہ غیر بھینگا۔ احمد اور ترمذی نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ﴾ [البقرة: 223] کے متعلق مروی ہے، یعنی مجامعت (سیدھی جانب سے ہو یا الٹی جانب سے) ایک ہی سوراخ (یعنی اگلی شرمگاہ) میں ہونی چاہیے، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ایک یہ روایت ہے، اس کے علاوہ متعدد احادیث مروی ہیں جن میں آدمی کو اپنی بیوی کی دبر میں وطی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس میں سے ایک روایت وہ ہے جس کو احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ایک وہ ہے جس کو احمد نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا تأتوا النساء في أعجازهن»[1]

''عورتوں کی پچھلی شرمگاہوں میں وطی نہ کرو۔''

یا کہا:

«أدبارهن» ''ان کی دبروں (میں وطی نہ کرو)''

[1] **ضعيف**. سنن الترمذي، رقم الحديث [1164]

اور ایک روایت وہ ہے جس کو احمد اور ترمذی نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لا تأتوا النساء في أستاههن، فإن الله لا يستحي من الحق»[1]

''اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیا نہیں کرتے (لہٰذا سنو!) عورتوں کے چوتڑوں (دبروں) میں مجامعت نہ کرو۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کے چہرے کے بل الٹا سونے کا حکم:

سوال اس عورت کے متعلق کیا حکم ہے جو اپنے چہرے کے بل الٹا سونا پسند کرتی ہے؟

جواب یہ شیطان کا لیٹنا ہے لیکن جب پیٹ میں تکلیف کی وجہ سے الٹا لیٹے تو پھر کوئی حرج نہیں، ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی پسندیدہ اور اس لائق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ امام بخاری نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا:

«إذا أتيت مضجعك فتوضأ وضوءك للصلاة، ثم اضطجع على شقك الأيمن، وقل: اللهم أسلمت نفسي إليك، و وجهت وجهي إليك، وفوضت أمري إليك، وألجأت ظهري إليك رغبة ورهبة إليك، لا ملجأ و منجأ منك إلا إليك، آمنت بكتاب الذي أنزلت وبنبيك الذي أرسلت، فإن مت ليلتك مت على الفطرة»[2]

''جب تو اپنے بستر پر آئے تو نماز والا وضو کر، پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ کر پڑھ: «اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَ أَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَ مَنْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ» اے اللہ! میں نے حصولِ ثواب اور عذاب کے ڈر سے اپنا نفس

---

[1] **حسن**. صحيح الترغيب والترهيب [314/2]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [5952]

تیرے سامنے مطیع کر دیا، اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کر دیا، اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا اور تیرا سہارا لے لیا، تیرے علاوہ میرے لیے کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ نہیں ہے، (اے اللہ!) میں تیری نازل کردہ کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اس رات مر جاؤ تو فطرتِ اسلام پر مرو گے۔''

نیز آپ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنی دائیں کروٹ پر لیٹتے تھے اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے تھے، لہٰذا مذکورہ عورت پر لازم ہے کہ وہ نبی ﷺ کی سنت کا اتباع کرے اور شیطان کا لیٹنا ترک کر دے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

خاوند کے عورت کو اوپر لٹا کر جماع کرنے کا حکم:

سوال میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ میرا خاوند مجھ سے ایک اور ہی طریقے سے جماع کرنا چاہتا ہے، یعنی میں اس کے اوپر آؤں جبکہ میں اس سے اتفاق نہیں کرتی کیونکہ بعض اطباء نے کہا ہے: بلاشبہ یہ نقصان دہ ہے۔ تو کیا ایسا کرنا حرام ہے؟

جواب یہ حرام نہیں ہے، اور مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ جس صورت میں بھی چاہے اپنی بیوی سے (جماع وغیرہ کا) فائدہ حاصل کرے، سوائے ان صورتوں کے جن سے شریعت نے منع کیا ہے، یعنی مرد کے لیے عورت سے حیض و نفاس کے دوران جماع کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کی دبر میں جماع کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس کے لیے یہ ہی حلال ہے کہ وہ عورت کو نجاستیں چاٹنے اور نگھلنے پر مجبور کرے۔ لیکن عملاً میں نے پڑھا ہے کہ جماع کا یہ طریقہ مرد کے لیے ضرر رساں ہے کیونکہ عورت مرد کے اوپر لیٹے گی تو اس کا پانی (منی) مرد کی قبل (آلۂ تناسل) پر اترے گا اور یہ اس کے عضو کے لیے خطرات کا باعث بنے گا۔ جہاں تک اس طریقۂ جماع کے حلال یا حرام ہونے کا تعلق ہے تو یہ حلال ہے لیکن مرد پر لازم ہے کہ وہ اس طریقے سے بچے کیونکہ یہ اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

عقدِ ایجاب وقبول کرنے والے میاں بیوی کے رخصتی سے پہلے ایک دوسرے کو ملنے کے آداب:

سوال میرے اور میرے خاوند کے، جس نے مجھ سے عقدِ ایجاب وقبول کیا ہے (مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی،) خلوت اختیار کرنے، میرے اس کے ساتھ علم اور تفریح کی مجلسوں میں حاضر ہونے کے شرعی آداب کیا ہیں؟

جواب اگر آپ کا ولی اجازت دے اور پھر وہ آپ کے پاس آئے تو جائز ہے کیونکہ آپ ہر لحاظ سے اس کی بیوی ہیں، وہ آپ سے خلوت کر سکتا ہے کیونکہ آپ اس کی زوجہ ہیں۔ لیکن اگر ولی نے یہ شرط لگائی ہو کہ وہ آپ سے خلوت نہ کرے جب تک ان امور کا جائزہ نہ لے لیا جائے، مثلاً: اس کا گھر، جہیز اور جو اس کے ذمہ ہے، پس ان چیزوں کا جائزہ لینے سے پہلے ولی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کو آپ سے خلوت اختیار کرنے سے روکے کیونکہ چاروں خلفائے راشدین کے مذہب میں خلوت دخول کے مترادف ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

عقدِ ایجاب وقبول کرنے والے کے سامنے اس کی بیوی کا اپنے بال اور اس کی ماں کا اپنا چہرہ ظاہر کرنے کا حکم:

سوال اس عقد ایجاب وقبول کرنے والے کے متعلق دین کی کیا رائے ہے، کیا اس کی بیوی اس کے سامنے زیب وزینت ظاہر کر سکتی ہے؟ کیا اس کی ماں اس کے سامنے اپنا چہرہ ظاہر کر سکتی ہے؟

جواب یہ جائز ہے۔ اس کی ماں کا اس کے خاوند کے سامنے اپنا چہرہ ظاہر کرنا جائز ہے اگر وہ سمجھتی ہے کہ نقاب واجب ہے کیونکہ بیٹیوں سے نکاح کرنا ان کے ماؤں کو ہمیشہ کے لیے حرام کر دیتا ہے جبکہ ماؤں سے جماع کرنا ان کی بیٹوں کو حرام کرتا ہے، لیکن بعض علماء اس میں استثنا کرتے ہیں مگر یہ عام اہلِ علم کا مذہب ہے۔ رہا اس کا پہلا حصہ تو اس پر اجماع ہے کہ بیٹیوں سے عقدِ نکاح کرنے سے ہی ان کی مائیں حرام ہو جاتی ہیں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

میاں بیوی کے آپس میں حقوق

خاوند کی اجازت کے بغیر سفر کرنے والی عورت کی واپسی کے کرائے کا حکم:

سوال جب بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر سفر کرے تو واپسی کا کرایہ کس کے ذمہ ہوگا؟

جواب وہ جو اس کو لے گئی وہی یا کوئی دوسری اس کو خاوند کے پاس لانے کا خرچہ برداشت کرے۔ (محمد بن ابراہیم)

بیوی کا کفن کس کے ذمے ہے؟

سوال کیا بیوی کا کفن خاوند کے ذمے ہے؟

جواب صحیح موقف تو یہ ہے کہ اپنی بیوی کا کفن خاوند کے ذمے ہے، خواہ وہ بیوی مالدار ہو یا تنگدست، اور معروف طریقے سے اس پر خرچ کیا جائے گا۔ جس کو لوگ گناہ سمجھتے ہیں وہ یہ کہ جب غنی آدمی کی تنگدست بیوی فوت ہوجائے تو اس کا کفن خاوند کے ذمہ نہیں ہے بلکہ خاوند اور لوگوں میں سے ہر ایک اس معاملہ میں برابر ہیں، اور یہی امام مالک کے مذہب کا قول ہے۔ (السعدی)

عورتوں کا اپنا حق سمجھتے ہوئے خاوندوں سے بے جا مطالبے کرنا:

سوال اکثر بیویاں اپنے خاوندں سے بھاری مطالبے کرتی ہیں کہ بعض اوقات ان کے مطالبے پورے کرنے کے لیے اس بیچارے کو قرض اٹھانا پڑتا ہے اور بیویاں اس کو اپنا حق سمجھتی ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب یہ بری معاشرت ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا ﴾ [الطلاق: 7]

”لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت میں سے خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے، اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی جو اس نے اسے دیا ہے۔“

لہٰذا مرد جتنے خرچ کی طاقت رکھتا ہو بیوی کو اس سے زیادہ کا مطالبہ کرنا حلال نہیں ہے، اور اگر وہ طاقت رکھتا ہو پھر بھی اس کے لیے معروف معمول سے زیادہ طلب کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة: 228]

''اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے۔''

اور ایسے ہی خاوند کے لیے اپنے ذمہ واجب خرچ کو روکنا حلال نہیں ہے کیونکہ بعض خاوند اپنی سخت بخیلی کی وجہ سے اپنے اوپر واجب خرچ بھی اپنی بیوی پر نہیں کرتے ہیں، ایسی حالت میں عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خاوند کے مال سے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے لے لیا کریں، چاہے اس کو علم نہ ہو۔ ہند بنت عتبہ نے رسول اللہ ﷺ کو شکایت کی کہ ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے، وہ ان کو اتنا خرچ بھی نہیں دیتا جو ان کو اور ان کے بچوں کے لیے کافی ہو تو آپ ﷺ نے اس کو کہا:

((خذي ما یکفیك وولدك بالمعروف))[1]

''تو احسن انداز میں اتنا مال لے لیا کر جو تجھے اور تیرے بچوں کو کافی ہو۔''

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

خاوند کا اپنی کام کاج اور اس کی اور بچوں کی خدمت سے عاجز بیوی کو خادمہ لے کر دینے کا حکم:

سوال ایک بیوی اپنے خاوند اور بچوں کے حقوق اور گھر کے کام کاج سے عاجز آ گئی ہے، وہ چاہتی ہے کہ اس کی کوئی خادمہ ہو تو کیا اس کا شوہر اس کو خادمہ رکھ دے؟

جواب نوکرانی رکھنے کا مسئلہ فخر و تکبر کے اظہار کا ذریعہ بن چکا ہے اگرچہ بیوی کو اس کی

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [5049]

ضرورت نہ بھی ہو۔ اکثر اس سے صاحبِ خانہ، اس کے جوان بیٹوں اور نوکرانی کے درمیان زنا کاری جیسے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی مرد نوکروں کو گھر میں رکھنے سے گھر کی عورتوں کے لیے فتنہ کھڑا ہوتا ہے، لہٰذا انتہائی ضرورت کے بغیر گھروں میں نوکرانیاں نہیں رکھنی چاہییں، اور پھر نوکرانیوں کے ساتھ ان کے محرم بھی ہونے چاہییں۔ مذکورہ عورت گھر کے کام کاج کی کثرت کی وجہ سے خادمہ رکھنا چاہتی ہے، خاوند کو کسی قدر مناسب ہے کہ وہ اپنی بیوی سے کہے: میں ایک اور مسلمان خاتون سے شادی کرنے والا ہوں جو گھر کے کام کاج میں تیرا ہاتھ بٹائے گی، اس وقت یہ بیوی خادمہ رکھنے کے مطالبے سے دست بردار ہو جائے گی۔

اور فی الحقیقت یہ ایک نفع مند علاج ہے جو مرد کو فائدہ دے گا، پس جتنی زیادہ بیویاں ہوں گی اتنا ہی اس کے لیے بہتر ہے، اور جب آدمی ان کے حقوق ادا کر سکتا ہو تو اس کے لیے متعدد بیویاں ایک بیوی پر اکتفا کرنے سے بہتر ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة))[1]

''محبت کرنے والی، زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورتوں سے شادی کرو کیونکہ میں تمھاری کثرت کی وجہ سے (قیامت کے دن دوسری امتوں پر) فخر کروں گا۔''

اور جب انسان کو دو بیویوں میں کھڑے ہونے والے معاملات کا ڈر ہو تو ہم اس کو کہتے ہیں: تیسری بیوی لے آؤ، پہلی دو بیویوں کا جھگڑا ٹھنڈا پڑ جائے گا اور یہ عام مشاہدے کی بات ہے، اسی لیے لوگ کہتے ہیں: تین بیویوں والے دو بیویوں والوں سے زیادہ آسانی میں رہتے ہیں اور اگر تین بیویوں میں بھی جھگڑا شروع ہو جائے تو ہم چوتھی لے آتے ہیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بیوی کے حقوق و فرائض:

سوال بیوی کے حقوق و فرائض کیا ہیں؟

جواب شریعت میں بیوی کے حقوق و فرائض کی تعیین نہیں بلکہ اس کی بنیاد عرف ہے، کیونکہ

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [3227]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرۃ: 228]

''اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے۔''

عرف میں جو حقوق چلتے ہیں وہی واجب ہیں اور جو عرف میں نہ چلتا ہو وہ واجب نہیں ہے، الا یہ کہ وہ شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہو، لہٰذا اعتبار اس کا ہے جس کو شریعت نے بیان کیا ہے۔ پس اگر لوگوں کا عرف یہ چل پڑے کہ آدمی اپنے اہل کو نماز اور حسنِ اخلاق کا حکم نہ دے تو یہ باطل عرف ہوگا لیکن جب لوگوں کا عرف شریعت کے مخالف نہ ہو تو اللہ نے گزشتہ آیات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

گھروں کے نگرانوں پر واجب ہے کہ وہ ان عورتوں اور مردوں کے متعلق اللہ سے ڈریں جن کا اللہ نے ان کو ولی بنایا ہے اور وہ ان کو نظر انداز نہ کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی اپنی مذکر اور مؤنث اولاد کو نظر انداز کرتا ہے، پس وہ نہیں پوچھتا کہ کون موجود ہے اور کون غائب ہے؟ وہ ان کے ساتھ تک نہیں بیٹھتا اور اسی حال میں مہینہ دو مہینے گزر جاتے ہیں، نہ ہی وہ اپنی اولاد اور بیوی کے ساتھ ملتا ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے بلکہ ہم اپنے بھائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ان کو دوپہر یا رات کے کھانے پر مل بیٹھنا چاہیے، لیکن عورت کو اجنبی مردوں کے ساتھ اکٹھا نہیں ہونا چاہیے۔ لوگوں کے ہاں یہ ایک خلافِ شریعت اور منکر عرف بن چکے ہیں کہ کھانے پر عورتوں کے ساتھ ایسے مرد اکٹھے ہوتے ہیں جو محرم نہیں ہوتے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بیوی کے لیے خاوند کی خدمت کی اجرت لینے کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے اپنے خاوند سے اس پر جو وہ کھانا وغیرہ تیار کرتی ہے، اجرت لینا جائز ہے؟

جواب عورت کے لیے واجب ہے کہ بغیر اجرت کے وہ خدمات سرانجام دے جو اس کے ملک میں عورتیں خدمات سرانجام دیا کرتی ہیں کیونکہ جو چیز ملک میں معروف و متعارف ہے وہ مشروط کی حیثیت رکھتی ہے، اور ہمارے ملکوں میں یہ معمول ہے کہ عورت ہی کھانا وغیرہ پکاتی ہے، لہٰذا یہ اس پر واجب ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

خاوند کی بدسلوکی کی وجہ سے بیوی کے خاوند کی خدمت اور گھر کے کام کاج سے رک جانے کا حکم:

سوال کیا بیوی کے لیے اپنے خاوند کی خدمت اور گھر کے کام کاج سے رکنا جائز ہے کیونکہ اس کا خاوند اس سے بدسلوکی کرتا ہے؟

جواب شوہر کے لیے اپنی بیوی سے بدسلوکی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

اور نبی ﷺ فرماتے ہیں:

« وإن لزوجك عليك حقا »[1] ''اور بلاشبہ تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔''

اور جب وہ اس سے بدسلوکی کرے گا تو بیوی کو چاہیے کہ وہ اس کو صبر سے برداشت کرے اور خاوند کے جو حق اس کے ذمہ ہیں وہ ادا کرتی رہے تاکہ اُس کو اِس کا اجر ملے، اور ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے خاوند کو ہدایت عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ﴾ [حم السجدة: 34]

''اور نہ نیکی برابر ہوتی ہے اور نہ برائی، (برائی کو) اس (طریقے) کے ساتھ ہٹا جو سب سے اچھا ہے تو اچانک وہ شخص کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوگا جیسے وہ ولی دوست ہے۔''

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1874] صحيح مسلم، رقم الحديث [1159]

عورت کا گھر کے خرچ سے کچھ بچا کر اپنے اوپر اور گھر کی دیگر ضروریات پر خرچ کرنا اور کچھ اپنے میکے والوں کو دینا:

سوال اس بیوی کا کیا حکم ہے جو گھر کے خرچ میں سے کچھ مال خفیہ رکھتی ہے اور پھر اس رقم کو اپنے نفس پر اور گھر کی دیگر ضروریات پر خرچ کرتی ہے جبکہ خاوند کو اس کا علم نہیں ہوتا؟ اور اس کا کیا حکم ہے کہ اگر وہ اس مال میں سے کچھ اپنے میکے والوں کو دے؟

جواب جہاں تک اس بچائے ہوئے مال میں سے اپنے میکے والوں کو دینے کا تعلق ہے تو اس بارے میں پہلے بات ہوچکی کہ اگر وہ معمولی سا مال ہو جس کو عرفاً نظر انداز کیا جاتا ہے اور اس کو یہ معلوم ہے کہ اس کے شوہر کو اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی تو وہ یہ مال اپنے میکے والوں کو دے سکتی ہے۔

رہا اس کا اپنی ذات کے لیے اس میں سے کچھ بچا کر رکھنا، اگر تو اس کا شوہر اس پر مال خرچ کرنے میں بخل کا مظاہرہ کرتا ہے کہ وہ اس پر معمول کے مطابق بھی خرچ نہیں کرتا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ خاوند کو بتائے بغیر معروف طریقے سے اس کے مال میں سے لے لیا کرے تا کہ وہ اپنی ذات پر معمول کے مطابق خرچ کر سکے۔ صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث موجود ہے کہ ہند بنت عتبہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے، مجھے اور میرے بچوں کو وہی کفایت کرتا ہے جو میں اس کے مال سے اس کو بتائے بغیر لے لیتی ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف »[1]

"تو معروف طریقے سے اتنا لے لیا کر جو تجھے اور تیرے بچوں کے لیے کافی ثابت ہو۔" (محمد بن عبدالمقصود)

مطلقہ بیوی کے لیے رضاعت کی اجرت:

سوال ایک عورت نے اپنی بیٹی کو دودھ پلایا، اس لڑکی کے باپ نے بغیر شرط کے رضاعت کی اجرت ادا کی، مدتِ رضاعت پوری ہونے کے بعد اس نے تکمیلِ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5049]

اجرت کا مطالبہ کیا۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب اگر اس عورت نے بیٹی کو اس کے باپ سے اجرت لینے کی نیت سے دودھ پلایا تھا تو اس کو رضاعت کی پوری اجرت لینے کا حق حاصل ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

شوہر کا اپنی بیوی سے چار مہینے یا اس سے زیادہ مدت کے لیے غائب رہنے کا حکم:

سوال قرآن نے آدمی کے لیے اپنی بیوی سے غائب رہنے کی مدت چار مہینے مقرر کی ہے، مجھے سال گزرنے سے پہلے اجازت نہیں ملتی اور کبھی تو سال سے بھی زیادہ وقت گزر جاتا ہے۔ میرے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ سائل کا یہ کہنا کہ قرآن نے شوہر کے اپنی بیوی سے غائب رہنے کی مدت چار مہینے مقرر کی ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ قرآن میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس میں تو صرف ان لوگوں کے لیے مدت مقرر کی گئی ہے جو اپنی بیویوں سے ایلا کرتے ہیں، اور ایلا کرنے والا وہ آدمی ہوتا ہے جو قسم اٹھا لیتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے مجامعت نہیں کرے گا۔ اس کی مدت اللہ نے چار مہینے مقرر کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [البقرۃ: 226]

''ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں سے قسم کھا لیتے ہیں، چار مہینے انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

رہا شوہر کا اپنی بیوی سے غائب رہنا، پس اگر تو اس کی بیوی اس کے غائب رہنے پر راضی ہے تو اس کے لیے چار مہینے یا چھ مہینے یا ایک سال یا دو سال غائب رہنے میں کوئی نقصان نہیں ہے بشرطیکہ اس کی بیوی پُر امن ملک میں ہو، پس جب اس کی بیوی پُر امن ملک میں نہ ہو تو اس کے خاوند کا اس کو ایسے ملک میں چھوڑ کر، جو پُر امن نہیں ہے، سفر کرنا حلال نہیں ہے۔ اور جب وہ پُر امن جگہ میں تو ہو لیکن وہ اس کے چار مہینے یا چھ مہینے حاکم

کے فیصلے مطابق غائب رہنے پر راضی نہیں ہے تو اس کے لیے غائب رہنا حلال نہیں ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ معاشرت کرے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بیماری کی وجہ سے مانعِ حمل تدابیر اختیار کرنے کا حکم:

سوال ایک دوشیزہ تقریباً انتیس سال کی ہوچکی ہے، اس نے دس بچے پیدا کیے جبکہ آخری بچے کی پیدائش پر آپریشن کی نوبت آ گئی۔ آپریشن سے پہلے اس نے اپنے شوہر سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کی نس بندی کروا دے کیونکہ وہ صحت کے پیشِ نظر مزید بچے پیدا نہیں کرسکتی۔ جب وہ مانعِ حمل گولیاں استعمال کرتی ہے تو یہ اس کی صحت پر برا اثر ڈالتی ہیں۔ اس کے شوہر نے مذکورہ عمل کی اجازت دے دی، کیا مذکورہ عورت اور اس کا خاوند اس معاملے میں گناہگار تو نہیں ہوں گے؟

جواب مذکورہ عملِ جراحت میں کوئی حرج نہیں جب ڈاکٹر حضرات یہ رپورٹ دیں کہ اس عورت کے لیے مزید بچے پیدا کرنا نقصان دہ ہے مگر ایسا کرنے کے لیے خاوند کی اجازت لینا ضروری ہے۔

عزل کا حکم

عزل کا کیا حکم ہے؟

سوال کم از کم جو عزل کے متعلق کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ بلاشبہ وہ مکروہ ہے۔ علماء کی تعبیر کے مطابق کراہت کے ساتھ جواز موجود ہوتا ہے تو تحقیق یہ عزل کرنا جائز ہے، اور جواز کے ساتھ ساتھ مکروہ ہے؟

جواب عزل کے جائز ہونے کی دلیل جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کو بخاری و مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں:

«کنا نعزل و القرآن ینزل»[1]

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [4911] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1440]

''ہم نزولِ قرآن کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے۔''

جابر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم عزل کرتے رہے اور قرآن مجید میں اس کے متعلق کوئی حکم نہیں اترا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بلاشبہ وہ جائز ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ وہ جائز ہونے کے ساتھ ساتھ مکروہ ہے۔ رہا یہ سوال کہ عزل کی کراہت کا حکم کہاں سے آیا؟ تو یہ حکم ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر غور کرنے سے حاصل ہوا:

« تزوجوا الودود الولود، فإني مباه بكم الأمم يوم القيامة، وفي لفظ: مكاثر بكم الأمم يوم القيامة »[1]

''ایسی عورتوں سے شادی کرو جو محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہیں، کیونکہ میں تمھاری وجہ سے قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''

اور ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

''تمھاری کثرت کی وجہ سے قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''

وہ شخص جو اپنی بیوی سے عزل کرتا ہے بلاشبہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رغبت کو نہیں مانتا ہے۔ اس کام کے لیے حکومت نے ایک محکمہ بنا دیا ہے جس کو ''تحدید النسل'' یا ''تنظیم النسل'' (منصوبہ بندی) کا نام دیا ہے، بہر حال یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت اور فخر کی رغبت کے خلاف ہے۔ پھر اس کام میں مغرب کی تقلید ہے، وہ مغرب جو بچوں کی تربیت سے حاصل ہونے والے اجر وثواب پر ایمان نہیں رکھتا، وہ اجر وثواب جس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

« إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له »[2]

''جب ابن آدم فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے: صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے یا وہ نیک بچہ جو اس کے حق میں دعا کرتا ہے۔''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے اپنی صحیح

---

[1] **صحیح**. سنن النسائي، رقم الحديث [3227]

[2] صحیح مسلم، رقم الحديث [1631]

میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے:

« ما من المسلمين، أي زوجين، يموت لهما ثلاثة من الولد إلا لم تمسه النار إلا تحلة القسم »[1]

''کسی بھی دو مسلمان، یعنی میاں اور بیوی، کے تین بچے فوت ہو جائیں تو ان کو آگ نہیں چھوئے گی سوائے قسم پوری کرنے کے لیے۔''

کیا کفار کو یہ فضیلت حاصل ہے جو ہمیں عطا کی گئی ہے؟

خلاصۂ کلام یہ کہ بلاشبہ عورت کے لیے ایسی ضرورت کے تحت، جس کو مسلمان ماہر طبیب نے بتایا ہو، تحدیدِ نسل کرنا جائز ہے۔ (الالبانی رحمہ اللہ)

تحدیدِ نسل کا حکم:

سوال تحدید نسل کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ مسئلہ دورِ حاضر کا بہت بڑا مسئلہ ہے اور اس کے متعلق بہت سے سوال پوچھے جا رہے ہیں۔ گزشتہ اجلاس میں مجلس ہیئت کبار علماء نے اس پر گہرا غور وفکر کیا اور وہ قرار داد جو انھوں نے اس مسئلہ پر مناسب سمجھ کر پیش کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ مانعِ حمل گولیاں استعمال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ جل و علا نے اپنے بندوں کے لیے افزائشِ نسل اور تکثیرِ امت کے اسباب کو مشروع قرار دیا ہے اور یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا:

« تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة، وفي رواية: الأنبياء يوم القيامة »[2]

''محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورتوں سے شادی کرو، پس میں تمھاری کثرت کی وجہ سے قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام پر (فخر کروں گا)۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6280]

[2] **صحيح**. سنن النسائي، رقم الحديث [3227]

اور اس لیے بھی کہ امت کو اولاد کی کثرت کی بہت ضرورت ہے تاکہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کی راہ میں جہاد کریں، اور اللہ کے حکم اور توفیق کے ساتھ دشمنوں کے مکر و فریب سے ان کی حفاظت کریں، لہٰذا واجب یہ ہے کہ مانعِ حمل چیزوں کو ترک کیا جائے اور ان کے استعمال کی اجازت نہ طلب کی جائے، الا یہ کہ کوئی انتہائی ضرورت ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً: عورت کے رحم وغیرہ میں ایسی مرض ہو جس کی وجہ سے حمل نقصان دہ ثابت ہو تو ضرورت کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ایسے ہی جب عورت کے پہ در پہ بچے ہوتے رہے ہوں اور اب اس کے لیے حمل تکلیف دہ ثابت ہو تو حمل کو عارضی طور پر رضاعت کی مدت میں ایک یا دو سال مؤخر کرنے کے لیے مانعِ حمل گولیاں استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تاکہ اس پر آسانی ہو جائے اور وہ بچوں کو مرضی کے مطابق مناسب تربیت دے سکے مگر جب مانعِ حمل گولیاں نوکری کے لیے فراغت کی غرض سے یا آرام دہ زندگی گزارنے کی غرض سے یا اس جیسی دیگر غیر ضروری اغراض، جو عورتوں نے اختیار کر لی ہیں، کے لیے ہو تو ان کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

(ابن باز رحمہ اللہ)

عورت کے خاوند کی اطاعت نہ کرنے اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنے کا حکم:

سوال اس عورت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جو اپنے شوہر کی بات نہیں سنتی اور نہ اس کی اطاعت کرتی ہے اور اکثر معاملات میں اس کی مخالفت کرتی ہے، مثلاً: اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نکل جاتی ہے اور کبھی اسے بتائے بغیر چھپ کر نکل جاتی ہے۔

جواب عورت پر واجب ہے کہ معروف طریقے سے اپنے خاوند کی اطاعت کرے، اس پر شوہر کی نافرمانی کرنا حرام ہے اور اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت أن تجيء فبات غضبان عليها، لعنتها الملائكة حتى تصبح»[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3065] صحيح مسلم، رقم الحديث [1436]

''جب آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے تو وہ آنے سے انکار کر دے، پس آدمی اس پر غصے کی حالت میں رات گزارے تو صبح تک اس کی بیوی پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«لو كنت آمراً أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها من عظم حقه عليها»[1]

''اگر میں کسی کو حکم دینے والا ہوتا کہ وہ کسی کو سجدے کرے تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، اس لیے کہ خاوند کا اپنی بیوی پر بہت زیادہ حق ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ﴾ [النساء: 34]

''مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے مالوں سے خرچ کیا، پس نیک عورتیں فرماں بردار ہیں، غیر حاضری میں محافظت کرنے والی ہیں، اس لیے کہ اللہ نے (انھیں) محفوظ رکھا اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی سے تم ڈرتے ہو سو انھیں نصیحت کرو اور بستروں میں ان سے الگ ہو جاؤ اور انھیں مارو۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ بلاشبہ مرد کو عورت پر حاکمیت حاصل ہے اور جب عورت اس کی مخالفت کرے تو اس کو روکنے کے لیے مناسب تنبیہ کی اجازت دی ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ عورت پر خاوند کی اطاعت بھلائی کے ساتھ واجب ہے اور ناحق اس کی مخالفت کرنا حرام ہے۔ (الفوزان)

---

[1] صحيح. مسند أحمد [158/3]

بیوی ہے تو فرمانبردار مگر خاوند کا خندہ پیشانی سے استقبال نہیں کرتی:

سوال میں اپنے خاوند کی اطاعت کرنے والی اور اللہ کے احکام بجا لانے والی ہوں لیکن میں اس سے خوشی اور خندہ پیشانی سے ملاقات نہیں کرتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لباس وغیرہ کے حوالے سے جو حقوق اس کے ذمہ ہیں وہ ادا نہیں کرتا، اور میں نے اس کو الگ بستر پر چھوڑ دیا ہے۔ کیا اس کی وجہ سے مجھ کو گناہ ہوگا؟

جواب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان حسنِ معاشرت اور ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرنا واجب قرار دیا ہے تاکہ شادی کی منفعت اور مصلحت پوری ہو سکے۔ میاں اور بیوی میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کی کوتاہی اور بدسلوکی پر صبر کرے اور اپنے ذمے واجب حقوق ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کے لیے سوال کرے کیونکہ اس میں خاندان کی بقا ہے اور یہ تعاون باہمی زوجیت کی بقا کے اسباب میں سے ہے۔

اے سائلہ! ہم تجھے نصیحت کرتے ہیں کہ تم اپنے شوہر کی کوتاہیوں پر صبر کرو اور تم پر جو زوجیت کے حقوق واجب ہیں ان کو ادا کرو، ان شاء اللہ اس کا انجام اچھا ہوگا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمھارا اپنے واجبات کو ادا کرنا اس کی شرمندگی کا باعث بن جائے۔ (الفوزان)

شوہر کی رضا کے بغیر مانعِ حمل گولیاں کھانے کا حکم:

سوال عورت کے لیے مانعِ حمل گولیاں استعمال کرنے کا کیا حکم ہے جبکہ اس کا خاوند اس پر راضی نہ ہو؟

جواب خاوند کی رضا کے بغیر یہ گولیاں استعمال کرنا حرام ہے کیونکہ بچہ خاوند اور بیوی دونوں کا حق ہے، اسی لیے علماء نے کہا ہے: آدمی پر اپنی بیوی کی رضا وخوشنودی کے بغیر عزل کرنا حرام ہے۔ عزل کا مطلب ہے عورت کی شرمگاہ سے باہر منی خارج کرنا تاکہ عورت حاملہ نہ ہو لیکن اگر دونوں میاں بیوی مانعِ حمل گولیاں استعمال کرنے پر راضی ہیں تو جائز ہے کیونکہ یہ عزل کی طرح ہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے، جابر رضی اللہ عنہ

نے کہا: ہم نزولِ قرآن کے زمانے میں عزل کرتے تھے، یعنی اگر عزل کرنا ممنوع ہوتا تو قرآن اس سے روک دیتا، لیکن یہ گولیاں استعمال نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ان کا استعمال نبی ﷺ کے اس امت سے کثرت سے اولاد کی خواہش کے خلاف ہے۔

اور میں تمھیں کہتا ہوں: ان گولیوں کے اصل موجد مسلمانوں کے دشمن یہودی وغیرہ ہیں جو اس امت کا استیصال اور قتل چاہتے ہیں تاکہ یہ امت دوسروں کی دست نگر بنی رہے کیونکہ جتنی تعداد کم ہوگی اتنی پیداوار کم ہوگی اور جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی پیداوار زیادہ ہوگی اور (کم تعداد سے کم پیداوار اور زیادہ تعداد سے زیادہ پیداوار کا) یہ اصول زراعت، صنعت، تجارت اور ہر چیز میں چلتا ہے۔ آج وہ قومیں جن کی تعداد زیادہ ہے اس کی دنیا میں ہیبت ہے اگرچہ وہ صنعت میں ترقی یافتہ نہیں ہیں کیونکہ تعداد کی کثرت دشمن کے اندر خوف پیدا کرتی ہے۔

لہٰذا ہم مسلمانوں کو اس بات کی طرف دعوت دیتے ہیں کہ وہ زیادہ بچے پیدا کریں مگر یہ کہ کوئی مرض، عورت کی صحت کی کمزوری، اور بغیر آپریشن ولادت کا نہ ہونا وغیرہ رکاوٹیں ہوں تو پھر ان کا استعمال کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ضرورتیں ہیں اور ضرورتوں کے الگ ہی احکام ہوتے ہیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

آدمی کا ڈاکٹر سے اپنی بیوی میں یا بے بی ٹیوبز میں مادہ منویہ منتقل کروانا:

سوال کیا آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ ڈاکٹر کو اجازت دے کہ وہ اس کا مادہ منویہ اس کی عورت میں یا بے بی ٹیوبز میں منتقل کرے؟

جواب یہ جائز نہیں ہے کیونکہ انتقالِ منی میں ڈاکٹر اس کی بیوی کے ستر وشرمگاہ کو کھولے گا اور عورتوں کی شرمگاہوں کو دیکھنا شرعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا اِس عمل کا ارتکاب سوائے کسی ضرورت کے جائز نہیں ہے۔ اور ہم یہ تصور نہیں کرتے کہ کسی آدمی کو یہ ضرورت ہو کہ وہ اس حرام طریقے سے اپنی بیوی کو اپنی منی منتقل کرے۔

کبھی ایسا کرنے کے لیے ڈاکٹر کو مرد کی شرمگاہ کو بھی دیکھنا پڑتا ہے، اور یہ بھی جائز نہیں ہے۔ اس طریقے کو اختیار کرنا دراصل مغرب کی (اندھی) تقلید ہے کہ ہر وہ کام کرو

جو وہ کرتے ہیں اور ہر اس کام سے بچو جس سے وہ بچتے ہیں۔

یہ انسان جس کو طبعی طریقے سے اولاد نہیں ملی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے اور اس کی تقدیر پر راضی نہیں ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو اس بات پر ابھارتے ہیں کہ وہ حصولِ رزق اور حلال کمائی کے وہی طریقے اختیار کریں جو ان کے لیے مشروع قرار دیے گئے ہیں تو آپ ﷺ اولاد کے حصول کے لیے بالاولیٰ ان کو مشروع طریقے اختیار کرنے پر ابھاریں گے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

خاوند کا اپنی بیوی پر عمداً لعنت کرنے کا حکم:

سوال خاوند کا اپنی بیوی پر عمداً لعنت کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا اس کی لعنت کی وجہ سے بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے یا وہ مطلقہ کے حکم میں ہوگی اور اس کا کفارہ کیا ہے؟

جواب شوہر کا اپنی بیوی پر لعنت کرنا منکر کام ہے جائز نہیں ہے بلکہ وہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔ نیز نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لعن المؤمن كقتله»[1] ''مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے۔''

اور فرمایا:

«سباب المسلم فسوق و قتاله كفر»[2]

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔''

نیز آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

«إن اللعانين لا يكونون شهداء و لا شفعاء يوم القيامة»[3]

''بلاشبہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن گواہ اور سفارشی نہیں بن سکیں گے۔''

لہٰذا اُس پر واجب یہ ہے کہ وہ اس سے توبہ کرے اور اپنی بیوی کو جو اس نے گالی دی ہے اس کو معاف کرالے۔ اور جو سچی توبہ کر لیتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ رہی اس کی بیوی تو اس کے نکاح میں بدستور باقی ہے، اور اس کو لعنت کرنے کی وجہ سے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5754] صحيح مسلم، رقم الحديث [110]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [48] صحيح مسلم، رقم الحديث [64]

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث [2598]

مرد پر حرام نہیں ہوئی ہے۔

اور شوہر پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اچھا رہن سہن رکھے اور اپنی زبان کو ہر اس قول سے محفوظ رکھے جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ناراض اور غصے ہوتے ہیں۔ نیز بیوی پر واجب ہے کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ اچھی معاشرت رکھے اور اپنی زبان کو اللہ عزوجل کی ناراضگی والی باتوں سے بچائے اور ان باتوں سے بھی جن سے اس کا خاوند ناراض ہوتا ہے سوائے حق کے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

نیز اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾

[البقرة: 228]

''اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے جیسے ان کے اوپر حق ہے، اور مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔'' (ابن باز رحمہ اللہ)

بیوی کا خاوند سے ظہار کرنے کا حکم:

سوال جب بیوی اپنے شوہر سے ظہار کرے تو کیا یہ ظہار شمار کیا جائے گا؟

جواب اصحابِ حنابلہ نے بیوی کو اس پر ظہار کا کفارہ واجب ہونے میں تو شوہر پر قیاس کیا ہے مگر ظہار کے واجب ہونے میں اس پر قیاس نہیں کیا۔ یہ ایک ایسا قیاس ہے جو متناقض بھی ہے اور قرآن کے ظاہر کے خلاف بھی، بلاشبہ قرآن میں ذکر ہونے والے کفارے کا حکم اس ظہار پر لگتا ہے جو خاوند بیوی سے کرے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک دوسری صحیح روایت اسی موقف کی تائید میں مروی ہے۔ (السعدی)

جب بیوی خاوند کو کہے: تو مجھ پر باپ کی طرح حرام ہے یا بیوی خاوند پر لعنت کرے یا خاوند بیوی سے یا بیوی خاوند سے اللہ کی پناہ چاہے:

سوال جب بیوی اپنے خاوند کو کہے: اگر تو یہ کام کرے گا تو تُو مجھ پر ایسے ہی حرام ہوگا

جیسے میرا باپ مجھ پر حرام ہے یا بیوی خاوند پر لعنت کرے یا خاوند بیوی سے اللہ کی پناہ چاہے یا بیوی خاوند سے اللہ کی پناہ چاہے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟

جواب بیوی کا اپنے خاوند کو اپنے اوپر حرام قرار دینا یا اس کو اپنے کسی محرم رشتے دار کے ساتھ تشبیہ دینا اس کا حکم قسم کا حکم ہے، اس کا حکم ظہار کا حکم ہرگز نہیں ہے کیونکہ قرآن کی نص کے مطابق ظہار خاوندوں کی طرف سے اپنی بیویوں کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا اِس مسئلہ میں عورت پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور وہ کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، وہ اس طرح کہ ہر مسکین کو ملک میں رائج کھانے کا نصف صاع، جس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ کلو بنتی ہے، کھلائے، اور اگر عورت ان کو صبح اور شام کھانا کھلائے یا ان کو لباس پہنائے تو اس کا کفارہ ادا ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ﴾ [المائدة: 89]

''اللہ تم سے تمھاری قسموں میں لغو پر مواخذہ نہیں کرتا اور لیکن تم سے اس پر مواخذہ کرتا ہے جو تم نے پختہ ارادے سے قسمیں کھائیں تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا درمیانے درجے کا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انھیں کپڑے پہنانا یا ایک گردن آزاد کرنا، پھر جو نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھنا ہے، یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے، جب تم قسم کھا لو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔''

اور عورت کے اس چیز کو حرام ٹھہرانے کا حکم جس کو اللہ نے اس کے لیے حلال کیا ہے، قسم کا حکم ہے۔ اسی طرح مرد کے اپنی بیوی کے علاوہ کسی چیز کو حرام کرنے کا حکم، جس کو اللہ نے اس کے لیے حلال کیا ہے، قسم ہی کا حکم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ

اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ [التحريم: 1,2]

''اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟ تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔ بے شک اللہ نے تمھارے لیے تمھاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ تمھارا مالک ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

رہا مرد کا اپنی بیوی کو حرام قرار دینا تو اہلِ علم کے متعدد اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق اس کا حکم ظہار کا حکم ہے، جب مکمل تحریم ہو یا ایسی شرط کے ساتھ معلق ہو جس سے ابھارنا یا منع کرنا یا تصدیق کرنا یا تکذیب کرنا مقصود نہ ہو، جیسا کہ اس کا کہنا: تُو مجھ پر حرام ہے یا میری بیوی مجھ پر حرام ہے یا مجھ پر حرام ہے جب رمضان شروع ہو وغیرہ، تو اس کا حکم اس کے اس قول کی طرح ہے: تُو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ اس طرح کے الفاظ علماء کے اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق، جیسے کہ پہلے بھی گزر چکا ہے، حرام منکر اور جھوٹی بات ہے، اور ایسا کہنے والے کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیے۔ ظہار کا کفارہ اپنی بیوی کو چھونے سے پہلے ادا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مجادلہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَّاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ [المجادلة: 2,3]

''وہ لوگ جو تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں ان کے سوا کوئی نہیں جنھوں نے انھیں جنم دیا، اور بلاشبہ وہ یقیناً ایک بُری بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بلاشبہ اللہ یقیناً بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔ اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اس

سے رجوع کر لیتے ہیں جو انھوں نے کہا تو ایک گردن آزاد کرنا ہے اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے وہ (کفارہ) جس کے ساتھ تم نصیحت کیے جاؤ گے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، پوری طرح باخبر ہے۔''

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [المجادلة: 4]

''پھر جو شخص نہ پائے تو پے در پے دو مہینوں کا روزہ رکھنا ہے اس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، پھر جو اس کی (بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ اس لیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اور واجب کھانا ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک مسکین کو ملک کی عمومی رائج غذا میں سے نصف صاع کھانا دینا ہے اور یہ کھانا کھلانا اس صورت میں ہے جب ظہار کرنے والا غلام آزاد کرنے اور دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے سے عاجز آ جائے۔

رہا عورت کا اپنے خاوند پر لعنت کرنا یا اس سے پناہ چاہنا تو ایسا کرنا عورت پر حرام ہے، اس پر توبہ کرنا اور اپنے خاوند سے معذرت کرنا لازم ہے، البتہ اس سے اس کا خاوند اس پر حرام نہیں ہوگا اور نہ ایسی کلام کی وجہ سے اس پر کوئی کفارہ ہی ہوگا۔ ایسے ہی اگر مرد اپنی بیوی پر لعنت کرے یا اس سے اللہ کی پناہ مانگے تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی، البتہ اس کلام کی وجہ سے اس پر توبہ کرنا اور اپنی بیوی سے اس پر لعنت کرنے کی وجہ سے معذرت کرنا لازم ہے کیونکہ کسی مسلمان مرد کا مسلمان مرد یا عورت پر لعنت کرنا، خواہ وہ اس کی بیوی ہو یا کوئی اور عورت، جائز نہیں ہے بلکہ وہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ اسی طرح عورت کا اپنے خاوند یا اس کے علاوہ کسی بھی مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لعن المؤمن كقتله»[1] ''مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔''

نیز آپ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے:

«إن اللعانين لا يكونون شهداء و لا شفعاء»[2]

''لعنت کرنے والے (قیامت کے دن) گواہ اور سفارشی بننے کے اہل نہیں ہوں گے۔''

ہم اللہ تعالیٰ سے ہر اس کام سے عافیت اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں جو اس کے غضب کو بڑھکانے والا ہو۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

اگر عورت اپنے خاوند کو کہے کہ تو میرا بھائی، باپ اور سب کچھ ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال یقیناً میری بیوی مجھے اکثر کہا کرتی ہے: تُو میرا خاوند ہے، تُو میرا بھائی ہے، تُو میرا باپ ہے اور دنیا میں میرا سب کچھ ہے۔ کیا اس کا یہ کلام مجھے اس پر حرام کر دیتا ہے یا نہیں؟

جواب اس کا یہ کلام اس کو تم پر حرام نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کے اس قول کہ تُو میرا باپ ہے، میرا بھائی ہے اور اس طرح کے دوسرے محرم رشتے کے ساتھ تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ تُو میرے نزدیک عزت اور رعایت کے اعتبار سے میرے باپ اور بھائی کی جگہ ہے۔ اس کا یہ ارادہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ آپ کو حرمت میں اپنے باپ اور بھائی کی جگہ رکھ رہی ہے۔ اگر بالفرض اس کا ارادہ حرمت کا ہی ہو تو پھر بھی آپ اس پر حرام نہیں ہو گے کیونکہ ظہار عورتوں کی طرف سے مردوں کے لیے نہیں ہوتا بلکہ وہ تو صرف مردوں کی طرف سے اپنی بیویوں کے لیے ہوتا ہے۔

لہٰذا جب عورت اپنے خاوند سے ظہار کرے اور اس کو کہے: تُو مجھ پر میرے باپ یا میرے بھائی کی پشت کی طرح ہے یا اس طرح کے کسی محرم رشتے دار کی طرح ہے تو یہ ظہار نہیں ہوگا بلکہ اس کا حکم قسم کی طرح ہے، یعنی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے نفس کو خاوند کے لیے چھوڑے مگر قسم کا کفارہ ادا کرنے کے بعد، پس اگر وہ چاہے تو خاوند کو اپنے سے فائدہ اٹھانے سے پہلے کفارہ دے، اور اگر وہ چاہے تو اس تمتع کے بعد کفارہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5754] صحيح مسلم، رقم الحديث [110]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [2598]

دے۔قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو لباس دینا یا ایک گردن آزاد کرنا ہے، پس اگر وہ ان چیزوں کی طاقت نہ رکھے تو تین دن کے روزے رکھ لے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

نکاح کے متفرق مسائل

لڑکی کے ایسے مرد سے شادی کرنے سے انکار کا حکم جس کے دین واخلاق کو تو وہ پسند کرتی ہے مگر اس کے گھر والوں کو پسند نہیں کرتی:

سوال جب لڑکی ایسے آدمی سے شادی نہ کرنا چاہے جس کے متعلق اس نے اپنے گھر والوں سے سنا ہے کہ وہ دین دار اور اخلاقِ حسنہ کا مالک ہے لیکن وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی، اس کو ناپسند کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے گھر والوں کی وجہ سے جن کو اس نے دیکھا ہے کہ وہ لوگوں کی غیبتیں اور چغلیاں کرتے ہیں تو کیا اس لڑکی کو ایسے مرد سے شادی کرنے کے انکار کا حق حاصل ہے؟

جواب جب اس لڑکی کے گھر والے اس آدمی کی دین داری اور امانت داری کو جانتے ہیں اور انھوں نے اس کو اس لڑکی کے لیے بطورِ خاوند کے منتخب کر لیا ہے تو لڑکی کو چاہیے کہ وہ اس کو قبول کر لے۔

رہی اس آدمی کے گھر والوں کی یہ حالت کہ وہ لوگوں کی غیبتیں کرتے ہیں، پس یہ ایک ایسی حرکت ہے جس کا تعلق اس کے گھر والوں سے ہے اور ان پر یہ حرام ہے لیکن یہ لڑکی اس کے گھر والوں کی اس حالت کی وجہ سے ایک ہمسر اور صالح آدمی سے شادی ترک نہ کرے جبکہ اس کے گھر والوں کی اس خرابی کی اصلاح بھی ممکن ہے، وہ اس طرح کہ یہ لڑکی ان کو وعظ ونصیحت کرے اور ان کو اللہ عزوجل کا خوف دلائے یا وہ ان کی اس مجلس سے الگ رہے جس میں وہ غیبت اور چغلی کرتے ہیں اور کسی اور جگہ بیٹھ جائے۔ اس پر یہ ہرگز لازم نہیں ہے کہ وہ اس کے گھر والوں کے ساتھ بیٹھے جبکہ وہ لوگوں کی غیبت کر رہے ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کو بنیاد بنا کر ہمسر آدمی کے ساتھ شادی کا موقع ضائع

کرے جس کو اس کے گھر والوں نے اس کے لیے منتخب کیا ہے، کیونکہ عورت کے لیے ممنوعہ معاملے کا تدارک ممکن ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اسے اپنی مصلحت مدنظر رکھنی چاہیے اور اس نیک ہمسر آدمی سے شادی کر لینی چاہیے۔ (الفوزان)

جب بانجھ آدمی منگنی کرے تو کیا وہ اپنی منگیتر کو اپنی اس کمزوری سے آگاہ کرے؟

سوال ایک آدمی نے ابھی تک شادی نہیں کی اور اطباء نے اس کو خبر دی ہے کہ اس کے لیے اولاد پیدا کرنا مشکل ہے اور اولاد پیدا کرنے کا احتمال اس کے ہاں معدوم ہے لیکن وہ جماع پر قادر ہے۔ کیا وہ اپنی مخطوبہ (منگیتر) کو اس سے آگاہ کرے یا اس معاملے کو اللہ کی تقدیر پر چھوڑ دے؟

جواب اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی مخطوبہ کو اس سے آگاہ کرے اور اللہ عزوجل کی قدرت کے اسباب تلاش کرے جبکہ طبیب نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس آدمی کے اولاد پیدا کرنے کے امکانات کمزور ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں تو اس شخص کی عورت کے ساتھ گزران صحیح نہیں ہوسکتی جو کہ اپنے اندر فطری شفقت، یعنی ماتا کی شفقت رکھتی ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

«من غشنا فليس منا»[1] ”جس نے ہم سے دھوکا کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

اگر وہ اسی حالت میں شادی کرے گا تو ایک، دو یا تین سالوں کے بعد جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔ اور پھر یہ کہ اس میں عورت کا نقصان ہے۔ اس آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے جیسی عورت تلاش کر لے جو اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو اور اس سے شادی کر لے، یا وہ کسی بیوہ یا ایسی مطلقہ سے شادی کر لے جس کے پاس پہلے سے اولاد موجود ہو اور اب وہ اولاد کی محتاج نہ ہو۔ (محمد بن عبدالمقصود)

شریف خاندان کی عورت کا غیر شریف خاندان کے مرد سے شادی کرانے کا حکم:

سوال شریف اور اعلیٰ خاندان کی عورت کی غیر شریف اور ادنیٰ خاندان کے مرد سے شادی کرانے کا کیا حکم ہے؟

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [101]

جواب اعلیٰ خاندان کی عورت کی شادی ادنیٰ خاندان کے کسی مرد سے کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ اس پر راضی ہو، چنانچہ نبی ﷺ نے اپنی بیٹیوں کی شادی بعض ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کر دی تھی جو بنو ہاشم میں سے نہیں تھے، جیسے: عثمان بن عفان اور ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہما ہیں، اسی طرح علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کی شادی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کر دی، اسی طرح سکینہ بنت حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے یکے بعد دیگر چار ایسے مردوں سے شادی کی جو بنو ہاشم سے نہ تھے۔

سلف کا بغیر کسی انکار کے اسی پر عمل رہا یہاں تک کہ بعض ملکوں میں ایسے لوگ پائے گئے جن کو تکبر اور عظمت طلبی نے اپنی لڑکیوں کو مخصوص افراد میں محصور کرنے پر آمادہ کیا۔ یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ایسا کرنے سے بعض اوقات فساد اور بڑا نقصان حاصل ہوتا ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفائے راشدین ہمارے لیے نمونہ ہیں اور ان کا اسوہ ہمارے لیے کافی ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

عورت کا اپنے خاوند سے قصاص لینے کا حکم:

سوال میرے اور میری بیوی کے درمیان جھگڑے کے نتیجے میں میں نے اس کو مارا اور اس کی داڑھ توڑ دی لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں اکھڑی، کیا مجھ پر قصاص واجب ہے؟ درآں حالیکہ میرا اپنی بیوی کے ساتھ اتفاق ہوگیا ہے کہ میں نے جو اس کا نقصان کیا ہے اس کا جرمانہ ادا کروں گا، کیا آپ کے پاس اس کا کوئی حل ہے؟ ہماری راہنمائی کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عطا فرمائے۔

جواب یہ لائق نہیں ہے کہ جھگڑا اِس حالت کو پہنچ جائے کہ مارا جائے، زخم لگایا جائے یا کوئی عضو توڑا جائے، یہ مسلمانوں کے درمیان جائز نہیں ہے۔ اور میاں بیوی کے درمیان تو اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اچھی معاشرے اور رہن سہن کا حکم دیا ہے۔ رہا یہ فیصلہ کہ دانت توڑنے کی وجہ سے اس پر کیا واجب ہے تو اس کی دو حالتیں ہیں:

1. پہلی حالت یہ ہے کہ تم دونوں آپس میں صلح کر لو یا تو اس طرح کہ وہ عورت تم سے

صرفِ نظر کرتے ہوئے بغیر کسی عوض کے معاف کر دے، اور یہی افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ [الشوریٰ: 40]

''پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔''

یا وہ عوض اور جرمانہ لے کر آپ کو معاف کرے تو یہ صلح کے باب سے ہے اور مسلمانوں کی آپس میں صلح جائز ہے، سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرتی ہو۔

2 دوسری حالت یہ ہے کہ وہ آپ سے تقاضا کرے کہ آپ پر دیت واجب ہے اس کو ادا کریں تو اس کے لیے شرعی عدالت میں جانا ضروری ہے تاکہ عدالت اس مسئلے پر غور کرے اور آپ جس جرمانہ کے مستحق ہیں وہ آپ پر لاگو کرے۔ (الفوزان)

عورت کو لوگوں کے سامنے بوسہ دینے کا حکم:

سوال عورت کو لوگوں کے سامنے بوسہ دینے کا کیا حکم ہے؟

جواب بعض لوگ، اللہ تعالیٰ بچائے، اتنے بدمعاش ہوتے ہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے عورت سے جسم ملاتے ہوئے بوسہ وغیرہ دیتے ہیں، یہ عمل جائز نہیں ہے۔

(محمد بن ابراہیم)

خاوند کا بیوی کی حد سے بڑھی ہوئی جنسی خواہش کو ہاتھ کے ذریعہ تسکین پہنچانے کا حکم:

سوال ایک عورت کی شہوت بہت زیادہ ہے اور اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ ہر روز ایک یا زیادہ مرتبہ جماع کی خواہش مند ہے۔ کیا اس کے خاوند کے لیے اپنے ہاتھ سے اس کی خواہش کو ٹھنڈا کرنا ممکن ہے؟ یا وہ کیا کرے؟

جواب ہاں، مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے یا اپنی بیوی کے انزال کے لیے ہاتھ سے کام لے سکتا ہے، صرف تین حالتوں میں فائدہ اٹھانا حرام ہے: حیض کی حالت میں اس سے وطی کرنا، اس کی دبر میں وطی کرنا یا نجاست کو چاٹنا۔ (محمد بن عبدالمقصود)

عورت کے ساتھ ہمبستری کرنے کے راز کو افشا کرنا:

سوال عورت کے بستر یعنی ہمبستری کے راز کو افشا کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب حدیث میں ہے:

«إن من شرار الناس: الرجل يفضي إلى المرأة وتفضي إليه فينشر سرها»[1]

''لوگوں میں سے بدترین آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس کی بیوی اس کے پاس آئی تو پھر وہ (اپنی اس ملاقات کے) راز کو پھیلاتا ہے۔''

یعنی میاں بیوی کی ازدواجی زندگی میں کھیل کود اور ہمبستری کے دوران جو باتیں میاں سے یا اس کی بیوی سے سرزد ہوتی ہیں وہ امانت ہیں، اور ان باتوں کو وہی لوگ بتایا کرتے ہیں جن میں مروءت اور انسانیت نہیں اور جو عقل کے کمزور ہیں۔ یہ بہت بری معاشرت ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

مرد اور عورت کے لیے شادی کی آئیڈیل عمر:

سوال عورت اور مرد کے لیے شادی کی مناسب عمر کون سی ہے؟ کیونکہ بعض لڑکیاں ان مردوں سے شادی کرنے کو قبول نہیں کرتی ہیں جو ان سے عمر میں بڑے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بعض مرد اپنے سے بڑی عمر کی عورتوں سے شادی نہیں کرتے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ اس کا جواب ارشاد فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیراً

جواب میں لڑکیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ کسی آدمی کے ساتھ محض عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے شادی سے انکار نہ کریں، مثلاً: وہ آدمی اس لڑکی سے دس سال یا بیس سال بڑا ہو تو اس کے ساتھ شادی سے انکار کا یہ کوئی معقول عذر نہیں ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے ترپین سال کی عمر میں شادی کی تھی اور عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت نو سال کی تھیں۔ عمر رسیدہ ہونا کوئی نقصان دہ چیز نہیں ہے۔ عورت مرد سے بڑی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی مرد کے عورت سے بڑا ہونے میں کوئی حرج ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جب شادی کی تھی تو وہ چالیس سال کی تھیں اور آپ ﷺ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1437]

پس آدمی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے، اور نہ ہی ایسے طہر میں اس کو طلاق دے جس میں اس سے مجامعت کی ہو، الا یہ کہ اس کا حمل ظاہر ہو جائے، اور جب حمل ظاہر ہو جائے تو وہ جب چاہے طلاق دے سکتا ہے، طلاق واقع ہو جائے گی۔ ایک نہایت عجیب بات لوگوں میں عام ہوگئی ہے کہ حاملہ کو طلاق نہیں ہوتی۔ یہ بات درست نہیں ہے، حاملہ کو طلاق ہو جاتی ہے اور اس میں طلاق کی وسعت اور گنجائش موجود ہے، لہٰذا آدمی کے لیے حاملہ عورت کو طلاق دینا جائز ہے اگرچہ اس نے کچھ ہی دیر پہلے مجامعت کی ہو، برخلاف غیر حاملہ کے کہ جب اس سے مجامعت کرے گا تو وہ حیض آنے کا انتظار کرے، پھر جب وہ پاک ہو یا اس کا حمل واضح ہو جائے (تو پھر اس کو طلاق دے) اللہ عزوجل نے سورۃ ''الطلاق'' میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: 4]

''اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں۔''

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حاملہ کو طلاق ہو جاتی ہے نیز ابن عمر کی روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

« مره فليراجعها، ثم ليطلقها طاهراً أو حاملاً »[1]

''(اے عمر!) اس (عبداللہ بن عمر) کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے، پھر اس کو طہر یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔''

جب یہ بات تو واضح ہوگئی کہ حالتِ حیض میں عورت سے نکاح کرنا ایک جائز اور درست کام ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ شادی کرنے والا مرد اس حائضہ بیوی کے پاک ہونے تک اس کے پاس نہ جائے کیونکہ جب وہ اس کے پاک ہونے سے پہلے اس کے پاس جائے گا تو خدشہ اس بات کا ہے کہ وہ اس حالت میں ممنوع کام (جماع) کا مرتکب ہو جائے گا، اس لیے کہ وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے گا۔ خاص طور پر جب وہ جوان ہو تو وہ عورت کے پاک ہونے کا انتظار کرے اور اپنی بیوی کے پاس اس کے پاک ہونے کی

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1471]

حالت میں ہی آئے تا کہ وہ پاکی کی اس حالت میں اس کی فرج (اگلی شرمگاہ) سے فائدہ اٹھا سکے۔ واللہ اعلم (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

گم شدہ خاوند والی بیوی کے عقدِ ثانی کا حکم:

سوال ایک آدمی طویل عرصہ اپنی بیوی سے غائب رہا حتی کہ بیوی کو گمان ہوا کہ وہ گم ہوگیا ہے، لہٰذا اُس کی بیوی نے کسی اور خاوند سے شادی کر لی اور اس خاوند سے بچہ بھی جنم دیا۔ کچھ سالوں کے بعد اس کا پہلا خاوند واپس آ گیا تو اس کا دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح بحال رہے گا یا فسخ ہوجائے گا؟ اور کیا پہلا خاوند اپنی بیوی کو واپس لینے کا حق رکھتا ہے؟ اگر اس کے لیے یہ جائز ہے تو کیا اب اس کو نیا نکاح کرانا پڑے گا؟

جواب اس مسئلہ کو مفقود کی بیوی سے شادی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پس جب خاوند گم ہوگیا اور اس کے تلاش کی مدت ختم ہوگئی، پھر اس کی موت کا حکم لگا دیا گیا اور بیوی نے اس خاوند کی عدت گزاری اور دوسرے خاوند سے شادی کر لی، تو مرد کو اختیار ہے کہ یا تو اس دوسری شادی کو بحال رہنے دے یا اپنی بیوی کو اپنی طرف لوٹا لے۔ اگر یہ شادی اپنے حال پر باقی رہنے دی جائے تو معاملہ ظاہر ہے اور یہ عقد صحیح ہے لیکن اگر خاوند اس کو اختیار نہ کرے اور اپنی بیوی کو واپس لینا چاہے تو اس کی بیوی اس کو واپس مل جائے گی لیکن وہ اس کی دوسرے خاوند سے عدت ختم ہونے سے پہلے اس سے وطی نہیں کرے گا اور اس عورت کو پہلے خاوند کے ساتھ نیا عقد کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کو باطل کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی کہ وہ نئے نکاح کی محتاج ہو۔

رہا دوسرے خاوند سے اس کا بچہ تو وہ شرعی بچہ ہے۔ وہ ماں کے واسطے سے اپنے باپ کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ وہ ایسے نکاح سے پیدا ہوا ہے جس کی اجازت دی گئی تھی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جس عورت کا خاوند عرصہ چار سال سے مفقود ہے وہ مزید کتنا انتظار کرے؟

سوال ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی اور ایک سال کے لیے اس کو چھوڑ کر سفر پر چلا گیا اور اپنی بیوی کے پاس کوئی چیز نہ چھوڑی، اور نہ ہی اس عورت کے پاس

کوئی چیز ہے جس کو وہ اپنے پر خرچ کر سکے۔ وہ بھوک سے ہلاک ہونے والی تھی کہ اس کو کسی نے نکاح کا پیغام دیا اور شادی کر لی، اس سے مجامعت کی اور یہ اس سے حاملہ ہوگئی۔ حاکم کو معلوم ہوا کہ ابھی پہلا خاوند موجود ہے تو اس نے ان دونوں کی جدائی کروا دی۔ اس نے دوسرے خاوند سے بچہ جنم دیا۔ دوسرا خاوند اس پر مال خرچ کرتا رہا حتی کہ بچے کی عمر چار سال ہوگئی مگر ابھی تک پہلا خاوند نہ آیا اور نہ ہی اس کے متعلق یہ معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں ہے؟ کیا اس عورت کو دوسرے خاوند کے ساتھ رجوع کر لینا جائز ہے یا کہ وہ پہلے خاوند کا انتظار کرتی رہے؟

جواب جب اس کی طرف سے خرچ بند ہوگیا تو ہمیں اس نکاح کو فسخ کر دینا چاہیے۔ جب اس کی عدت مکمل ہوجائے تو وہ اس کے علاوہ کسی اور سے شادی کر لے۔ نکاح فسخ کرنا حاکم کا کام ہے مگر جب وہ حاکم وغیرہ کے نکاح فسخ نہ کرنے کی وجہ سے خود نکاح فسخ کرلے تو اس میں جھگڑا ہے، لیکن جب حاکم نے نکاح فسخ نہیں کیا بلکہ بیوی کے سامنے یہ گواہی دی گئی کہ اس کا خاوند فوت ہوچکا ہے اور اس نے اس وجہ سے شادی کر لی جبکہ اس کا خاوند فوت نہیں ہوا تھا تو نکاح باطل ہوگا۔ لیکن جب دوسرا خاوند پہلے خاوند کی موت اور فسخ نکاح وغیرہ کا گمان کرتے ہوئے اس نکاح کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھے تو بچے کو اس کی طرف منسوب کیا جائے گا، اس کے ذمے مہر ہوگا اور اس پر کوئی حد نہ ہوگی، لیکن وہ عدت گزارے گی یہاں تک کہ اس خاوند سے اس کی عدت ختم ہوجائے، پھر پہلا نکاح اگر ممکن ہو تو فسخ ہوگا اور وہ جس سے چاہے شادی کرے گی۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

شادی سے مایوس عمر رسیدہ عورتوں کو شیخ عثیمین رحمہ اللہ کی نصیحت:

سوال میں جناب شیخ سے ایک ایسے معاملے میں جو میرے اور میرے جیسی بہنوں بیٹیوں سے متعلق ہے، مشورہ کرنا چاہتی ہوں، اور وہ معاملہ یہ ہے کہ ہمارے مقدر میں بغیر شادی کے رہنا لکھ دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہم شادی کی عمر سے گزر کر ناامیدی کی عمر کے قریب پہنچ چکی ہیں۔ الحمدللہ یہ بات معلوم رہے، اللہ بھی میری بات پر گواہ ہے، کہ

ہم بلند اخلاق کے درجہ پر فائز ہیں، ہم نے تعلیمی اعتبار سے یونیورسٹی کی ڈگریاں بھی حاصل کر رکھی ہیں، لیکن ہمارا مقدر ہی یہ ہے، لیکن مادی مسئلہ ہی وہ مسئلہ ہے جس کی بنا پر کوئی ہم سے شادی کرنے کی طرف پیش قدمی نہیں کرتا۔ اور شادی کے معاملات، خاص طور پر ہمارے ملک میں زوجین کے درمیان مشارکت کے ساتھ انجام پاتے ہیں۔ مستقبل میں جو کچھ ہونے والا ہے اس کے اعتبار سے میں اپنے متعلق اور اپنی بہنوں کے متعلق آپ کی طرف سے نصیحت اور راہنمائی کی امید رکھتی ہوں۔

جواب میں اس طرح کی عورتوں کو جو شادی سے لیٹ ہوگئی ہیں، جیسا کہ سائلہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، نصیحت کرتا ہوں کہ وہ دعا اور گریہ وزاری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا خاوند عطا کرے جس کی دینداری اور اخلاق اللہ کو پسند ہو۔ جب انسان سچے جذبے کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے اس کی طرف میلان اختیار کرے۔ دعا کے آداب بجا لائے اور قبولیتِ دعا کی رکاوٹوں سے اجتناب کرے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ [البقرة: 186]

''اور جو میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھے پکارتا ہے۔''

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ [الغافر: 60]

''اور تمھارے رب نے فرمایا: مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔''

اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کو بندے کے اللہ کی بات ماننے اور اس پر ایمان لانے پر موقوف کیا ہے، پس میں اللہ عزوجل کی طرف مائل ہونے، اس سے دعا کرنے، اس کی طرف گریہ وزاری کرنے اور صبر کے ساتھ فراخی کا انتظار کرنے سے زیادہ مضبوط چیز نہیں پاتا ہوں کیونکہ نبی ﷺ سے بھی یہی ثابت ہے:

((واعلم أن النصر مع الصبر، وأن الفرج مع الكرب، وأن مع العسر يسرا))[1]

[1] صحیح. مسند أحمد [307/1]

''آگاہ رہو! بلاشبہ مدد صبر کرنے کے ساتھ، کشادگی اور فراخی تکلیف کے ساتھ اور آسانی تنگی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔''

میں بھی اللہ تعالیٰ سے ان عورتوں اور ان جیسی دیگر عورتوں کے متعلق سوال کرتا ہوں کہ وہ ان کے معاملے میں آسانی پیدا کرے، اور ان کے لیے نیک مردوں کا انتخاب کرے جو ان عورتوں کے دین و دنیا کی اصلاح کا ارادے رکھنے والے ہوں۔ (العثیمین رحمہ اللہ)

کیا بچوں کا مستقبل غیر رشتہ داروں سے شادی کرنے سے وابستہ ہے؟

سوال قریبی رشتہ داروں میں سے ایک نے مجھ سے نکاح کی رغبت ظاہر کی لیکن میں نے سنا ہے کہ دور کے لوگوں سے شادی کرنا بچوں کے مستقبل وغیرہ کے اعتبار سے افضل و بہتر ہے۔ آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟

جواب بعض اہلِ علم نے اس قاعدے کا ذکر کیا ہے اور مذکورہ بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرابت کا اثر ہوتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی عادات اور تخلیق میں قرابت کا اثر ہوتا ہے، جیسا کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بیوی نے ایک سیاہ لڑکے کو جنم دیا ہے۔ وہ اس بات کے ساتھ عورت پر تنقید کر رہا تھا کہ جب والدین سفید رنگ کے ہوں تو بچہ سیاہ کیسے ہوسکتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « هل لك من إبل؟ » ''کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟'' اس آدمی نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے پوچھا: « فما ألوانها؟ » ''ان کے رنگ کیا ہیں؟'' اس نے جواب دیا: سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر دریافت کیا: « فهل فيها من أورق؟ » ''کیا ان میں کچھ نیلے اونٹ بھی ہیں؟'' اس نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: « فأنى لها ذلك؟ » ''وہ ان میں کہاں سے آ گئے؟'' اس نے کہا: شاید انھوں نے (اوپر سے) کوئی رگ کھینچ لی ہو تو نبی ﷺ نے فرمایا: « ابنك هذا نزعه عرق »[1] ''تیرے اس بیٹے کو بھی (اوپر سے) کسی رگ نے کھینچ لیا ہے۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ وراثت کا اثر ہوتا ہے اور اس میں کوئی شبہ

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [4999] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1500]

نہیں ہے لیکن نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تنکح المرأة لأربع: لمالها، وحسبها، جمالها ودينها، فاظفر بذات الدين تربت يداك» [1]

''عورت سے چار چیزوں کی بنیاد پر شادی کی جاتی ہے: اس کے مال، حسب و نسب، جمال و خوبصورتی اور اس کی دینداری کی وجہ۔ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں پس تو دیندار عورت سے (شادی کر کے) کامیابی حاصل کر۔''

پس جب عورت کو نکاح کا پیغام دینے کی بنیاد دینداری ٹھہری تو جو عورت دیندار ہوگی اور خوبصورت ہوگی وہ زیادہ بہتر ہوگی خواہ وہ قریبی ہو یا دور کی ہو کیونکہ دیندار خاتون اس کے مال، اولاد اور گھر کی حفاظت کرے گی اور مرد کی حاجت پوری کرتے ہوئے اس کی نگاہ کو پست رکھے گی اور اس کا خاوند اس کے ہوتے ہوئے دائیں بائیں تانک جھانک نہیں کرے گا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

دولہے کا لوگوں کے سامنے شبِ زفاف منانا:

سوال کیا دولہا کے لیے عورتوں کے درمیان اپنی دلہن سے شبِ زفاف منانا جائز ہے؟

جواب یہ عمل جائز نہیں ہے، بلاشبہ یہ شرم و حیا کے ختم ہوجانے اور بے شرمی کے پیدا ہوجانے کی دلیل ہے، ورنہ بات تو واضح ہے۔ کیونکہ وہ دلہن جو اس موقع پر لوگوں کے سامنے ظاہر ہونے سے حیا کرتی ہے وہ لوگوں کی موجودگی میں کب شبِ زفاف منائے گی؟ (عبداللہ بن جبرین)

عورت کا شادی کی محفلوں اور عید میلاد کی مجلس میں شریک ہونے کا حکم:

سوال عورت کا شادی کی محفلوں اور عید میلاد کی محفل میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ باوجود اس کے کہ عید میلاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اسی طرح ان محفلوں میں بعض گلوکارائیں رات جاگنے والوں کا دل لگانے کے لیے بھی موجود ہوتی ہیں۔ کیا عورت کا ایسی محفل میں محض دلہن کو دیکھنے کے لیے اور گھر والوں کی عزت افزائی کے لیے،

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4802] صحيح مسلم، رقم الحديث [1466]

نہ کہ گانے والیوں کو سننے کے لیے، شریک ہونا حرام ہے؟

جواب جب شادی کی محفلیں خلافِ شرع کاموں سے خالی ہوں، مثلاً مرد و زن کا اختلاط اور فحش گانے نہ ہوں یا جب وہ ایسی محفلوں میں شریک ہوکر خلافِ شرع کاموں سے منع کرے تو اس کے لیے خوشی کی ایسی محفلوں میں شرکت کرنا جائز ہے بلکہ اگر یہ ان منکرات کو روکنے کی قدرت رکھتی ہے تو اس کی شرکت واجب ہے۔ لیکن اگر یہ ان خلافِ شرع کاموں پر نکیر کی طاقت نہیں رکھتی تو ان مجلسوں میں حاضر ہونا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ عام ارشاد ہے:

﴿ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ ﴾ [الأنعام: 70]

''اور ان لوگوں کو چھوڑ دے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور دل لگی بنا لیا اور انھیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا، اور اس کے ساتھ نصیحت کر کہ کہیں کوئی جان اس کے بدلے ہلاکت میں (نہ) ڈال دی جائے جو اس نے کمایا، اس کے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہو اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ [لقمان: 6]

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا ہے تاکہ جانے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اسے مذاق بنائے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

گانے بجانے اور ساز و موسیقی کی مذمت میں بکثرت احادیث ثابت ہیں۔ رہی محفلِ میلاد تو کسی مسلمان مرد اور عورت کے لیے اس میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ محفل بدعت ہے، الا یہ کہ اس کی شرکت اس محفل کے انکار اور اس کے متعلق اللہ کا حکم بیان کرنے کے لیے ہو۔

شادی کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والے بچے کا حکم:

سوال ایک آدمی نے کسی بالغہ کنواری لڑکی سے شادی کی اور اس سے دخول کیا تو اس کو واقعتاً کنواری ہی پایا، پھر اس لڑکی نے مرد کے دخول کے چھ مہینے کے بعد بچے کو جنم دیا۔ کیا اس بچے کو اس آدمی کے ساتھ منسوب کیا جائے گا؟ کیونکہ خاوند نے قسم اٹھائی کہ یہ بچہ اسی کے نطفے سے ہے، اگر ایسا نہ ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہو۔ تو کیا اس کے ساتھ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور بچہ بھی ٹھیک ٹھاک صحیح الخلقت ہے اور کئی سال کا ہو چکا ہے، جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

جواب جب اس نے خاوند کے دخول کے چھ مہینے کے بعد بچے کو جنم دیا، چاہے ایک لحظہ ہی چھ مہینے سے زیادہ ہو تو ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بچہ اس دخول کرنے والے باپ کی طرف ہی منسوب ہوگا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا تو صحابہ کرام نے چھ مہینے کا صحیح بچہ ہونے پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دلیل بنایا:

﴿وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ [الأحقاف: 15]

''اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو ساتھ ملایا:

﴿وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ [البقرة: 233]

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔''

جب آیت میں مذکورہ تیس مہینوں کی مدت سے دو سال مدتِ رضاعت نکالی جائے تو حمل چھ مہینے کا ہوتا ہے، پس آیتِ مذکورہ میں حمل کی کم از کم مدت اور رضاعت کی کامل مدت کو جمع کیا گیا ہے۔

اور اگر وہ اس بچے کو اب اپنی طرف منسوب نہیں کر رہا تو اس کے گزشتہ اقرار کا کیا بنے گا جو اس نے بچے کو اپنے ساتھ منسوب کرنے کے حوالے سے کیا ہے؟ بلکہ اگر وہ کسی مجہول النسب بچے کو بھی اپنے ساتھ منسوب کر لے اور کہے کہ بلاشبہ وہ میرا بیٹا ہے تو مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ بچہ اس کی طرف منسوب ہو جائے گا۔ جب اتنی مدت کے

حمل کا درست ہونا ممکن ہے اور کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو یہ شخص اپنی قسم سے بری ہوگا اور اس پر قسم توڑنا لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

اس شادی شدہ عورت کے نکاح کا حکم جس نے خاوند کے دخول کیے بغیر دو ماہ بعد بچہ جنم دیا؟

سوال ایک آدمی نے کسی عورت سے شادی کی اور اس سے ہمبستری اور دخول نہیں کیا۔ اس عورت نے دو مہینے کے بعد بچہ جنم دیا۔ کیا یہ نکاح درست ہے؟ کیا اس مرد پر حقِ مہر دینا واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ بچہ اس آدمی سے منسوب نہیں ہوگا۔ ایسے ہی اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ خاوند کے ذمہ حقِ مہر واجب نہیں ہوگا لیکن مذکور عقد کے متعلق علماء کے دو قول ہیں:

پہلا قول: زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مذکورہ عقد باطل ہے، جیسا کہ یہ امام مالک اور امام احمد وغیرہ کا مذہب ہے۔ اس بنا پر میاں بیوی میں جدائی کروانا واجب ہے اور خاوند پر مہر اور کچھ مال دینا واجب نہیں ہے، جیسا کہ تمام فاسد عقود میں جب دخول سے پہلے ہی جدائی ہوجائے، حق مہر واجب نہیں ہوتا، لیکن جھگڑا ختم کرنے کے لیے قاضی کو چاہیے کہ جب وہ اس عقد کو فاسد سمجھتا ہے تو ان کے درمیان جدائی کرائے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ عقد صحیح ہے مگر خاوند کو وضعِ حمل سے پہلے اس عورت سے وطی کرنا حلال نہیں ہے، جیسا کہ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وضعِ حمل سے پہلے بھی وطی جائز ہے، جیسا کہ یہ امام شافعی کا قول ہے۔

ان دو قولوں کی بنا پر جب وہ اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے تو اس کے ذمے آدھا حقِ مہر ہوگا لیکن جب یہ جھگڑا اِس صورت میں ہو جب ایسی وطی کے نتیجہ میں حاملہ ہو جو وطی نکاح یا شبہ نکاح کے بعد ہوئی تو پھر یہ نکاح باطل ہوگا۔ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔ اور مرد کے ذمہ حقِ مہر نہیں ہوگا جب وہ دخول سے پہلے اس کو طلاق دے دے لیکن اگر وہ زنا کے نتیجے میں حاملہ ہوئی تو پھر اس کے نکاح کے درست ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اختلاف

اس صورت میں ہے جب اس نے از خود نکاح کیا لیکن اگر اس نے اس سے جبراً نکاح کیا ہے تو امام شافعی، امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب میں یہ نکاح باطل ہوگا۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

اس مطلقہ عورت کا حکم جو بغیر عدت گزارے دوسرا عقد کر لے؟

سوال ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اس وقت طلاق دی جب وہ اس کے بچے کو دودھ پلا رہی تھی، پھر وہ عورت آٹھ مہینے مطلقہ رہی، پھر اس نے ایک اور آدمی سے شادی کر لی۔ اس کے پاس وہ مہینہ بھر رہی تو اس نے بھی اس عورت کو طلاق دے دی، پھر یہ تین مہینے مطلقہ رہی اور اتنے عرصے میں اس کو حیض نہیں آیا نہ پہلے آٹھ مہینوں میں، نہ دوسرے خاوند کے پاس رہنے کی مدت میں اور نہ ہی آخری تین مہینوں میں، پھر اس عورت کے بچے کے باپ اور اس عورت کو طلاق دینے والے نے اس سے شادی کر لی۔ کیا یہ دونوں عقد درست ہیں یا ان میں سے ایک درست ہے؟

جواب نہ پہلا عقد درست ہے اور نہ ہی دوسرا، بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ پہلے شوہر کی عدت پوری کرے، پھر دوسرے خاوند کی عدت گزارے اور پھر دونوں عدتوں کے ختم ہونے کے بعد وہ جس سے چاہے شادی کر لے۔ واللہ اعلم (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

خاوند کا اپنی بے حجاب بیوی سے رویہ:

سوال ایک آدمی نے ایک بے پردہ عورت سے شادی کی اور اس کو اللہ کی شریعت کے التزام کی نصیحت کی خاص طور پر اس کو پردے کا حکم دیا۔ اس عورت نے بعض احکام جیسے نماز کا التزام کیا مگر پردہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس آدمی کا اس عورت کے ساتھ رہنا کیسا ہے؟ کیا اس آدمی پر اس عورت کو طلاق دینا واجب ہے؟ اگر اس پر عورت کو طلاق دینا واجب نہیں تو کیا اس عورت کی بے پردگی کا گناہ مرد کو ہوگا یا نہیں؟ خاص طور پر اس قاعدے کی روشنی میں کہ ہر شخص صرف اپنے ہی عمل پر محاسبہ کیا جائے گا، لہٰذا ہم اس مسئلے اور اس حدیث شریف «كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته»[1] کے درمیان تطبیق چاہتے ہیں۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4892]

جواب اس آدمی پر واجب ہے کہ وہ اس عورت کو پردے کا حکم دے کیونکہ پردہ کرنا واجب ہے، اور وہ اس پر سختی کرے یہاں تک کہ وہ پردہ کرنے لگ جائے۔ آدمی اپنے گھر کا ذمہ دار ہے اور اس سے اپنی رعایا (اہلِ خانہ) کے متعلق سوال کیا جائے گا، اور اس کی بیوی اس کی رعایا میں سے ہے۔ جب وہ اس معاملے میں تقویٰ اور صبر سے کام لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دے گا اور اس کے اعمال میں برکت عطا فرمائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ [الطلاق: 4]

''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔'' (سعودی فتویٰ کمیٹی)

بے نماز اور بے پردہ بیوی کو طلاق دینے کے متعلق حکم:

سوال جب عورت نماز اور شرعی پردے کا التزام نہ کرے، کیا اِس سے اُس کے خاوند کو طلاق دینا واجب ہو جاتا ہے؟

جواب اس قول کی بنا پر کہ تارکِ نماز کافر ہے۔ اس کے خاوند کے لیے اس کو اپنے نکاح میں روکے رکھنا جائز نہیں ہے جبکہ اس نے عورت کو نماز کا حکم دیا اور اس کو نصیحت کی اور اللہ عزوجل کا خوف دلایا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دلیل بناتے ہیں:

﴿ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ [طٰه: 132]

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور اس پر خوب پابند رہ۔''

لہٰذا ''علیھا'' ضمیر مذکور قریب کی طرف لوٹتی ہے اور وہ مذکور قریب نماز ہے، یعنی اپنے اہل کو نماز کا حکم دے اور نماز پر صبر کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [النساء: 84]

''تجھے تیری ذات کے سوا کسی کی تکلیف نہیں دی جاتی اور ایمان والوں کو رغبت دلا۔''

اور سنت سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ تارکِ نماز کافر ہے اگرچہ وہ نماز سستی کرتے ہوئے ہی کیوں نہ ترک کرے۔ صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے

مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة»[1]

''آدمی اور شرک و کفر کے درمیان فرق نماز کا چھوڑنا ہے۔''

نیز بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر»[2]

''ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا فرق ہے، لہٰذا جس نے نماز کو چھوڑا تحقیق اس نے کفر کیا۔''

اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جس نے انکار کرتے ہوئے نماز کو چھوڑا وہ ہی کافر ہے کیونکہ علماء و محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز کا انکاری کافر ہے۔ پھر شقیق بن عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے بیان کیا ہے کہ وہ اعمال میں سے نماز کے علاوہ کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ یہ قول مذکور صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس پر اجماع ہے کہ امورِ شریعت میں سے کسی امر کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ اس کی کوئی اور بھی تقدیر مقرر کی جا سکے جبکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ بعض اعمال کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان سے ''کفر دون کفر'' لازم آتا ہے۔ آپ کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ قول کافی ہے جو اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے:

﴿ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

[المائدة: 44]

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

''اس آیت میں مذکور کفر سے مراد ''کفر دون کفر'' ہے۔'' (محمد بن عبدالمقصود)

بیوی کا شوہر یا شوہر کا بیوی سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم:

سوال ایک عورت نے اپنے خاوند سے اللہ کی پناہ چاہی یا خاوند نے بیوی سے اللہ کی پناہ

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [82]

[2] **صحیح**. سنن الترمذي، رقم الحدیث [2621]

چاہی تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اللہ جل شانہ کی تعظیم کرتے ہوئے اس شخص کو پناہ دینا واجب ہے جو اللہ کی پناہ طلب کرے۔ امام ابو داود اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«من سأل بالله فأعطوه، ومن استعاذ بالله فأعيذوه، ومن دعاكم فأجيبوه، ومن صنع لكم معروفا فكافئوه، فإن لم تجدوا ما تكافئوه فادعوا له حتى تروا أنكم قد كافئتموه»[1]

''جو اللہ کا نام لے کر مانگے اس کو عطا کرو، اور جو اللہ کی پناہ مانگے اس کو پناہ دو، اور جو تمھیں دعوت دے اس کی دعوت کو قبول کرو، اور جو تمھارے ساتھ نیکی کرے اس کا بدلہ دو، اور اگر تمھارے اندر اس کا بدلہ دینے کی استطاعت نہیں ہے تو اس کے حق میں اتنی دعا کرو کہ تمھیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔''

مگر یاد رہے یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ چیز جس سے وہ پناہ پکڑ رہا ہے اس کے ذمہ واجب نہ ہو، لیکن اگر وہ جس سے پناہ پکڑ رہا ہے اس کے ذمہ واجب ہو، جیسے: قرض، خاوند کا حق اور قصاص وغیرہ تو اس سے پناہ پکڑنا جائز نہیں ہے۔ اس کے ذمہ واجب یہ ہے کہ وہ حق ادا کرے، الا یہ کہ اس کا مدِ مقابل اپنے حق میں کچھ نرمی کرے۔ دلائل کو جمع کرنا اسی طرح ممکن ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

اس لڑکی سے شادی کرنے کا حکم جس کی ماں سے شادی کر کے مجامعت کیے بغیر طلاق دے دی ہو:

سوال آپ کے سوال سے یہ واضح ہوا کہ آپ اس عورت کی بیٹی کے متعلق پوچھ رہے ہیں جس عورت سے آپ نے شادی کی، پھر اس کو طلاق دے دی بعد اس کے کہ آپ نے صرف اس سے بوس و کنار کیا، اس کے علاوہ اس سے اور کچھ نہیں کیا۔ اب آپ کا سوال یہ ہے کہ آپ کے لیے اس عورت کی بیٹی سے شادی کرنا حلال ہے کہ

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [1672]

نہیں؟ آپ نے اپنے سوال میں اس آیت کریمہ کی طرف بھی توجہ دلائی:

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ [النساء: 23]

''پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔''

جواب بلاشبہ وہ آیت جو تم نے اپنے سوال میں ذکر کی وہ یہ ہے:

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ [النساء: 23]

''پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔''

یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ بیٹی کی حرمت اس کی ماں سے وطی کرنے کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کیونکہ آیت میں دخول سے یہی مراد ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ انھوں نے کہا آیت میں ''الدخول'' سے مراد جماع ہے۔

انھوں نے کہا: ایسی عورت سے جو اس کے لیے حلال ہے، جیسے اس کی بیوی اور مملوکہ لونڈی، اگر فرج کے علاوہ مباشرت کی جائے تو اس مباشرت کرنے والے پر اس عورت کی بیٹی (جو اس کے کسی اور خاوند سے ہو) حرام نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر آپ نے اس عورت کو طلاق دینے سے پہلے صرف بوس و کنار کیا ہے تو آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اس کی بیٹیوں میں سے کسی ایک سے شادی کر سکتے ہیں کیونکہ بوسہ لینا اس دخول کے حکم میں نہیں ہے جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

دو رضاعی بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے کا حکم:

سوال جب کسی آدمی کے نکاح میں ایک بیوی ہو، پھر وہ اس کی رضاعی بہن سے شادی کر لے اس حال میں کہ پہلی بیوی طلاق کی عدت گزار رہی ہے، کیا یہ عقد صحیح ہوگا؟

جواب جب رضاعت ثابت ہوگئی اور ہو بھی وہ دو سالوں کے اندر اندر اور پانچ مرتبہ دودھ پی کر تو مذکورہ عقد صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عمومی ارشاد ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ

اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ [النساء: 23]

''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں، خالائیں، اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری پالی ہوئی لڑکیاں جو تمھاری گود میں تمھاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں، اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو۔''

نیز نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب))[1]

''رضاعت سے اتنے ہی رشتے حرام ہوتے ہیں جتنے رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔''

جب مطلقہ اپنی عدت سے فارغ ہو جائے اور یہ آدمی اس کی رضاعی بہن سے شادی کرنے کا ارادہ رکھے تو وہ بھی دوسرے نکاح کا پیغام بھیجنے والوں میں سے ایک ہوگا۔ (محمد بن ابراہیم)

زانیہ کی زانی سے شادی کا حکم:

سوال ایک عورت زنا کاری کے نتیجہ میں حاملہ ہوئی، اس کے ولی نے چاہا کہ وضعِ حمل سے پہلے اس عورت کا نکاح اس سے زنا کرنے والے کے ساتھ کر دے کیونکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ حمل قابلِ احترام نہیں ہے۔ کیا اس سے عورت کی اس مرد سے شادی جائز ہے؟

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [2502] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1447]

جواب اس مرد کی اس عورت سے شادی جائز نہیں جب تک کہ وہ عورت توبہ نہ کرے اور وضع حمل کے ساتھ اپنی عدت مکمل نہ کرے، اس لیے کہ دونوں پانی نجاست و طہارت، پاکیزگی اور خباثت میں اور دونوں وطی حلت وحرمت میں مختلف ہے۔
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

زانیہ کا زانی سے نکاح اور ان کے درمیان جو ناجائز بچہ ہوا اُس کے قتل کے کفارے کا حکم:

سوال ایک سائلہ کہتی ہے: میں ایک نوجوان لڑکی ہوں اور میری عمر بائیس سال ہوگئی ہے۔ میری ایک نوجوان کے ساتھ آشنائی ہوگئی اور ہم نے وہ کچھ کیا جس کو زبان بیان کرنے سے قاصر ہے، پھر مجھے حمل بھی ٹھہر گیا اور بعد میں اس بچے کو اسقاطِ حمل کے ذریعے ضائع کر دیا گیا، اس وقت بچے کی عمر پچاس دن تھی۔ اس کے بعد میں نے سچی توبہ کر لی اور میں اپنے کیے ہوئے پر نادم ہوئی اور میں نے عزم کیا کہ اب اس قسم کا کوئی کام نہیں کروں گی، اب جناب سے میرا سوال یہ ہے کہ وہ نوجوان اب مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ شرطیں عائد کرتا ہے، وہ شرطیں یہ ہیں کہ اس کے گھر والوں اور میرے گھر والوں سوائے اس کی ماں کے کسی کو اس کا علم نہ ہو، اور جب اس کی ماں کو علم ہوگا تو وہ اس کو قسم اٹھا کر کہے گا کہ وہ اس کو طلاق دینے والا ہے۔ اللہ آپ کا بھلا کرے، مجھے بتائیے کیا میرا اس شخص سے شادی کر لینا اللہ کے ہاں میری غلطی کی درستگی اور میری توبہ کے مکمل ہونے کا سبب بن جائے گا؟ کیا ان شروط کے ساتھ نکاح صحیح ہے؟ اور مجھے بچے کو ضائع کرنے کا کتنا فدیہ ادا کرنا پڑے گا؟ کیا اس سب کچھ کے بعد شادی جائز ہے؟

جواب إنا لله وإنا إليه راجعون ہائے افسوس! زنا اتنا عام ہے اور کوئی اس پر نکیر کرنے والا نہیں۔ شاید یہ وہی وقت ہے جس کے متعلق نبی ﷺ نے اس حدیث میں خبر دی ہے جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مروی ہے:

« إن من أشراط الساعة: أن يرفع العلم، ويثبت الجهل، ويشرب الخمر، ويظهر الزنى »[1]

''بلاشبہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ نشانیاں ہیں: علم اٹھا لیا جائے گا، جہالت چھا جائے گی، شراب پی جائے گی اور زنا عام ہوجائے گا۔''

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

« ویفشو الزنی » ''اور زنا پھیل جائے گا۔'' لوگ اس طرح کے ہلاکت خیز اعمال اللہ اور اس کی حدود سے ناواقفیت کی بنیاد پر کر رہے ہیں، پس علم دو طرح کا ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں علم، اور اس کی حدود کے بارے میں علم۔ صحیح بخاری میں ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إن مما أدرك الناس من كلام النبوة الأولىٰ: إذا لم تستح فاصنع ماشئت »[2]

''بلاشبہ لوگوں کو پہلی نبوت کے کلام سے جو چیزیں حاصل ہوئیں ہیں ان میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب تجھے حیا نہ رہے تو جو تو چاہتا ہے کرگزر۔''

؎ بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

بہر حال میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس سائلہ کی توبہ قبول کرے گا، پس توبہ گناہ کو مٹا دینے والی ہے اور جو گناہ سے توبہ کر لیتا ہے ایسا ہے جیسے اس کا گناہ ہے ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [الفرقان: 68تا 70]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [80] صحيح مسلم، رقم الحديث [2671]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [3296]

''اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔ اس کے لیے قیامت کے دن عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل کیا ہوا رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور عمل کیا نیک عمل تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اس آیت کا شانِ نزول وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے مروی ہے کہ کچھ مشرک لوگوں نے خوب کشت و خون کیا، زنا کیا تو بہت کیا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی: یقیناً آپ ﷺ جو کہتے ہیں اور جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ کیا ہی اچھا ہے۔ کاش! آپ ﷺ ہم کو بتاتے کہ کیا ہمارے گناہوں کا کوئی کفارہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴾ [الزمر: 54,53]

''کہہ دے: اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بے شک اللہ سب کے سب گناہ بخش دیتا ہے، بے شک وہی تو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے اور اپنے رب کی طرف پلٹ آؤ اور اس کے مطیع ہو جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے، پھر تمھاری مدد نہیں کی جائے گی۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ [الفرقان: 68]

''اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔''

اور میں اس سائلہ سے کہتا ہوں: آپ کا اس آدمی سے شادی کرنا حلال نہیں ہے، جب تک کہ وہ بھی اللہ عزوجل سے زنا سے توبہ نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورت پر زانی سے نکاح کرنا حرام کیا ہے اور مسلمان مرد پر زانیہ سے شادی کرنا حرام قرار دیا ہے:

﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [النور: 3]

''زانی نکاح نہیں کرتا مگر کسی زانی عورت سے یا کسی مشرک عورت سے، اور زانی عورت اس سے نکاح نہیں کرتا مگر کوئی زانی یا مشرک، اور یہ کام ایمان والوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔''

اس آیت میں جملہ خبر یہ ہے مگر نہی کے معنی میں ہے، پس اگر اس نے توبہ کر لی ہے تو اس سے شادی کرنے کی شرط یہ ہے کہ تمھاری شادی تمھارا ولی کرے۔ اس آدمی سے شادی بالکل جائز نہیں ہے اس زنا کاری کی وجہ سے جس کا تم دونوں نے ارتکاب کیا، اور اس کا موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن میں آپ کو سچی توبہ نیکی اور اطاعت والے اکثر کام کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴾ [هود: 114]

''اور دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم کر اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی، بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں، یہ یاد کرنے والوں کے لیے یاد دہانی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [الفرقان: 70]

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور عمل کیا نیک عمل، تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اس شخص سے شادی کرنا تمھاری توبہ کی اور تمھارے اس عظیم گناہ کی معافی کی شرط نہیں ہے۔ لیکن تم توبہ کرو اور کثرت سے نیکیاں کرو۔ تم پر لازم ہے کہ تم ہمیشہ اللہ عزوجل سے ڈرتی رہو کہ کہیں دوبارہ تمھارا قدم نہ پھسل جائے، تمھارے نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

« لا نكاح إلا بولي »[1] ''ولی کے بغیر نکاح درست نہیں ہے۔''

اس موقع پر ایک اور نصیحت بھی ہے کہ اگر یہ نوجوان زنا سے توبہ کر چکا ہے اور تیرے ولی کے ذریعہ سے تجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہے تو میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تو اس سے شادی کر لے کیونکہ تمھارے درمیان ہونے والی بدکاری کو وہی جانتا ہے اور وہ اس کی پردہ پوشی کرے گا، ورنہ تمھاری بدنامی کا خطرہ ہے، لہٰذا اُس سے شادی کرلو۔ رہا وہ بچہ جو تم نے ضائع کروایا تو اللہ تعالیٰ سے اس کی سچی توبہ کرو، اس کا کفارہ کوئی نہیں ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

کنواری لڑکی سے زنا کرنے والے کا اب اس کے ساتھ شادی کرنے کا حکم:

سوال ایک آدمی نے کنواری لڑکی سے زنا کیا اور اب وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کیا اس کے لیے شادی جائز ہے؟

جواب جب واقع اسی طرح ہے جس طرح تم نے بیان کیا ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرے، اس جرم سے رک جائیں اور اس فحاشی کے ارتکاب پر نادم ہوں، اور عزم کریں کہ دوبارہ اس قسم کا کوئی کام نہیں کریں گے، اور کثرت سے نیک اعمال بجا لائیں۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے اور ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2085]

وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا﴾ [الفرقان: 71 تا 68]

''اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔ اس کے لیے قیامت کے دن عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل کیا ہوا رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور عمل کیا نیک عمل تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور جو توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو یقیناً وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے سچا رجوع کرنا۔''

اور جب وہ اس سے شادی کا ارادہ رکھتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس سے عقدِ نکاح کرنے سے پہلے ایک حیض گزار کر اس کے رحم کو صاف کر لے اگر اس دوران اس کو حمل ظاہر ہو جائے تو اس کے لیے وضعِ حمل سے پہلے عقدِ نکاح کرنا جائز نہ ہوگا تاکہ نبی ﷺ کے اس فرمان پر عمل ہو سکے جس میں آپ ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ آدمی کسی دوسرے کی کھیتی کو پانی پلائے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

زنا کی وجہ سے حاملہ عورت سے شادی کرنے کا حکم:

سوال ایک آدمی نے ایک عورت سے یہ جانتے ہوئے شادی کی کہ وہ زنا کے نتیجے میں حاملہ ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہوگا؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ عورت کو رجم کیا جائے اس کے زنا کے ثبوت کو دیکھتے ہوئے، اور وہ ہے بھی بیوہ۔ اور آدمی کے متعلق حکم یہ ہے کہ اس کو تعزیر لگائی جائے اور اس کو حق مہر سے محروم کیا جائے کیونکہ اس نے ایسی عورت سے نکاح کی جسارت کی ہے جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ وہ زنا کے نطفے سے حاملہ ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

ایسے بچے سے انکار کا حکم جو اپنے ماں باپ سے مشابہت نہیں رکھتا:

سوال ایک سائل کہتا ہے کہ میری بیوی نے ایسا بچہ جنم دیا ہے جو نہ مجھ سے مشابہت رکھتا ہے اور نہ اس سے، یہ چیز مجھے غیض وغضب دلاتی ہے۔

جواب اس طرح کا واقعہ نبی ﷺ کے دور میں بھی پیش آیا تھا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو فزارہ کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بیوی نے سیاہ رنگ کا بچہ جنم دیا ہے، گویا کہ وہ شخص اس بچے کی اپنے سے نفی کی طرف اشارہ کر رہا تھا تو نبی ﷺ نے اس کو کہا: « هل لك من إبل؟ » ''کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟'' اس آدمی نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا: « فما ألوانها؟ » ''ان کے رنگ کیا ہیں؟'' اس نے جواب دیا: سرخ رنگ کے ہیں، آپ ﷺ نے پھر دریافت کیا: « فهل فيها من أورق؟ » ''کیا ان میں کچھ نیلے رنگ کے اونٹ بھی ہیں؟'' اس آدمی نے کہا: جی ہاں، یقیناً ان میں نیلے اونٹ بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: « كيف أتاها ذلك؟ » ''یہ (نیلے) اونٹ ان (سرخ) اونٹوں میں کیسے آ گئے؟'' اس آدمی نے جواب دیا: ہوسکتا ہے کہ اس کو کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔ پس آدمی سفید ہے اور عورت بھی سفید ہے اور انھوں نے جو بچہ پیدا کیا وہ سیاہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: « فهذا عسى أن يكون نزعه عرق »[1] ''اس کو بھی شاید کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس کو بچے سے انکار کرنے کی اجازت نہ دی۔ میں بھی سوال کرنے والے بھائی کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس طرح کے شک کی طرف توجہ نہ دے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کو کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔ (محمد بن عبدالمقصود)

باپ کی پروردہ سے شادی کرنے کا حکم:

سوال میرے باپ نے ایک ایسی عورت سے شادی کی جس کے ساتھ ایک بچی ہے جو اس عورت کا دودھ پیتی ہے، پھر اس نے میرے باپ سے شادی کرنے کے بعد اس

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4999] صحيح مسلم، رقم الحديث [1500]

کا دودھ چھڑا دیا۔ جب یہ بچی بڑی ہوگئی تو میرے باپ نے اس سے میری شادی کرنے کا ارادہ کیا تو کیا یہ جائز ہے؟ اور کیا مرد کو اپنی ساس سے اس کی بیٹی کو طلاق دینے کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے کہ اس سے اس مرد کی اولاد بھی نہ ہوئی ہے؟

جواب اس کے لیے باپ کی پروردہ سے شادی کرنا جائز ہے کیونکہ وہ اس کے باپ کی پروردہ ہے اور بیٹے کے لیے باپ کی پروردہ سے شادی کرنا جائز ہے۔ یہاں پر قاعدہ یہ ہے کہ سسرالی رشتہ داروں سے بیوی کے اصول اور فروع شوہر پر حرام ہیں، دوسرے رشتہ داروں پر نہیں۔ اور خاوند کے اصول اور فروع بیوی پر حرام ہیں، اس کے رشتہ داروں پر نہیں، لیکن ان میں سے تین رشتے صرف عقدِ نکاح سے ہی حرام ہوجاتے ہیں، اور ان کی حرمت کے لیے دخول ضروری ہے:

1. خاوند کے اصول بیوی پر صرف عقد کے ذریعے حرام ہے۔
2. خاوند کے فروع بیوی پر صرف عقد کے ذریعے حرام ہیں۔
3. بیوی کے اصول خاوند پر صرف عقد کے ذریعے حرام ہیں۔

بیوی کے فروع خاوند پر دخول کے بعد حرام ہیں۔

اور بیوی کے اصول: اس کی ماں، دادی، نانی اور جو اوپر تک ہیں۔

اور بیوی کے فروع: اس کی بیٹی، اولاد کی بیٹی،، پوتی، نواسی اور نیچے تک کی لڑکیاں ہیں۔

اور خاوند کے اصول: اس کا باپ، دادا، نانا اور جو اوپر تک ہیں۔

اور خاوند کے فروع: اس کا بیٹا، اولاد کا بیٹا، پوتا، نواسا اور نیچے تک لڑکے ہیں۔

اس مسئلے کی مزید وضاحت کے لیے ہم کچھ مثالیں عرض کرتے ہیں:

مثلاً اگر ایک آدمی زینب نامی ایک عورت سے شادی کرے، اس عورت کی ماں کا نام اسماء ہے تو اسماء اس آدمی پر زینب سے نکاح کرنے سے حرام ہوجائے گی کیونکہ زینب اس کے اصول میں سے ہے۔

پس اگر زینب نے شادی کی۔ اس کی ایک بیٹی بھی ہے جس کا نام فاطمہ ہے تو فاطمہ مرد پر اس وقت حرام ہوگی جب وہ اس کی ماں سے دخول کرے گا، یعنی جب اس کی ماں

سے مجامعت کرے گا۔ اور اگر وہ فاطمہ کی ماں کو مجامعت کرنے سے پہلے طلاق دے دے تو اس کے لیے فاطمہ سے شادی حلال ہوگی، لیکن اسماء (ساس) سے شادی حلال نہیں ہوگی۔

اگر خاوند کا باپ ہو جس کا نام عبداللہ ہے، اور اس کے باپ کا ایک بیٹا ہے جس کا نام عبدالرحمٰن ہے، پس عبداللہ بیوی زینب پر صرف عقد کے ذریعہ حرام ہوگا اور اسی طرح عبدالرحمٰن بیوی زینب پر محض عقد سے حرام ہوگا، اور عبدالرحمٰن کے لیے زینب کی بیٹی فاطمہ سے شادی جائز ہوگی کیونکہ خاوند کے اصول وفروع صرف بیوی پر حرام ہیں، اس کے رشتہ داروں پر حرام نہیں ہیں۔

اور عبداللہ کے لیے، جو کہ خاوند کا باپ ہے، اسماء سے شادی کرنا جائز ہے جو کہ بیوی کی ماں ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾

[النساء: 22]

''اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہوں مگر جو پہلے گزر چکا۔''

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خاوند کے فروع بیوی پر حرام ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ﴾ [النساء: 23] ''اور تمھاری بیویوں کی مائیں۔'' بیوی کے اصول کو خاوند پر حرام کرتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھاری پالی ہوئی لڑکیاں جو تمھاری گود میں تمھاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔''

سے بیوی کے فروع خاوند پر حرام ٹھہرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں۔''

خاوند کے اصول کو بیوی پر حرام کرتا ہے۔

اور جائز ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے شادی کرے اور اس شخص کا باپ اس عورت کی بیٹی سے شادی کرے کیونکہ بیوی کے فروع خاوند پر حرام ہیں، اس کے رشتہ داروں پر حرام نہیں ہیں، نیز یہ جائز ہے کہ ایک آدمی کسی عورت سے شادی کرے اور اس آدمی کا باپ اس عورت کی ماں سے شادی کرے۔

آدمی کے لیے اپنی محرم عورتوں کے علاوہ کسی سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے، نہ بغیر پردے کے اور نہ ہی پردے کے ساتھ۔ بہت سے لوگ محض قرابت داری کی وجہ سے اگرچہ عورت اس کے محرم رشتوں میں سے نہ ہو، بلا جھجک مصافحہ کر لیتے ہیں یہ جائز نہیں ہے۔ اور محارم وہ عورتیں ہیں جو نسب یا کسی مباح سبب کی وجہ سے دائمی طور پر حرام ہوتی ہیں۔

سوال اسی مسئلے کی مناسبت سے اگر کوئی کہے: کیا یہ ممکن ہے کہ رضاعت کے ذریعے اُبوّت (باپ کا رشتہ) تو ہو مگر اُمومَت (ماں کا رشتہ) ثابت نہ ہو یا اُمومَت ثابت ہو اور اُبوّت ثابت نہ ہو؟

جواب یہ ممکن ہے کہ بچے کا رضاعی باپ ہو اور رضاعی ماں نہ ہو۔ یہ ایسے آدمی میں ہے جس کی دو بیویاں ہوں، ان دونوں نے بچے کو تین دفعہ دودھ پلایا ہو تو وہ آدمی اس بچے کا رضاعی باپ تو بن جائے گا اور وہ دونوں عورتیں اس کی رضاعی مائیں نہیں ہوں گی۔

ایسے ہی اس بات کا بھی امکان ہے کہ بچے کی رضاعی ماں ہو اور اس کا رضاعی باپ نہ ہو۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک عورت نے بچے کو دو مرتبہ دودھ پلایا اور وہ ایک آدمی کی بیوی ہے پھر وہ اس خاوند سے جدا ہو گئی اور ایک اور آدمی سے شادی کر لی اور بچے کو تین مرتبہ دودھ پلایا اس حال میں کہ وہ اب کسی دوسرے شخص کی بیوی ہے تو اس طرح

اس نے بچے کو کل پانچ مرتبہ دودھ پلایا، پس وہ اس بچے کی رضاعی ماں بن جائے گی، اور مذکورہ دونوں آدمیوں میں سے کوئی بھی اس کا رضاعی باپ نہیں بنے گا۔

اور رضاعت کے مسائل وہ ہیں جو اکثر لوگوں پر مشکل ہیں حتی کہ طالب علم بھی اس مشکل میں مبتلا ہیں کیونکہ یہ متداخل مسائل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان مسائل کو اپنے رسول ﷺ کی زبانی ایک حکم سے حل کر کے آسان کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب»[1]

''رضاعت سے اتنے ہی رشتے حرام ہوتے ہیں جتنے رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''

یہ حدیث جامع قواعد میں سے ہے۔ جب آپ اس حدیث کو لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سات رشتے رضاعت سے حرام ہوتے ہیں، جیسا کہ سات رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آیتِ محارم میں بیان کیا ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ أَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْأَخِ وَ بَنٰتُ الْأُخْتِ﴾ [النساء: 23]

''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں، خالائیں، اور بھتیجیاں اور بھانجیاں۔'' (محمد بن عبدالمقصود)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2502] صحيح مسلم، رقم الحديث [1447]

محارم

سوال اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا وَ سَآءَ سَبِيْلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ [النساء: 22,23]

''اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہوں مگر جو پہلے گزر چکا، بے شک یہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی اور سخت غصے کی بات ہے اور بُرا راستہ ہے۔ حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں، خالائیں، اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری پالی ہوئی لڑکیاں جو تمھاری گود میں تمھاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں، اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو۔''

اس آیت کا کیا مطلب ہے؟

جواب ان آیات کریمات میں اللہ عزوجل نے ان رشتوں کو بیان کیا ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے، اوران آیات میں حرمت کے تین اسباب بیان کیے گئے ہیں:

1. نسب۔
2. رضاعت۔
3. سسرال۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ [النساء: 22]

''اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہوں مگر جو پہلے گزر چکا۔''

یہ فائدہ دیتا ہے کہ بلاشبہ کسی انسان کو اس عورت سے شادی کرنا جائز نہیں ہے جس سے اس کے باپ یا اس کے دادا یا اوپر تک کسی نے شادی کی ہو، خواہ وہ ''جد'' ماں کی طرف سے ہو، یعنی نانا، خواہ باپ کی طرف سے ہو، یعنی دادا، خواہ انھوں نے اس عورت سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، جب آدمی اپنی بیوی سے صحیح عقدِ نکاح کر لیتا ہے تو اس کی بیوی اس کے بیٹوں، پوتوں، نواسوں اور نیچے تک کے لڑکوں پر حرام ہو جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ﴾ [النساء: 23]

''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں، خالائیں، اور بھتیجیاں اور بھانجیاں۔''

اس آیت میں ان رشتوں کا بیان ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں، اور وہ سات ہیں:

1. مائیں اوپر تک، یعنی باپ کی طرف سے دادیاں اور ماں کی طرف سے نانیاں۔
2. اور بیٹیاں نیچے تک، یعنی پوتیاں، نواسیاں اور نیچے تک کی لڑکیاں۔
3. اور بہنیں، خواہ وہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی، اور پھوپھیاں، یعنی باپوں اور دادوں

اوپر تک کی بہنیں، خواہ وہ حقیقی پھوپھیاں ہوں یا علاتی یا اخیافی۔

4 حقیقی پھوپھیاں: وہ ہیں جو تمھارے باپ کی حقیقی اور سگی بہنیں ہیں، اور علاتی پھوپھیاں وہ ہیں جو تمھارے باپ کی علاتی بہنیں ہیں، اور اخیافی پھوپھیاں وہ ہیں جو تمھارے باپ کی اخیافی بہنیں ہیں۔

5 خالائیں: وہ ماں، دادی، نانی اور اوپر تک کی بہنیں ہیں، خواہ وہ حقیقی اور سگی ہوں، خواہ علاتی یا اخیافی، پس حقیقی خالائیں وہ ہیں جو تمھاری ماں کی حقیقی بہنیں ہیں، اور علاتی خالائیں وہ ہیں جو تمھاری ماں کی علاتی بہنیں ہیں، اور اخیافی خالائیں وہ ہیں جو تمھاری ماں کی اخیافی بہنیں ہیں۔

جان لیجیے کہ ہر وہ خالہ اور پھوپھی جو کسی شخص کی خالہ اور پھوپھی ہے وہ اس کے فروع کی بھی خالہ ہوگی، اور اس کی پھوپھی اس کے فروع کی بھی پھوپھی ہوگی، لہٰذا تمھارے باپ کی پھوپھی تمھاری بھی پھوپھی ہے، اور تمھارے باپ کی خالہ تمھاری بھی خالہ ہے، اسی طرح تمھاری ماں کی پھوپھی تمھاری بھی پھوپھی ہے اور تمھاری ماں کی خالہ تمھاری بھی خالہ ہے۔ اسی طرح تمھارے دادوں، نانوں اور دادیوں، نانیوں کی پھوپھیاں تمھاری بھی پھوپھیاں ہوں گی، اور تمھارے دادوں، نانوں اور دادیوں، نانیوں کی خالائیں تمھاری بھی خالائیں ہوں گی۔

6 اور بھائی کی بیٹیاں نیچے تک، خواہ وہ بھائی حقیقی ہو، علاتی یا اخیافی، لہٰذا تمھارے حقیقی بھائی، علاتی بھائی یا اخیافی بھائی کی بیٹی تم پر حرام ہوگی، اور بھائی کی بیٹی کی نواسی بھی تم پر حرام ہے، اور بھائی کی بیٹی کی پوتی بھی تم پر حرام ہے۔

7 اور ایسے ہی ہم بہن کی بیٹیوں کے متعلق کہیں گے۔

یہ کل سات رشتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ﴾ [النساء: 23]

''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری

پھوپھیاں، خالائیں، اور بھتیجیاں اور بھانجیاں۔‘‘

اگر آپ چاہیں تو ان رشتوں کو یوں بھی شمار کر سکتے ہیں، انسان پر جو عورتیں حرام ہیں وہ یہ ہیں: اصول اوپر تک، فروع نیچے تک، باپ اور ماں کے فروع نیچے تک، اور دادا، نانا، اور دادی، نانی کے وہ فروع خاص طور پر جو صلبی ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ [النساء: 23] ’’اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں۔‘‘ ان رشتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

«يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب»[1]

’’رضاعت سے اتنے ہی رشتے حرام ہوتے ہیں جتنے رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں۔‘‘

لہٰذا جو بھی رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوں گے انھی کی طرح رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوں گے۔ نسب سے حرام ہونے والے رشتے یہ ہیں: مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں۔ پس یہی رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام ہیں۔ دلیل نبی ﷺ کا مذکورہ ارشاد ہے:

«يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب»[2]

’’رضاعت سے اتنے ہی رشتے حرام ہوتے ہیں جتنے رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں:

﴿وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2502] صحيح مسلم، رقم الحديث [1447]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2502] صحيح مسلم، رقم الحديث [1447]

بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری پالی ہوئی لڑکیاں جو تمھاری گود میں تمھاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں۔''

تین رشتے سسرال کی وجہ سے حرام ہیں، پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ ﴾ یعنی مرد پر اپنی بیوی کی ماں اوپر تک حرام ہے، خواہ وہ ماں کی طرف سے ہو، یعنی نانی اور خواہ باپ کی طرف سے ہو، یعنی دادی۔ اور بیوی کی ماں صرف عقدِ نکاح سے ہی حرام ہو جاتی ہے (مجامعت کا ہونا ضروری نہیں۔)

لہٰذا جب آدمی اپنی بیوی سے عقدِ نکاح باندھ لے گا تو اس کی ماں اس پر حرام ہو جائے گی اور مرد کے محارم میں شامل ہو جائے گی اگرچہ اپنی بیوی سے دخول و مجامعت نہ کی ہو، یعنی اگرچہ اس نے (اس عورت کی) بیٹی (اپنی بیوی) سے مجامعت نہ بھی کی ہو، پھر بالفرض اس کی بیوی فوت ہو جائے یا وہ اس کو طلاق دے دے تو وہ اس کی ماں کے لیے محرم ہوگا اگرچہ اس کا اپنی اس بیوی سے دخول مؤخر ہو جائے جس سے کہ اس نے شادی کی ہے۔ وہ اپنی بیوی کی ماں کے لیے محرم ہی ہوگا، اس کی ساس اس کے سامنے اپنا چہرہ کھول سکتی ہے، اس کے ساتھ سفر کر سکتی ہے اور اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھ سکتی ہے۔ ان مذکورہ کاموں میں اس پر کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ بیوی کی ماں، دادی اور نانی محض عقدِ نکاح سے ہی حرام ہو جاتی ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عمومی ارشاد ہے:

﴿وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ ﴾ ''اور تمھاری بیویوں کی مائیں۔''

اور عورت صرف عقدِ نکاح کر لینے سے ہی اس کی بیویوں میں شامل ہو جائے گی۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾
[النساء: 23]

''اور تمھاری پالی ہوئی لڑکیاں جو تمھاری گود میں تمھاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔''

سے بیوی کی بیٹیاں، پوتیاں اور نیچے تک لڑکیاں مراد ہیں، پس جب آدمی کسی عورت سے شادی کرے تو یقیناً اس کے دوسرے خاوند سے اس کی بیٹیاں اس پر حرام ہو جاتی ہیں اور وہ اس کی محرم بن جاتی ہیں، اسی طرح اس کی مذکر اور مؤنث اولاد کی بیٹیاں، یعنی پوتیاں اور نواسیاں۔ اس عورت کی پوتی اور نواسی اس کی بیٹی کی طرح ہی ہے لیکن اس جگہ اللہ تعالیٰ نے دو شرطیں عائد کی ہیں:

﴿وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾
[النساء: 23]

''اور تمھاری پالی ہوئی لڑکیاں جو تمھاری گود میں تمھاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔''

پس اللہ نے ربیبہ (بیوی کی کسی اور خاوند سے بیٹی) کی حرمت کے لیے شرط لگائی ہے کہ وہ اس آدمی کی گود میں پرورش پائے اور دوسری شرط یہ لگائی ہے کہ اس کی ماں سے دخول یعنی مجامعت کر لے۔

جہاں تک پہلی شرط کا تعلق ہے تو جمہور اہلِ علم کے نزدیک وہ اغلبی شرط ہے، اس کا مفہومِ مخالف مراد نہیں ہوگا، اسی لیے انھوں نے کہا: بلاشبہ اس بیوی، جس بیوی سے دخول ہوا ہے، کی بیٹی اس کے خاوند پر حرام ہوگی اگرچہ اس نے اس خاوند کی گود میں پرورش نہ بھی پائی ہو۔ رہی دوسری شرط اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ [النساء: 23] ''جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔''

یہ مقصودی شرط ہے، اسی لیے اللہ نے اس کا مفہومِ مخالف ذکر کیا ہے، اور اپنے اس ارشاد ﴿الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ کا مفہومِ مخالف بیان نہیں کیا اور اس کا مفہومِ مخالف معتبر نہیں ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ ﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مفہومِ مخالف کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ ﴾ [النساء: 23]

''پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ وَ حَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ بیٹے اور نیچے تک کے لڑکوں کی بیوی اپنے باپ پر محض عقدِ نکاح سے حرام ہو جاتی ہے اور پوتے کی بیوی محض نکاح کرنے سے ہی دادے پر حرام ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر کسی شخص نے ایک عورت کے ساتھ صحیح عقد کیا، پھر فوراً ہی اسے طلاق دے دی تو وہ اس شخص کے باپ، دادے اور اوپر تک کے لیے محرمہ بن جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عمومی فرمان ہے:

﴿ وَ حَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں۔''

عورت محض عقدِ نکاح سے ہی اپنے خاوند کی بیوی بن جاتی ہے۔ پس مذکورہ تین اسباب حرمت کو واجب کرتے ہیں: نسب، رضاعت اور سسرال۔ نسبی محرمات سات ہیں اور رضاعی محرمات بھی نسبی محرمات کی طرح سات ہی ہیں کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

« يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب »[1]

''رضاعت سے اتنے ہی رشتے حرام ہوتے ہیں جتنے رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔''

اور سسرالی محرمات چار ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَ لَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ میں اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ ﴾ میں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَ حَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ﴾ میں بیان ہوئے ہیں۔

اور چوتھا سسرالی رشتہ جو اس آیت میں بیان ہوا ہے: ﴿ وَ اَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [2502] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1447]

الْاُخْتَيْنِ﴾ یہ دائمی طور پر حرام نہیں ہے بلکہ صرف ان دونوں کو جمع کرنا حرام ہے۔ بیوی کی بہن، یعنی سالی خاوند پر حرام نہیں ہے لیکن حرام یہ ہے کہ بیوی اور اس کی بہن کو بیک وقت نکاح میں جمع کیا جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: ﴿ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ یہ نہیں کہا کہ تمھاری بیویوں کی بہنیں حرام ہیں۔

پس جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق بائنہ کے ذریعے چھوڑ دے اور اس کی عدت بھی پوری ہو جائے تو وہ اس کی بہن سے شادی کر سکتا ہے کیونکہ ان دونوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ جس طرح دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح عورت اور اس کی پھوپھی، عورت اور اس کی خالہ کو نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، جیسا کہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ ''جن دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے وہ تین ہیں: دو بہنیں، عورت اور اس کی پھوپھی، عورت اور اس کی خالہ۔''

رہی چچا اور ماموں کی بیٹیاں، یعنی عورت اور دوسرے چچا کی بیٹی یا دوسرے ماموں کی بیٹی تو ان کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا اپنی ماں یا باپ کے چچا یا ماموں کے سامنے چہرہ کھولنے کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے اپنی ماں کے چچا یا موں، یا باپ کے چچا یا ماموں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے؟ یعنی کیا یہ اشخاص اس کے محارم ہوں گے؟ جبکہ مجھے کہا گیا ہے کہ یہ عورت ان کے فروع سے شمار ہوگی، اور وہ عورت کی ماں یا اس کے باپ کے اصول شمار ہوں گے۔

جواب ہاں، جب عورت کی ماں یا اس کے باپ کا حقیقی، علاتی یا اخیافی چچا ہو یا اسی طرح ماموں ہو تو وہ عورت کے محارم میں شمار ہوگا کیونکہ تمھارے باپ کا چچا تمھارا چچا ہے اور تمھارے باپ کا ماموں تمھارا ماموں ہے، اور اسی طرح تمھاری ماں کا چچا اور اس کا نسبی ماموں تمھارا چچا اور ماموں ہوگا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

میاں بیوی شادی کے بعد دو سال اکٹھے رہے، پھر معلوم ہوا کہ انھوں نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہے:

سوال ایک آدمی نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کے ساتھ پورے دو سال گزارے، پھر اس کو علم ہوا کہ ان دونوں میاں بیوی نے محلے کی ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہے، یا زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ان کی پڑوسن ہے تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی یا نہیں؟

جواب شریعت میں یہ بات مقرر ہے کہ بلاشبہ رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« تحرم الرضاعة ما تحرم الولادة »[1]

''رضاعت ان رشتوں کو حرام کرتی ہے جن کو ولادت (نسبی رشتے داری) حرام کرتی ہے۔''

اور نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

« يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب »[2]

''رضاعت سے اتنے ہی رشتے حرام ہوتے ہیں جتنے رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔''

اللہ جل وعلا فرماتے ہیں:

﴿ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو۔''

جب اللہ تعالیٰ نے محرمات کا ذکر کیا تو فرمایا:

﴿ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2938]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2502] صحيح مسلم، رقم الحديث [1447]

لیکن دو شرطوں کے ساتھ: ایک یہ کہ رضاعت پانچ معلوم رضعات سے مکمل ہو، اور دوسری یہ کہ رضاعت بچے کی عمر کے دو سال کے اندر ہو۔ رضاعتِ محرّمہ میں جاری ہونے والا یہی وہ قاعدہ ہے۔

رہا تمھارا خاص مسئلہ اور جو تم نے ذکر کیا ہے کہ تم نے ایک ایسی عورت سے شادی کی ہے کہ تم نے اور تمھاری اس بیوی نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے، اور تم نے اس کے ساتھ ازدواجی زندگی کے دو سال بسر کیے ہیں تو اس مسئلہ میں تم کو شرعی قاضی یا اپنے علاقے کے معتمد مفتی کی طرف جانے کی ضرورت ہے تاکہ اس کو مسئلے کی حقیقت معلوم ہو سکے، پھر اس کے بعد وہ تمھیں شرعی حکم سے خبردار کریں گے۔ ان شاء اللہ

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا معاہدے سے حرمت ثابت ہوتی ہے؟

سوال میں ایک آدمی ہوں جس کی عمر اڑتالیس برس ہو چکی ہے۔ میں ایک بیماری میں مبتلا ہو گیا اور میرے پاس میرے گھر والوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔ میرا ایک کام شریک ساتھی اور مسلمان دوست تھا، مجھے اس حالت میں مدد اور نگہداشت کی ضرورت تھی، پس اس دوست نے میری مدد کی اور مجھے اپنے گھر لے گیا، اس کی بیوی ایک باشرع مسلمان خاتون اور قرآن کو پڑھنے والی تھی۔ وہ میری بیماری کے دوران میری خدمت کرتی رہی، جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے صحت و عافیت عطا کر دی تو میں نے یہ چاہا کہ اس کو اپنی بہن بنا لوں، درآں حالیکہ میری مطلق طور پر بہنیں نہیں ہیں۔ ہم نے اپنے سامنے قرآن رکھا اور اس پر عہد کیا کہ یہ خاتون میری بہن اور تمام حالات میں میری محرمہ ہے۔ یہ عہد اس کے شوہر، بیٹوں اور بیٹیوں کی رضا مندی سے ہوا، اس میں میرے خاندان کی رضا بھی شامل تھی۔ اب میں اس کو اپنی واقعی حقیقی بہن سمجھتا ہوں، کیا میں اس کے ہاتھ کو چھو سکتا ہوں؟ کیا میں حج میں اس کا محرم بن سکتا ہوں جبکہ میرے خاندان کے اکثر لوگ اس بھائی چارے کے معاملے کو جانتے ہیں۔ میں اپنے سوال کا جواب چاہتا ہوں کہ اس میں شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟

جواب تیرے دوست نے تجھ سے جتنا بھی حسنِ سلوک کیا، اور اس کی بیوی نے تمھاری جتنی بھی خدمت کی، پس اس کی بیوی اس عمل کے ساتھ تیرے لیے محرم نہیں بنے گی، وہ تیرے لیے اجنبی ہے۔ انسان کسی دوسرے کا محرم تو صرف نسبی قرابت داری کے ذریعے یا رضاعت کے سبب یا مصاہرت (سسرالی رشتہ داری) کی وجہ سے ان حدود میں رہتے ہوئے بنتا ہے جو شرعی نصوص میں بیان کی گئی ہیں۔ لہٰذا تمھارے لیے اس عورت کو اپنے ہاتھ یا اپنے اعضاء میں سے کسی بھی عضو کے ساتھ چھونا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی تمھارے لیے سفرِ حج وغیرہ میں اس کا محرم بننا جائز ہے۔

تمھارے لیے حرام ہے کہ تم اس سے خلوت اختیار کرو اگرچہ وہ عورت، اس کا خاوند اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں راضی ہی کیوں نہ ہوں۔ تیرا اُس کے ساتھ تعلق کسی بھی اجنبی عورت کے ساتھ تعلق کی طرح ہے۔ اس عورت، اس کے خاوند اور اس کے اقارب کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کا شکریہ ادا کرو اور انھوں نے جو تمھاری خدمت کی ہے اس پر ان کو کسی کام میں بدنی تعاون، مال خرچ کرنے، حسن سلوک کرنے، خیر خواہی، راہنمائی اور اس طرح کے دیگر اعمال کے ذریعہ بدلہ دو، جو تم اچھے انداز میں کر سکو اور اس کی قدرت رکھو اور ان کو اس کی ضرورت ہو۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

مرد کا کسی عورت اور اس کی بھانجی کو اپنی زوجیت میں جمع کرنے کا حکم:

سوال ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی، اب وہ اس پر اس عورت کی بھانجی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب اس کی بیوی، جو اس کے نکاح میں ہے اس لڑکی کی خالہ ہے جس سے وہ اب شادی کرنا چاہتا ہے، پس جب اس لڑکی سے شادی اس کی خالہ کو زوجیت میں باقی رکھتے ہوئے کی جائے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«لا تنكح المرأة على عمتها و لا على خالتها»[1]

''نہ شادی کی جائے کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ پر۔''

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1408]

باپ کا بیٹے کی ساس سے شادی کرنے کا حکم:

سوال کیا باپ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی ساس سے شادی کرے؟

جواب ہاں، بالاجماع جائز ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

باپ کا بیٹے کی سالی سے شادی کرنے کا حکم:

سوال کیا باپ کے لیے اپنے بیٹے کی سالی سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں، یہ بالاجماع جائز ہے کہ باپ اور بیٹا دو سگی بہنوں سے شادی کریں، اس کے منع کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس مسئلے پر اجماع ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

لڑکے کا اپنے باپ کی بیوی کی بیٹی سے شادی کرنے کا حکم:

سوال ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی، پھر اس عورت نے کسی اور سے شادی کی اور اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا، پھر ماں فوت ہوگئی اور اس کی بیٹی زندہ ہے لیکن پہلے شخص، جس نے اس لڑکی کی ماں سے شادی کی تھی، نے کسی اور عورت سے شادی کی تو اس عورت نے اس کے لیے ایک لڑکے کو جنم دیا۔ اس لڑکے نے اس لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا، یعنی اس لڑکی کو جس کی ماں سے اس لڑکے کے باپ نے شادی کی تھی تو اس لڑکی سے شادی کا حکم کیا ہوگا؟

جواب مذکور لڑکے کا مذکورہ لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے اگرچہ اس کے باپ نے اس کی ماں سے شادی کی تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ [النساء: 24]

''اور تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں جو ان کے سوا ہیں۔''

لہٰذا مذکورہ لڑکی ان محرمات میں شامل نہیں ہے جن کو آیتِ تحریم میں یا سنت میں بیان کیا گیا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کو خون دینے سے حرمت ثابت ہونے کا حکم:

سوال جب ایک عورت بیمار ہوجائے اور اسے خون کی ضرورت ہو، اس عورت کو ایک

اجنبی مرد سے خون لے کر لگایا جائے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو صحت دے دی تو اس خون دینے والے شخص نے اس عورت سے نکاح کرنا چاہا، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب سوال میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ مرد سے عورت کے لیے خون لیا گیا اور علاج کی غرض سے اس عورت کو وہ خون بذریعہ انجیکشن لگا دیا گیا تو اس سے حرمت پیدا نہیں ہوتی اگرچہ وہ خون زیادہ ہی کیوں نہ ہو، جس طرح رضاعت سے حرمت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر مرد کو عورت کا خون لگا دیا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے تو اس بنا پر مرد اور عورت ہر ایک کے لیے دوسرے سے شادی کرنا جائز ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کا اپنی سوکن کی طلاق کی شرط لگانے کا حکم:

سوال جب عورت جانتے ہوئے یا لاعلمی میں اپنی سوکن کی طلاق کی شرط لگائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب سائل کا یہ کہنا: جب عورت اپنی سوکن کی طلاق کی شرط لگائے تو یہ شرط صحیح ہے، یہ ابو الخطاب کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شرط صحیح نہیں۔ یہ تقی الدین کا مختار مذہب ہے۔ یہی صحیح مؤقف ہے کہ عورت کو یہ شرط لگانا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ یہ شرط لگائے تو یہ شرط لغو ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے:

« كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل »[1]

''ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے:

« لا تسأل المرأة طلاق أختها لتكفأ ما في صحفتها »[2]

''عورت اپنی مسلمان بہن کے برتن سے اپنے برتن میں انڈیلنے کے لیے اس کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔''

پس جب عورت نے مرد پر شرط لگا دی اور مرد اس پر صبر کرتے ہوئے خاموش رہا،

---

[1] **صحيح**. سنن النسائي، رقم الحديث [3451]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [1408]

اور اس عورت کی شادی اس مرد کے ساتھ بس اسی شرط پر کی گئی اور اگر اس کو علم ہو کہ بلاشبہ وہ جب شادی پر راضی ہوگی تو اس کے پاس باقی رہے گی اور وہ اس کی حرمت سے بھی آگاہ ہے تو اس کی یہ شرط لغو ہے، پس بلاشبہ عورت اس جگہ جب علم رکھے اور نافرمانی کرے تو اس کو سزا کے طور پر کچھ نہ دیا جائے، اور اگر وہ ناواقف ہو تو وہ نکاح فسخ کرنے کی مالک ہوگی کیونکہ مرد نے اس کو وہ کچھ نہیں دیا جس پر عورت نے اس سے عقد کیا تھا۔

(محمد بن ابراہیم)

عورت کا خاوند پر گھر اور شہر سے نکالنے کی شرط لگانے کا حکم:

سوال عورت نے اور اس کے گھر والوں نے شرط لگائی کہ خاوند اسے اس کے گھر اور شہر سے نہیں نکالے گا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس خاوند کے متعلق استفسار جس پر اس کی بیوی کے ولی نے شرط لگائی کہ وہ اپنی بیوی کو اس کے شہر میں ہی رکھے گا اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ دوسرے شہر میں منتقل نہ ہوگی۔ بلاشبہ بیوی یا اس کے ولی کا خاوند پر بیوی کو اس کے گھر یا اس کے شہر سے نہ نکالنے کی شرط لگانا صحیح ہے۔ خاوند پر لازم ہے اور اس پر عمل کرنا متعین ہے کیونکہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مرفوع روایت ہے:

«إن أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج»[1]

''بلاشبہ شرطوں میں سب سے زیادہ پوری کی جانے کے لائق وہ شرط ہے جس کے ساتھ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا۔''

اور اثرم نے روایت کیا:

''بلاشبہ ایک آدمی نے کسی عورت سے شادی کی اور عورت کو اسی گھر میں ہی رکھنے کی شرط لگائی، پھر اس نے اس گھر سے اس کو منتقل کرنے کا ارادہ کیا۔ بات بڑھ گئی تو وہ جھگڑا لے کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: عورت کو اس شرط کے مطابق حق ملنا چاہیے، لیکن اگر وہ خاوند کے ساتھ منتقل ہونے پر

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2572] صحيح مسلم، رقم الحديث [1418]

راضی ہوجاتی ہے تو اسے اس کا بھی حق حاصل ہے، اور جب وہ اس شرط کو ساقط کردے تو یہ شرط ساقط ہوجائے گی۔'' (محمد بن ابراہیم)

عورت کا مرد پر شرط لگانا کہ وہ اس کو تدریس سے نہیں روکے گا:

سوال جب بیوی خاوند پر شرط لگائے کہ وہ اس کو تدریس سے منع نہیں کرے گا اور خاوند اس شرط کو قبول کر لے۔ خاوند کے اس شرط کو قبول کر لینے کے بعد عورت نے اس کے ساتھ شادی کرنا قبول کر لیا کیونکہ مرد نے اس کی لگائی ہوئی شرط سے موافقت کی تھی۔ کیا مرد پر بیوی اور اس کے بچوں کا خرچ لازم ہوگا؟ جبکہ وہ خود تنخواہ دار ملازمہ ہے۔ کیا مرد کے لیے اس کی تنخواہ سے بغیر اس کی رضا کے کچھ لینا جائز ہے؟ اور جب عورت دیندار ہو اور وہ گانے اور موسیقی نہیں سننا چاہتی اور اس کے گھر والے اس کو گانے سنانے پر مصر ہیں تو کیا اس حالت میں بیوی کا اپنے گھر والوں کے ساتھ رہنا درست ہے؟

جواب جب عورت نے نکاح کا پیغام دینے والے پر یہ شرط عائد کی کہ وہ اس کو تدریس سے نہیں روکے گا یا پڑھائی سے نہیں روکے گا، مرد نے یہ شرط قبول کر لی اور اس شرط پر اس سے شادی کر لی تو یہ شرط صحیح ہے۔ تو اب مرد کے لیے اس سے دخول کرنے کے بعد تدریس وغیرہ سے روکنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((إن أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج))[1]

''بلاشبہ شروط میں سے پوری کی جانے کے لائق وہ شرط ہے جس کے ساتھ تم شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو۔''

اس روایت کی صحت پر بخاری ومسلم کا اتفاق ہے۔ پس اب اگر مرد اس کو تدریس وغیرہ سے روکے گا تو عورت کو اختیار ہوگا، اگر چاہے تو اس مرد کے پاس رہے اور اگر چاہے تو شرعی قاضی سے فسخِ نکاح کا مطالبہ کرے۔

رہا خاوند اور اس کے گھر والوں کا گانا اور موسیقی سننا تو یہ نکاح فسخ نہیں کرتا۔ عورت

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [2572] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1418]

پر لازم ہے کہ وہ ان کو وعظ و نصیحت کرے اور ان کو گانے اور موسیقی کی حرمت سے خبردار کرے اور خود ان کے ساتھ اس گناہ میں شریک نہ ہو کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

《الدين النصيحة》[1] ''دین سراپا خیر خواہی ہے۔''

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

《من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه و ذلك أضعف الإيمان》[2]

''تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روکے، اگر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے روکے اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے (ہی برا جانے)، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے (جس کے بعد ایمان باقی نہیں رہتا۔)''

اس موضوع پر آیات و احادیث کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ خاوند کے ذمہ ہے کہ وہ اس تنخواہ کو اپنی بیوی اور اس کے بچوں پر خرچ کرے، اور اس کی اجازت اور رضا کے بغیر اس کی تنخواہ سے کچھ لینا جائز نہیں ہے، اور بیوی کے لیے خاوند کے گھر سے اپنے میکے یا ان کے علاوہ کسی کے پاس خاوند کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

فسخ نکاح

عورت نے ایک شخص سے شادی کی، دیکھا تو اس شخص کو پھلبہری ہے، کیا وہ فسخِ نکاح کی حقدار ہے؟

سوال ایک عورت نے کسی مرد سے شادی کی، جب وہ رخصت ہو کر اس کے پاس آئی تو اس نے دیکھا کہ مرد کے جسم پر پھلبہری ہے کیا عورت کے لیے نکاح فسخ کرانا جائز ہے؟

جواب جب میاں بیوی میں سے کسی ایک میں جنون، کوڑھ یا پھلبہری ظاہر ہو جائے تو

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [55]

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث [49]

دوسرے کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا، لیکن جب وہ عیب ظاہر ہونے کے بعد راضی ہوجائے تو اب اسے نکاح فسخ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ جب عورت نکاح فسخ کرے تو اس کو اپنے جہیز میں سے کچھ لینا جائز نہیں اگر عورت دخول سے پہلے نکاح فسخ کر دے تو اس کا مہر ساقط ہوجائے گا، اور اگر وہ دخول کے بعد نکاح فسخ کرے تو اس کا حق مہر ساقط نہ ہوگا۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

سوال ایک شخص نے کسی کنواری سے شادی کی تو اس کو ایسی مستحاضہ پایا جس کا خون باپ کے گھر سے آنے سے لے کر منقطع نہیں ہوا۔ اس لڑکی کے گھر والوں نے اس کو دھوکا دیا، کیا مرد کے لیے نکاح فسخ کرنے کا حکم ہے؟ اور جس نے اس کو دھوکا دیا ہے اس سے وہ حق مہر وصول کر سکتا ہے؟ کیا اس لڑکی کے ماں باپ جب انکار کریں تو ان سے قسم لینا واجب ہے؟ اور کیا اس کے لیے اس مستحاضہ سے وطی کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب یہ ایک ایسا عیب ہے کہ جس کے ساتھ امام احمد وغیرہ کے مذہب میں دو صورتوں میں سے زیادہ ظاہر صورت کے مطابق فسخِ نکاح ثابت ہوجاتا ہے، اور وہ دو صورتیں درج ذیل ہیں:

پہلی صورت: بے شک اس کے ہوتے ہوئے وطی ممکن نہ ہو مگر نقصان کے ساتھ جس کا اسے خوف ہو، اور تکلیف کے ساتھ جو اس کو حاصل نہ ہوتی ہو۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ بلاشبہ مستحاضہ سے وطی کرنا امام احمد رحمہ اللہ کے مشہور مذہب کے مطابق جائز نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی ضرورت ہو۔ اور جو عیب محسوس طریقے سے وطی سے روک دیتا ہے، مثلاً فرج کا بند ہوجانا، یا طبعاً روک دیتا ہے، مثلاً: جنون اور کوڑھ، وہ عیب امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے نزدیک فسخِ نکاح کو ثابت کر دیتا ہے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور جونسا عیب وطی مکمل ہونے سے روک دے، مثلاً: فرج میں نجاست کا ہونا تو اس میں اختلاف مشہور ہے، اور مستحاضہ کی نجاست دوسری نجاستوں سے زیادہ غلیظ ہے۔

جب مرد دخول سے پہلے نکاح فسخ کر دے تو اس کے ذمہ حقِ مہر دینا نہیں ہے، اور

اگر دخول کے بعد نکاح فسخ کرے تو کہا گیا ہے: بلاشبہ اس قسم کی خلوت اختیار کرنے سے حق مہر ثابت ہوجاتا ہے، اور اگر اس نے عورت سے وطی کر لی ہے تو وہ اس سے حقِ مہر لے گا جس نے اسے دھوکا دیا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے: حقِ مہر ثابت نہیں ہوگا، لہٰذا مرد کے ذمے کچھ واجب نہیں ہے۔

اور مرد پر لازم ہے کہ وہ اس سے قسم لے جس کے خلاف اس نے دھوکا دہی کا دعویٰ کیا ہے، وہ قسم دے کہ اس نے اس کو دھوکا نہیں دیا۔ اور مستحاضہ عورت سے وطی کرنے میں اختلاف مشہور ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے وطی کرنا جائز ہے، یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بلاضرورت جائز نہیں ہے اور یہ امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب ہے۔ اور مرد کو، جب تک اس سے ایسا قول یا فعل صادر نہ ہو جو اس کی رضا پر دلالت کرے تو اس کو اختیار ہوگا، اور اگر وہ اس عورت سے وطی کر لے تو اس کو اختیار نہیں ہوگا، الا یہ کہ وہ لاعلمی کا دعویٰ کرے تو کیا اس کو اختیار ہوگا؟ اس میں اختلاف مشہور ہے اور زیادہ واضح بات یہی ہے کہ فسخِ نکاح ثابت ہوجائے گا۔ واللہ اعلم (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

مرد نے عورت کو عیب دار پایا، فسخِ نکاح کی غرض سے علیحدگی اختیار کی، پھر بھول کر مجامعت کر لی:

سوال جب کوئی مرد کسی عورت سے شادی کرے اور اس کو عیب دار پائے، پھر فسخ نکاح کی غرض سے اس سے علیحدگی اختیار کر لے، پھر بھول کر وطی کر لے تو کیا اس کا اختیار باطل ہوجائے گا؟

جواب احباب نے بیان کیا ہے کہ مرد کو بیوی کے عیب کی وجہ سے جو فسخِ نکاح کا اختیار ہے وہ مرد کی رضا ظاہر ہونے پر ساقط ہوجاتا ہے، خواہ اس کی رضا کا اظہار وطی کرنے سے ہو یا عورت کے عیب کو جانتے ہوئے بھی اپنے پاس ٹھہرانے کی صورت میں ہو۔ انھوں نے قصداً اور بھول کر وطی کرنے میں کوئی فرق نہیں کیا ہے، سو اس بنا پر مذکورہ شخص کو فسخِ نکاح کا اختیار نہیں ہے کیونکہ اس نے عیب معلوم ہونے کے بعد عورت سے وطی کی ہے۔ (السعدی)

جب عورت کے اندر ایسا عیب ہو جس سے وہ اور اس کا ولی ناواقف ہو:

سوال جب عورت میں کوئی عیب ہو جس سے وہ بذاتِ خود اور اس کا ولی ناواقف ہو تو کیا خاوند ان میں سے کسی ایک سے اپنا نقصان پورا کرنے کا حق رکھتا ہے؟

جواب فقہاء نے مرد کے ان دونوں سے نقصان کی تلافی کے سلسلہ میں رجوع نہ کرنے میں ان کے شرعی حکم سے ناواقفیت کی شرط نہیں لگائی۔ انھوں نے تو صرف عیب سے ناواقف ہونے کی شرط لگائی ہے، لہٰذا جب ولی کو عیب کا علم نہ ہو تو عورت سے رجوع کرے گا، پس اگر عورت بھی اپنے عیب سے جاہل ہو جس کا امکان ہے اور بلکہ دونوں کے سچا ہونے کا امکان ہے تو اس صورت میں وہ کسی سے بھی اپنے نقصان کی تلافی کا حق دار نہیں ہے کیونکہ مہر تو دخول کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے، لہٰذا وہ مہر کے معاملے میں کسی دھوکا دینے والے کو تلاش کر کے مہر طلب نہیں کرے۔ لیکن اگر لڑکی اور اس کے ولی میں سے کسی کو عیب کا علم تھا مگر وہ شرعی حکم سے ناواقف تھا تو مہر کی واپسی اور تاوان کی ادائیگی کے لیے حکم کی عدمِ واقفیت اس کے اندر عذر نہ ہوگی کیونکہ بہر حال دھوکہ پایا گیا۔ (السعدی)

عورت نے شوہر میں کسی صفت کی شرط لگائی مگر شوہر میں وہ صفت کم تر ظاہر ہوئی:

سوال جب بیوی نے شوہر کے متعلق ایک وصف کی شرط لگائی تو وہ وصف کم تر نکلا، کیا عورت اس خاوند کے پاس رہے گی؟

جواب نکاح کے متعلق علماء وفقہاء کا قول یہ ہے کہ اگر اس نے اپنے خاوند کے متعلق ایک صفت کی شرط لگائی تو اس میں وہ صفت شرط سے کم نکلی، عورت کو فسخِ نکاح کا حق نہ ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقصودی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کو فسخِ نکاح کا حق ہوگا اور یہی بات درست ہے۔ اور شرطوں میں سے پوری کی جانے کی مستحق شرط وہ ہے جس کے ساتھ شرمگاہوں کو حلال کیا جاتا ہے، اور یہی قول زیادہ درست ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے دوسری روایت ہے: وہ عورت جو اپنی آزادی اور ملکیتِ فسخ سے

ناواقفیت کی بنا پر اپنے غلام خاوند کو اپنے اوپر قدرت پانے کا موقع دے دے تو اس کو خیارِ عتق حاصل ہوگا، اور یہی روایت صحیح ہے۔ جس طرح دیگر تمام حقوق واضح رضا مندی یا رضا مندی پر دلالت کرنے والی چیز کے بغیر ساقط نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم (السعدی)

جب عورت شادی کے بعد خاوند میں کچھ ناپسندیدہ چیزیں دیکھے:

سوال جب کوئی شخص کسی لڑکی سے شادی کرے تو لڑکی کو اس میں کچھ ایسے عیب معلوم ہوں جن کو وہ پسند نہ کرتی ہو، پھر اس لڑکی نے مرد سے فسخِ نکاح کا مطالبہ کر دیا، اور یہ واقعہ عورت کے ساتھ دخول سے پہلے کا ہے جبکہ وہ شوہر سے حقِ مہر اور سونے کے کنگن اور ہار کا ایک سیٹ لے چکی ہے تو کیا وہ مرد کو ہر چیز واپس کرے گی؟

جواب ایسی حالت میں عورت پر مرد سے لی ہوئی ایک ایک چیز کا واپس کرنا واجب ہے کیونکہ جدائی اس کی طرف سے قبل از مجامعت ہو رہی ہے، لیکن اگر مرد کوئی چیز اپنی رضا سے عورت کو دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (الفوزان)

کتابیہ عورتوں سے نکاح کا حکم

کتابیہ عورت، جبکہ اس کے والدین اہلِ کتاب نہ ہوں، سے نکاح کا حکم:

سوال ایسی کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کا کیا حکم ہے جس کے والدین اہلِ کتاب نہ ہوں؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ کتابیہ عورت سے نکاح کے جواز کے لیے اس کے والدین کا اہلِ کتاب ہونا شرط نہیں، بلاشبہ اعتبار کتابیہ عورت کی ذات کا ہے، اور یہی موقف امام تقی الدین رحمہ اللہ کا ہے۔ (السعدی)

کتابیہ عورت سے شادی کا حکم:

سوال کیا کتابیہ عورت سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب جس سورت میں کتابیہ عورت کے ساتھ شادی کرنے کا جواز ہے وہ سورۂ مائدہ ہے، اور یہی وہ سورت ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ نصرانیوں نے کفر کیا ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ [المائدة: 17]

''بے شک اللہ مسیح ہی تو ہے، جو مریم کا بیٹا ہے۔''

﴿إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ [المائدة: 73]

''بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔''

برخلاف عمر رضی اللہ عنہ کے۔ مگر مذکورہ ٹھوس دلائل کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کے اس موقف کو قبول نہیں کیا۔ (عفیفی رحمہ اللہ)

انگریز رجسٹرار کے پاس ایک مسلمان اور ایک اہلِ کتاب کی گواہی سے عقد کا حکم:

سوال کیا انگریز رجسٹرار کے ذریعے ایک مسلمان اور ایک کتابی کی گواہی سے منعقد ہونے والی شادی اسلام کی نظر میں شرعی شادی ہوگی؟

جواب اکثر اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ مسلمان مرد کا مسلمان عورت سے نکاح ولی اور دو عادل گواہوں سے منعقد ہوتا ہے، اس کے بغیر درست نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

« لا نكاح إلا بولي و شاهدي عدل »[1]

''نکاح تو صرف ولی اور دو عادل گواہوں سے ہی منعقد ہوتا ہے۔''

(اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة »[2]

''جو عورتیں بغیر گواہ کے اپنا نکاح منعقد کرتی ہیں وہ زانیہ شمار ہوں گی۔''

اور اس وجہ سے بھی کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نکاح کا مقدمہ پیش ہوا جو نکاح ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے منعقد کیا گیا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ مخفی نکاح ہے، اگر میں اس معاملے میں پیش رفت کرتا تو رجم کر دیتا۔''[3]

---

[1] **صحيح**. سنن الدارقطني [225/3]

[2] **ضعيف**. سنن الترمذي، رقم الحديث [1103]

[3] **ضعيف**. موطأ إمام مالك، رقم الحديث [1114]

نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: "لا نكاح إلا ببينة"[1] (بغیر گواہ کے نکاح منعقد نہیں ہوتا)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے نکاح میں ولی اور گواہوں کے معتبر ہونے پر کئی احادیث پیش کرنے کے بعد فرمایا:

"اہلِ علم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین رحمہم اللہ وغیرہ کا اسی پر عمل رہا ہے، چنانچہ انھوں نے فرمایا: نکاح تو صرف گواہوں سے منعقد ہوتا ہے۔"

نکاح میں ولی اور گواہوں کے معتبر ہونے کے مذکورہ مسئلے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ شریعت کے مقاصد سے موافقت کرتا ہے کیونکہ اس سے عزتوں اور نسبوں کی حفاظت ہوتی ہے، زنا اور فساد کا راستہ بند ہوتا ہے اور ممکنہ ازدواجی اختلافات کا قلع قمع ہوتا ہے۔

رہا مسلمان مرد کا کتابیہ عورت سے شادی کرنا تو شافعی اہلِ علم کے اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق یہ نکاح بھی دو عادل گواہوں کے بغیر درست نہیں ہوتا۔ اور علمی اعتبار سے اس کے دلائل وہ احادیث اور آثار ہیں جن کو ابھی ذکر کیا گیا ہے، اور اس اعتبار سے بھی کہ اس سے شریعت کے قواعد و مقاصد کی موافقت ہوتی ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

گرجے میں پادری کے ہاتھ پر مسلمان کی کتابیہ سے شادی کی تشہیر کا حکم:

سوال کیا مؤمن کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ گرجے میں پادری کے ذریعے کتابیہ عورت سے شادی کروائے جبکہ وہ اس سے پہلے انگریزی میرج دفاتر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق شادی کرا چکا ہو؟

جواب مومن کو یہ جائز نہیں کہ وہ گرجے میں پادری کے ذریعے شادی کروائے اگرچہ یہ شادی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق شادی کروانے کے بعد ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس طرح نصاریٰ کے شادی کے طریقے کی مشابہت ہوتی ہے اور ان کے دینی شعائر اور معابد کی تعظیم ہوتی ہے اور ان کے علماء و عباد کا احترام و توقیر

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [1104]

ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«من تشبه بقوم فهو منهم»❶

''جس نے کسی قوم کی مشابہت کی، پس وہ انھی میں سے ہے۔'' اس کو امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

ذمی بیوی کو غسلِ جنابت پر مجبور کرنے کا حکم:

سوال کیا ذمی بیوی کو غسلِ جنابت پر مجبور کیا جا سکتا ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ مرد اس کو غسل پر مجبور کر سکتا ہے، جس طرح وہ اس کو ہر اس کام پر مجبور کر سکتا ہے جو اس کی صفائی ستھرائی کے ساتھ متعلق ہے، اور ہر اس کام سے منع کر سکتا ہے جس کو وہ اس کی طرف سے ناپسند کرتا ہے کیونکہ اس عورت پر خاوند کی اطاعت اور حقوق واجب ہیں اور یہ غسل پر مجبور کرنا بھی اس کے حقوق میں شامل ہے۔

(السعدی)

کیا زیادہ شادیاں کرنا اس شخص کے لیے مشروع ہے جس کی کفالت میں یتیم لڑکیاں ہوں؟

سوال بعض لوگ کہتے ہیں: ایک سے زیادہ شادیاں کرنا صرف اس شخص کے لیے جائز ہے جس کی ولایت میں یتیم ہوں اور وہ ان سے انصاف نہ کرنے سے ڈرتا ہو تو وہ ان یتیموں کی ماں یا اس کی یتیم بچیوں میں سے کسی ایک سے شادی کر لے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دلیل بناتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾ [النساء: 3]

''اور اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہیں کرو گے تو (اور) عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے۔''

---

❶ صحیح. مسند أحمد [50/2]

ہم جناب سے اس مسئلے میں حق بات کے بیان کی توقع رکھتے ہیں۔

جواب یہ باطل قول ہے جبکہ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کی ولایت میں یتیم بچی پرورش پا رہی ہو اور وہ اس سے نکاح کرتے ہوئے ڈرے کہ وہ اس کو مہرِ مثل ادا نہیں کرے گا تو وہ اس کو چھوڑ کر کسی اور عورت کے ساتھ شادی کے لیے رجوع کرے، اس کے علاوہ بہت سی عورتیں نکاح کے لیے موجود ہیں، اللہ نے بندے پر کوئی تنگی نہیں کی ہے۔

آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ دو یا تین یا چار شادیاں کرنا مشروع ہے کیونکہ تعدد اَزواج نگاہ کو پست رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے میں کمال درجہ رکھتا ہے، اور اس لیے بھی کہ اس سے نسل بڑھتی ہے اور یہ عورتوں کی عفت و پاکدامنی کا سبب بنتا ہے، اور عورتوں سے حسن سلوک کرنے اور ان سے مالی تعاون کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بلاشبہ یہ عورت جس کو نصف مرد، یا ثلث مرد یا ربع مرد میسر آئے وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کو سرے سے خاوند ہی نہ ملے۔

لیکن تعددِ ازواج میں عدل و انصاف اور ان کے اخراجات کی طاقت رکھنا شرط ہے۔ جو شخص یہ خطرہ محسوس کرتا ہے کہ وہ عدل نہ کر سکے گا تو وہ ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے، البتہ وہ قیدی عورتوں میں سے لونڈیاں رکھ سکتا ہے۔ نبی ﷺ کا عمل اس کی دلیل ہے جو اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ جب نبی ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: 21]

''بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے۔''

اور آپ ﷺ نے امت کے لیے وضاحت فرما دی کہ امت میں سے کسی کو چار سے زیادہ شادیاں کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں نبی ﷺ کا اسوہ چار یا اس سے کم بیویاں ہیں۔ چار سے زیادہ بیویاں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی خصوصیات میں سے ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

کیا تعددِ ازواج کا حکم اب منسوخ ہے؟

سوال قرآن مجید میں تعددِ ازواج کے متعلق آیت کریمہ ہے:

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ [النساء: 3]

''پھر اگر تم ڈرو کہ عدل نہیں کرو گے تو ایک بیوی سے۔''

اور قرآن مجید کے ایک دوسرے مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ ﴾

[النساء: 129]

''اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں کے درمیان برابری کرو، خواہ تم حرص بھی کرو۔''

سو پہلی آیت میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کے لیے بیویوں کے درمیان عدل کرنے کی شرط لگائی گئی اور دوسری آیت میں یہ واضح کر دیا کہ عدل والی شرط ممکن نہیں ہے۔

کیا پہلی آیت منسوخ ہے؟ اور عدل کی شرط ممکن نہ ہونے کی وجہ سے صرف ایک عورت سے شادی کرنا جائز ہے۔ ہمیں جواب عنایت فرما کر فائدہ پہنچایئے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جواب مذکورہ دونوں آیتوں میں تعارض نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی آیت دوسری کو منسوخ کرتی ہے۔ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی صورت میں جس عدل کا حکم دیا گیا ہے وہ وہ ہے جو انسان کی قدرت میں ہے، اور وہ باریوں اور نان ونفقہ میں عدل و انصاف کرنا ہے۔ رہا محبت اور اس کے توابع جماع وغیرہ میں عدل کرنا یہ انسان کی طاقت میں نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ ﴾ سے یہی مراد ہے۔

اسی طرح نبی ﷺ سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے حدیث ثابت ہے، کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان باری تقسیم کرنے میں انصاف کرتے تھے اور فرماتے تھے:

«اللهم! هذا قسمي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك ولا أملك»[1]

(رواه أبو داود، والترمذي، والنسائي، وابن ماجه، وصححه ابن حبان والحاكم)

''اے اللہ! یہ وہ تقسیم ہے جس کی میں طاقت رکھتا ہوں، پس تو میری گرفت نہ کرنا اس چیز میں جس کی میں طاقت نہیں رکھتا۔'' (ابن باز رحمہ اللہ)

کیا دوسری شادی کرنے کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے؟

سوال اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے تعددِ ازواج کو جائز قرار دیا ہے۔ کیا شوہر کو دوسری شادی کرنے کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے؟

جواب شوہر پر یہ فرض نہیں ہے کہ دوسری شادی کرنے کے لیے وہ پہلی بیوی کو راضی کرے لیکن مکارمِ اخلاق اور حسنِ معاشرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کی ایسی چیزوں سے دل جوئی کرے جس سے اس کی تکلیفیں آسان ہو جائیں جو اس معاملے میں عورتوں کو طبعاً لاحق ہوتی ہیں۔ ایسا کرنا خندہ پیشانی، اچھے میل ملاپ اور اچھی گفتگو سے ممکن ہے۔ اگر اس کی رضا مندی مال کے ساتھ حاصل ہوتی ہو تو حسب طاقت مال خرچ کر کے بھی اس کی خوشنودی کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

کیا مرد کے لیے دوسری شادی کرنے سے قبل پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے؟

سوال میرا خاوند اولاد پیدا کرنے کی غرض سے کسی دوسری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر میں اس سے انکار کرتی ہوں اور میرا انکار صرف غیرت کی وجہ سے ہے۔ کیا مجھے طلاق لینے کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق ہے؟ واضح ہو کہ خاوند کے لیے پہلی بیوی کو دوسری شادی پر راضی کیے بغیر دوسری شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

جواب آدمی کے لیے اپنی بیوی سے اجازت لیے بغیر ایک سے زیادہ چار تک شادیاں کرنا جائز ہے، اور دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کا موافقت کرنا شرط نہیں ہے۔ اس عورت پر لازم ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی بہت زیادہ تعریفات کیا کرے، اور اگر اس کا خاوند اس کو چھوڑ دے تو اس کی آسانی سے دوبارہ شادی بھی نہیں ہو سکے گی، لہٰذا ہر

[1] جيد. سنن أبي داود، رقم الحديث [2134]

عورت کو یہ جان لینا چاہیے کہ اس کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی غیرت کا مسئلہ بنائے کہ اس کی غیرت اس کو حرام اور باطل کام میں ملوث کر دے، اور یہ باطل، حرام بلکہ کبیرہ گناہوں سے ہے کہ عورت بلا وجہ اور بلا سبب اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے۔

اور وہ اسباب جن کی وجہ سے طلاق کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے وہ مشہور ہیں، مثلاً: شوہر کا بیوی کے نان ونفقہ سے عاجز آ جانا، خاوند کو ایسے جنون کا لاحق ہو جانا جس کی وجہ سے عورت کو اپنی جان کا خطرہ ہو، یا اس کو ایسی مرض کا لگ جانا جس سے عورت خوفزدہ ہو، اور اس طرح کے دیگر اسباب کی وجہ سے وہ طلاق طلب کر سکتی ہے۔

یہ وہ عیوب ہیں جن کو علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، پس اگر عورت نے ان اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا ہے تو یہ اس کے لیے جائز ہے، لیکن اگر وہ اپنے خاوند سے اس وجہ سے طلاق کا سوال کرے کہ وہ اس پر ایک اور عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ اس کو صرف اس کی غیرت اس مطالبے پر برانگیخت کرتی ہے تو میں اس کو اس صحیح حدیث کے ساتھ نصیحت کروں گا جس کو امام احمد اور اصحابِ سنن نے بیان کیا ہے۔ ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أيما امرأة سألت زوجها الطلاق بغير ما بأس، فحرام عليها رائحة الجنة»[1]

''جونسی عورت بغیر کسی وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔''

اس کے ساتھ میں تمھارے علم میں یہ بات بھی لانا چاہتا ہوں کہ اگر تم بغیر سبب کے طلاق طلب کرو گی تو مسلمان قاضی تمھیں ہرگز طلاق نہیں دے گا کیونکہ طلاق دینا قاضی کے اختیار میں نہیں ہے، طلاق کا فیصلہ کرنے والا رب الأرباب عزوجل ہے، لہٰذا اگر ہزار قاضی بھی بغیر سبب کے طلاق دے دیں تو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی،

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2226]

اور اگر تم شادی کروگی تو تمھارا نکاح باطل ہوگا اور تو زنا میں ڈوبی ہوئی زندگی بسر کروگی۔

اس مسئلہ میں یہی بنیادی نقطہ ہے۔ جو شخص اللہ کی شریعت سے اعراض کر کے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کا سہارا لے گا تو اللہ اس کو دنیا میں ضرور ذلیل کرے گا اور آخرت میں اس کو عذاب سے دوچار کرے گا، الا یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے خلاف چاہیں۔ پس (اے بہن! بیٹی!) اس حرکت سے بچ جاؤ، یہ فتنہ ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

بیویوں میں باری کی تقسیم کا حکم:

سوال دولہا اپنی کنواری بیوی کے ساتھ ایک ہفتہ اور بیوہ کے پاس تین دن اس طرح گزارتا ہے کہ باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے بھی نہیں نکلتا۔ کیا یہ فرق اور نماز کے لیے نہ نکلنا سنت سے ثابت ہے؟

جواب جب کنواری عورت سے شادی کرے تو اس کے پاس سات دن ٹھہرے، پھر باری تقسیم کرے۔ اور اگر بیوہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے، پھر باری تقسیم کرے، پس اگر بیوہ یہ چاہتی ہے کہ خاوند اس کے پاس سات دن ٹھہرے تو وہ ایسا کرے گا اور پھر باقیوں کے ہاں بھی اتنے ہی دن ٹھہرے گا۔

اس مسئلے کی دلیل وہ روایت ہے جو ابو قلابہ نے انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

«من السنة إذا تزوج الرجل على الثيب أقام عندها سبعا وقسم، وإذا تزوج الثيب أقام عندها ثلاثا ثم قسم»[1]

"یہ مسئلہ سنت سے ہے کہ جب آدمی (بیوہ بیوی کے ہوتے ہوئے) کنواری سے شادی کرے تو اس کے پاس سات دن گزار کر پھر باری مقرر کرے، اور جب بیوہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن گزار کر پھر باری تقسیم کرے۔"

اور وہ روایت جس کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ بلاشبہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی تو ان کے پاس تین دن گزارے (اس لیے کہ یہ بیوہ تھیں) اور فرمایا:

«إنه ليس بك هوان على أهلك، فإن شئت سبعت لك وإن سبعت

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4915] صحيح مسلم، رقم الحديث [1461]

لك سبعت لنسائي ﴾ (رواه مسلم)

''بلاشبہ یہ اس لیے نہیں ہے کہ تیرے گھر والوں، یعنی تیرے شوہر کے ہاں تیری عزت کمتر ہے۔ اگر تو چاہے تو میں تیرے پاس سات دن گزاروں لیکن اگر میں تیرے پاس سات دن ٹھہروں گا تو اپنی دوسری بیویوں کے پاس بھی پھر میں سات ہی دن ٹھہروں گا۔''

جس شخص نے کنواری یا بیوہ عورت سے شادی کی ہے اس کے لیے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے سے پیچھے رہنا، اس وجہ سے کہ اس نے شادی کی ہے، ہرگز جائز نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی مذکورہ دونوں حدیثوں میں ایسی کوئی بات ہے جو اس کی دلیل بنتی ہو۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

بیویوں کے درمیان نان ونفقہ اور لباس میں برابری کا حکم:

سوال کیا بیویوں کے درمیان نان ونفقہ اور لباس میں برابری کرنا جائز ہے؟

جواب اس سلسلے میں وہ دوسری روایت صحیح ہے جس کو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کہ بلاشبہ ان میں برابری کرنا واجب ہے ان میں برابری نہ کرنے کے ظلم اور زیادتی ہونے کی وجہ سے، نہ کہ واجب کی عدمِ ادائیگی کی وجہ سے۔ بلکہ وہ بیویوں کے درمیان جس قسم کے عدل پر بھی قدرت رکھتا ہے وہ اس پر واجب ہے، برخلاف اس عدل کے جس کی وہ طاقت ہی نہیں رکھتا، مثلاً: وطی اور اس کے تابع امور۔ (السعدی)

عورت کی باری کے علاوہ اس کے پاس جانے کا حکم:

سوال سوکن کے گھر دوسری عورت کی باری کی رات یا دن میں داخل ہونے کا کیا حکم ہے؟

جواب جس بیوی کی رات نہ ہو اس کے پاس جانے کی حرمت میں، دن یا رات کے کسی وقت میں جانے کی ضرورت پیش آنے کے سوا، صحیح بات یہ ہے کہ عادت اور لوگوں کے عرف کی طرف رجوع کیا جائے۔ اگر دوسری بیوی کے پاس دن یا رات کی کسی گھڑی میں جانے کو لوگوں کے ہاں ظلم و زیادتی نہیں سمجھا جاتا تو اس میں کوئی حرج

نہیں ہے کیونکہ بہت سے امور اور معاملات میں عادت اور عرف کی طرف رجوع کرنا ایک بڑی اہم بنیاد ہے، خاص طور پر ان مسائل میں جن کی دلیل نہ ہو، اور یہ مسئلہ بھی انھی مسائل میں سے ہے۔ (السعدی)

حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے باری تقسیم کرنے کا حکم:

سوال حیض و نفاس والی عورت کے لیے باری تقسیم کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب مذاہب کا مشہور قول یہ ہے کہ حائضہ اور نفاس والی عورت میں سے ہر ایک کے لیے باری تقسیم کرنا واجب ہے کیونکہ یہ سب بیویاں ہی ہیں، لیکن وہ صحیح بات جس پر عمل ہے وہ یہ کہ حائضہ کے لیے باری مقرر کی جائے گی۔ رہی نفاس والی عورت تو اس کے لیے باری مقرر نہیں کی جائے گی کیونکہ عرف میں عادت ایسے ہی چلتی ہے اور وہ باری کے ترک پر راضی بھی ہوتی ہے بلکہ غالب یہ ہے کہ جب تک عورت نفاس میں ہوتی ہے اس کو یہ رغبت نہیں ہوتی کہ خاوند اس کی باری مقرر کرے۔ (السعدی)

بیوی کو اپنے حقوق سے دستبردار ہونے اور طلاق لینے کے درمیان اختیار دینا:

سوال جب ایک آدمی کی دو بیویاں ہوں، اس کی ماں اس کو ایک کے حقوق میں کوتاہی کرنے پر مجبور کر دے تو وہ اپنی بیوی کو اپنے پاس حقوق کی کوتاہی پر صبر کر کے رہنے اور اپنے سے جدائی کے درمیان اختیار دے، بیوی نے اس کے پاس رہنے کو ہی اختیار کر لیا۔ کیا مرد کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب جب خاوند بیوی کو اختیار دے اور بیوی اس کے پاس رہنے کو پسند کر لے تو اس معاملے میں کوئی حرج نہیں اور مرد پر اس سلسلہ میں کوئی گناہ نہیں، گناہ اور حرج اس کی ماں پر ہے جس نے اس کو ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔ اگر اس کے لیے ممکن ہو کہ وہ ماں کو از خود یا کسی ایسے شخص کے واسطے سے جس کی بات وہ مانتی ہو، نصیحت کرے اور اس کو بتائے کہ اس کے لیے ایسا کرنا حلال نہیں ہے اور اس کو دنیا اور آخرت کی سزا کا خطرہ ہے تو اس کو یہ نصیحت کرنا لازم ہے، نہیں تو اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ (السعدی)

حرام نکاح

نکاحِ شغار (نکاحِ بٹہ) کا حکم:

سوال اکثر جنوبی علاقے میں نکاحِ شغار رائج ہے۔ بعض لوگ پکڑ دھکڑ کے خوف سے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ ان حیلوں میں سے ایک حیلہ یہ ہے کہ وہ علیحدہ علیحدہ حقِ مہر مقرر کرتے ہیں اور الگ الگ وقتوں میں شادی منعقد کرتے ہیں۔ ان میں ایک آج ملکیت کو قبول کرتا ہے اور دوسرا کچھ مدت کے بعد۔ ایک حاکم کی اجازت یافتہ کے پاس عقد کرتا ہے جبکہ دوسرا اِس کے برخلاف۔ اور اس شادی کے حکمِ شرعی کے متعلق فتویٰ طلب کرتا ہے کہ کیا یہ حیلے ان شادیوں کو شغار ہونے سے بچا لیتے ہیں؟ خاص طور پر جب اس میں یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ مجھ سے شادی کراؤ میں تجھ سے شادی کراؤں گا، ورنہ نہیں؟

جواب مفتی دیارِ سعودیہ الشیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کی خدمت میں اس قسم کا سوال پیش ہوا، انھوں نے اس کا جواب دیا۔ ہم اسی جواب پر اکتفا کرتے ہیں اور سائل کے لیے حرف بحرف نقل کرتے ہیں:

نکاح شغار یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا بھی اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کرے، یا یہ اس سے اپنی بہن کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا بھی اپنی بہن کا نکاح اس سے کرے، اور ان دونوں کے درمیان حقِ مہر نہ ہو۔ اس کی قباحت کی وجہ سے اس کا نام شغار رکھا جاتا ہے، اس کی قباحت کو کتے کے پیشاب کرنے کے لیے ٹانگ اٹھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ "شغر الکلب" اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ پیشاب کرنے کے لیے اپنی ٹانگ اٹھائے، پس نکاحِ شغار میں گویا ہر ایک نے دوسرے کے ارادے کی تکمیل کے لیے ٹانگ اٹھائی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شغار "خلوّ" سے ہے، جب مکان خالی ہو تو کہا جاتا ہے: "شغر المکان"، اور جہت شاغرہ کا مطلب ہے خالی۔ پس وہ دونوں طرف سے خالی کرنے کے بدلے خالی کرنا اور شرمگاہ کے بدلے میں

شرمگاہ دینے کے معنی میں ہے۔

نکاحِ شغار کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلاشبہ وہ شریعتِ الٰہیہ کے مخالف ہے، جیسے کہ اس کی حرمت اور مقاصدِ شریعت کے خلاف ہونے پر صحیح احادیث شریفہ دلالت کرتی ہیں، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں نافع رحمہ اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع کیا ہے۔ اور صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:« لا شغار في الإسلام »[1] ''اسلام میں شغار نہیں ہے۔''

نیز صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع کیا، اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص کہے: تو مجھ سے اپنی بیٹی بیاہ دے، میں تجھ سے اپنی بیٹی بیاہ دوں گا، یا تو مجھ سے اپنی بہن کی شادی کر دے، میں تجھ سے اپنی بہن کی شادی کر دوں گا۔

اور صحیح مسلم میں ابو الزبیر سے روایت ہے کہ انھوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع کیا۔

اور عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج سے روایت ہے کہ عباس بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے عبدالرحمٰن بن حکم سے اپنی بیٹی کی شادی کی اور عبدالرحمٰن نے ان سے اپنی بیٹی کی شادی کی، انھوں نے حقِ مہر بھی مقرر کیا مگر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے مروان بن حکم (گورنرِ مدینہ) کو خط لکھ کر حکم دیا کہ وہ ان دونوں کے درمیان جدائی کروا دیں۔ اور اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ یہ نکاح شغار ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ (اس کو احمد اور ابوداود نے بیان کیا ہے)

علمائے کرام رحمہم اللہ نے شغار کی تفسیر اور اسی طرح اس کی صحت میں اختلاف کیا ہے، قاضی شوکانی رحمہ اللہ نے ''نیل الأوطار'' میں فرمایا کہ شغار کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت تو وہ ہے جس کا احادیث میں ذکر ہوا ہے اور وہ ہے دونوں کی طرف سے حقِ مہر سے خالی ہونا، اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں ولیوں میں سے ہر ایک ولی دوسرے پر یہ شرط لگائے کہ وہ اپنی ولیہ کی اس سے شادی

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [1415]

کرے۔ علماء میں سے بعض نے دوسری صورت کے علاوہ پہلی صورت کو شغارِ معتبر جانا ہے اور اس سے منع کیا۔ ابن عبدالبر نے کہا:

''علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نکاحِ شغار جائز نہیں ہے لیکن انھوں نے اس کی صحت میں اختلاف کیا ہے۔''

مگر جمہور اس کے باطل ہونے کے قائل ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے: دخول سے قبل تو نکاح فسخ ہوگا مگر دخول کے بعد نہیں۔ اسی موقف کو ابن المنذر نے امام اوزاعی سے بیان کیا ہے۔ حنفیہ اس کی صحت اور وجوبِ مہر کے قائل ہیں۔ امام زہری، مکحول، ثوری اور لیث رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے اور امام احمد، اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے۔''

ابن القیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' میں کہا ہے:

''اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: شغارِ باطل یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ولیہ کی شادی کرے اس بنا پر کہ وہ دوسرا بھی اپنی ولیہ کی شادی کرے اور ان کے درمیان مہر مقرر نہ ہو، لہٰذا اگر وہ اس کے ساتھ مہر مقرر کر لیں تو ان کے نزدیک مہرِ مسمیٰ کی وجہ سے عقد صحیح ہوگا۔

اور خرقی رحمہ اللہ نے کہا: ''اگر مہر مقرر کر لیں پھر بھی نکاح صحیح نہ ہوگا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ابوالبرکات ابن تیمیہ وغیرہ نے کہا: اور اگر وہ مہر مقرر کریں اور ساتھ ہی یہ کہیں کہ ہر ایک دوسرے کا حقِ مہر پسِ انداز کر دے گا تو نکاح صحیح نہیں ہوگا، اور اگر وہ یہ نہ کہیں تو نکاح صحیح ہوگا۔ انھوں نے ''محرر'' میں کہا: جس کسی نے ولیہ کا نکاح کسی شخص سے اس بنا پر کیا کہ وہ دوسرا بھی اپنی ولیہ کا اس سے نکاح کرے گا، اس نے اس کو قبول کر لیا اس طرح کہ ان دونوں کے درمیان حقِ مہر بھی نہ تھا تو عقد صحیح نہیں ہوگا اور اس کا نام نکاحِ شغار رکھا جائے گا، اور اگر وہ مہر مقرر کریں تو مہرِ مسمیٰ کے ساتھ عقد صحیح ہوگا اور اس پر نص موجود ہے۔

جبکہ خرقی رحمہ اللہ نے کہا: یہ صحیح نہیں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ کہے: ہر ایک کی شرمگاہ دوسری کا حقِ مہر ہے تو نکاح صحیح نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں کہا گیا تو یہ زیادہ صحیح ہے۔''

اس مسئلے میں اختلاف کے پیش نظر ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ بلاشبہ جو صریح شغار ہے اس میں اختلاف نہیں ہے اور وہ یہ کہ ان میں کسی کا حق مہر نہ ہو بلکہ شرمگاہ شرمگاہ کے مقابلے میں ہو، یا قلیل حقِ مہر مقرر کیا جائے تا کہ حیلے کے ذریعے اس نکاح کے بطلان کے حکم سے بچا جا سکے تو ایسا عقد دخول سے قبل یا دخول کے بعد فسخ کر دیا جائے گا۔

شریعتِ اسلامیہ میں شغار کو حرام کیا گیا ہے کیونکہ اس میں ولایت کی ذمہ داریوں اور اس کے تقاضوں سے کھلواڑ ہے جبکہ ولی پر لڑکی کی خیر خواہی کرتے ہوئے محنت کر کے اچھا خاوند، جو اس کے لیے دینی اور دنیاوی سعادتوں کو حاصل کرنے میں معاون ثابت ہو، ڈھونڈنا واجب ہے کیونکہ ولی کی نظر اپنی زیرِ تربیت لڑکی پر مصلحت، رعایت اور اہتمام کی نظر ہے نہ کہ شہوت، تسلط اور غفلت کی نظر، پس وہ اس کی لونڈی، چوپائے یا مملوکہ چیز کے درجے میں نہیں ہے کہ وہ اس کو اپنے ارادے کے حصول کا ذریعہ بنائے بلکہ وہ اس کی گردن میں امانت ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ برابر کے خاوند اور مہرِ مثل کے ساتھ اس کی شادی کا بندوبست کرے، پس ہر ذمہ دار اور راعی سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

اور جب کسی ولی کی طرف سے لڑکی کی مصلحت میں تساہل برتا جائے اور وہ اپنی مصلحت کو اس کی مصلحت پر ترجیح دے، جیسا کہ وہ اس کے بدلے مال طلب کرے یا بیوی تلاش کرے یا اس کو شادی سے اس غرض سے روک کر رکھے کہ کوئی اس کی مراد پوری کرے گا تو وہ اس کی شادی کرے گا، ایسی صورت میں لڑکی پر اس کی ولایت ساقط ہوگی اور ایسا قریبی ولی اس کے مقابلے میں اپنی ذمہ داری ادا کرے گا جو اس کی مصلحتوں پر توجہ دیتا ہو۔

اور سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ بنو حارث وغیرہ کے قبائل میں نکاحِ شغار عام ہو چکا ہے تو اس پر اور ان تمام لوگوں پر، جو مسلمانوں کے مصالح میں غیرت رکھتے ہیں، واجب ہے کہ وہ اپنی زبانوں کے ساتھ اس سے روکیں، اور اگر وہ اس سے باز نہ آئیں تو

ان پر لازم ہے کہ وہ اس معاملے کو حکومت کے ذمہ داروں تک پہنچائیں اور ان شاء اللہ حکومت کے ذمہ داران جلد ہی اس پر ایسے اقدامات کریں گے جس سے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل اور اسلام کی حرمت کی حفاظت اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا یقینی ہو جائے گا۔
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

اگر میں کسی کی بیٹی اور وہ میری بہن سے شادی کرے؟:

سوال میرا ایک قریبی ہے۔ میں اللہ اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق اس کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے پاس ایک لڑکا ہے، میں اللہ اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق اس سے اپنی بہن کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ معلوم رہے کہ حقِ مہر اور دونوں لڑکیوں کا مخصوص حق بھی برابر نہ ہوگا، اور وہ دونوں اس پر راضی ہیں اور ان میں سے کسی کو اس شادی پر مجبور نہیں کیا گیا۔

جواب اگر واقعہ اسی طرح ہے جیسے بیان کیا گیا ہے کہ بلاشبہ دونوں لڑکیاں راضی ہیں اور دونوں کو عملاً بغیر کسی حیلے کے حقِ مہر ادا کیا جائے گا، اور یہ کہ تم دونوں کے درمیان کوئی قولی یا عرفی شرط نہ پائی جاتی ہو جس کا تقاضا یہ ہو کہ وہ اپنی بیٹی اس شرط پر تمھارے نکاح میں دے گا کہ تم اپنی بہن اس کے نکاح میں دو تو اس میں کوئی شرعی ممانعت نہ پائے جانے کی وجہ سے کوئی حرج نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

نکاحِ تحلیل کا حکم:

سوال آپ کے نکتۂ نظر میں نکاحِ حلالہ کے متعلق شریعت کی کیا رائے ہے؟

جواب سب سے پہلے مناسب یہ ہے کہ ہم نکاح تحلیل (حلالہ) کے متعلق بیان کریں کہ وہ کیا ہے۔ نکاحِ تحلیل (حلالہ) یہ ہے کہ کوئی آدمی ایسی عورت سے نکاح کرنے کا قصد کرے جس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہوں، یعنی اس کے خاوند نے اس کو طلاق دی، پھر رجوع کر لیا، پھر طلاق دی، پھر رجوع کر لیا، پھر اس کو تیسری طلاق دے دی، لہٰذا یہ عورت اپنے اس شوہر کے لیے حلال نہیں رہتی جس نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں، الا یہ کہ وہ اس کے علاوہ کسی خاوند سے نکاح کی

رغبت سے شادی کرے، وہ خاوند اس سے مجامعت کرے، پھر وہ موت، طلاق یا فسخِ نکاح کے ذریعے اس سے جدا ہوجائے تو وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہوجائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ﴾

[البقرۃ: 229]

''یہ طلاق (رجعی) دو بار ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھ لینا ہے، یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان تک:

﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾

[البقرۃ: 230]

''تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے تو (پہلے) دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں آپس میں رجوع کر لیں، اگر سمجھیں کہ اللہ کی حدیں قائم رکھیں گے۔''

پس لوگوں میں سے کوئی شخص یہ ارادہ کرے اس عورت کا جس کو اس کے خاوند نے تین طلاقیں دے دی ہیں تو یہ اس عورت سے اس نیت کے ساتھ نکاح کرے کہ جب وہ اس کو پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے گا تو وہ اس کو طلاق دے دے گا، یعنی جب اس سے مجامعت کرے گا تو اس کو طلاق دے دے گا، پھر وہ اس سے عدت گزار کر پہلے خاوند کی طرف لوٹ جائے گی۔ یہ نکاح فاسد نکاح ہے، تحقیق نبی ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کیا جائے ان پر لعنت فرمائی، اور آپ ﷺ نے حلالہ کرنے والے کا نام کرائے کا سانڈھ رکھا کیونکہ وہ اس سانڈھ کی طرح ہے جس کو بکریوں والا مدت متعینہ کے لیے کرائے پر لیتا ہے، پھر اس کے مالک کو واپس لوٹا دیتا ہے۔

وہ آدمی بھی سانڈھ کی طرح ہے جس نے اس عورت کے ساتھ شادی کی اور پھر اس سے جدائی کا مطالبہ کیا گیا۔ یہی ہے وہ نکاح جس کو نکاحِ تحلیل (حلالہ) کہتے ہیں۔ اس کے وقوع کی دو صورتیں ہیں:

1. پہلی صورت یہ ہے کہ عقد کے وقت یہ شرط لگائی جائے اور خاوند سے کہا جائے: ہم تجھ سے اس شرط پر اپنی بیٹی کا نکاح کرتے ہیں کہ جب اس سے مجامعت کر تو تُو اس کو طلاق دے دے گا۔
2. دوسری صورت یہ ہے کہ یہ نکاح شرط کے بغیر واقع ہو مگر نیت یہی ہو۔

اور کبھی یہ نیت خاوند کی طرف سے ہوتی ہے اور کبھی بیوی اور اس کے اولیاء کی طرف سے، پس جب یہ خاوند کی طرف سے ہو تو خاوند ہی وہ شخص ہے جس کے ہاتھ میں جدائی کا اختیار ہے۔ سو اس کے لیے اس عقد کے ذریعے بیوی حلال نہیں ہوگی کیونکہ اس دوسرے خاوند کا مقصد نکاح کرنا نہیں ہے جو کہ بیوی کے ساتھ بقا، الفت، محبت، پاکدامنی اور اولاد کی طلب اور اس کے علاوہ نکاح کی مصلحتوں سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا یہ نکاح ان مقاصد سے خالی ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوگا۔

رہی عورت یا اس کے اولیاء کی نیت تو اس میں علماء کے مابین اختلاف ہے، اور میرے پاس اب کوئی بنیاد نہیں جس سے ثابت ہو کہ کونسا قول زیادہ صحیح ہے؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نکاحِ تحلیل (حلالہ) حرام نکاح ہے، اور ایسا نکاح ہے جس سے بیوی پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوتی کیونکہ یہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوتا۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

مسلمانوں کی بیٹیوں کو غیر مسلموں سے بیاہنے کا حکم:

سوال مسلمانوں کی بیٹیوں کو غیر مسلم سے بیاہنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس نکاح کے متعلق کتاب وسنت اور مسلمانوں کے اجماع کے دلائل کے ساتھ حکم یہ ہے کہ یہ نکاح باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ [البقرة: 221]

''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور یقیناً ایک مومن لونڈی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ تمھیں اچھی لگے، اور نہ (اپنی عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، اور یقیناً ایک مومن غلام کسی بھی مشرک مرد سے بہتر ہے، خواہ وہ تمھیں اچھا معلوم ہو۔ یہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے، اور لوگوں کے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ [الممتحنة: 10]

''نہ یہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان کے لیے حلال ہوں گے۔''

اس وجہ سے کہ عورت کے متعلق خدشہ ہے کہ مرد اس کو اس کے عقیدے سے پھیر دے گا اور عورت مرد سے اس فسادِ عقیدہ کو قبول کر لے گی مگر مرد اس سے اصلاحِ عقیدہ کو قبول نہیں کرے گا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ [البقرة: 221]

''یہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں۔''

یعنی بلاشبہ مشرکین کی یہ عادت ہے کہ وہ ایسے اقوال، اعمال اور اعتقادات کی طرف دعوت دیتے ہیں جو آگ میں داخل ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ اور زوجیت کا تعلق اس دعوت کو دلوں میں اتارنے کا ایک زبردست محرک ہے، لہٰذا اِس کا خاوند اس سے اس وقت تک راضی نہ ہوگا جب تک یہ اس کے دین کی پیروی نہ کرے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ لَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾ [البقرة: 120]

''اور تجھ سے یہودی ہرگز راضی نہ ہوں گے اور نہ نصاریٰ یہاں تک کہ تو ان کی ملت کی پیروی کرے۔''

نیز غیر مسلم کسی صورت میں بھی مسلمان عورت کے جوڑ کا نہیں ہے کیونکہ زوجیت کے حقوق بیوی سے خاوند کے لیے کچھ چیزوں کا تقاضا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ﴾ [النساء: 34]

''مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی۔''

اور جب خاوند کافر اور بیوی مسلمان ہو تو ان میں موافقت اور ملائمت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ [النساء: 141]

''اور اللہ کافروں کے لیے مومنوں پر ہرگز کوئی راستہ نہیں بنائے گا۔''

نیز خاوند اپنی بیوی پر حسی اور معنوی لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے۔ یہ آپ ﷺ کے اس فرمان سے متصادم ہے:

«الإسلام يعلو ولا يعلى عليه»[1]

''اسلام غالب آئے گا اور اس پر غلبہ نہیں پایا جائے گا۔''

اور واجب یہ ہے کہ اس طرح کے معاملے میں پوری صداقت کے ساتھ استقامت اختیار کی جائے اور جن عورتوں کو ایسا کرنے پر ان کے نفسوں نے آمادہ کر رکھا ہے، ان کے خلاف شریعت مطہرہ کے قوانین کے مطابق کارروائی کی جائے، جس عورت نے حلال مان کر کافر سے شادی کی ہے وہ مرتد ہے اور ایسے ہی اس کا ولی۔ اور جس نے اس کو حلال جانے بغیر شادی کی گویا اس نے گناہِ عظیم اور بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے لیکن اس پر

[1] **حسن**. سنن الدارقطني [252/3]

ارتداد کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اس پر رجم کی حد قائم کرنا واجب ہے اگر وہ شادی شدہ رہی ہو، اور اگر کنواری ہو تو کوڑوں اور ایک سال جلا وطنی کی حد قائم کی جائے۔

یہ سزا اُس صورت میں ہے جب اسے حرمتِ نکاح کا علم ہو لیکن اگر وہ شرعی حکم سے ناواقف ہو تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ شبہات کی صورت میں حدود اٹھا لی جاتی ہیں۔ اسی طرح ان دونوں کے درمیان جدائی کرانا واجب ہے، اور خاوند کے حق میں یہ واجب ہے کہ شریعت غراء کے قوانین کے تقاضوں کے مطابق اس کے خلاف کارروائی کی جائے، پس ولیِ امر کو شرعی اور مبنی بر مصلحت نظر وفکر اور جدائی کے معاملے میں اجتہاد کرنا چاہیے جو اس قسم کے لوگوں پر نافذ ہو سکے، حتی کہ اگر مصلحت اس امر کا تقاضا کرتی ہو کہ ان کو قتل کی سزا دی جائے تو ان کو ایسے کرنے کا حق ہے، اور اس طرح کے معاملات شریعتِ اسلامیہ میں جائز ہیں۔ (محمد بن ابراہیم)

زنا کے نتیجے میں حاملہ ہونے والی عورت سے نکاح کا حکم:

سوال ایک ایسی بیوہ عورت سے نکاح کرنے کا کیا حکم ہے جو زنا کی وجہ سے حاملہ ہے اور اسے آٹھواں مہینہ لگا ہوا ہے؟ کیا یہ عقد باطل، فاسد یا صحیح ہوگا؟ ہمارے ہاں کے دو علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے، ان میں سے ایک نے اس عقد کو باطل قرار دیا ہے جبکہ دوسرا اِس کو صحیح کہتا ہے مگر اس نے اس عورت سے شادی کرنے والے پر وضع حمل سے پہلے وطی کو حرام قرار دیا ہے۔

جواب جب کوئی شخص زنا کے نتیجے میں حاملہ ہونے والی عورت سے نکاح کرے گا تو اس کا نکاح باطل ہوگا: ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ [البقرۃ: ۲۳۵] لٰہذا مرد پر اس سے وطی کرنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ عمومی قول ہے:

﴿ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ [البقرۃ: 235]

''اور نکاح کی گرہ پختہ نہ کرو یہاں تک کہ لکھا ہوا حکم اپنی مدت کو پہنچ جائے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق: 4]

''اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں۔''

اور نبی ﷺ کا یہ عمومی قول ہے:

«لا يحل لا مرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقي ماءه زرع غيره» [1]

''کسی شخص کو، جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی کھیتی کو پانی پلائے۔''

(اس کو ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے)

اور اس کے قائل امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ ہیں امام شافعی سے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت میں یوں مروی ہے کہ یہ عقد درست ہوگا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مذکورہ احادیث کی وجہ سے اس پر وضعِ حمل سے پہلے وطی کرنا حرام قرار دیا ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس سے وطی کرنا جائز قرار دیا ہے کیونکہ زنا کے پانی کی کوئی حرمت نہیں ہے اور نہ ہی بچے کو زانی کی طرف منسوب کیا جائے گا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«و للعاهر الحجر» [2] ''زانی کے لیے پتھر ہیں۔''

اس طرح بچے کو اس عورت سے نکاح کرنے والے کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جائے گا کیونکہ عورت اس کے لیے حمل کے بعد فراش بنی ہے۔

لہٰذا مذکورہ بحث سے شیخین کے درمیان اختلاف کا سبب واضح ہوگیا ان میں سے ہر ایک نے وہی حکم لگایا ہے جو اس امام کا قول ہے جس کا وہ مقلد ہے لیکن درست موقف پہلا ہی ہے مذکورہ دو آیتوں کے عموم اور ان احادیث کی وجہ سے جو اس کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کا حکم:

سوال آدمی کا اپنے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کا کیا حکم ہے؟ دلائل کے ساتھ

---

[1] **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [2158]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1948] صحيح مسلم، رقم الحديث [1457]

وضاحت فرما کر ہمیں فائدہ پہنچایئے کیونکہ ہمیں اس کی اشد ضرورت ہے۔

جواب آدمی کے لیے ایک سے زیادہ چار تک بیویوں سے نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسے اپنے دل میں وثوق ہو کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل و انصاف کر سکے گا اور ظلم سے بچا رہے گا لیکن اس پر چار سے زیادہ بیویاں اپنے نکاح میں کرنا حرام ہے، دلیل اس کی کتاب اللہ، سنت رسولِ اللہ اور اجماعِ امت ہے۔

جہاں تک کتاب اللہ سے اس کے جواز کی دلیل ہے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ [النساء: 3]

''اور اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہیں کرو گے تو (اور) عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے، پھر اگر تم ڈرو کہ عدل نہیں کرو گے تو ایک بیوی سے یا جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہیں (یعنی لونڈیاں۔)''

پس اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کو اجازت دی ہے جو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا ارادہ رکھتا ہو کہ وہ (جس کو ظلم کرنے کا ڈر نہ ہو) چاہے تو دو شادیاں کر لے، چاہے تو تین کر لے اور اگر چاہے تو چار شادیاں کر لے مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو چار سے زیادہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ شرمگاہوں میں اصل حرمت ہے، لہٰذا وہ انھی حدود کے اندر رہ کر جائز ہیں جو اللہ نے بیان کی ہیں اور جس کی اجازت دی ہے، اور اللہ نے چار بیویوں سے زیادہ کو جمع کرنے کی اجازت نہیں دی، پس جو ان سے زائد ہوں گی وہ اصل حرمت پر باقی رہیں گی۔

رہا سنت سے اس کا ثبوت تو وہ یہ ہے جس کو ابو داود اور ابن ماجہ نے قیس بن حارث سے روایت کیا ہے کہ قیس نے بیان کیا جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھی۔ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس مسئلے کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اختر منهن أربعا))[1] ''ان میں سے چار کا انتخاب کر لے۔''

[1] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [2241]

نیز وہ روایت جس کو احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطے روایت کیا ہے ، فرماتے ہیں کہ غیلان ثقفی نے اسلام قبول کیا تو ان کے پاس زمانۂ جاہلیت میں دس بیویاں تھیں جو کہ ان کے ساتھ ہی مسلمان ہوگئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ ان میں سے چار کا انتخاب کر کے رکھ لو۔[1] اس روایت کو ابن حبان اور حاکم نے بھی بیان کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ اربعہ اور تمام اہلِ سنت والجماعت کا اس پر قولاً اور عملاً اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی آدمی کے لیے اپنے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں ہے، لہٰذا جس نے اس کی رغبت کی اور چار سے زیادہ بیویوں کو اپنے نکاح میں جمع کیا، بلاشبہ اس نے کتاب اللہ اور سنتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور اہلِ سنت والجماعت سے علیحدہ ہوگیا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

طلاق، خلع اور ظہار کے مباح ہونے کی حکمت

حدیث« أبغض الحلال إلى الطلاق » کی صحت کا بیان:

سوال کیا حدیث« أبغض الحلال إلى الله الطلاق » صحیح ہے؟

جواب یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور« أبغض الحلال إلى الله »[2] کو معنی کے اعتبار سے بھی ہم صحیح نہیں کہہ سکتے کیونکہ جو چیز اللہ کے ہاں مبغوض ہو اس کا حلال ہونا ممکن نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتے کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق دے، لہٰذا طلاق میں اصل کراہت اور ناپسندیدگی ہے اور اس کی دلیل کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ طلاق کو پسند نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو ان لوگوں کے متعلق ہے جو اپنی بیویوں سے ایلا کر لیتے ہیں:

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُ وْ فَاِنَّ

[1] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [1128]

[2] **ضعيف**. سنن أبي داود، رقم الحديث [2178]

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾
[البقرة: 226,227]

''اور ان لوگوں کے لیے، جو اپنی عورتوں سے قسم کھا لیتے ہیں، چار مہینے انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور اگر طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

ان کے رجوع کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے گا اور ان کو معاف کر دے گا۔

اور ان کے عزمِ طلاق پر یہ ارشاد فرمانا:

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے طلاق کا عزم کرنا پسند نہیں فرماتا۔

اور جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ طلاق میں کیا قباحتیں ہیں، یعنی اس سے عورت کا دل ٹوٹتا ہے اور اگر بچے ہوں تو خاندان بکھر جاتا ہے، (اور جو چیز طلاق کی طرف لے جاتی ہے) اس سے نکاح (پر مرتب ہونے والی) مصلحتیں فوت ہو جاتی ہیں، لہٰذا اس بنا پر طلاق اصلاً مکروہ ہوگی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

طلاق کے مباح ہونے کی حکمت کا بیان:

سوال عورت کی طلاق کب معتبر ہوگی؟ اور طلاق کے مباح ہونے میں کیا حکمت پنہاں ہے؟

جواب عورت کی طلاق تب معتبر ہوگی جب اس کا خاوند اس کو اس حال میں طلاق دے کہ وہ عاقل اور مختار ہو اور اس میں وقوعِ طلاق کی رکاوٹیں، مثلاً: جنون، نشہ وغیرہ نہ ہوں (یا) عورت ایسے طہر میں ہو جس میں مرد نے اس سے مجامعت نہ کی ہو یا حاملہ یا حیض سے مایوس ہے لیکن جب مطلقہ حائضہ یا نفاس والی یا ایسے طہر میں ہوگی جس میں شوہر نے اس سے مجامعت کی ہے اور وہ حاملہ اور آئسہ بھی نہیں ہے تو علماء کے

اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی، الا یہ کہ شرعی قاضی اس کے وقوع کا فیصلہ کر دے، پس اگر وہ وقوعِ طلاق کا فیصلہ دے دے تو طلاق واقع ہوجائے گی کیونکہ اجتہادی مسائل میں قاضی کا فیصلہ اختلاف دور کرنے والا ہوتا ہے۔

ایسے ہی اگر شوہر مجنون ہو یا اس کو طلاق دینے پر مجبور کیا گیا ہو یا نشے کی حالت میں ہو اگرچہ وہ اہل علم کے صحیح قول کے مطابق گناہ گار ہوگا یا اس کو اتنا شدید غصہ آئے جو اس کو طلاق کے نقصانات سمجھنے سے روک دے اور اس کے واضح اسباب موجود ہوں جو اس بات کی تائید کرتے ہوں کہ اس نے جو شدت غضب کا دعویٰ کیا ہے جس پر اس کی مطلقہ بیوی کی تصدیق یا کوئی اور معتبر اور واضح شہادت بھی موجود ہو، وہ دعویٰ صحیح ہے تو اس صورت میں مرد کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

« رفع القلم عن ثلاث: الصغير حتى يبلغ، والنائم حتى يستيقظ، والمجنون حتى يفيق»[1]

''تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: بچے سے حتی کہ وہ بالغ ہوجائے، سونے والے سے حتی کہ وہ بیدار ہوجائے اور مجنون سے حتی کہ اس کا جنون ختم ہوجائے۔''

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے:

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ [النحل: 106]

''جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔''

جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو جو طلاق پر مجبور کیا جائے اس کو بدرجۂ اولیٰ طلاق دینے والا نہیں سمجھا جائے گا بشرطیکہ اس کے طلاق دینے کا سبب صرف جبر و اکراہ ہو۔

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [4398]

اور نبی ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے:

«لا طلاق ولا عتاق في إغلاق» [1]

''غصہ کی حالت کی طلاق اور آزادی کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔''

(اس کو احمد، ابو داود اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے)

اہلِ علم کی ایک جماعت نے، جس میں امام احمد رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، ''الإغلاق'' کی تفسیر ''اکراہ اور شدید غصہ'' سے فرمائی ہے۔ خلیفۂ راشد عثمان رضی اللہ عنہ اور اہلِ علم کی ایک جماعت نے فتویٰ دیا کہ نشے باز آدمی کی طلاق واقع نہیں ہوئی، جب نشے نے اس کی عقل کو بدل دیا ہو، اگرچہ وہ گناہ گار ہے۔

رہی طلاق کے مباح ہونے کی حکمت تو یہ ایک واضح بات ہے کیونکہ بعض اوقات عورت مرد کے موافق اور مناسب نہیں ہوتی، اور وہ متعدد اسباب کی وجہ سے اکثر اس کو ناپسند کرتا ہے، جیسے: عقل کی کمزوری، دین کی کمزوری اور بدتمیزی وغیرہ، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کو طلاق دے کر اپنی زوجیت سے نکال دینے میں مرد کے لیے وسعت پیدا کر دی اور فرمایا:

﴿ وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ﴾ [النساء: 130]

''اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے غنی کر دے گا۔'' (ابن باز رحمہ اللہ)

حواس باختہ شخص کی دی ہوئی طلاق کا حکم:

سوال ایک شخص کا اپنی بیوی سے سخت جھگڑا ہوا حتی کہ اس کی عقل متغیر ہوگئی، اس نے اپنی بیوی سے کہا: تجھے تین طلاقیں ہیں۔ کیا اس کی بیوی کو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

جواب جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے کہ مرد کو اپنے کہے کی ہوش نہ ہو تو اس سے کچھ واقع نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

طلاق تو دی مگر بیوی کا نام وغیرہ ذکر نہ کیا:

سوال ایک آدمی کو غصہ آیا تو اس نے کہا: ''طالق'' اور اس نے اپنی بیوی کا نام ذکر نہیں

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [2193]

کیا۔ کیا اس سے طلاق واقع ہوگی؟

جواب اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

خاوند کا بیوی کو کہنا: ''ہمارا معاہدہ ختم ہوگیا۔''

سوال ایک سائلہ کہتی ہے: اگر خاوند بیوی سے کہے: ہمارے درمیان جو عہد تھا وہ ختم ہوگیا۔ کیا اس سے طلاق واقع ہوجائے گی؟

جواب اگر اس نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر اس نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ الفاظ کنائی الفاظ سے ہیں، ان الفاظ کے بولنے والے کی نیت کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

(محمد بن عبد المقصود)

مرد کا بیوی کو اپنے پر حرام کرنے کا حکم:

سوال ایک آدمی نے اپنی بیوی سے جھگڑا کیا اور اس کو مارا، بیوی نے اس کو کہا: مجھے طلاق دے دو، مرد نے کہا: تُو مجھ پر حرام ہے۔ کیا وہ حرام ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب شوہر کا بیوی کو یہ کہنا: تُو مجھ پر حرام ہے، سو اس میں علماء کے دو قول ہیں:

1. پہلا قول یہ ہے کہ مرد پر ظہار کا کفارہ لازم ہوگا، لہٰذا جب وہ کفارہ ادا کرے گا تب بیوی اس کو اپنے پاس آنے دے گی۔
2. دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔

اور علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بیوی پر واجب ہے کہ وہ مرد کو اپنے پاس آنے دے۔ واللہ اعلم (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

شدید غصے اور نشے کی حالت میں دی ہوئی طلاق کا حکم:

سوال میں نے اپنی بیوی کو تین متفرق طلاقیں دے دیں، پہلی طلاق نشے کی حالت میں ناراضگی اور غصے کی بنا پر اور دوسری دو طلاقیں شدید غصے کے نتیجے میں۔ معلوم رہے کہ ہمارے درمیان الفت و محبت موجود ہے۔ کیا عورت کی واپسی نہیں ہوسکتی؟ جواب

سے نواز کر عنداللہ ماجور ہوں۔

جواب اولاً: سائل نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، پس پہلی طلاق کے متعلق وہ کہتا ہے کہ وہ نشے اور غصے کی حالت میں تھا اور دوسری طلاق شدید غصے کی حالت میں دی، اور تیسری طلاق بھی شدید غصے کی حالت میں ہی دی۔

وہ سوال کرتا ہے کیا اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی ہے؟ میں اس سے استفسار کرتا ہوں کیا اس نے اس کو طلاق سمجھا کہ نہیں؟ کیا اس نے بذات خود اس کو طلاق اعتبار کیا یا نہیں؟ حالتِ نشہ میں دی ہوئی طلاق میں علماء کا اختلاف ہے، ان میں سے بعض نے کہا: اس کے عقل سے بیگانہ ہونے کی وجہ سے اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ ان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ بطورِ سزا طلاق واقع ہو جائے گی، جبکہ راجح قول یہ ہے کہ اس کی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ وہ غیر عاقل ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟

رہی سزا تو بلاشبہ ہم اس کو کوڑوں کی سزا دیں گے، مثلاً: پہلی مرتبہ شراب پینے پر ہم اس کو کوڑے ماریں گے، جب دوسری مرتبہ شراب پیے گا ہم پھر اسے کوڑے ماریں گے، جب تیسری مرتبہ شراب پیے گا ہم پھر اسے کوڑے ماریں گے اور جب وہ چوتھی مرتبہ شراب پیے گا تو ہم اس کو قتل کر دیں گے کیونکہ صحیح حدیث میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《 من شرب الخمر فاجلدوه، ثم إن شرب فاجلدوه، ثم إن شرب فاجلدوه، ثم إن شرب فاقتلوه 》[1]

”جو شراب پیے اس کو کوڑے لگاؤ، پھر اگر شراب پیے تو اس کو کوڑے مارو، پھر اگر شراب پیے تو اس کو کوڑے لگاؤ، پھر اگر شراب پیے تو اس کو قتل کر دو۔“

آپ ﷺ نے چوتھی مرتبہ شراب پینے پر اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کیا یہ قتل کرنے والا حکم منسوخ ہے یا محکم؟ بعض نے کہا: بلاشبہ وہ منسوخ ہے، یہ بھی کہا گیا ہے، بلاشبہ وہ محکم ہے لیکن مقید ہے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ بلاشبہ وہ محکم مقید ہے لیکن کس کے ساتھ مقید ہے؟ جب

[1] **صحیح**. سنن النسائي، رقم الحديث [5661]

لوگ بغیر قتل کرنے کے شراب نوشی سے باز نہ آئیں تو چوتھی مرتبہ شراب نوشی پر اس کو قتل کر دیا جائے گا، لیکن جب لوگوں کا قتل کیے بغیر شراب نوشی سے بچنا ممکن ہو تو ہم اس کو قتل نہیں کریں گے۔ اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے۔

اور وہ لوگ جنھوں نے کہا ہے: جب اس کو تین مرتبہ کوڑے مارے جا چکیں تو چوتھی مرتبہ اس کو مطلقاً قتل کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ اہلِ ظاہر ہیں، جیسے ابن حزم اور جو اُن سے پہلے یا بعد کے ہیں۔ اور جنھوں نے کہا کہ یہ حکم منسوخ ہے وہ جمہور اہلِ علم ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ نسخ کا قائل ہونا دو شرطوں کے بغیر جائز نہیں ہے:

1. پہلی شرط جب: (دو بظاہر متعارض روایتوں کا) جمع ممکن نہ ہو۔
2. دوسری شرط: ناسخ کے مؤخر ہونے کا علم ہو۔

پس جب تک جمع ممکن ہو نسخ ممنوع ہوتا ہے کیونکہ جب نصوص میں توافق اور جمع ممکن ہو تو ان تمام میں توافق اور جمع واجب ہوگا تاکہ ہم بعض کو ملغی نہ کریں، اور جب تاریخ معلوم نہ ہو تو توقف کرنا واجب ہوگا کیونکہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ دوسری کو منسوخ کرنا اس کو چھوڑنے سے اولیٰ ہے۔

اور دوسری طلاق کے متعلق سائل کہتا ہے کہ اس نے شدید غضب کی حالت میں طلاق دی اور غضب کے تین درجے ہیں: ابتدائی، درمیانی اور انتہائی۔

1. پہلا درجہ یہ ہے کہ غصہ ہلکا سا ہو جس میں انسان کو اپنی کہی ہوئی بات کی سمجھ آئے اور اسے اپنے نفس پر کنٹرول ہو تو اس کا کوئی اثر نہیں، یعنی اس قسم کے غصے والا اپنے کلام پر احکام مرتب ہونے کے اعتبار سے اس شخص کی طرح ہے جس کو غصہ نہ آیا ہو۔
2. دوسرا درجہ درمیانے غصے کا ہے جو (غصے میں) انتہا کو نہ پہنچا ہو لیکن اس غصے والے کو اپنے نفس پر قابو نہیں ہوتا، گویا کہ کسی چیز نے اس پر بوجھ ڈالا تو اس نے طلاق کا لفظ بول دیا۔
3. تیسرا درجہ انتہائی ہے جس درجے کا غصہ کرنے والا مطلقاً نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ اسے یہ علم نہیں رہتا کہ وہ زمین میں ہے یا آسمان میں، اور اس قسم کے غصے میں بعض عصبی مزاج لوگ مبتلا ہوتے ہیں کہ جب وہ غضبناک ہوتے ہیں تو نہیں

جانتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور ان کو اپنے اوپر قابو نہیں رہتا، اور ان کو اپنی بھی خبر نہیں رہتی کہ وہ زمین پر ہیں یا آسمان میں حتی کہ ان کو یہ تک خبر نہیں رہتی کہ یہ جو ان کے پاس ہے ان کی بیوی ہے یا بازار کا کوئی آدمی؟

غصے کے یہی تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ: اس قسم کا غصہ کرنے والے کے احکام غصے سے خالی شخص کے احکام کی طرح ہیں، کیونکہ یہ ایسا غصہ ہے جس پر مواخذہ کیا جاتا ہے۔

اور انتہائی مرتبہ کے متعلق علماء کا اجماع ہے کہ غصہ کرنے والے کے قول و اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ وہ لغو ہے کیونکہ ایسے شخص کو سرے سے شعور ہی نہیں ہوتا، لہٰذا اس کا کلام مجنون آدمی کے کلام کی طرح ہے۔

اور درمیانہ مرتبہ جس میں انسان کو یہ شعور اور تصور ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے لیکن اس کو اپنے اوپر کنٹرول نہ ہو، گویا کسی چیز نے اس کو ایسا غصہ دلایا کہ وہ طلاق کا لفظ منھ سے ادا کر دے۔ غصے کی اس قسم میں علماء کا اختلاف ہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس حالت میں طلاق واقع نہ ہوگی، دلیل نبی ﷺ کا وہ فرمان ہے:

« لا طلاق في غلاق »[1] ''غصے کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔''

نیز اگر آدمی کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے اور وہ اکراہ کے نتیجے میں طلاق دے دے تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی، یہ بھی اکراہ ہی کی ایک صورت ہے لیکن یہ اکراہ باطنی امر کی وجہ سے ہے جس کا ظہور لازمی ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اے میری بیوی! اگر تُو اپنے خاندان کے پاس رہے گی تو میری بیوی ہرگز نہ ہوگی:

سوال جب میں نے اپنے شہر سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو میری بیوی نے انکار کیا، مانی تو اس شرط پر کہ وہ اپنے خاندان والوں کے پاس رہے گی، چونکہ اس کے خاندان والے دین سے بے رغبتی رکھتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم اگر تو ان کے پاس رہے گی تو تُو میری بیوی ہرگز نہ ہوگی، لیکن وہ انھی کے ساتھ رہی۔ کیا یہ تین طلاق معتبر ہوگی؟ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے؟

---

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [2193]

جواب قبل اس کے کہ میں اس سوال کا جواب دوں میں یہ چاہوں گا کہ خاوندوں کو نصیحت کروں کہ وہ (لفظ) طلاق بولنے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کیا کریں کیونکہ یہ بڑا سنگین معاملہ ہے۔ نکاح کا مسئلہ عقود میں سب سے سنگین مسئلہ ہے، تمھیں ایسا کوئی عقد نہیں ملے گا جس میں شریعت نے اس قدر اعتنا برتا ہو اور جس کی ابتدا و انتہا اور عقد و فسخ میں احتیاط کی تعلیم دی ہو جتنی کہ نکاح کے مسئلے میں محتاط ہونے کی تعلیم دی ہے کیونکہ اس پر میراث، انساب، سسرالی رشتے اور بہت سے معاشرتی مسائل مرتب ہوتے ہیں، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ اس کی متعدد شرطیں ہیں۔

پس انسان کا معمولی بات پر آپے سے باہر ہونا اور طلاق دینا اس کی بیوقوفی سمجھی جائے گی۔ کتنے ہی وہ لوگ ہیں جو طلاق دیتے ہیں اور پھر ہر عالم کی چوکھٹ کے چکر لگاتے ہیں کہ شاید چھٹکارے کی کوئی راہ نکل آئے اور (اپنے اس کرتوت پر) نادم ہوتے ہیں، لہٰذا میری نصیحت ہے کہ ان امور میں ہم جلد بازی نہ کیا کریں۔

اسی وجہ سے یہ بات شارع کی حکمت تصور ہوتی ہے کہ اس نے اپنی حائضہ بیوی کو طلاق دینا انسان پر حرام قرار دیا ہے کیونکہ وہ اس سے مجامعت کی رکاوٹ کی وجہ سے اس کو ناپسند کرتا ہے اور کہتا ہے: یہ رکاوٹ ہم پر لمبی ہوگئی لہٰذا وہ اس کو طلاق دے دیتا ہے۔ اسی لیے شارع نے اس کو حیض کی حالت میں طلاق دینے سے منع کیا ہے، اور اس طہر میں بھی طلاق دینے سے روکا ہے جس میں اس سے مجامعت کر لی ہو، اس لیے کہ ممکن ہے کہ جنین کی نشاۃ ہو رہی ہو اور یہ اس سے بے خبر ہو، اور اس لیے بھی کہ جب اس نے آخری مرتبہ مجامعت کی تو اس کی شہوت کمزور پڑ گئی اور وہ بیوی میں اتنی رغبت نہ رکھتا ہو جتنی کہ وہ شخص رغبت رکھتا ہے جو ایک عرصے سے علیحدہ رہنے والا ہے، لہٰذا انسان کو مسئلہ طلاق میں سنجیدگی اختیار کرنا چاہیے۔

لیکن اگر اس کو اس قسم کا مسئلہ درپیش ہو اور اس نے اپنی بیوی سے کہا ہو: اگر تُو وہاں جائے تو تُو میری بیوی نہیں ہے یا میں نے تجھے طلاق دے دی یا اس قسم کے طلاق کے صریح یا کنائی الفاظ بولے تو ہم اس کی نیت کی طرف رجوع کریں گے اور اس سے

سوال کریں گے کہ کیا تم اپنے اس کلام سے طلاق دینے کا ارادہ رکھتے ہو؟ یعنی جب تمھاری بیوی اس مسئلے میں تمھاری مخالفت کرے تو تم اس سے بے رغبتی کرو گے اور اس کو نہ چاہو گے یا اس کلام سے تمھارا مقصد صرف اس کو ڈانٹنا اور منع کرنا ہے؟ اور (ہم کہتے ہیں): جب وہ اس حالت میں تمھاری مخالفت کرے گی تو وہ طلاق یافتہ نہ ہوگی، لیکن تم پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا کیونکہ اس صیغے کا حکم قسم کا حکم ہے، اور اس مسئلے میں قدرے تفصیل ہے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ایک ماہ کی طلاق کا حکم:

سوال کیا حکم ہے اس ایک طلاق کا جو ایک لفظ کے ساتھ محدود مدت کے لیے دی گئی، یعنی خاوند اپنی بیوی سے کہتا ہے: تجھے ایک ماہ کے لیے طلاق۔ کیا یہ طلاق واقع ہوجائے گی؟ اور کیا مرد گناہگار ہوگا اگر وہ مہینہ گذرنے سے پہلے بیوی کے پاس چلا جائے؟ معلوم رہے کہ وہ اس مدت میں اپنے خاوند کے گھر سے باہر نہیں نکلی۔

جواب ہاں، طلاق واقع ہوجائے گی اور یہ ایک رجعی طلاق ہوگی، یعنی مرد کو عدت کے اندر عورت کو واپس لینے کا حق ہوگا۔ طلاق وقت کے ساتھ محدود نہیں ہوتی، مثلاً: کوئی شخص کہے: تجھے ایک مہینہ یا ایک سال کے لیے طلاق، لہٰذا جب طلاق دے دی جائے گی تو وہ کسی وقت کے ساتھ محدود نہ ہوگی کہ اس وقت کے گذرنے سے طلاق ختم ہوجائے لیکن جب یہ طلاق تین سے نیچے اور بلاعوض ہو تو مرد کو یہ حق ہے کہ وہ اس کی عدت کے اندر اندر اس سے رجوع کرلے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

کسی شخص کا اپنے اور اپنے نفس کے درمیان بیوی کو طلاق دینے کا حکم:

سوال ایک آدمی لمبا عرصہ اپنی بیوی سے غائب رہا، اور اس نے اپنے اور اپنے نفس کے درمیان اس کو طلاق دے دی مگر بیوی کو اس بات کی خبر نہ دی، کیا ایسی طلاق واقع ہوجائے گی؟

جواب طلاق واقع ہوجائے گی اگرچہ بیوی کو نہ پہنچی ہو۔ جب انسان طلاق کا لفظ بول دے اور یوں کہے: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو بیوی پر طلاق واقع

ہوجائے گی، خواہ بیوی کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ بالفرض اگر اس عورت کو تین ماہواریاں گزرنے کے بعد طلاق کا علم ہوا تو اس کے نہ جاننے کے باوجود اس کی عدت مکمل ہوجائے گی۔ اور اسی طرح اگر ایک شخص وفات پاجائے اور اس کی بیوی کو اس کی موت کا علم نہ ہو مگر عدت گذرنے کے بعد تو بلاشبہ اس وقت اس پر عدت نہ ہوگی کیونکہ مدتِ عدت ختم ہونے سے عدت مکمل ہوگئی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

شادی سے قبل مرد کا کہنا: اگر عورت نے شادی کے بعد ایسا کہا تو اس کو طلاق:

سوال الحمد للہ، میں ایک شادی شدہ نوجوان ہوں لیکن میری شادی سے چوبیس گھنٹے سے کچھ کم پہلے میرے اور دلہن کے گھروالوں کے درمیان بعض چغل خوروں اور حاسدوں کی وجہ سے سخت اختلاف ہوگیا جس نے مجھے شدید غصہ دلایا، اور شادی سے قبل بیوی کے متعلق مجھ سے ایک غلطی کروا دی وہ اس طرح کہ میں نے منگیتر کا قصد وارادہ کرکے ایک جملہ بولا جبکہ ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی: اگر اس نے شادی کے بعد یہ کام کیا تو اس کو طلاق ہوگی۔ شادی ہوجانے کے بعد ہمارے درمیان بہت سی مفاہمت پیدا ہوگئی اور موافقت اس حد تک بڑھ گئی کہ میں نے خود ہی اس کو وہ کام کرنے کی اجازت دے دی۔ کیا اس سے طلاق پڑ جائے گی یا نہیں؟ اور مجھ پر اس سلسلے میں کیا واجب ہوگا؟ معلوم رہے کہ میری بیوی اس موضوع کے متعلق اور جو کچھ میں نے اس کے متعلق شادی سے پہلے کہا، کچھ نہیں جانتی تھی بلکہ میں اس کو خبر دینے سے ہمیشہ ڈرتا ہی رہتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری ازدواجی زندگی میں تلخیاں پیدا ہوجائیں۔

جواب بلاشبہ تم نے جو ذکر کیا کہ تم نے جو طلاق کو معلق کیا (یعنی) اس عورت کی طلاق کو بعض کاموں میں سے کسی کام کے کرنے کے ساتھ معلق کیا تو اس کا کوئی اثر نہیں ہے کیونکہ ایسا عقدِ نکاح سے پہلے ہوا جبکہ طلاق عقد کے بعد ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ

فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ [البقرة: 237]

''اور اگر تم انھیں اس سے پہلے طلاق دے دو کہ انھیں ہاتھ لگاؤ اس حال میں کہ تم ان کے لیے کوئی مہر مقرر کر چکے ہو تو تم نے جو مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف (لازم) ہے مگر یہ کہ معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔''

پس اللہ نے نکاح کے بعد طلاق رکھی ہے، اور اس لیے بھی کہ طلاق گرہ کے کھولنے کا نام ہے، اور گرہ کا کھلنا گرہ کے لگنے کے بعد ہی متصور ہوتا ہے۔ اس بنا پر تیری بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی اگرچہ اس نے وہ کام کیا جس کام کے ساتھ آپ نے طلاق کو معلق کیا تھا۔ لیکن تم پر اس طرح کے عمل کی وجہ سے قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

اور یہ اس لیے کہ قسم بیوی کے علاوہ پر بھی منعقد ہو جاتی ہے۔ جب اس نے وہ کام کیا جس کے کرنے پر تم نے طلاق دینے کی قسم کھائی تھی تو اس سے تجھ پر کفارۂ قسم لازم ہوگا، اور قسم کا کفارہ یہ ہے: دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک گردن کا آزاد کرانا اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین دن کے مسلسل روزے رکھنا۔

کھانا کھلانے کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو آپ صبح یا شام کا کھانا تیار کر کے ان دس مسکینوں کو بلا کر کھانا کھلا دیں یا ان کو چاول وغیرہ کھلا دیں، ان کی مقدار چھ کلو ہو اور اس کے ساتھ گوشت بھی ہو جس کا سالن بن سکتا ہو۔ رہا لباس تو ان میں سے ہر ایک کو عادت کے مطابق ثوب، پاجامہ اور غترہ یا اس جیسی کوئی اور چیز دے۔ کیونکہ اللہ نے مطلق ''کسوۃ'' کا ذکر کیا ہے، لہٰذا اِس معاملے میں عرف عام کی طرف رجوع کیا جائے گا، رہا گردن آزاد کرنا تو ایک مملوک غلام کو، خواہ مذکر ہو یا مؤنث، آزاد کرنا ہے۔ اگر تمھارے پاس اس کی طاقت نہ ہو، یعنی اتنا مال نہ ہو کہ جس سے کھانا کھلا سکو یا کپڑے پہنا سکو یا گردن آزاد کرا سکو تو اس صورت میں تم پر لازم ہے کہ تین دن کے مسلسل روزے رکھو۔

اور آخر پر اے میرے بھائی! میں تم کو اور دوسروں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ طلاق

دینے اور اس کو زبان پر لانے میں تساہل کا مظاہرہ نہ کیا کرو کیونکہ یہ ایک سنگین معاملہ ہے حتی کہ اہلِ علم کہتے ہیں: جب مرد اپنی بیوی سے کہے کہ اگر تو نے ایسا کیا تو تم کو طلاق، پھر اگر اس کی بیوی نے ویسے کیا تو اسے طلاق ہو جائے گی، لہٰذا عقلمند کو چاہیے کہ وہ ان امور میں عجلت سے کام نہ لیا کرے بلکہ صبر کرے اور غور وفکر کرے۔ اگر وہ اپنی بیوی کو اس عمل سے باز رکھنا چاہتا ہے تو اس کو ''اگر تم نے ایسا کام کیا تو تم کو طلاق'' کہنے کی بجائے: کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرے۔ واللہ المستعان (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

میں نے بیوی کو طلاق دینے کا اپنے ایک رشتہ دار کے ذریعے وکالت نامہ تیار کیا، پھر اس میں تردد کی وجہ سے رک گیا۔ کیا اس طرح میری بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی؟

سوال میں نے اپنے ملک سے عراق کا سفر کیا جب کہ میرے اور میری بیوی کے درمیان غلط فہمی اور غصہ تھا جس کے نتیجہ میں وہ گھر چھوڑ کر میکے چلی گئی اور میں عراق چلا گیا۔ عراق میں دورانِ قیام میری نیت تھی کہ میں اس کو طلاق دے دوں گا، اور عملاً میں نے اپنے قریبی رشتے دار کے نام عورت کو طلاق دینے کا وکالت نامہ تیار کیا لیکن غور وفکر اور وکالت نامہ بھیجنے میں پیدا ہونے والے تردد اور جدائی پر دو سال گزرنے کے بعد۔ کیا میری بیوی میری واپسی پر مطلقہ ہو جائے گی؟ کیونکہ میری نیت اس کو طلاق دینے کی تھی۔ دوسری بات یہ کہ جب میں مصر لوٹوں گا اور اس سے رجوع کرنا چاہوں گا تو کیا پہلے طلاق دوں اور پھر اس سے رجوع کرلوں؟ یا یہ کہ میری نیت نافذ نہیں ہوگی کیونکہ جب میں نے اس کو طلاق دینے کی نیت کی تھی تب میں غصے میں تھا؟

جواب انسان کو چاہیے کہ وہ جو کام بھی کرنا چاہے اس میں عقل وشعور سے کام لے، خاص طور پر بیوی کو طلاق دینے والے سنگین معاملے میں، اور تب تک کسی کام پر اقدام نہ کرے جب تک وہ اس کے نتائج اور تصرف کو استعمال کرنے کے بعد حاصل ہونے والے نتائج پر نظر وفکر نہ کرلے۔

اور سائل نے ذکر کیا کہ یقیناً اس نے عزم کر لیا تھا کہ وہ کسی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے وکیل بنائے مگر اس طرح کا عزم اور نیت اگرچہ وہ پختہ ہی کیوں نہ ہو اس سے

طلاق نہیں ہوتی ہے کیونکہ طلاق خاوند یا اس کے وکیل کے طلاق بولنے سے واقع ہوتی ہے، اور سائل کے سوال کے مطابق نہ اس نے طلاق کا لفظ بولا اور نہ ہی اس شخص نے بولا جس کو وہ طلاق کا وکیل بنانا چاہتا تھا۔

اس بنا پر بیوی اس کی زوجیت میں باقی ہے اور اس کو مصر آنے کے بعد طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ طلاق کا سبب غلط فہمی اور غصہ تھا اور وہ اب جاتا رہا ہے، لہٰذا اب اس کو طلاق دینے کی ضرورت نہیں، وہ بدستور اس کی زوجیت میں ہے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ تو کرے مگر نہ طلاق کا لفظ بولے اور نہ لکھے تو بیوی مطلقہ نہیں ہوگی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب خاوند نے طلاق نامہ تحریر کیا مگر منہ سے بول کر طلاق نہ دی:

سوال اگر خاوند نے ایک کاغذ پر اپنی بیوی کے لیے لکھا: ''تجھے طلاق۔'' کیا طلاق واقع ہوجائے گی جب کہ اس نے اپنے منہ سے طلاق کا لفظ نہیں بولا؟

جواب اس کی نیت کا جاننا ضروری ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا یہ موقف ہے کہ طلاق نامہ تحریر کرنے سے طلاق واقع ہوجائے گی اگرچہ اس نے نیت نہ کی ہو جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں چیزوں کا جمع ہونا ضروری ہے، یعنی اگر اس نے طلاق کی نیت کی مگر لکھا نہیں تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اور اگر اس نے طلاق لکھی مگر نیت نہ کی تو بھی واقع نہیں ہوگی لیکن اگر اس نے طلاق بھی لکھی اور اس کے ساتھ نیت کو بھی شامل کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی، لہٰذا طلاق میں نیت کا ہونا ضروری ہے۔

(محمد بن عبد المقصود)

طلاق کو واجب کرنے والے اسباب

جب بیوی نے خاوند کے نامرد ہونے کا دعویٰ کیا:

سوال جب بیوی نے دعویٰ کیا کہ اس کا خاوند نامرد ہے، مرد کو معائنے کے لیے بلایا گیا تو وہ بھاگ نکلا؟

جواب تمھارے خط کے ذریعہ اطلاع موصول ہوئی جو اس عورت کے متعلق تھی جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کا خاوند نامرد ہے، اور اس کی بکارت (کنوارہ پن) زائل نہیں ہوئی۔ اور بیوی کے انکار پر قاضی نے اس کو لیڈی ڈاکٹرز کے پاس معاینے کے لیے بھیج دیا لیکن معاینہ مکمل ہونے سے پہلے ہی خاوند بھاگ نکلا اور واپس نہ آیا۔ اب قاضی صاحب اس عورت کے متعلق فیصلہ دینے کے لیے راہنمائی کے طالب ہیں۔

مذکورہ مسئلے میں غوروفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لیڈی ڈاکٹرز سے طبی معاینہ کرانے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ خاوند کو تلاش کیا جائے تا کہ وہ بیوی کے متعلق اپنے دعوے کو ختم کرائے، اور اگر وہ حاضر نہیں ہوتا تو قاضی اس کے اپنی بیوی سے غائب رہنے اور اس کے نان ونفقہ کی ادائیگی کے معاملے پر غور وفکر کرے (اور جو مناسب ہو وہ کاروائی کرے۔) (محمد بن ابراہیم)

مرد نے عورت سے شادی کی کہ وہ کنواری ہے مگر وہ کنواری نہ نکلی۔ کیا وہ نکاح فسخ کرسکتا ہے؟

سوال ایک آدمی نے کسی عورت سے اس بنا پر شادی کی کہ وہ کنواری ہے مگر وہ شادی شدہ نکلی۔ کیا اب اس آدمی کو فسخِ نکاح کا حق حاصل ہوگا، اور وہ اس سے نقصان پورا کرے گا جس نے اس کو دھوکا دیا؟

جواب اس کو فسخِ نکاح کا حق حاصل ہے، اور اس کو حق ہے کہ وہ اس عیب کے ظاہر ہونے پر حقِ مہر سے کچھ حصہ واپس طلب کرے وہ اس طرح کہ باکرہ اور ثیبہ کے حقِ مہر میں جتنا فرق ہے اتنا یہ مقررہ حقِ مہر سے واپس لے لے۔ اور جب دخول سے پہلے نکاح فسخ کر دے تو حقِ مہر ساقط ہو جائے گا۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

طلاق کے بعض اسباب:

سوال جناب کے نکتۂ نظر میں طلاق کے کیا اسباب ہیں؟

جواب طلاق کے کئی اسباب ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1. میاں بیوی کے درمیان موافقت کا نہ ہونا کہ ایک کو دوسرے سے یا دونوں میں باہم دگر محبت نہ ہو۔
2. عورت کی بد اخلاقی یا بھلائی میں خاوند کی سمع و طاعت نہ کرنا۔
3. خاوند کی بد خلقی اور عورت پر ظلم کرنا اور اس کے ساتھ عدل وانصاف نہ کرنا۔
4. خاوند کا بیوی کے حقوق یا بیوی کا مرد کے حقوق سے عاجز آجانا۔
5. میاں بیوی دونوں یا کسی ایک کا معصیتوں کا مرتکب ہونا، اور اس کی وجہ سے ان کے تعلقات کا بگاڑ اور نوبت طلاق پر آجائے۔
6. خاوند کا منشیات کا استعمال کرنا یا سگریٹ نوشی کرنا یا عورت کا نشہ آور اشیاء استعمال کرنا۔
7. عورت کا اپنے خاوند کے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بگاڑ ہوجانا، اور ان دونوں یا ان میں سے ایک کے ساتھ حکیمانہ سیاست کو اختیار نہ کرنا۔
8. عورت کا صفائی ستھرائی، عمدہ لباس اور خوشبو کے استعمال سے مرد کے لیے تیاری، عمدہ اور شیریں کلام اور ملاقات کے وقت ہشاش بشاش رہنے اور خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرنے سے بے توجہی کرنا۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

بیرونِ ملک جا کر زنا کاری کرنے والے کی بیوی کی طلاق کا حکم:

سوال ہم اکثر سنتے ہیں کہ بعض نوجوان بیرونِ ملک سفر کرتے ہیں اور وہ شادی شدہ ہوتے ہیں، اور العیاذ باللہ ان میں سے بعض زنا کاری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیا ان کی بیویوں کو طلاق ہوجائے گی؟

جواب مرد کے زنا کے مرتکب ہونے سے اس کی بیوی پر طلاق نہیں پڑتی لیکن مرد پر واجب یہ ہے کہ ایسے سفروں اور (عورتوں سے) اختلاط سے گریز کرے جو اس قسم کی بد اعمالیوں کی طرف لے جانے والے ہیں۔ نیز اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ سے تقویٰ اختیار کرے اور اس کو اپنے سامنے رکھے، اور اللہ کی حرام کردہ چیز سے اپنی شرمگاہ کو بچائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴾ [الإسراء: 32]

''اور زنا کے قریب نہ جاؤ۔ بے شک وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [الفرقان: 68 تا 70]

''اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور نہ زنا کرتے ہیں، اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔ اس کے لیے قیامت کے دن عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل کیا ہوا رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور عمل کیا نیک عمل، تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ نیکیوں میں بدل دے گا، اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

پس یہ دو عظیم آیتیں زنا کے قریب جانے اور زنا کی طرف لے جانے والے اسباب کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور دوسری آیت عذاب کے دوہرے ہونے اور اس میں ہمیشہ پڑے رہنے پر ایسے لوگوں کے حق میں دلالت کرتی ہے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، ناحق قتل کرتے ہیں یا زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑی دھمکی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بلاشبہ زنا کبیرہ گناہوں میں سے بہت بڑا گناہ ہے جو آگ اور اس میں ہمیشہ رہنے کو واجب کرتا ہے لیکن زانی اور قاتلِ نفس کا خلود جب کہ وہ ان دونوں جرموں کو حلال نہ جانتے ہوں، اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک ایسا خلود ہے جو کسی وقت ختم ہو جائے گا۔ نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« لايزني الزاني حين يزني وهو مؤمن، ولايسرق السارق حين يسرق

وهو مؤمن، ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن.》❶

''زانی زنا کرتے وقت مومن نہیں رہتا، چور چوری کرتے وقت مومن نہیں رہتا اور شرابی شراب پیتے وقت مومن نہیں رہتا۔''

یہ حدیث زانی، چور اور شرابی کے زوالِ ایمان پر دلالت کرتی ہے جب وہ ان جرائم کا ارتکاب کر رہے ہوتے ہیں۔ اور زوالِ ایمان سے مراد ان کے ایمان واجب کے کمال کی نفی ہے لیکن اس کے اسی ایمانِ کامل اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کامل ایمان کا فقدان اور ان جرائم پر مرتب ہونے والے سنگین نتائج سے بے خبر ہونا ہی وہ بنیادی سبب ہے جو اسے ان نافرمانیوں میں مبتلا کرتا ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

تمباکو نوش خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حکم:

سوال میرا خاوند سگریٹ نوشی کا عادی ہے، اور اس کو سانس کی بیماری ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے درمیان کئی دفعہ مشکلات پیدا ہوگئیں۔ پانچ ماہ قبل میرے خاوند نے اللہ کے لیے دو رکعت نماز ادا کی اور قسم اٹھائی کہ وہ اب سگریٹ نوشی نہیں کرے گا۔ لیکن حلف اٹھانے کے دو ہفتے بعد پھر سگریٹ نوشی کرنے لگا، پھر ہمارے درمیان مشکلات پیدا ہوگئیں۔ ادھر میں نے اس سے طلاق کا مطالبہ کر دیا لیکن اس نے ایک دفعہ پھر سگریٹ نہ پینے اور اس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کا وعدہ کیا مگر مجھ کو اس پر کامل وثوق نہیں ہے۔ آپ کی اس میں کیا رائے ہے؟ اور اس کی قسم کا کیا کفارہ ہے؟ اور آپ مجھے کیا نصیحت فرماتے ہیں؟ جزاکم اللہ خیرا

جواب سگریٹ خبیث اور حرام چیزوں میں سے ہے، اور اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب کریم کی سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ [المائدة: 4]

''تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے؟ کہہ دے: تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔''

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [2343] صحيح مسلم، رقم الحديث [57]

اور سورۃ الاعراف میں نبی محمد ﷺ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ [الأعراف: 157]

''اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سگریٹ خبیث اور گندی چیزوں میں سے ہے، لہٰذا تمھارے خاوند پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے اس کا ترک اور اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ نیز اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے غضب کے اسباب سے بچے اور اپنے دین اور صحت کی حفاظت کرے اور تمھارے ساتھ حسن سلوک کرے۔ تمھارے خاوند پر قسم کا کفارہ اور ساتھ ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دوبارہ سگریٹ نوشی نہ کرنے سے توبہ کرنا واجب ہے۔ اور قسم کا کفارہ یہ ہے: دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو لباس پہنانا یا مومن گردن کو آزاد کرنا۔ اور کھانا کھلانے کے سلسلے میں یہ کافی ہوگا کہ رات یا دن کے وقت کھانا پکا کر ان سب کو بیک وقت کھلا دیا جائے یا ملک کی غذا سے ہر مسکین کو نصف صاع غلہ، جو تقریباً ڈیڑھ کلو بنتا ہے، دیا جائے۔

اور ہم تمھیں نصیحت کرتے ہیں کہ تو اس سے طلاق کا مطالبہ نہ کر جبکہ وہ نماز ادا کرتا ہو، اس کی سیرت اچھی ہو اور وہ سگریٹ نوشی ترک کر دے لیکن اگر وہ اس معصیت پر اصرار کرے تو طلاق کا مطالبہ کرنے میں کوئی مانع نہیں۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

جب خاوند بیوی کو اپنے بھائیوں کے سامنے چہرہ نہ کھولنے پر طلاق کی دھمکی دے:

سوال میں نے ایک شخص سے شادی کی۔ شادی کے بعد اس نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں اس کے بھائیوں سے چہرہ نہ چھپاؤں ورنہ وہ مجھے طلاق دے دے گا۔ پس میں کیا کروں جبکہ میں طلاق سے خوف زدہ ہوں؟

جواب مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے اجنبی مردوں سے بے پردگی کا موقع فراہم کرے، اور اس کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اس حد تک کمزور اور متساھل ہو کہ اس کی بیوی اس کے بھائیوں (دیوروں اور جیٹھوں) یا اس کے چچاؤں یا اس کی بہن

کے خاوند (نندوئی) یا عورت اپنے چچا کے بیٹوں وغیرہ، جو اس کے محرم رشتہ دار نہیں ہیں، ان کے سامنے اپنا چہرہ کھولے، پس یہ قطعاً جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس مسئلے میں عورت کے لیے مرد کی اطاعت کرنا واجب ہے۔ اطاعت تو صرف خیر و بھلائی کے کاموں میں ہوتی ہے بلکہ عورت پر لازم ہے کہ وہ حجاب اور پردہ اختیار کرے چاہے اسے خاوند طلاق ہی دے دے اگر اس کا شوہر اس کو طلاق دے دے گا تو ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر شوہر عطا کرے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ﴾ [النساء: 130]

''اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے غنی کر دے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴾ [الطلاق: 4]

''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔''

اور خاوند کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو جبکہ وہ پردہ کرے جو پاکدامنی اور سلامتی کے اسباب میں سے ہے، تو وہ اس کو طلاق کی دھمکی دے، ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

جب عورت اپنے خاوند اور اس کے دین کو گالیاں دے تو کیا وہ مطلقہ ہو جائے گی؟

سوال مسلمان عورت جب اپنے خاوند اور اس کے دین کو گالیاں دے تو کیا شریعت کی رو سے اس پر طلاق واقع ہو جائے گی جیسے کہ ہم اکثر لوگوں سے سنتے ہیں؟ ہمیں فائدہ پہنچایئے اللہ تعالیٰ آپ کو فائدہ پہنچائے۔

جواب جب بیوی اپنے خاوند کو گالیاں دے تو وہ مطلقہ نہیں ہوتی بلکہ اس کو اللہ کی جناب میں توبہ کرنی چاہیے اور اپنے خاوند سے معافی مانگنی چاہیے۔ جب خاوند اس کو معاف کر دے تو کوئی حرج نہیں۔ اور جب مرد اس کو قصاص کے طور پر اتنی گالیاں دے لے جتنی اس نے دیں اور زیادتی نہ کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر اس

کو معاف کر دے تو یہ افضل اور بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ﴾ [البقرۃ: 237]

''اور یہ (بات) کہ تم معاف کر دو تقوے کے زیادہ قریب ہے۔''

اور نبی ﷺ فرماتے ہیں:

« وما زاد الله عبداً بعفو إلا عزاً »[1]

''اور اللہ کسی بندے کو معاف کرنے کی وجہ سے اس کی عزت میں اضافہ ہی فرماتا ہے۔''

رہا اس کا اپنے مسلمان خاوند کے دین کو گالیاں دینا تو یہ کفرِ اکبر ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی کے طلب گار ہیں۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

سوال میری بیوی بظاہر دین کی پابند ہے لیکن وہ میرے ساتھ زبان درازی کرتی ہے، اور بعض اوقات نماز میں بھی سستی کرتی ہے، پس جب میں اس پر سختی کرتا ہوں تو وہ اکڑ جاتی ہے، سو بتایئے کہ میں اس طرح کی عورت سے کیا سلوک کروں؟ واضح ہو کہ اس سے میری اولاد بھی ہے۔

جواب جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو تمھارے لیے اپنی بیوی کو اس سستی کرنے کی اجازت دینا بالکل جائز نہیں ہے۔ اور اگر وہ ترکِ نماز کی اس سستی پر اصرار کرتی ہے تو اس سے جدائی اختیار کر لو چاہے تیری اولاد کی ایک جماعت اس کے بطن سے پیدا ہوئی ہو۔

رہی اس کی زبان درازی، العیاذ باللہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اپنی بیوی کے متعلق اسی قسم کی شکایت کی تھی، جیسا کہ احمد اور ابو داود نے صحیح سند کے ساتھ لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری ایک بیوی ہے... پھر اس کی کچھ زبان درازی کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے کہا کہ « طلقها » ''اس کو طلاق دے دو''، لقیط رضی اللہ عنہ نے کہا: میری اس سے محبت اور اولاد ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2588]

« مرها أو قل لها، فإن يكن فيها خير فستفعل، ولا تضرب ظعينتك ضربك لأمتك »❶

''اس کو (اصلاح) کا حکم دے یا اس کو (خیر بھلائی کی بات) کہہ، اگر اس میں خیر ہوگی تو وہ تیری بات مانے گی اور اپنی بیوی کو اپنی لونڈی کو مارنے کی طرح نہ مار۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ نے کہا: بلاشبہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی کے لیے اپنی زبان دراز بیوی کو طلاق دینا مستحسن ہے لیکن اس کو کچھ مصلحتوں کی بنا پر اپنی زوجیت میں رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ لقیط رضی اللہ عنہ نے جب اپنے اور بیوی کے درمیان حسنِ سلوک اور اولاد کا عذر پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پاس رکھنے کی اجازت دے دی اور فرمایا:

« مرها أو قل لها، فإن يكن فيها خير فستفعل »

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کو اپنے پاس روک کر مارے کیونکہ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« ولا تضرب ضعينتك ضربك لأمتك »

یعنی اس کو غلام کی طرح نہ مار، اور اس کو اس صورت میں اپنے پاس رکھ کہ تُو اس سے حسنِ معاشرت کرے، اگر تُو اسے مارنا چاہتا ہے تو اس کو شرعی سزا دے جو کہ کتاب اللہ میں مذکور ہے:

﴿ وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ﴾ [النساء: 34]

''اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی سے تم ڈرتے ہو، سو انھیں نصیحت کرو اور بستروں میں ان سے الگ ہو جاؤ اور انھیں مارو۔''

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« واضربوهن ضربا غير مبرح »❷

---

❶ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [142]

❷ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [1218]

''اور ان کو ایسا مارو جو ان کی ہڈی کو ننگا نہ کرے۔''

یعنی اس کو مارنے کا مقصد ادب سکھانا ہو نہ کہ انتقام لینا۔ (محمد بن عبدالمقصود)

عورت کا اپنے بانجھ خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حکم:

سوال ایک شادی شدہ عورت کو مدت ہوگئی کہ اس کے ہاں اولاد نہیں ہوئی، پھر طبی معائنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے خاوند میں نقص اور کمزوری ہے اور ان کے ہاں اولاد کا پیدا ہونا محال ہے۔ کیا عورت کو یہ حق ہے کہ وہ ایسے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے؟

جواب جب یہ واضح ہوجائے کہ بانجھ پن صرف مرد کی طرف سے ہے تو بیوی کو طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق ہے، پس اگر وہ اس کو طلاق دے دے تو اچھا ہے، اور اگر وہ اس کو طلاق نہ دے تو قاضی اس کا نکاح فسخ کرے گا کیونکہ عورت کو بھی حصولِ اولاد کا حق حاصل ہے، اور اکثر عورتیں حصولِ اولاد کے لیے ہی شادی کرتی ہیں تو جب آدمی، جس سے اس نے نکاح کیا ہے، بانجھ ہے تو عورت کو حق حاصل ہے کہ اس سے طلاق اور فسخِ نکاح کا مطالبہ کرے، اہلِ علم کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب باپ اپنے بیٹے سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کرے:

سوال جب باپ اپنے بیٹے سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بالتفصیل بیان کیجیے۔

جواب جب باپ اپنے بیٹے سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

1. پہلی صورت یہ ہے کہ باپ اس شرعی سبب کی صراحت کرے جو اس کی طلاق اور جدائی کا تقاضا کرتا ہے، مثلاً: وہ کہے: اپنی بیوی کو طلاق دے دو کیونکہ اس کے اخلاق مشکوک ہیں، مثلاً: وہ مردوں سے محبت اور دوستی بڑھاتی ہے یا وہ غیر پاکیزہ مجلسوں میں آتی جاتی ہے یا اس قسم کی کوئی اور وجہ بتائے۔ ایسی حالت میں وہ اپنے باپ کی بات مانے اور اپنی بیوی کو طلاق دے دے کیونکہ اس نے اپنے ہوائے نفس

کی خاطر اس کو طلاق دینے کا نہیں کہا بلکہ اپنے بیٹے کے بستر کو بچانے کی خاطر طلاق کا مطالبہ کیا ہے کہ اس کا بستر اس قسم کی گندگی سے آلودہ ہو جائے گا، لہٰذا وہ اس کو طلاق دے دے۔

2 دوسری صورت یہ ہے کہ والد لڑکے کو کہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، اس لیے کہ اس کو اپنی بیوی سے بہت محبت ہے اور باپ کو بیٹے کی اس سے محبت کی وجہ سے غیرت آتی ہے، اور ماں کو تو کچھ زیادہ ہی غیرت آتی ہے، پس اکثر مائیں جب اپنے بیٹے کو بیوی سے محبت کرتا ہوا دیکھتی ہیں تو ان کو سخت غیرت آتی ہے یہاں تک کہ اس کے بیٹے کی بیوی اس کی سوکن کے درجے میں آ جاتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

پس اس حالت میں بیٹے پر لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے جب اس کا باپ یا ماں اس کو طلاق دینے کا حکم دے لیکن لڑکے کو چاہیے کہ وہ والدین کی خاطر مدارت کرے اور بیوی کو باقی رکھے۔ اور والدین کے ساتھ الفت رکھے اور نرم کلامی سے ان کو مطمئن کرے تاکہ وہ دونوں اس کی بیوی کو اپنے پاس رکھنے پر مطمئن ہو جائیں، خاص طور پر جب وہ دینی اور اخلاقی اعتبار سے صحیح اور درست ہو۔

امام احمد رحمہ اللہ سے ایسا ہی مسئلہ دریافت کیا گیا، ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا: میرا باپ مجھے حکم دیتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں، امام احمد رحمہ اللہ نے اس شخص کو جواب دیا: اس کو طلاق نہ دینا، اس آدمی نے کہا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر کو حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں جب کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایسا کرنے کے لیے کہا تھا؟ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: کیا تمھارا باپ عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہے؟

اگر باپ اپنے بیٹے پر حجت قائم کرتا ہوا یہ کہے کہ اے میرے بیٹے! بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، جب عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو طلاق دینے کا مطالبہ کیا تھا تو وہ امام احمد رحمہ اللہ کی طرح جواب دے، یعنی باپ سے کہے: کیا آپ عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہیں؟ لیکن وہ بات میں نرمی اختیار کرے اور کہے: عمر رضی اللہ عنہ

نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہوگی جس کی وجہ سے مصلحت کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنی بیوی کی طلاق کا حکم دیں۔ اس مسئلے کا یہی جواب ہے جس کے متعلق اکثر سوال کیا جاتا ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا اپنے نشے باز خاوند سے طلاق مانگنے کا حکم:

سوال عورت کا اپنے خاوند سے طلاق مانگنے کا حکم کیسا ہے جب وہ نشہ آور چیزیں استعمال کرتا ہو؟ اور عورت کا اس کی زوجیت میں رہنا کیسا ہے؟ معلوم رہے کہ خاوند کے علاوہ کوئی دوسرا اُس کی اور اس کے بچوں کی کفالت کرنے والا بھی نہیں ہے۔

جواب عورت کا اپنے نشے باز خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس کے خاوند کی حالت ناپسندیدہ ہے۔ جب وہ اس سے طلاق کا مطالبہ کرے گی تو اولاد جب سات سال سے کم عمر کی ہوگی تو وہ ماں کے تابع ہوگی اور باپ پر ان کا خرچہ لازم ہوگا لیکن اگر عورت کا اپنے خاوند کے پاس رہنا ممکن ہو وہ نصیحت کر کے اس کی اصلاح کر سکے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا اپنے بے نماز خاوند سے طلاق طلب کرنے کا حکم:

سوال میرا خاوند تارکِ صلاۃ ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ نماز کا تارک کافر ہوتا ہے مگر میں اپنے خاوند سے بہت زیادہ محبت رکھتی ہوں، اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہے، ہم خوشگوار زندگی بسر کر رہے ہیں اور اکثر میں اس کو نماز پڑھنے کا کہتی ہوں تو وہ کہتا ہے: میرا رب مجھ کو ہدایت دے گا آپ کی نگاہ میں ایسے شخص کے ساتھ تعلق رکھنے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب ہمارے خیال کے مطابق ایسے خاوند کے ساتھ زندگی گزارنا، جو تارکِ صلاۃ ہے اور جس کے متعلق اس کی بیوی یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ وہ کافر ہے جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ [الممتحنة: 10]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کی جانچ پڑتال کرو، اللہ ان کے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے، پھر اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں تو انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، نہ یہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان کے لیے حلال ہوں گے۔''

پس اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی ہے کہ بلاشبہ مومن عورتیں کافر مردوں پر حرام ہیں، جیسا کہ کافر مرد ان عورتوں پر حرام ہیں، سو اس بنا پر عورت پر واجب ہے کہ وہ ایسے خاوند سے فی الفور علیحدگی اختیار کرے، اور اس کے ساتھ زندگی نہ گزارے اور نہ اس کے ساتھ ایک بستر پر یا اس کے علاوہ جگہوں میں اکٹھی ہو کیونکہ وہ اپنے شوہر پر حرام ہے۔

رہی اس کی اپنے خاوند سے محبت اور اس کے ساتھ قابلِ ستائش زندگی کا گزارنا تو بلاشبہ جب اس کو یہ علم ہوجائے گا کہ وہ مرد اس پر حرام ہے اور جب تک وہ ترکِ نماز پر مصر رہے گا اس عورت کے لیے وہ اجنبی مرد کی طرح ہوگا تو اس کی یہ حجت ختم ہوجائے گی، کیونکہ مومن کے ہاں اللہ کی محبت ہر محبت سے اعلیٰ و بالا ہے، اور مومن کے ہاں اللہ کی شریعت ہر ایک چیز سے فوقیت رکھتی ہے۔

رہی اولاد تو جب تک وہ مرد اس حالت میں ہے اس کی ان بچوں پر کوئی ولایت نہیں ہے، اس لیے کہ بچوں پر ولایت کی شرط ہے کہ والی مسلم ہو جبکہ وہ شخص تو مسلمان نہیں ہے لیکن میں اس آدمی کو نصیحت کرنے میں اپنی آواز اس سائلہ کی آواز کے ساتھ ملاتا ہوں کہ وہ اپنی بھلائی اور دین داری کی طرف پلٹ آئے، اور اپنے کفر اور ارتداد سے باز آجائے، اور کثرت سے نیک اعمال بجا لاتا ہوا مکمل طور پر نماز کو قائم کرنے والا بن جائے، اگر وہ اپنی نیت اور ارادے میں اللہ کو سچا بن کر دکھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نمازی بننے کا یہ کام آسان کر دے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی﴾ [اللیل: 7 تا 5]

''پس لیکن وہ جس نے دیا اور (نافرمانی سے) بچا، اور اس نے سب سے اچھی بات کو سچ مانا تو یقیناً ہم اسے آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔''

میں اس شخص کی طرف اپنی نصیحت کا رخ موڑتا ہوں کہ وہ اللہ سے توبہ کرے تاکہ اس کی بیوی اس کی زوجیت میں اور اس کی اولاد اس کی ولایت میں رہ سکے، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو نہ اس کی بیوی رہے گی اور نہ اپنی اولاد پر اس کو ولایت حاصل رہے گی۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بیوی کا اپنے شرابی خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حکم:

سوال میری شادی ایک آسودہ حال مالدار شخص سے ہوئی ہے جو بہت سی صفاتِ جمیلہ کا مالک ہے، بس اس میں ایک عیب ہے کہ وہ شراب پیتا ہے، پس اس بنا پر میں نے بعض لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے کہا: اپنے خاوند کو چھوڑ دو۔ مجھ کو یہ کام خاصا مشکل محسوس ہوا، اس لیے کہ میں پانچ بیٹیوں اور ایک جوان بیٹے کی ماں ہوں، اس پر مزید یہ کہ میری کوئی پناہ گاہ اور کوئی میری کفالت کرنے والا اللہ سبحانہ وتعالیٰ پھر میرے خاوند کے سوا کوئی نہیں، اور میرا کوئی اور گھر یا باپ اور بھائی نہیں جن کے پاس میں پناہ لوں۔ میں نے اپنے شوہر کو بستر پر تنہا چھوڑ دیا ہے، اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف ہدایت پا جائے اس کے سوا میرا کوئی مقصد نہیں لیکن اس نے شراب ترک نہیں کی، پھر یہ کہ وہ میرا خالہ زاد بھائی بھی ہے، مالدار ہے، فقیروں سے محبت کرتا ہے اور ان سے نرمی کرتا ہے اور محتاجوں کی مدد کرتا ہے اور واجب حق کی ادائیگی کرتا ہے، اس کے علاوہ بھی اس کے اندر اچھی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

جواب یہ جواب تم دونوں میاں بیوی کے لیے ہے:

جہاں تک تمھارے خاوند کا تعلق ہے پس بے شک میں اس کی طرف نصیحت کا رخ موڑ کر اس کو کہتا ہوں کہ وہ اللہ عزوجل کی جناب میں شراب نوشی سے توبہ کرے کیونکہ شراب

کتاب اللہ، سنتِ رسول اور مسلمانوں کے اجماع کی رو سے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [المائدة: 92 تا 90]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر سراسر گندے ہیں، شیطان کے کام سے ہیں، سو اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمھیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟ اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور بچ جاؤ، پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمے تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔''

اور نبی ﷺ سے یہ فرمان ثابت ہے:

((كل مسكر خمر و كل مسكر حرام))[1]

''ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''

اور مسلمانوں کا شراب کی حرمت پر قطعی اجماع ہے، اس کی حرمت میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے حتی کہ اہلِ علم نے حرمتِ شراب کو دینِ اسلام کے معلوم ضروری امور میں شمار کیا ہے اور فرمایا ہے: جس شخص نے حرمتِ شراب کا انکار کیا اور لوگوں کے درمیان زندگی گزارتا رہا، پس وہ کافر ہوگا اور اس سے توبہ کرائی جائے گی، اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2003]

لہٰذا اے میرے بھائی! میں تم کو بار بار نصیحت کرتا ہو کہ تم شراب پینا چھوڑ دو اور پاکیزہ مشروبات کے ذریعے، جن کو اللہ نے حلال کیا ہے، ان مشروبات سے مستغنی ہو جاؤ جن کو اللہ نے حرام کہا ہے۔ شراب ام الخبائث، یعنی ہر برائی کی جڑ اور ہر شر کی چابی ہے مگر اس کو چھوڑنا اس شخص کے لیے نہایت آسان ہے جس کو اللہ نے ہدایت دے دی، توفیق عطا کر دی، نیت اور ارادے میں سچا کر دیا اور جس نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے مدد طلب کی۔

رہا تمھارا مسئلہ تو تمھارا اُس شخص کے ساتھ زندگی گزارنا حرام اور ممنوع نہیں ہے کیونکہ شراب پینا اس کے کفر کو مستلزم نہیں ہے لیکن تم پر لازم ہے کہ اس کو کثرت سے نصیحت کرتی رہو، شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کو نصیحت سے فائدہ پہنچائے۔

رہا تمھارا اُس کو بستر پر الگ کر دینا، اگر اس میں یہ مصلحت ہے کہ وہ باز آ جائے اور شراب پینا چھوڑ دے تو یہ جائز ہے اور اگر اس میں یہ مصلحت نہ ہو تو یہ جائز و حلال نہیں ہے کہ تم اس کو بستر سے الگ چھوڑ دو، اس لیے کہ اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جو اس کو تم پر حرام کر دے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

طلاق سنی اور طلاق بدعی

کنواری لڑکی کو تین طلاقیں دینے کے بعد اس سے دوبارہ عقد کرنے کا حکم:

سوال ایک شخص نے ایک باکرہ لڑکی سے شادی کی، پھر اس کو تین طلاقیں دے دیں قبل اس کے کہ وہ اس سے دخول کرے۔ کیا وہ اب اس لڑکی سے عقدِ ثانی کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب باکرہ کو تین طلاقیں دینا اکثر ائمہ کے نزدیک اس عورت کو تین طلاقیں دینے کی طرح ہے جس سے دخول کیا گیا ہو۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

حاملہ بیوی کو طلاق دینے کا حکم:

سوال کیا حاملہ بیوی کو طلاق دینا جائز ہے؟

جواب حاملہ کو طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو، جب انھوں نے اپنی حائضہ بیوی کو طلاق دے دی، کہا:

« راجعها، ثم أمسكها حتى تطهر، ثم تحيض ثم تطهر ثم طلقها إن شئت طاهرا قبل أن تمسها أو حاملاً »[1]

''اس (اپنی بیوی) سے رجوع کر، پھر اس کو (حیض سے) پاک ہونے تک اپنے پاس روک، پھر اس کو حیض آئے اور وہ اس سے پاک ہو، پھر اگر تو چاہتا ہے تو اس کو اس کی پاکی کی حالت میں یا حمل کی حالت میں مجامعت کیے بغیر طلاق دے۔'' (ابن باز رحمہ اللہ)

عورت کا اپنے جسم اور آبروں سے بال اتارنے کا حکم:

سوال ایک عورت کے جسم پر گردن تک بال اگ پڑے ہیں اور اس کی آبروؤں کے بال اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ وہ آنکھ کے کنارے تک پہنچ چکے ہیں۔ ڈاکٹر نے اس کو جسم کے بال اتارنے کا حکم دیا ہے اور ابروؤں کے بالوں کو ہلکا کرنے کی تجویز دی ہے، نیز واضح ہو کہ جسم کے بال بہت لمبے ہو چکے ہیں حتی کہ وہ تقریباً ایک یا دو سینٹی میٹر تک بڑھ گئے ہیں، ہم اللہ سے اس کی شفایابی کی دعا کرتے ہیں۔

جواب اس طریقے سے بالوں کا اگ آنا خاص ہارمونی خلل کے نتیجے میں ہوتا ہے لیکن اس پر ہر حال میں اپنے بدن کے بال اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح چہرے کے بال اتارنے میں کوئی حرج نہیں، نیز ابروؤں کے وہ بال جو لمبے ہو کر اس کو تکلیف دیتے ہیں ان کا اتارنا بھی جائز ہے۔

شریعت نے جن بالوں کو اکھاڑنے سے منع کیا ہے ان کے متعلق دو مختلف قول ہیں، بعض نے کہا: وہ ممانعت چہرے کے بالوں کے متعلق ہے، اور بعض نے کہا ہے: وہ ممانعت ابروؤں کے بال اتارنے سے ہے، سو اس بنا پر عورت کے لیے اپنے تمام بدن سے بال اتارنے کی اجازت ہے۔ رہے چہرے کے بال تو چونکہ بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ ابروؤں کے بال اتارنا منع ہے، لہٰذا اس کے پیشِ نظر عورت کے لیے اپنے چہرے کے بال اتارنا جائز ہے، مثلاً: مونچھیں اور داڑھی وغیرہ اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4625] صحيح مسلم، رقم الحديث [1471]

وہ اپنی ابروؤں کے بال اس انداز میں کاٹ لے جس سے وہ بال تکلیف دہ نہ رہیں کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لا ضرر ولا ضرار»[1] ''نہ ضرر قبول کرو اور نہ ضرر پہنچاؤ۔''

معلق طلاق:

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: مجھ پر طلاق دینا لازم ہے، یعنی جب میں فلاں عورت کو تیرے پاس دیکھوں گا تو تجھے طلاق ہوگی، پھر وہ عورت آئی مگر اس آدمی نے اس کو نہیں دیکھا یا وہ تینوں ایسی جگہ پر اکٹھے ہوئے جو جگہ قسم میں داخل نہیں ہے تو کیا اس شخص کی قسم ٹوٹ ہوجائے گی؟

جواب جب وہ عورت آئی اور اس شخص نے اس کو نہیں دیکھا یا وہ اس کے ساتھ اس کے گھر کے علاوہ کہیں ملی تو یہ حانث نہ ہوگا جب تک وہ اس کو اس کے گھر میں نہ ملے یا جب قسم کا سبب ایسا ہو جو اس کا تقاضا کرتا ہے۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

خاوند کا اپنی معلق طلاق سے رجوع کرنے کا حکم:

سوال ایک آدمی نے اپنی حاملہ بیوی کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا: اگر میری بیوی بچی جنم دے گی تو اس کو طلاق، پھر ولادت سے پہلے میاں بیوی کی بات چیت ہوئی جس سے مرد نے اپنی طلاق والی بات سے رجوع کر لیا، بعد میں اس کی بیوی نے بچی کو جنم دیا۔ کیا بیوی پر طلاق پڑے گی یا نہیں؟

جواب اگر مرد نے عورت کو طلاق بائنہ دی کہ یہ طلاق عوض کے بدلے میں ہو (جو اس نے عورت کو دیا) عدت کے پورا ہونے تک تو اس میں علماء کے دو قول مشہور ہیں، اور اس مسئلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے بھی دو قول ہیں:

1. پہلا یہ کہ طلاق ہوجائے گی اور یہ روایت امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی بیان کی گئی ہے۔
2. دوسرا یہ کہ اگر اس نے بائنہ طلاق نہیں دی بلکہ عدت میں رجوع کر لیا تو نکاح باقی

[1] صحیح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2340]

ہے۔ اگر وہ صفت پائی جائے جس کے ساتھ اس کو معلق کیا گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

عورت کے مرد کو ''مجھے طلاق دے دو'' کہنے سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین؟

سوال ایک شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑا ہوا جس کے نتیجہ میں وہ بیوی کی طرف سے دل شکستہ ہوا تو اس نے کہا: مجھے لازم ہے کہ میں تم کو تین طلاقیں دوں، اگر تُو نے کہا: مجھے طلاق دے دو تو میں نے تجھے طلاق دے دی۔ وہ خاموش رہی، پھر اس نے اپنی ماں سے کہا: وہ کیا کہتا ہے؟ اس کی ماں نے کہا: وہ ایسے ایسے کہتا ہے، لہٰذا تُو اسے کہہ: مجھے طلاق دے دو، پھر عورت نے مرد سے کہا: مجھ کو طلاق دے دو۔ کیا ایک طلاق واقع ہوگی یا تین یا کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی؟

جواب جب اس نے اپنی اس بات ''جب تو کہے گی کہ مجھ کو طلاق دے دو تو میں نے تجھے طلاق دے دی'' سے اسی مجلس میں طلاق دینے کی نیت نہیں کی بلکہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ گواہوں کی موجودگی میں طلاق دے گا، اور جب اس نے کچھ نیت نہیں کی تو اگر وہ طلاق کے بغیر جدا ہو جائیں تو مرد حانث نہیں ہوگا لیکن بعد میں وہ طلاق دے گا جس کا اس نے اپنی قسم سے ارادہ کیا لیکن جب اس نے یہ قصد نہیں کیا کہ وہ بیوی کو تین طلاقیں دے گا اور نہ ہی روکنے کا قصد کیا تو جائز ہے کہ وہ اسے صرف ایک ہی طلاق دے، یہ اس وقت ہے جب اس کا مقصود مطلق طور پر اس کے سوال کا جواب دینا ہو لیکن جب اس نے اس کے سوال کا جواب دینے کا قصداً ارادہ کیا جبکہ وہ طلاق طلب کر رہی ہو تو جب وہ رجوع کر لے اور کہے: میں طلاق کا ارادہ نہیں کرتی تو اس پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی جب تک مرد از خود اس کو طلاق نہ دے۔

(ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

خاوند نے کہا: اگر تُو اس رات گھر واپس نہ آئی تو تجھے طلاق۔ عورت کسی وجہ سے گھر نہ لوٹ سکی:

سوال اس عورت کی طلاق کا کیا حکم ہے جس کو اس کے خاوند نے کہا: اگر تُو اس رات

میرے گھر نہیں لوٹے گی تو تجھے تین طلاقیں ہوں، اور مرد کا دعویٰ یہ ہے کہ عورت نے گھر لوٹنے کا ارادہ کیا تھا مگر اس کے بھائی نے اس کو لوٹنے سے منع کر دیا تھا؟

جواب اس مسئلے کا جواب اور وہ ہے طلاق کی قسم کھانے کا مسئلہ، بلاشبہ جب وہ اس میں حانث ہو گیا تو اس کی بیوی پر طلاق پڑ جائے گی، اور جمہور کا یہی موقف ہے۔

رہا دعوی اکراہ تو اس میں مناسب یہ ہے کہ تحقیق کر لی جائے، اگر عورت کا میکے میں رہنے اور اپنے خاوند کے گھر نہ لوٹنے پر مجبور کیا جانا ثابت ہو جائے تو اس پر طلاق نہیں پڑے گی اور اگر اکراہ ثابت نہ ہو تو اصل اس کا عدم ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

عورت کے پڑوسیوں کے گھر جانے پر طلاق معلق کی گئی، وہ بھول کر ان کے گھر چلی گئی:

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی کو پڑوسیوں کے گھر جانے سے منع کیا اور اس پر طلاق کو معلق کیا، پھر وہ عورت بھول کر ان کے گھر چلی گئی، پھر میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا تو میاں نے اس کو مارا، اس پر عورت نے کہا: مجھ کو طلاق دے دو اور تم اپنی اولاد اور ساز و سامان، یعنی جہیز کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو۔ اس سے وہ غصہ میں آیا اور اس کو طلاق دے دی، پھر وہ اس پر پشیمان ہوا اور عورت نے مانی ہوئی چیزوں میں سے کوئی چیز ابھی اس کے حوالے نہیں کی۔ مرد اس کا حکم دریافت کرتا ہے۔

جواب پہلی طلاق، جب وہ بھول کر پڑوسیوں کے گھر چلی گئی، واقع نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ [البقرۃ: 286]

''اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔''

اور حدیث میں ہے:

«قال اللّٰه: قد فعلت»[1] ''اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں مذکور دعا کے جواب میں) فرمایا: بلاشبہ میں نے ایسے ہی کیا (یعنی بھول معاف کر دی۔)''

دوسری طلاق کے متعلق بھی ظاہری بات یہ ہے کہ یہ واقع نہیں ہوئی، اس لیے کہ وہ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [126]

عوض کے مقابلے میں تھی، اور وہ عوض تمھارے حوالے نہیں کیا گیا، لٰہذا تمھارا اُس عورت سے رجوع کرنا صحیح ہے اور وہ بدستور تمھاری بیوی ہے، اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور اپنی زبان کو طلاق کی تکرار سے محفوظ رکھ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی بیوی کھو بیٹھو۔

(محمد بن ابراہیم)

مرد نے قسم کھائی کہ اگر وہ فلاں جگہ گیا تو اس کی بیوی کو طلاق، پھر وہ وہاں چلا گیا:

سوال ایسے آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کہا: مجھ پر طلاق دینا واجب ہے، میں فلاں جگہ میں نہیں جاؤں گا، پھر وہ اس جگہ چلا گیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب جس شخص نے کہا: مجھ پر طلاق دینا واجب ہے، میں فلاں جگہ نہیں جاؤں گا، پھر وہ بھول کر نہیں بلکہ جان بوجھ کر وہاں چلا گیا تو عورت پر ایک طلاق واقع ہوگئی اور اگر وہ مذکورہ جگہ میں نہ جائے تو عورت پر کوئی طلاق شمار نہ ہوگی۔ (السعدی)

مرد نے بیوی کے لیے اس قول پر طلاق معلق کی کہ جب تمھیں حیض آئے اور تُو پاک ہو تو تجھے طلاق:

سوال اس شخص کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے جس نے اپنی بیوی کو کہا: جب تم کو حیض آئے، پھر تم پاک ہو تو تُو طلاق یافتہ ہے؟ اور عملاً اس نے طلاق کا ارادکیا تھا لیکن اس کو اپنے اس قول کے بعد اور حیض آنے سے پہلے یہ مناسب لگا کہ وہ اپنی بیوی کو روک لے تو کیا یہ طلاق شمار ہوگی یا نہیں؟ اور کیا اسی طرح طلاق شمار ہوگی جب اس کو اس طہر کے بعد بیوی کو روکنے کا خیال آئے جس پر اس نے طلاق معلق کی ہے؟

جواب یہ ایک خالص شرط پر معلق طلاق ہے۔ اس سے مرد کا مقصد بیوی کو کسی چیز پر ابھارنا یا منع کرنا نہیں، لٰہذا شرط کے پائے جانے پر طلاق واقع ہوجائے گی، اور وہ شرط حیض کے بعد طہر کا حاصل ہونا ہے، اور مرد کا طلاق کو معلق کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا صحیح نہ ہوگا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

طلاق کے متفرق مسائل

مرد نے عورت کو کہا: اگر تُو یہ کام کرے گی تو تُو مجھ پر میری ماں بہن کی طرح ہے، عورت نے بھول کر وہ کام کرلیا:

سوال جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا: جب تُو فلاں کام کرے گی تو تُو مجھ پر میری ماں اور بہن کی طرح ہوگی، اس عورت نے بھول کر وہ کام کرلیا۔

جواب مرد پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہوگا لیکن اگر عورت نے وہ کام بھول کر نہیں کیا تو یہ ظہار ہوگا کیونکہ لوگ معذور ہیں:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ [البقرة: 286]

''اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ کر، اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔''

(العفيفي رحمہ اللہ)

رضاعت کی وجہ سے عورت کو کتنا عرصہ حیض نہیں آتا:

سوال ایک شخص کی بیوی ہے، اس نے بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ اس کی اپنی بیوی کے بطن سے ایک بچی ہے جو ابھی دودھ پیتی ہے۔ لوگوں نے مرد پر نان ونفقہ عائد کر دیا، لہٰذا عورت کی مدت کتنی ہوگی، جس میں اس کو رضاعت کی وجہ سے حیض نہیں آتا؟

جواب جمہور علماء، جیسے مالک، شافعی رحمہم اللہ ہیں، کے نزدیک تین طلاقوں کی عدت گزارنے والی عورت کے لیے نان ونفقہ ثابت نہیں ہے لیکن ابوحنیفہ رحمہ اللہ عدت کے دوران اس کے لیے نان ونفقہ ثابت کرتے ہیں۔ اور جب عورت ان عورتوں سے ہے جن کو حیض آتا ہو تو وہ تین حیض تک عدت میں ہوگی، اور مرضعہ کا حیض اکثر مؤخر ہوجاتا ہے، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت کو رضاعت کی اجرت دی جائے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ [الطلاق: 6]

''پھر اگر وہ تمھارے لیے دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرتیں دو۔''

اور تنگدست آدمی پر نان ونفقہ واجب نہیں ہے، نان ونفقہ صرف آسودہ حال اور مال دار شخص پر واجب ہے۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

عورت کا مذکورہ اسباب کی وجہ سے طلاق کا مطالبہ کرنا:

سوال جب مرد وعورت کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا محال ہو تو درج ذیل اسباب کی وجہ سے طلاق کا مطالبہ کرنا از روئے شریعت کیسا ہے؟

پہلی بات یہ کہ میرا خاوند جاہل ہے اور میرے حق کو نہیں پہچانتا، مجھے اور میرے والدین پر لعنت کرتا تھا اور مجھے یہودیہ، نصرانیہ اور رافضیہ کہتا تھا مگر میں اپنے بچوں کی خاطر اس کے اخلاقِ قبیحہ پر صبر کرتی لیکن جب میں جوڑوں کے درد اور سوزش کے مرض میں مبتلا ہوئی تو میں صبر کرنے سے عاجز آ گئی اور لاچار ہوگئی اور اس سے سخت نفرت کرنے لگی، حتی کہ میں اس سے گفتگو کرنے کی طاقت نہیں پاتی۔ میں نے اس سے طلاق کا مطالبہ کیا مگر اس نے طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ واضح ہو کہ میں تقریباً چھ سالوں سے اس کے گھر اپنی اولاد کے پاس ہوں اور میں اس کے پاس ایک مطلقہ اور اجنبیہ کی طرح ہوں لیکن وہ طلاق دینے سے انکار کرتا ہے۔ میں جناب سے گزارش کرتی ہوں کہ میرے سوال کا جواب دیں، اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔

جواب جب خاوند کی یہ حالت ہے جو تم نے بیان کی ہے تو ایسی حالت میں طلاق کا مطالبہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور فدیہ دے کر خلع لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اس کو مال دو تاکہ وہ اپنی بدسلوکی اور بری باتوں کے ذریعے جو تم پر زیادتیاں کر رہا ہے ان کے پیش نظر وہ تم کو طلاق دے دے۔ اور اگر تمھیں اس کی تکلیفوں کے مقابلے میں صبر کرنا اچھے اسلوب میں اس کو نصیحت کرنا، اس کے لیے بچوں کی خاطر اور اپنے اور اپنے بچوں کے نان ونفقہ کی خاطر اس کی ہدایت کی دعا کرنا مناسب محسوس ہو تو اس میں تمھارے لیے اجر وثواب اور اچھے انجام کی توقع ہے۔

اور ہم اللہ سے اس کی ہدایت اور استقامت کی دعا کرتے ہیں۔ یہ ساری باتیں اس (شرط پر) ہیں جب وہ نماز ادا کرتا ہو اور دین کو برا نہ کہتا ہو لیکن اگر وہ بے نمازی ہے، یا

دین کو برا بھلا کہتا ہے تو وہ کافر ہے، تمھارا اُس کی زوجیت میں رہنا اور اس کو اپنے پاس آنے دینا جائز نہیں ہے کیونکہ دین اسلام کو گالی دینا اور اس کا مذاق اڑانا کفر اور گمراہی، اور اہلِ علم کے اجماع کے ساتھ اسلام سے مرتد ہونا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُ وْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ [التوبة: 65,66]

''کہہ دے: کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟ بہانے مت بناؤ، بے شک تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔''

علماء کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ بلا شبہ نماز کا ترک کرنا کفرِ اکبر ہے اگرچہ ترک کرنے والا نماز کے وجوب کا انکاری نہ ہو کیونکہ صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ثابت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بين الرجل و بين الكفر و الشرك ترك الصلاة))[1]

''بندے اور کفر و شرک کے درمیان فرق نماز کا ترک کرنا ہے۔''

نیز امام احمد اور اصحابِ سنن سے صحیح سند کے ساتھ بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((العهد الذي بيننا و بينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر))[2]

''ہمارے اور ان کے درمیان فرق نماز ہی ہے، جس نے نماز ترک کی بلاشبہ اس نے کفر کیا۔''

کتاب و سنت میں مذکورہ دلائل کے علاوہ بھی دوسری دلیلیں موجود ہیں۔ واللّٰه المستعان

(ابن باز رحمہ اللہ)

شیخ عثیمین کی اپنے بیوی بچوں کو زدوکوب کرنے والے شوہر کو نصیحت:

سوال ایک عورت کی ایک ایسے شخص سے شادی کردی گئی جو گھر میں آتے ہی اپنے بیوی بچوں کو مارتا پیٹتا ہے۔ ہم آپ سے ایسے شخص اور اس طرح کے دوسرے اشخاص کو

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [82]

[2] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [2621]

نصیحت کرنے کی گزارش کرتے ہیں۔

جواب یہ شخص اللہ کے حکم کی نافرمانی کرنے والا ہے اور اس کی شریعت کا مخالف ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خاوندوں کو بھلائی کے ساتھ رہن سہن اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اور یہ بھلائی نہیں کہ مرد غضبناک ہو کر گھر میں داخل ہو، ڈانٹ ڈپٹ کرے اور مار پیٹ کرے، ایسے کام اس شخص سے ہی سرزد ہوتے ہیں جو کمزور عقل و دین کا مالک ہے، لہٰذا اُس پر واجب ہے کہ اگر وہ اچھی اور خوشگوار زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو وہ فراخ دلی سے اپنے گھر میں آئے اور اپنی اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔

نبی ﷺ سے آپ ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے:

« خير كم خير كم لأهله، وأنا خير كم لأهلي »[1]

''تم میں سے بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ بہتر ہے، اور میں اپنے اہل کے لیے تم سے بہتر ہوں۔'' (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بلا عذر طلاق کا مطالبہ کرنے کا حکم:

سوال جب عورت اپنے خاوند سے بلا عذر طلاق کے ذریعے جدائی کا مطالبہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

« أيما امرأة سألت زوجها طلاقها من غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة »[2]

''جونسی عورت بلاعذر اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔''

اس لیے کہ اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے سب سے مبغوض طلاق ہے، اسے صرف ضرورت کے وقت ہی استعمال میں لانے کی اجازت ہے، بلاضرورت مکروہ ہے کیونکہ اس پر جتنے نقصانات مرتب ہوتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ رہی وہ ضرورت جو عورت کو

[1] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [3895]

[2] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [2226]

طلاق کا مطالبہ کرنے پر مجبور کر دے وہ یہ ہے کہ خاوند عورت کے حقوق کی ادائیگی سے اس طرح باز رہے کہ عورت کا اس کے ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾

[البقرة: 226,227]

''اور ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں سے قسم کھا لیتے ہیں چار مہینے انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور اگر طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (الفوزان)

ایک طلاق کی نیت سے طلاق دینے والے سے سبقتِ لسانی کی وجہ سے تین طلاقوں کا لفظ نکل گیا:

سوال ایک آدمی کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا، اس نے یہ کہنے کا ارادہ کیا کہ اس کو ایک طلاق مگر سبقتِ لسانی کی وجہ سے اس کے منہ سے تین طلاقوں کا لفظ نکل گیا جو کہ اس کی نیت نہیں تھی۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب جب بغیر قصد اور ارادے کے اس کی زبان سے تین طلاقوں کا لفظ نکلا جبکہ اس کا ارادہ ایک طلاق دینے کا تھا تو اس صورت میں ایک ہی طلاق واقع ہوئی ہے بلکہ اگر اس نے ''طاہر'' لفظ بولنا چاہا مگر سبقتِ لسانی کی وجہ سے طلاق کا لفظ منہ سے نکل گیا تو اس سے اس کے اور اللہ کے درمیان طلاق واقع نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم

(ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

چار سال حمل باقی رہنے کی صورت میں حاملہ کی عدت کا بیان:

سوال ایک عورت کا حمل چھٹے مہینے میں متحرک ہوا، پھر ایک مرتبہ نویں مہینے میں متحرک ہوا، پھر اس کے بعد ساکن ہوگیا، پھر اس کے خاوند نے اس کو طلاق دے دی اور اب

عورت کے دعویٰ حمل کو چار سال ہونے کو ہیں۔ کیا وہ عورت شادی کر سکتی ہے؟ اور اس کے خرچ کا کیا حکم ہے؟

جواب عدت والی عورتوں کی چھ قسمیں ہیں، ان میں سے ایک حاملہ ہے، اور اس کی عدت، خاوند کی موت سے ہو یا اس کے سوا طلاق یا فسخ سے وضعِ حمل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: 4]

''اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں۔''

اور بعض حمل کا باقی رہنا بعض عدت کے بقا کو واجب کرتا ہے کیونکہ اس نے اپنا سارا حمل نہیں بلکہ بعض حمل وضع کیا ہے۔ آیت کے عموم کی روشنی میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ حمل عورت کے پیٹ میں مر جائے۔ ثابت ہوا کہ اگر عورت کا حمل متحقق ہو تو وہ وضعِ حمل تک عدت میں رہے گی، اور اگر وہ بائنہ ہو اور حمل کی موت ثابت ہو جائے تو عورت کا خرچہ واجب نہیں ہوگا۔ (محمد بن ابراہیم)

حائضہ ہونے والی مطلقہ کی عدت کا بیان:

سوال اس مطلقہ کی عدت کیا ہے جو حائضہ ہوتی ہے؟

جواب جونسی عورت حائضہ ہوتی ہو اس کی عدت تین حیض ہے، خواہ اس میں تین مہینوں سے زیادہ وقت لگ جائے یا کم وقت میں تین حیض مکمل ہو جائیں، اس میں مہینوں کا کوئی اعتبار نہیں، سوائے اس عورت کے جس کو ابھی حیض نہ آتا ہو یا وہ حیض سے مایوس ہو چکی ہو۔ (السعدی)

مطلقہ عورت کی عدت میں اس کو پیغام نکاح دینے کا حکم:

سوال ایک عورت کی اپنے خاوند سے جدائی ہو گئی۔ ایک شخص نے اس کو دورانِ عدت نکاح کا پیغام دیا اور وہ اس کو خرچ بھی دیتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب عورت کو عدت میں واضح طور پر نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں ہے اگر چہ وہ خاوند کی وفات کی عدت میں ہی کیوں نہ ہو، اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اس کے پیشِ نظر

طلاق کی عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

جس نے دورانِ عدت نکاح کا پیغام دیا وہ اور اس جیسے لوگ ایسی سزا کے مستحق ہیں جو ان کو اس کام سے باز رکھے۔ نکاح کا پیغام دینے والے اور جس کو پیغام دیا گیا دونوں کو سزا دی جائے، اور اس کے قصد و ارادے کے برعکس بطورِ سزا اُس شخص کو اس عورت سے نکاح کرنے سے ڈانٹ ڈپٹ کی جائے۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

حمل کے فوت ہونے سے عدت کے ساقط ہونے کا حکم:

سوال جب حمل فوت ہو جائے تو کیا اس کے ساتھ عدت ساقط ہو جاتی ہے؟

جواب شارح "المنتقی" کے کلام کے مطابق ان کا یہ قول ہے کہ "ظاہری عبارت آیت کے عموم کی وجہ سے اس پر دلالت کرتی ہے اگرچہ حمل عورت کے پیٹ میں مر جائے (پھر بھی وہ عدت میں رہے گی۔)" میں کہتا ہوں: بے شک یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: 4] سے وہ وضعِ حمل مراد ہے جو عادت کے مطابق ہو، پس عورت نے زندہ یا مردہ بچہ جنم دیا، وہ عورت عدت سے فارغ ہو گئی، اور جب تک زندہ یا مردہ حالات میں بچہ اس کے پیٹ میں رہے اور اس کے نکلنے کی امید ہو تو عورت اس کے نکلنے تک عدت میں ہو گی، اور اگر بچہ پیٹ میں ہی فوت ہو جائے اور اس کے نکلنے کی واضح امید بھی نہ ہو تو اس عورت کو اگر بچے کے پیٹ سے نکلنے تک عدت میں باقی رہنے کا حکم دیا جائے درآں حالیکہ بچے کے نکلنے کی امید نہ ہو تو اس سے عورت کو بہت سی تکلیف میں مبتلا رہنا پڑے گا۔

بظاہر صحیح بات یہ محسوس ہوتی ہے کہ جب بچے کی موت متحقق ہو جائے اور بچے کے نکلنے کی بھی امید نہ ہو تو وہ عورت غیر حاملہ جیسی عدت گزارے گی کیونکہ حمل کا حکم اس عورت سے ساقط ہو چکا جس طرح اس سے حاملہ کا نفقہ ساقط ہو گیا۔

اس ظاہری مفہوم کی تائید ہوتی ہے اس سے کہ بلاشبہ حاملہ عورت کی عدت کی حکمت یہ ہے کہ نطفے خلط ملط نہ ہو جائیں اور نسب مشتبہ نہ ہو جائے، اور اس مسئلے میں یہ حکمت پائی جاتی ہے۔ مجھے جو قول ظاہر اور راجح معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ اس حالت میں حمل

کا حکم عدت کے سلسلے میں ساقط ہو جاتا ہے جس طرح اس کے باقی احکام ساقط ہو جاتے ہیں، جیسے: میراث، وصیت اور نفقے وغیرہ کا استحقاق۔ واللہ اعلم (السعدی)

جس عورت کو ایک یا دو سال کی علیحدگی کے بعد طلاق دی گئی اور استبرائے رحم کی مدت بھی گزر گئی۔ کیا اب بھی وہ عدت گزارے؟

سوال جب عورت کو ایسی دوری کے بعد، جس کی مدت ایک سال یا دو سال یا اس سے کم ہے، طلاق دے دی گئی اور طلاق سے پہلے استبرائے رحم والی مدت گزر چکی ہے۔ کیا اس عورت پر عدت گزارنا لازم ہوگا یا نہیں؟ یا اس کے لیے بغیر عدت گزارے شادی کرنا جائز ہوگا جبکہ اس کے خاوند نے عوض لے کر طلاق دی ہے اور وہ رجوع کے لیے رغبت بھی نہیں رکھتا ہے؟

جواب جب عورت کو طلاق دی جائے تو طلاق کے بعد اس پر عدت واجب ہوتی ہے اگرچہ وہ طلاق سے پہلے لمبا عرصہ اپنے خاوند سے جدا رہی ہو کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ [البقرۃ: 228]

”اور وہ عورتیں جنھیں طلاق دی گئی ہے اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں۔“

اور اس لیے کہ نبی ﷺ نے ثابت بن قیس کی بیوہ کو، جب اس نے ثابت سے خلع لیا، حکم دیا کہ خلع لینے کے بعد ایک حیض عدت گزارے۔

اس حدیث شریف کی روشنی میں درست بات یہ ہے کہ خلع لینے والی عورت طلاق کے بعد ایک حیض عدت گزارے اور یہ حدیث مذکورہ آیت کے مفہوم کو خاص کرنے والی ہے۔ پس اگر خلع لینے والی، جس نے مال دے کر طلاق لی ہے، تین حیض عدت گزارے تو یہ زیادہ مکمل اور احتیاط والی بات ہے۔ پھر تین حیض عدت گزارنا اس لیے بھی اولیٰ ہے کہ اس سے ان اہلِ علم کے اختلاف سے بھی بچا جا سکے گا جو مذکورہ آیت کے عموم کی وجہ سے اس بات کے قائل ہیں کہ خلع لینے والی عورت تین حیض عدت گزارے۔

(علامہ ابن باز رحمہ اللہ)

جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت کا حکم:

سوال جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت کتنی ہے؟

جواب اولاً: جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت دوسری عورتوں کی نسبت آسان ہے کیونکہ اس کی صرف دو حالتیں ہیں:

1. یا تو وہ حاملہ ہوگی تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے۔
2. یا وہ غیر حاملہ ہوگی تو اس کی عدت صرف چار ماہ اور دس دن ہے۔

لیکن جب وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے، چاہے اس کے خاوند کی موت پر چند ساعتیں ہی گزری ہوں بلکہ اگر فرض کیا جائے کہ اس کا خاوند اس وقت فوت ہوا جب وہ دردِ زہ میں مبتلا تھی اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جانے سے پہلے اس نے حمل وضع کر دیا تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق: 4]

''اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں۔''

لیکن جب وہ غیر حاملہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ عورت پر دورانِ عدت سوگ کرنا واجب ہے، اور سوگ کرنے کا مطلب ہے کہ وہ ہر ایسی چیز سے اجتناب کرے جو جماع یا اس کی طرف دیکھنے کی رغبت پیدا کرے۔ اور اب ہم وہ چیزیں ذکر کرتے ہیں:

1. پہلی چیز یہ ہے کہ وہ اسی گھر میں رہے جس میں اس کا خاوند فوت ہوا ہے جبکہ وہ اسی گھر میں سکونت پذیر ہو، اس سے بلا ضرورت باہر نہ نکلے اور ضرورت کے لیے نکلنا صرف دن کے اوقات میں ہو۔
2. دوسری چیز یہ کہ ہمہ قسم کی خوشبو سے اجتناب کرے، خواہ وہ خوشبو عود وغیرہ کی دھونی کی شکل میں ہو یا خوشبو دار تیل ہو۔ ہاں، جب وہ حیض سے فارغ ہو تو وہ حیض کی وجہ سے پیدا ہونے والی بدبو کو زائل کرنے کے لیے عود کی طرح کی خوشبو استعمال کر سکتی ہے۔
3. تیسری چیز یہ کہ وہ جملہ قسم کے زیورات سے پرہیز کرے، خواہ وہ زیورات ہاتھ میں

پہنے جانے والے ہوں یا سینے کے، پاؤں کے زیورات ہوں یا کان اور سر کے۔

4 چوتھی چیز یہ کہ وہ تمام زیب و زینت والے کاموں سے اجتناب کرے، جیسے: سرمہ، لپ اسٹک، مہندی اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔

یہ چار چیزیں وہ ہیں کہ جن سے اجتناب کا التزام کرنا اس عورت پر واجب ہے جو اپنے خاوند کی وفات کی وجہ سے سوگ منا رہی ہو۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کا پوری عدت سے پانچ دن پہلے گھر سے نکلنے کا حکم:

سوال ایک عورت نے اپنے خاوند کی وفات کی عدت کے چار ماہ پانچ دن گزار لیے، صرف پانچ دن باقی ہیں۔ کیا اس کے لیے گھر سے نکلنا جائز ہے؟

جواب اس کے لیے اپنے گھر سے نکلنا اور سفرِ حج پر روانہ ہونا جائز نہیں ہے اگرچہ وہ نوح علیہ السلام کی عمر جتنی ہو جائے۔ (عفیفی رحمہ اللہ)

جس عورت کو ساڑھے چار ماہ بعد اپنے خاوند کی وفات کا علم ہوا اس کی عدت کا حکم:

سوال ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا اور اسے ساڑھے چار ماہ کے بعد اس کا علم ہوا۔ کیا وہ عدت گزارے گی یا اس کی عدت پوری ہو چکی ہے؟

جواب عدتِ وفات اور عدتِ طلاق کی ابتدا نفسِ جدائی سے ہے، پس اگر ہم فرض کریں کہ ایک عورت کو ساڑھے چار ماہ کے بعد اپنے خاوند کی موت کا پتا چلا، جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے تو اس پر عدت نہیں ہے کیونکہ عدت کی ابتدا جدائی کے دن سے ہے، اسی طرح مثلاً اگر اسے معلوم ہوا کہ اس کا خاوند دو مہینے ہوئے فوت ہو چکا ہے تو وہ دو مہینے دس دن عدت گزارے گی۔

اسی طرح کسی عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی جب کہ وہ اس سے غائب تھا، اور عورت کو اس طلاق کا اس وقت علم ہوا جب اس کو تین ماہواریاں آ چکی تھیں تو اس کی عدت ختم ہو گئی، اور وہ فوراً شادی کر سکتی ہے کیونکہ عدت کی ابتدا موت وغیرہ کے ذریعے ہونے والی جدائی سے شمار ہو گی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوگ کے بعض احکام

سوگ منانے والی عورت کا چاند اور محرم رشتہ داروں سے چہرہ چھپانے کا حکم:

سوال سوگ منانے والی عورت کا چاند اور اپنے محرم رشتہ داروں سے چہرہ چھپانے کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ یہ شریعت سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ خرافات اور فضول باتوں میں سے ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

عورت کا دورانِ سوگ حج کرنے کا حکم:

سوال وہ عورت جس کی سوگ والی عدت آٹھ ذوالحج کو ختم ہو رہی ہے، کیا وہ سفرِ حج پر روانہ ہوسکتی ہے؟

جواب وہ عورت جو سوگ میں ہے اس کے لیے سفر جائز نہیں ہے، ائمۂ اربعہ کا یہی موقف ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

خانہ بدوش عورت کے سوگ کا حکم:

سوال خانہ بدوش عورت جو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتی رہتی ہے، اس کے سوگ کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ منتقل ہو جائے اور جدھر بھی سکونت پذیر ہوتی ہے، اسی کو اپنا مسکن بنائے۔ اس پر وہی کچھ لازم ہے جو شہری عورت پر لازم ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

عدت والی عورت کا تدریس وتمریض کے لیے نکلنے کا حکم:

سوال عدت والی عورت کا تدریس اور تمریض کے لیے نکلنے کا کیا حکم ہے؟

جواب ایسی عورت کا جو اپنے خاوند کی وفات کی عدت میں ہے دن کے اوقات میں ایسے ضروری کام کے لیے گھر سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے جو کام اس کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔ ان ضرورتوں میں سے عورت کا اپنے اعمالِ مطلوبہ مثلاً تدریس و

تمریض اور دیگر ان کام، جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں جن کا مردوں سے کوئی تعلق نہیں، کی ادائیگی کے لیے نکلنا بھی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ خوشبو، بھڑکیلے لباس اور زیب و زینت سے اجتناب کرے۔ (محمد بن ابراہیم)

عدت والی عورت کا امتحان میں شرکت کرنے کا حکم:

سوال عدت والی خاتون کا امتحان میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

جواب ایک عورت اپنے امتحان کے لیے جانے کا فتویٰ پوچھتی ہے۔ معلوم رہے کہ اس کا بھائی خود گاڑی میں اسے امتحان گاہ تک لے جائے اور پھر گھر واپس لائے گا۔ امتحان گاہ میں صرف عورتیں ہی ہوتی ہیں اور یہ کہ وہ شرعی لباس میں جائے گی، پس جب صورتِ حال ایسی ہے جیسی کی بیان گئی ہے تو بظاہر اس کا نکلنا جائز ہے لیکن اس پر سوگ کے احکام کا التزام اور سوگ میں استعمال کیے جانے والے کپڑوں کا پہننا ضروری ہے، نیز وہ مردوں سے اختلاط نہ کرے۔ (محمد بن ابراہیم)

عورت کا بھول کر بغیر قصد و ارادے کے سوگ کی مدت میں اضافہ کر بیٹھنا:

سوال ایک عورت نے چار ماہ دس دن عدت گزاری لیکن بغیر قصد و ارادے کے بھول کر اس عدت پر دو دنوں کا اضافہ ہوگیا۔ کیا یہ زیادتی اس کی عدت میں خلل پیدا کرے گی؟

جواب یہ زیادتی اس کی عدت میں خلل پیدا نہیں کرے گی اب جبکہ اس کی عدت پوری ہوگئی وہ عدت سے فارغ ہوگئی۔ عدت اور احداد کے ایام پر عمداً زیادتی کرنا تو جائز نہیں ہے اور اگر بھول کر ایسا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ [البقرۃ: 286]

”اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔“

(محمد بن ابراہیم)

خاوند کا سوگ کرنے والی عورت کے لیے کیا جائز ہے اور کیا ناجائز؟

سوال خاوند کی وفات کا سوگ کرنے والی عورت کے لیے کون سی چیزیں جائز اور کون سی ناجائز ہیں؟

جواب خاوند کی وفات پر سوگ منانے والی عورت پر مندرجہ ذیل احکام کی پابندی ضروری ہے:

1. عورت لازماً اسی گھر میں رہے گی جہاں اس کے خاوند کی موت ہوئی ہے اور وہ اسی میں سکونت اختیار کیے ہوئے ہے وہ اس گھر سے ضروری کام مثلاً بیماری کی صورت میں ہسپتال جانا، بازار سے ضروری اشیاء مثلاً روٹی وغیرہ خریدنے کے علاوہ نہیں نکلے گی۔
2. وہ خوبصورت اور جاذبِ نظر لباس سے اجتناب کرے گی اور اس کے علاوہ عام لباس پہنے گی۔
3. وہ ہر قسم کی خوشبو وغیرہ سے پرہیز کرے گی۔ ہاں، جب وہ حیض سے پاک ہو تو عود کی دھونی لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
4. وہ سونا، چاندی اور ہیرے وغیرہ کے زیورات پہننے سے پرہیز کرے، خواہ وہ ہار ہوں یا کنگن وغیرہ۔
5. وہ سرمے اور مہندی سے اجتناب کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عدت والی عورت کو ان تمام امور سے منع فرمایا ہے۔

وہ جب چاہے پانی، صابن اور بیری کے پتوں سے غسل کر سکتی ہے، وہ اپنے قریبی رشتہ داروں وغیرہ سے جب چاہے ہم کلام ہو لے، وہ اپنے محرم رشتے داروں کے ساتھ بیٹھ سکتی ہے اور ان کو قہوہ، کھانا وغیرہ پیش کر سکتی ہے، وہ اپنے گھر، گھر کے باغیچے اور گھر کی چھت پر دن اور رات کے اوقات میں تمام گھریلو کام کر سکتی ہے، مثلاً: کھانا پکانا، سلائی کڑھائی، گھر میں جھاڑو دینا، کپڑے دھونا اور جانوروں کا دودھ دوہنا، اسی طرح وہ کام بھی کر سکتی ہے جو وہ عورتیں کرتی ہیں جو عدت میں نہیں ہیں، وہ دوسری عورتوں کی طرح چاندنی رات میں سفر کر سکتی ہے اور جب اس کے پاس کوئی غیر محرم نہ ہو تو وہ اپنے سر سے دوپٹا اتار سکتی ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

سوگ والی عورت کے لیے اپنے بچوں کو نہلانے اور خوشبو لگانے کا حکم، نیز اس کو دورانِ عدت پیغام نکاح دینے کا حکم:

سوال کیا خاوند کی وفات کا سوگ کرنے والی عورت کے لیے بچوں کو پانی سے نہلانا اور خوشبو لگانا جائز ہے؟ کیا اس کو عدت کے دوران نکاح کا پیغام بھیجنا جائز ہے؟

جواب خاوند کی وفات پر سوگ کرنے والی عورت کے لیے خوشبو کو چھونا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے لیکن اپنے بچوں یا مہمانوں کو ان کے ساتھ اس میں شریک ہوئے بغیر پیش کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

ایسی عورت کو عدت سے فارغ ہونے سے پہلے صراحتاً نکاح کا پیغام بھیجنا جائز نہیں ہے، البتہ بغیر تصریح کے اشارتاً پیغام دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ [البقرة: 235]

''اور تم پر اس بات میں کچھ گناہ نہیں جس کے ساتھ تم ان عورتوں کو پیغامِ نکاح کا اشارہ کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے اشارتاً پیغام دینے کو مباح قرار دیا ہے مگر صراحتاً پیغام دینے کو جائز قرار نہیں دیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس میں حکمتِ بالغہ ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

بعض وجوہات کی بنا پر عدت میں تاخیر کرنے کا حکم:

سوال میری عمر چالیس سال ہے۔ میں شادی شدہ ہوں اور میرے پانچ بچے ہیں۔ 12 مئی 1985م کو میرے خاوند کا انتقال ہوگیا لیکن بعض اعمال کی وجہ سے، جو میرے خاوند اور بچوں کے متعلق تھے، میں عدت نہ گزار سکی لیکن چار ماہ گزرنے کے بعد میں نے 12 ستمبر 1985م سے عدت گزارنا شروع کی مگر میں عدت کا ایک مہینہ گزار پائی تھی کہ مجھے ایک حادثہ پیش آیا جس کی وجہ سے میں گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہوگئی۔ کیا یہ مہینہ عدت میں شمار ہوگا؟ کیا میرا یوں، یعنی خاوند کی وفات کے چار ماہ بعد، عدت گزارنا صحیح ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ میں گھر کے اندر کچھ کام سرانجام دیتی ہوں کیونکہ میرے پاس کوئی شخص نہیں ہے جس پر میں گھریلو کاموں کے لیے اعتماد کرسکوں۔

جواب بلاشبہ تمھارا یہ عمل حرام ہے کیونکہ عورت پر واجب ہے کہ جب اسے اپنے خاوند کی وفات کا علم ہو اس وقت سے وہ عدت اور سوگ کا آغاز کرے، اور اس میں تاخیر کرنا اس کو حلال نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ﴾ [البقرة: 234]

''اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے اور دس راتیں انتظار میں رکھیں۔''

اور تمھارا چار ماہ تک انتظار کر کے عدت شروع کرنا گناہ اور اللہ عزوجل کی نافرمانی ہے۔ تمھاری عدت میں صرف دس دن شمار ہوں گے اور جو ایام اس سے زیادہ ہوئے تو ان میں تم عدت گزارنے والی نہیں سمجھی جاؤ گی، لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اللہ عزوجل سے توبہ کرو اور کثرت سے نیک اعمال بجا لاؤ، شاید کہ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کر دے۔ عدت کا وقت گزرنے کے بعد اس کی قضا نہیں دی جا سکتی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اس عورت کے سوگ منانے کا حکم جس کا خاوند اس سے ہمبستری کرنے سے قبل ہی فوت ہو گیا:

سوال ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس سے دخول سے قبل فوت ہو گیا تو کیا اس عورت پر سوگ منانا لازم ہوگا؟

جواب جس عورت کا خاوند عقدِ نکاح کے بعد اور دخول سے پہلے وفات پا گیا اس کی بیوہ پر عدت گزارنا اور سوگ منانا لازم و ضروری ہے کیونکہ محض نکاح سے عورت بیوی بن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں شامل ہو جاتی ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ﴾ [البقرة: 234]

''اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے اور دس راتیں انتظار میں رکھیں۔''

نیز امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا تحد المرأة على ميت فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر وعشرا))[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1221] صحيح مسلم، رقم الحديث [1486]

''عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، سوائے خاوند کے کہ وہ اس پر چار ماہ دس دن تک سوگ منائے گی۔''

نیز اہل سنن اور امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے متعلق، جس کا خاوند ان سے نکاح کے بعد دخول و مجامعت سے قبل وفات پا گیا تھا، فیصلہ کیا کہ اس پر عدت واجب ہے اور وہ وراثت کی مستحق ہے۔
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کا ایام سوگ میں ٹیلی فون استعمال کرنے کا حکم:

سوال کیا فوت شدہ خاوند پر سوگ منانے والی عورت کے لیے دورانِ سوگ دیگر عورتوں اور اپنے قریبی رشتہ داروں، مثلاً اپنے بیٹے سے ٹیلی فون پر گفتگو کرنا جائز ہے؟

جواب جی ہاں، اصل اباحت پر عمل کرتے ہوئے اس عورت کے لیے دیگر عورتوں اور محارم مردوں سے گفتگو کرنا جائز ہے، اور غیر محرم مردوں سے بھی ٹیلی فون پر گفتگو کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی مخالفت نہ ہو۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کا دورانِ سوگ وقت معلوم کرنے کے لیے گھڑی باندھنے کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے دورانِ سوگ وقت معلوم کرنے کے لیے، نہ کہ زینت کی غرض سے، گھڑی باندھنا جائز ہے؟

جواب ہاں، اس کے لیے یہ جائز ہے کیونکہ حکم قصد و ارادے کے تابع ہے، ویسے گھڑی نہ باندھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ زیور سے مشابہت رکھتی ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

پچپن سالہ عورت کا دورانِ سوگ مخصوص رنگ کے کپڑے پہننے کا حکم:

سوال کیا عورت کے لیے دورانِ سوگ مخصوص قسم اور رنگ کے کپڑے پہننا جائز ہے جبکہ اس کی عمر تقریباً پچپن سال ہے؟

جواب عدتِ وفات گزارنے والی عورت خوبصورت لباس پہننے سے پرہیز کرے۔
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

فوت شدہ خاوند پر اظہارِ غم کے لیے سیاہ کپڑے پہننے کا حکم:

سوال کیا فوت شدہ شخص پر اظہارِ غم کے لیے سیاہ کپڑے پہننا جائز ہے اور خاص طور پر جب فوت ہونے والا اس کا خاوند ہو؟

جواب مصائب کے وقت سیاہ لباس پہننا باطل شعار ہے، اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ انسان کو مصیبت کے وقت وہ کام کرنا چاہیے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ وہ مصیبت کے وقت پڑھے:

"إنا لله وإنا إليه راجعون. اللهم أجرني في مصيبتي، واخلف لي خيراً منها"[1]

''یقیناً ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور بلاشبہ ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری مصیبت میں اجر عطا کر اور مجھے اس کا نعم البدل عطا کر۔''

لہٰذا جب بندہ ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے یہ کلمات پڑھے گا تو بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو اس کے صلے میں اجر وثواب عطا کرے گا اور اس کا بہتر بدلہ عطا کرے گا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ صورت پیش آئی جب ان کے چچا زاد خاوند ابو سلمہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے جو ان کو تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھے تو انھوں نے مذکورہ کلمات پڑھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اپنے دل میں کہتی: ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون ہے؟ پس جب ان کی عدت ختم ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے۔ اسی طرح جو بھی اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے یہ کلمات ادا کرے گا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت پر اس کو اجر وثواب عطا کرے گا اور اس کو اس کا بہتر عوض عطا کرے گا۔

رہا مخصوص لباس، مثلاً کالا اور اس کے مشابہ پہننا تو اس کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے بلکہ یہ ایک باطل اور مذموم امر ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جس عورت کا خاوند ایسے شہر میں فوت ہوا جہاں اس کے رشتہ دار نہیں تو اس کا اپنے ولی کے شہر منتقل ہونے کا حکم:

سوال ایک عورت نے کسی شخص سے شادی کر لی، پھر اس کا خاوند فوت ہو گیا درآں حالیکہ

[1] صحيح. مسند أحمد [309/6]

اس شخص کی اس عورت سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور نہ ہی خاوند کے شہر میں عورت کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے تو کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے خاوند کے شہر سے اپنے ولی کے شہر میں منتقل ہو جائے؟ تا کہ وہاں وہ عدت پوری کرے اور سوگ منا سکے یا جائز نہیں ہے؟

جواب اس عورت کے لیے جائز ہے کہ جب اس کو اپنی جان کا ڈر ہو یا اپنی عزت کا خطرہ ہو اور کوئی اس کے پاس نہ ہو جو اس کی عزت کا محافظ ہو تو وہ اپنے ولی کے گھر منتقل ہو جائے یا کسی بھی جگہ جہاں وہ امن محسوس کرے تا کہ وہ اپنی عدت پوری کر سکے اور اپنے خاوند پر سوگ منا سکے۔

لیکن جب اس کو اپنے متعلق کسی قسم کی دست درازی کا خوف نہ ہو بلکہ وہ صرف اپنے میکے کے قریب رہنا چاہتی ہو تو اس کے لیے وہاں سے منتقل ہونا جائز نہیں ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے مکان میں ہی ٹھہرے یہاں تک کہ اس کے سوگ کی مدت پوری ہو جائے، پھر وہ اپنے محرم کے ساتھ کہیں بھی چلی جائے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت اس گھر میں سوگ منائے جہاں اس کو خاوند کی وفات کی خبر پہنچی یا خاوند کے گھر کی طرف پلٹ آئے:

سوال کیا اس عورت پر لازم ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا کہ وہ اسی گھر میں رہ کر سوگ منائے جہاں اسے خاوند کی وفات کی خبر پہنچی یا وہ اپنے خاوند کے گھر میں سوگ منائے؟ اور کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے میکے وغیرہ میں منتقل ہو جائے؟

جواب اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اسی گھر میں ٹھہرے جہاں وہ سکونت پذیر ہے۔ بالفرض اگر اس کو خاوند کے فوت ہونے کی اطلاع اس وقت ملی جب وہ اپنے کسی قریبی رشتے دار کے ہاں ملنے گئی ہوئی تھی تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس گھر میں واپس پلٹ آئے جہاں پر وہ رہائش پذیر ہے۔ ہم پہلے یہ بیان کر آئے ہیں کہ وہ کونسے پانچ امور ہیں جن سے عورت پرہیز کرے، من جملہ ان کے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر سے نہ نکلے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا سوگ منانا صرف بیوی کے حق میں لازم ہے؟

سوال کیا فوت ہونے والے شادی شدہ مرد کا سوگ اس کی بیوی کے علاوہ دوسروں پر، مثلاً: اس کی بیٹیوں، بہنوں اور بعض دیگر قرابت دار عورتوں پر بھی لازم ہوگا یا وہ صرف اس کی بیوی کے لیے خاص ہے؟ کیونکہ ہمارے ہاں رواج یہ ہے کہ مذکر میت پر ہر قرابت دار سوگ مناتا، سیاہ کپڑے پہنتا اور زیب و زنیت ترک کرتا ہے۔ کیا ایسا کرنا ان کے لیے جائز ہے؟

جواب سوگ منانا صرف عورتوں کے لیے ہے، مردوں کے لیے نہیں ہے، پس مردوں کے لیے کسی میت پر سوگ منانا جائز نہیں، سوگ منانا عورتوں کی خصوصیات میں سے ہے۔ سوگ منانے کا مطلب یہ ہے کہ عورت مدتِ معینہ میں زیب و زینت اور مردوں کو رغبت دلانے والی اشیاء، مثلاً: خوشبو اور تحسین سے گریز کرے۔ سوگ کا حکم یہ ہے کہ یہ میت کی قریبی عورتوں اور دیگر عورتوں کے لیے صرف تین دین کے لیے مباح ہے لیکن میت کی بیوی کے لیے عدتِ وفات کے دوران سوگ منانا واجب ہے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر و عشرا»[1]

''اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، سوائے خاوند کے، اس پر وہ چار ماہ دس دن سوگ منائے گی۔''

حاصل کلام یہ کہ عدتِ وفات کی مدت میں بیوی پر سوگ منانا واجب ہے۔ رہیں بیوی کے علاوہ دوسری عورتیں تو ان کے لیے میت پر صرف تین دن سوگ منانا جائز و مباح ہے مگر مرد تو بلاشبہ کسی حالت میں بھی سوگ نہیں منائیں گے۔

جہاں تک کالے کپڑے پہننے کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں۔ اسلام نہ مردوں کو اس کی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1221] صحيح مسلم، رقم الحديث [1486]

اجازت دیتا ہے اور نہ ہی عورتوں کو کیونکہ سیاہ لباس غم اور جزع کا اظہار کرتا ہے جبکہ اسلام کا طریقہ یہ نہیں ہے حتی کہ سوگ منانے والی عورت بھی سیاہ لباس نہیں پہنے گی وہ تو صرف عام حالت میں پہنے جانے والے کپڑے زیبِ تن کرے گی، جن میں زیب و زینت نہ ہو اور نہ ہی نظر کو متوجہ کرنے کا انداز ہو۔ یہ کپڑے کسی خاص رنگ، مثلاً: سیاہ، سبز اور سرخ کے ساتھ مختص نہیں ہیں، وہ ایسا لباس پہنے جس کا رواج ہو اور اس میں زیب و زینت نہ ہو۔ (الفوزان)

خاوند کی بد سلوکی کے نتیجے میں عورت کے لیے اس کا گھر چھوڑنے کا حکم:

سوال میرا خاوند، اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے، باوجود اس کہ وہ اخلاقِ فاضلہ اور خشیتِ الٰہی کا التزام کرتا ہے مگر گھر میں وہ میری بالکل پرواہ نہیں کرتا اور ہمیشہ ترش روئی اور تنگ دلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ایسا میری وجہ سے کرتا ہے لیکن خدا شاہد ہے کہ میں اس کے حقوق ادا کرتی ہوں، اس کو آرام و سکون پہنچانے کی کوشش کرتی ہوں اور ہر اس چیز کو اس سے دور رکھتی ہوں جو اس کو بری لگتی ہے۔ میں اپنے ساتھ اس کے ان رویوں پر صبر کرتی ہوں جب بھی میں اس سے کسی چیز کا سوال کرتی یا کسی معاملے میں کلام کرتی ہوں تو وہ غصے سے سیخ پا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ معمولی اور گھٹیا کلام ہے۔

واضح رہے کہ وہ اپنے ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ بہت ہشاش بشاش رہتا ہے مگر میں تو صرف اس کی طرف سے ڈانٹ ڈپٹ اور بُرے معاملے کو ہی دیکھتی ہوں۔ یقیناً اُس کے اِس رویے سے میں سخت الم و تکلیف محسوس کرتی ہوں اور اس نے مجھے عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ کئی دفعہ میں نے گھر سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا ہے۔ میں الحمد للہ متوسط درجے کی تعلیم یافتہ ہوں اور اللہ نے جو مجھ پر ذمہ داریاں عائد کی ہیں ان کو ادا کرنے والی ہوں۔

جناب شیخ! کیا جب میں اپنے گھر کو چھوڑ دوں اور اپنے بچوں کی خود تربیت کروں اور تنہا ہی زندگی کی مشکلات کا سامنا کروں تو کیا میں گناہگار ہوں گی؟ یا میں اس کے ساتھ اس حال میں رہوں اور اس سے کلام کرنے، اس کی شریک بننے اور اس کی مشکلات

کا احساس کرنے سے رکی رہوں؟

جواب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زوجین پر اچھا رہن سہن رکھنا اور محبت اور اخلاقِ فاضلہ کی صورتوں کا عمدگی اور حسنِ معاشرت کے ساتھ تبادلہ کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ [البقرۃ: 228]

''اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے جیسے ان کے اوپر حق ہے، اور مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔''

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«البر حسن الخلق»[1] ''نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے۔''

نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

«لا تحقرن من المعروف شيئاً، ولو أن تلقى أخاك بوجه طلق»[2]

''بھلائی کے کسی کام کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملاقات کر سکو۔''

ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے، نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«أكمل المؤمنين إيماناً أحسنهم خلقا، وخياركم خياركم لنسائكم وأنا خيركم لأهلي»[3]

''مومنوں میں سے کامل مومن وہ ہے جو ان میں سے اخلاق میں اچھا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2553]

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2626]

[3] **صحیح**. سنن الترمذي، رقم الحدیث [1162]

اور تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہے، اور میں تم سب سے اپنے اہل کے لیے بہتر ہوں۔"

اس کے علاوہ بھی کئی احادیث ہیں جو حسنِ خلق، اچھی ملاقات اور عام مسلمانوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب دیتی ہیں تو بھلا میاں بیوی اور اقارب کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا کیوں اہم نہ ہوگا؟

تم نے اپنے خاوند کے ظلم اور بداخلاقی پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کر کے بہت اچھا کیا، مزید میں تم کو صبر کرنے اور گھر نہ چھوڑنے کی وصیت کرتا ہو کیونکہ اس میں، ان شاء اللہ، خیر و بھلائی ہے اور اچھے انجام کی امید ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [الأنفال: 46]

"اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [یوسف: 90]

"بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو ڈرے اور صبر کرے تو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

مزید اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر: 10]

"صرف صبر کرنے والوں ہی کو ان کا اجر کسی شمار کے بغیر دیا جائے گا۔"

نیز اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ [هود: 49]

"پس صبر کر، بے شک اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔"

اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اس کو ایسے الفاظ کے ساتھ مخاطب کرو اور اپنی طرف متوجہ کرو جو الفاظ اس کے دل کو نرم کر دیں، اور اس کے تمھاری طرف انبساط اور

تمھارے حق کا احساس دلانے کا سبب اور ذریعہ بنیں۔ جب تک وہ اہم اور واجب امور کی ادائیگی کر رہا ہے تم دنیاوی حقوق کا مطالبہ ترک کردو یہاں تک کہ اس کا دل صاف ہوجائے اور اس کا سینہ تیرے مطالبات کے لیے کشادہ ہوجائے۔ عنقریب تم اس کے اچھے انجام پر، ان شاء اللہ، اللہ کا شکریہ ادا کرو گی۔

اللہ تعالیٰ تم کو مزید خیر و بھلائی کی توفیق عطا فرمائے اور تمھارے خاوند کی حالت بہتر کر دے، اس کو رشد و ہدایت عطا کر دے اور اس کو حسنِ اخلاق، خندہ پیشانی اور حقوق کی نگہداشت کی توفیق عطا فرمائے۔ بلاشبہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے سوال کیا جائے، کیونکہ وہ ہی سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

کیا عورت کسی وجہ سے اپنے خاوند کے قریب آنے سے باز رہنے پر گناہ گار ہوتی ہے؟

سوال کیا عورت گناہ گار ہوتی ہے جب وہ اپنے خاوند کے طلب کرنے پر، کسی نفسیاتی حالت جس میں وہ مبتلا ہے یا کسی بھی مرض کی وجہ سے جو اس کی تکلیف کا باعث بنتا ہے، اس کے پاس آنے سے رکی رہے؟

جواب عورت پر واجب ہے کہ جب اس کا خاوند اس کو اپنے بستر پر بلائے تو وہ اس کی بات مانے لیکن جب وہ کسی نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو جس کی وجہ سے اس کے لیے خاوند کا سامنا کرنا ممکن نہ ہو تو خاوند کو اس حالت میں حلال نہیں ہے کہ وہ اس سے بستر پر آنے کا مطالبہ کرے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لا ضرر ولا ضرار»[1] ''نہ کسی تکلیف کو قبول کرو اور نہ کسی کو تکلیف پہنچاؤ۔''

لہٰذا خاوند پر واجب ہے کہ وہ قدرے توقف کرے یا پھر عورت سے ایسے انداز میں لطف اندوز ہو جو اس کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

---

[1] حسن. مسند أحمد [313/1]

خلع کے احکام

خلع کی حقیقت کا بیان:

سوال کتاب وسنت کی روشنی میں خلع کی حقیقت کیا ہے؟

جواب کتاب وسنت کی روشنی میں خلع کا مطلب ہے کہ عورت خاوند کو ناپسند کرتی ہو اور اس سے جدائی کا ارادہ رکھتی ہو تو وہ خاوند کو سارا یا کچھ حقِ مہر دے کر اپنی جان کا فدیہ دے جس طرح قیدی اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے فدیہ دیا کرتا ہے۔ جب عورت خاوند کو ناپسند رکھتی ہو اور اس سے جدائی حاصل کرنا چاہتی ہو تو وہ اس سے علیحدگی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کا فدیہ دے گی، اور جو حقِ مہر اس نے خاوند سے لیا ہے وہ واپس کر دے گی اور جو اس کے ذمہ ہے اس کو بری کر دے گی اور خاوند اس کو خلع دے دے گا، جیسا کہ یہ کتاب وسنت سے ثابت ہے اور ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

خلع کے ایک طلاق شمار ہونے اور اس میں لفظِ طلاق اور نیت کا حکم:

سوال کیا خلع تین طلاقوں میں سے ایک طلاق شمار ہوگی؟ کیا اس کے لیے شرط ہے کہ یہ لفظ طلاق اور اس کی نیت کے بغیر ہو؟

جواب اس مسئلے میں سلف و خلف میں اختلاف کافی مشہور ہے۔

پہلا قول: امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ خلع فرقتِ بائنہ اور فسخِ نکاح ہے، اگر کوئی دس مرتبہ بھی اپنی بیوی کو خلع دے تو تین طلاقوں میں سے کوئی طلاق نہ ہوگی بلکہ مرد کو، اس سے پہلے کہ وہ عورت کے علاوہ کسی اور شخص سے شادی کرے، اس سے عقدِ جدید کرنے کا حق ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے اور ان کے شاگردوں میں سے ایک جماعت نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے، اور یہی قول ہے جمہور فقہائے حدیث کا، جیسے کہ اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، داود بن منذر، ابن خزیمہ رحمہم اللہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے شاگردوں طاؤس اور

عکرمہ سے بھی یہ قول ثابت ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ خلع طلاقِ بائن ہے اور تین طلاقوں سے شمار ہوگا۔ سلف میں سے اکثر کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ، مالک اور شافعی رحمہم اللہ کا، ان کے آخری قول کے مطابق بھی ان کا یہی مذہب ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ نیا موقف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک دوسری روایت کے مطابق یہی قول مروی ہے۔ عمر، عثمان، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہی قول منقول ہے لیکن امام احمد اور دیگر علمِ حدیث کے ائمہ، مثلاً ابن منذر، ابن خزیمہ، بیہقی اور دیگر علماء نے مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس قول کے مروی ہونے کو ضعیف قرار دیا ہے، انھوں نے صرف ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول ''بلاشبہ خلع فسخِ نکاح ہے طلاق نہیں'' کو ہی صحیح قرار دیا ہے۔

رہے امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ تو انھوں نے کہا ہے کہ ہم اس شخص کے حالات سے واقف نہیں جس نے عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ موقف بیان کیا ہے کہ کیا یہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے؟ بلکہ انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اس کی صحت سے واقف نہیں ہیں۔ اور اہلِ علم میں سے میں کسی کو نہیں جانتا جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس موقف کے منقول ہونے کو صحیح قرار دیا ہو کہ خلع طلاقِ بائن ہے، تین طلاقوں میں شمار ہوگی بلکہ ان کے نزدیک عثمان رضی اللہ عنہ سے جو موقف صحیح ثابت ہے وہ یہ ہے کہ صحیح سند کے ساتھ عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے خلع لینے والی عورت کو ایک حیض کے ساتھ استبرائے رحم کرنے کا حکم دیا تھا اور کہا تھا: تم پر عدت نہیں ہے۔ یہ روایت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ ان کے نزدیک خلع فرقتِ بائنہ ہے، طلاق نہیں ہے کیونکہ نصِ قرآنی اور مسلمانوں کے اتفاق سے یہ ثابت ہے کہ مجامعت کے بعد دی جانے والی طلاق تین حیض کی عدت کو واجب کرتی ہے، برخلاف خلع کے، بلاشبہ سنت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض سے استبرائے رحم کرنا ہے۔ اسحاق اور ابن المنذر اور ان کے علاوہ علماء رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت اس مذہب کی تائید کرتی ہے۔

بلاشبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک عورت کو دو طلاقوں اور ایک خلع کے بعد اور اپنے خاوند کے علاوہ کسی دوسرے سے نکاح کرنے سے پہلے اس کے خاوند کی طرف نکاح کرنے کے لیے لوٹا دیا تھا۔ ابراہیم بن سعد بن ابی وقاص کو جب زبیر رضی اللہ عنہ نے یمن کا والی بنایا تو انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ دریافت کرتے ہوئے کہا: یمن والوں کی عام طلاق فدیہ (دے کر خلع لینا) ہی ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو جواب دیا کہ فدیہ (دے کر خلع لینا) طلاق نہیں ہے، لوگوں نے طلاق کا خلع نام رکھنے میں غلطی کی ہے۔

(ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

جب عورت نے خاوند کو طلاق کے عوض ذمہ داریوں سے بری کر دیا، بعد میں براءت ساقط کرنے کے لیے اپنی بیوقوفی کا دعویٰ کیا:

سوال ایک خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تُو مجھے میری ذمہ داریوں سے سے بری کر دے تو میں تجھے طلاق دے دوں گا، پس عورت نے اس کو بری کر دیا۔ وہ عورت ایسی نہیں ہے کہ اس کو کم عقلی کی وجہ سے تصرف کرنے سے روکا گیا ہو، نہ اس کا باپ ہے نہ بھائی، پھر اس عورت نے دعویٰ کیا کہ وہ بیوقوف ہے تاکہ وہ اس براءت کو ساقط کر سکے۔ کیا اس دعوے کے بعد براءت ساقط ہو جائے گی؟

جواب صرف اس کے دعوے سے براءت باطل نہیں ہوگی۔ اگر وہ اپنی بے وقوفی پر کوئی دلیل پیش کر دے اور وہ ایسی عورت نہیں ہے کہ اس کو کم عقلی کی وجہ سے تصرف سے روکا گیا ہو تو اس سے براءت ساقط نہیں ہوگی، اگر وہ خود ہی تصرف کرنے والی ہو۔ واللہ اعلم

(ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

سوال ایک عورت نے اپنے خاوند کو اپنے کل حقِ مہر سے بری کر دیا، پھر اس کے بعد خاوند نے اپنے متعلق یہ گواہی دی کہ بلاشبہ اس نے اپنی مذکورہ بیوی کو حقِ مہر سے بری کرنے کی بنیاد پر طلاق دے دی، براءت طلاق سے مقدم تھی۔ کیا طلاق صحیح ہے؟ اور اگر طلاق واقع ہوگئی ہے تو کیا رجعی طلاق ہوگی یا نہیں؟

جواب اگر دونوں میاں بیوی نے اس پر اتفاق کیا تھا کہ بیوی اپنا حقِ مہر خاوند کو ہبہ کر کے

اس کو اس سے بری کر دے گی اور خاوند اس کو طلاق دے گا۔ پھر بیوی نے خاوند کو بری کر دیا اور خاوند نے اس کو طلاق دے دی تو یہ طلاقِ بائن ہوگی۔ اسی طرح اگر خاوند نے بیوی کو کہا: مجھے بری کر دو، میں تمھیں طلاق دے دوں گا، یا یوں کہا: اگر تُو مجھے بری کر دے گی تو میں تمھیں طلاق دے دوں گا، یا یوں کہا: اگر تو مجھے بری کر دے تو میں نے تجھے طلاق دے دی، یا اس قسم کی دیگر عام اور خاص عبارات بولیں جن سے یہ مفہوم ہوتا ہو کہ خاوند نے بیوی سے اس شرط پر براءت طلب کی کہ وہ اس کو طلاق دے دے گا، لیکن اگر بیوی نے خاوند کو اس طرح بری کیا کہ اس براءت کے طلاق سے کوئی تعلق نہیں تھا، پھر اگر خاوند نے اس کے بعد اس کو طلاق دی تو یہ ایک رجعی طلاق ہوگی۔

لیکن وہ براءت میں رجوع کر سکتی ہے اگر ممکن ہو، وہ اس طرح کہ براءت اس طرح کی ہو جو عادتاً عورتوں سے صادر نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ مرد اس کو اس کی رضا کے خلاف اپنے پاس روک کر رکھے یا اس ڈر کی وجہ سے کہ وہ اس کو طلاق دے دے گا یا وہ اس پر ایک اور عورت سے شادی کر لے گا یا اس طرح کی کوئی اور وجہ ہو جس سے عورت مجبور ہو کر براءت کا اعلان کرے۔

لیکن اگر اس نے خوش دلی کے ساتھ مطلق طور پر براءت کا اعلان کیا ہو اور اس طرح کہ براءت کی ابتدا عورت کی طرف سے ہو، مرد کی طرف سے کسی سبب اور عوض کے بدلے میں نہ ہو تو اس سے عورت رجوع نہیں کر سکتی۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

خلع کے بعد رجوع کا حکم:

سوال ایک سائلہ کہتی ہے: ہم حکم خلع کی وضاحت چاہتے ہیں۔ کیا اس میں رجوع جائز ہے؟ جب وہ عورت جس نے خلع لیا مال دار ہے اور اس کو دو سال گزر چکے ہیں، وہ اپنے خاوند کی طرف پلٹ جانا چاہتی ہے جبکہ اس نے کسی اور خاوند سے اپنے بچوں کی پرورش کرنے کی وجہ سے شادی بھی نہیں کی۔ ہم وضاحت کی امید رکھتے ہیں۔

جواب ہاں، خلع لینے والی کے لیے اپنے خلع دینے والے خاوند کی طرف پلٹ جانا جائز ہے، خصوصاً اس قول کے مطابق کہ خلع فسخِ نکاح ہے، طلاق نہیں ہے۔ خلع کی کوئی

تعداد مقرر نہیں ہے، جتنی بار بھی خلع ہو میاں بیوی پھر سے اکٹھے ہو سکتے ہیں اگرچہ انھوں نے سو مرتبہ خلع کیا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے، علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

حاملہ کے نفقہ کو خلع کا عوض بنانے کا حکم:

سوال کیا حاملہ کے نفقہ کو خلع کا عوض بنانا صحیح ہے؟

جواب ایسا کرنا درست ہے، مذہب (حنبلی) کا مشہور قول یہی ہے کیونکہ نفقہ اگرچہ حمل کے لیے ہے مگر عورت اس کی مالکہ کے حکم میں ہے۔ (السعدی)

باپ کی اجازت کے بغیر خلع لینے کا حکم:

سوال جب بیوی خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے تو خاوند انکار کر دے، الا یہ کہ بیوی اپنے ان حقوق سے دست بردار ہو جو خاوند کے ذمے ہیں، چنانچہ بیوی دست بردار ہوگئی۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے اگرچہ عورت کا باپ اس پر راضی نہ ہو؟

جواب اگر عورت عقلمند اور سمجھدار ہے تو صحیح ہے کیونکہ اس مسئلے میں اس کے والدین کا راضی ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا اُس کا اپنے خاوند کے ساتھ مذکورہ براءت پر راضی ہو جانا ثابت ہو جائے گا اگرچہ اس کے والدین اس کا انکار کریں لیکن اگر وہ سمجھدار نہ ہو یا تو صغر سنی کی وجہ سے یا کم عقلی اور کمزوری کی وجہ سے تو اس کے لیے اپنے والد یا بھائی کی اجازت کے بغیر مرد کو اپنے حقوق سے سبکدوش کرنا صحیح نہ ہوگا، بشرطیکہ اس کی مصلحت خلع کرنے میں ہو، جیسے خلع کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے سے راحت وسکون محسوس کریں۔ (السعدی)

چھوٹی عمر کی یا مجنونہ یا بے وقوف عورت کا خلع لینے کا حکم:

سوال جب چھوٹی عمر کی یا مجنونہ یا کم عقل لڑکی خلع لے لے تو کیا خلع صحیح ہوگا؟

جواب جہاں تک مجنونہ کا تعلق ہے تو اس کو ولی کی اجازت کے بغیر کسی مال میں تصرف کرنے کا حق نہیں ہے، اور نہ ہی ولی کو یہ حق ہے کہ وہ اس طرح کے معاملات میں اس کو اجازت دے، اس لیے کہ اس کو عقل اور معرفت حاصل نہیں ہے۔

رہی بیوقوف اور کم سن عورت تو ان کا اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خلع لینا دیگر تمام معاملات کی طرح ظاہر قول کے مطابق صحیح نہیں ہے، اگر وہ ولی کی اجازت سے ہو تو وہ دیگر معاملات کی طرح ولی کی اجازت سے صحیح ہے تو جس طرح صغیر اور صغیرہ، سفیہ اور سفیہہ کی بیع اور اجارت وغیرہ ان کے ولی کی اجازت سے درست ہے اسی طرح ان کا خلع لینا ولی کی اجازت سے درست ہے۔ ان دونوں معاملوں (بیع کرنے اور خلع لینے) میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن ان کے ولی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ ان کو ایسے کام کی اجازت دے جن میں ان کا نقصان ہے، فائدہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم (السعدی)

باپ کا اپنی کم عمر لڑکی یا لڑکے کے مال سے خلع کرانے کا حکم:

سوال کیا باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی کم عمر لڑکی یا لڑکے کے مال سے خلع کرائے؟

جواب باپ کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے کم عمر لڑکے کے مال سے خلع دیتے ہوئے طلاق دے دے، اسی طرح وہ اپنی کم عمر لڑکی کے مال سے اس کے لیے خلع لینے کا حق رکھتا ہے۔ شیخ موفق اور شارح اسی قول کی طرف میلان رکھتے ہیں کیونکہ اسی میں مصلحت ہے۔ ''الانصاف'' کے مصنف نے اسی قول کو درست اور صحیح کہا ہے اور یہی قول اصل کے موافق ہے۔ کیونکہ باپ اپنی اولاد کا ایسے تمام معاملات میں قائم مقام ہے جن کو وہ عمدگی کے ساتھ سرانجام نہ دے سکتے ہوں۔ (السعدی)

جب خاوند بیوی کو گالیاں دے اور بدسلوکی کرے؟

سوال میں تیرا سال سے شادی شدہ ہوں اور میری تین بیٹیاں ہیں۔ میرا خاوند مجھ سے بدسلوکی کرتا ہے اور مجھے غلیظ گالیاں دیتا ہے، وہ بظاہر دین کا پابند ہے مگر سخت متعصب ہے۔ اس کی اس بدسلوکی کی وجہ سے میرے دل میں اس کی نفرت بیٹھ گئی ہے، میں اس کے برے اخلاق کی وجہ سے اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی، مجھے بتائیے گا کہ میں کیا کروں؟

جواب بلاشبہ شریعت نے ان تمام مسائل کا حل رکھا ہے اور وہ یہ کہ عورت خلع کی طرف رجوع کرے۔ اگر عورت مذکورہ اسباب کی وجہ سے خاوند کو ناپسند کرتی ہو اور وہ اس

ناپسندیدگی میں حق پر ہوتو خاوند کو جائز نہیں ہے کہ وہ بیوی کو بلاوجہ مار پیٹ کرے۔ اگر وہ کسی وجہ سے بیوی کو سزا دینا چاہے تو وہ سزا وعظ ونصیحت، اس کو بستر پر چھوڑنے اور اس قسم کی کاروائی کے بعد ہونی چاہیے۔ خاص طور پر اس نرمی کا بیان عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں بھی موجود ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما كان الرفق في شيء إلا زانه، وما نزع من شيء إلا شانه))[1]

''نرمی جس معاملے میں بھی ہوتی ہے وہ اس کو مزین کر دیتی ہے، اور جس معاملے میں نرمی نہ ہو وہ اس کو عیب دار کر دیتی ہے۔''

صحیح مسلم میں ہی عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن اللّٰه رفيق يحب الرفق، ويعطي على الرفق ما لا يعطي على العنف))[2]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نرم ہیں اور نرمی کو پسند کرتے ہیں، اور نرمی سے وہ چیز عطا کر دیتے ہیں جو سختی کے ساتھ عطا نہیں کرتے۔''

لہٰذا یہ مذکورہ شخص احمق ہے، شریعت کی حدوں کو پھلانگ رہا ہے۔ اس شخص پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان صادق آتا ہے جو بخاری ومسلم کی عائذ بن عمرو کی حدیث میں ہے:

((إن شر الرعاء الحطمة.))[3]

''بلاشبہ ظالم حکمران بدترین حاکم ہے۔''

اس کی بیوی اس کو ناپسند کرتی ہے، پس اگر یہ اس کو طلاق دے دے گا یا وہ اس سے خلع لے لے گی تو اس کی بچیاں آوارہ ہوجائیں گی جبکہ ان کو ماں باپ کی تربیت کی ضرورت ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ مرد کے لیے اپنی بیوی کو مارنا درست نہیں ہے، الا یہ کہ وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرے اور ''فاحشة'' کے مفہوم میں ''نشوز'' (نافرمانی) بھی شامل ہے، جیسا کہ یہ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ابو داود اور ترمذی میں

[1] صحيح. مسند أحمد [206/6]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [2593]

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث [1830]

معاویہ بن حیدہ کی روایت میں ہے کہ بلاشبہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کسی شخص کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أن تطعمها إذا طعمت، وأن تکسوھا اذا اکتسیت، ولا تضرب الوجه، ولا تقبح، ولا تهجر إلا في البيت» ❶

''جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ، جب لباس خرید کر پہنو تو اس کو بھی پہناؤ، اور چہرے پر مت مارو اور اس کو گالی گلوچ نہ کرو اور اس سے قطع تعلقی صرف گھر میں ہی رہ کر کرو۔''

چنانچہ خاوند پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کے معاملے میں اللہ عزوجل سے ڈرے، وہ اپنے گھر کا نگران ہے، اس سے اس کی نگرانی کے متعلق سوال کیا جائے گا، خاص طور پر جب ان کو اس کی انتہائی ضرورت ہو۔ اس پر لازم ہے کہ جب اس کو غصہ آئے تو وہ نماز کی طرف لپکے اور اس کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بہترین نمونہ ہے۔ ہم اللہ سے ہدایت اور توفیق کا سوال کرتے ہیں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

رجعت اور اس کے احکام

مطلقہ رجعیہ کا حکم:

سوال مطلقہ رجعیہ کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم میاں بیوی والا حکم ہے۔ مرد کے لیے اس کو دیکھنا اور اس سے خلوت کرنا جائز ہے اور اس مطلقہ کے لیے عدت کے اندر اندر خاوند کی خدمت کرنا جائز ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ عدت مکمل کرنے سے پہلے اس کے گھر سے نہ نکلے۔ (السعدی)

جب میاں بیوی کا عدت و رجوع میں اختلاف ہو جائے؟

سوال جب عورت نے اپنی عدت مکمل کر لی تو اس کے خاوند نے کہا: میں نے اس سے پہلے تم سے رجوع کر لیا تھا مگر عورت نے اس کی تکذیب کی تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

❶ صحیح. سنن أبي داود، رقم الحدیث [2142]

جواب کتاب ''الزاد'' کے ماتن کا خیال یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس صورت کے مشابہ ہے جب عورت پہلے کہے کہ میری عدت تیرے رجوع کرنے سے پہلے مکمل ہوگئی تھی تو عورت کا قول معتبر ہوگا حتیٰ کہ مرد کوئی دلیل اور گواہی پیش کرے کہ اس نے عدت مکمل ہونے سے پہلے رجعت کر لی تھی اور یہی قول صحیح ہے، کیونکہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ مرد پہلے دعویٰ کرے یا عورت پہلے انکار کرے۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ دلیل و گواہی کرنا مدعی کے ذمہ ہے جبکہ قسم اٹھانا مدعا علیہ کے ذمہ ہوتا ہے، خواہ ان میں سے ایک پہلے دعویٰ کرے یا دوسرا پہلے انکار کرے۔

لیکن مشہور موقف یہ ہے کہ علماء مرد اور عورت کی ابتدا میں فرق کرتے ہیں اور مرد کی ابتدا کی صورت میں اس کے قول کو قبول کرتے ہیں لیکن یہ قول سخت ضعیف ہے۔

(السعدی)

جب مطلقہ ثلاثہ سے دوسرا خاوند حیض کی حالت میں جماع کرے تو کیا وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہوجائے گی؟

سوال کیا تین طلاقیں پانے والی عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہوجائے گی جب دوسرا خاوند اس سے حالتِ حیض میں وطی کرلے یا وہ خصی، خصیہ کوٹا ہوا یا ان دونوں کے مثل ہو؟

جواب شیخ موفق اور شارح سے یہ موقف مروی ہے کہ دوسرے خاوند کا حالتِ حیض میں وطی کرنا اس کو پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے گا کیونکہ فی الحقیقت وطی پائی گئی ہے جبکہ مشہور موقف یہ ہے کہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوئی، اس لیے کہ حالتِ حیض میں وطی کرنا حلال نہیں ہے۔ ان کی تحریر سے یہی موقف ظاہر ہوتا ہے لیکن مجھے اس مسئلے میں اشکال ہے، میں ان دو قولوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔

رہا خصی، خصیہ کوٹا ہوا اور ان کی طرح کے کسی شخص کا وطی کرنا تو جب حقیقت میں وطی پائی گئی تو وہ اس وطی کے ساتھ پہلے خاوند کے لیے حلال ہوجائے گی کیونکہ مزہ چکھنے کی شرط پائی گئی ہے جو نبی ﷺ نے اس عورت پر جو پہلے خاوند کی طرف لوٹنا چاہتی تھی لگائی تھی۔ (السعدی)

تیسرا حیض ختم ہونے اور غسل کرنے سے پہلے رجعت کا حکم:

سوال حنابلہ نے کہا ہے کہ جب (مطلقہ) عورت تیسرے حیض سے پاک ہو جائے اور ابھی اس نے غسل نہ کیا ہو تو مرد کا اس سے رجوع کرنا صحیح ہے؟ کیا یہ پسندیدہ قول ہے؟

جواب اس میں اشکال ہے کیونکہ جملہ احکام تیسرے حیض کے خون کے منقطع ہونے کے ساتھ متعلق ہیں، تو واجب ہے کہ رجوع بھی اسی کے متعلق ہو، اور جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ قرآن کا ظاہر بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ﴾ [البقرة: 228]

''اور ان کے خاوند اس مدت میں انھیں واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔''

اور گزشتہ آیت میں ''ذلك'' کا اشارہ ان قروء کی طرف ہے جن کا پہلے ذکر گزر چکا ہے، اور عورت طہر کے بعد قروء والی نہیں رہی ہے کیونکہ قروء کا اطلاق حیض پر ہوتا ہے۔

(السعدی)

دورانِ عدت عورت سے اس کی ناپسندگی کے باوجود رجوع کرنے کا حکم:

سوال جب آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دے، پھر پتا چلے کہ وہ حاملہ ہے۔ کیا وہ اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اس سے رجوع کرسکتا ہے؟

جواب ہاں، مرد اس سے وضعِ حمل سے پہلے رجوع کرسکتا ہے، عورت خواہ راضی ہو یا نہ ہو لیکن وضعِ حمل کے بعد وہ اس سے رجوع نہیں کرسکتا، البتہ اس کو حقِ مہر کے بدلے ولی کی اجازت سے گواہیوں کی موجودگی میں نیا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے۔

(السعدی)

مطلقہ عورت سے ایک سال دور رہنے کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کا حکم:

سوال ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی، پھر وہ سفر کر کے عورت کے ملک سے دور چلا گیا اور تقریباً ایک سال پردیس میں ٹھہرا، جب وہ واپس لوٹا تو اس عورت نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ اس آدمی نے اس عورت سے نیا نکاح کر لیا اور عورت اس نکاح کے ساتھ اس مرد کی طرف پلٹ آئی۔ معلوم ہو کہ مرد نے مدت

کے دوران اس سے رجوع نہیں کیا تھا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب جب صورتِ حال ویسی ہی ہے جیسی سائل نے ذکر کی ہے تو یہ شادی صحیح ہے جب وہ ولی کی اجازت، دو عادل گواہوں کی موجودگی اور عورت کی رضا و خوشنودی سے منعقد ہوئی ہے کیونکہ ایک طلاق اور دو طلاقیں عورت کو اس کے خاوند پر حرام نہیں کرتیں، عورت صرف تیسری طلاق کے ساتھ خاوند پر حرام ہو جاتی ہے حتیٰ کہ وہ اس کے علاوہ کسی خاوند سے شرعی نکاح کے ساتھ شادی کرے اور اس سے مجامعت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾

[البقرة: 229]

''یہ طلاق (رجعی) دو بار ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھ لینا ہے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾

[البقرة: 230]

''پھر اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔''

اور اس آخری طلاق سے مراد تمام علماء کے نزدیک تیسری طلاق ہے۔ (ابن باز رحمہ اللہ)

کیا عدت میں عورت سے جبری رجوع جائز ہے؟

سوال ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق مسنون دی، پھر طلاق نامہ اس کے سپرد کر دیا۔ اب وہ اس سے رجوع کرنا چاہتا ہے۔ کیا عورت پر اس کی رضا کے بغیر جبری رجوع ہوگا؟ یا رجوع اس کی رضا پر موقوف ہے؟ کیا رجوع کی کچھ شرطیں بھی ہیں؟

جواب اگر صورتِ حال ایسی ہی ہے جیسی ذکر کی گئی ہے کہ مذکورہ شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ مسنون دی ہے تو اس کو عدت کے دوران دو عادل گواہوں کی موجودگی میں

رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو، بشرطیکہ یہ طلاق تین طلاقوں میں سے آخری طلاق نہ ہو اور مرض (خلع) کی طلاق نہ ہو۔

اور اگر عورت عدت سے فارغ ہو چکی ہو اور یہ طلاق مرض (خلع) کی طلاق ہو اور تیسری (آخری) طلاق نہ ہو تو خاوند کے لیے عورت کی رضا سے نئے مہر اور نئے عقد کے ساتھ اس کو واپس لایا سکتا ہے۔ اور مذکورہ دونوں حالتوں میں ایک طلاق معتبر ہوگی۔ اگر یہ تیسری (آخری) طلاق ہو تو یہ عورت اس خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی، الا یہ کہ وہ کسی اور خاوند سے شرعی نکاح کرے اور وہ خاوند اس سے وطی بھی کرے، جب دوسرا خاوند اس کو طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو یہ تین طلاقیں دینے والے خاوند کے لیے عدت گزارنے کے بعد عورت کی رضا سے نئے حقِ مہر اور نئے عقد کے ساتھ حلال ہو جاتی ہے۔

اور حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہے، خواہ وہ مطلقہ ہو یا اس کا خاوند فوت ہوا ہو، اور غیر حاملہ جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، لیکن اگر وہ مطلقہ ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے بشرطیکہ وہ ان عورتوں میں سے ہو جن کو حیض آتا ہے۔ اور اگر وہ آئسہ (حیض سے مایوس) ہو یا ایسی کم سن کہ ابھی اس کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب خاوند اپنی بیوی کو ماں بہن کی طرح اپنے اوپر حرام کر لے؟

سوال میرے خاوند نے مجھے طلاق کی قسم دے دی اور کہا: تم مجھ پر میری ماں اور بہن کی طرح حرام ہو لیکن پھر بھی ہم ایک دوسرے کی طرف پلٹے اور میں سات ماہ کی حاملہ تھی۔ میرے گھر والوں نے اس پر یہ حکم لگایا کہ وہ وضعِ حمل سے پہلے تیس مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اب مجھے دو ماہ ہوئے ہیں حمل وضع کر دیا ہے، میرے خاوند کے حالات تنگ ہیں، اس کا ارادہ تھا کہ وہ تیس مسکینوں کو کھانا کھلائے مگر ابھی تک اس نے کھانا نہیں کھلایا۔ میں ایک مسلمان اور دیندار عورت ہوں اور خشیتِ الٰہی سے سرشار ہوں اور ڈرتی ہوں کہ کہیں میں اپنے خاوند کے لیے حرام تو نہیں؟ مجھے فتویٰ دیجیے۔

جواب تمھارے خاوند نے تم پر جو لفظ استعمال کیا ہے وہ طلاق نہیں ہے بلکہ ظہار ہے

کیونکہ اس نے کہا: تم مجھ پر میری ماں بہن کی طرح حرام ہو۔ اور ظہار، جیسا کہ اللہ عزوجل نے اس کی صفت بیان کی ہے، منکر بات اور جھوٹ ہے، پس تمھارے خاوند پر اپنی اس غلطی پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے توبہ کرنا لازم ہے، اور اس کے لیے تجھ سے لطف اندوزی کا فائدہ اٹھانا حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ اس حکم کی بجا آوری نہ کرے جس کا اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ظہار کے کفارے کے متعلق فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآ سَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [المجادلة: 3 تا 5]

''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اس سے رجوع کر لیتے ہیں جو انھوں نے کہا تو ایک گردن آزاد کرنا ہے اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے وہ (کفارہ) جس کے ساتھ تم نصیحت کیے جاؤ گے، اور اللہ اس سے، جو تم کرتے ہو، پوری طرح با خبر ہے۔ پھر جو شخص نہ پائے تو دو پے در پے مہینوں کا روزہ رکھنا ہے اس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، پھر جو اس کی (بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ اس لیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے درد ناک عذاب ہے۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں گے، جیسے وہ لوگ ذلیل کیے گئے جو ان سے پہلے تھے، اور بلاشبہ ہم نے واضح آیات نازل کی ہیں اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

پس تمھارے خاوند کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ تمھارے قریب آئے اور تم سے لطف اندوز ہو جب تک کہ وہ اس حکم کو بجا نہ لائے جس کا اللہ نے اس کو حکم دیا ہے، اور تمھارے لیے بھی حلال نہیں کہ تم اس کو اپنے اوپر لطف اندوز ہونے کی قدرت دو حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی بجا آوری کرے۔

رہا اس کے اہل کا یہ کہنا ''بلاشبہ اس پر تیس مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے'' یہ قول درست اور صحیح نہیں ہے، پس بلاشبہ آیت، جیسا کہ آپ نے سنا، اس پر دلالت کرتی ہے کہ بلاشبہ اس پر ایک گردن آزاد کرنا واجب ہے، اگر وہ یہ نہ پائے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، پھر اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

گردن آزاد کرنے کا مطلب ہے کہ وہ مملوک غلام کو آزاد کرے اور اس کو غلامی سے نجات دلائے، اور دو ماہ کے مسلسل روزوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ دو ماہ کے اس طرح مکمل روزے رکھے کہ درمیان سے کسی ایک دن کا بھی روزہ نہ چھوڑے، الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو، مثلاً: بیماری یا سفر، پھر جب عذر ختم ہو جائے تو گزشتہ روزوں پر بنا کرتے ہوئے روزے مکمل کرے۔

رہا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا تو اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو وہ اتنا کھانا پکائے کہ ان مسکینوں کو بلا کر ایک ہی مرتبہ کھانا کھلا دے یا وہ ان پر چاول یا اس جیسی دوسری کھائی جانے والی اجناس فی مسکین آدھا کلو گندم یا اس طرح کا غلہ، اور دیگر اجناس سے نصف صاع (ڈیڑھ کلو تقریباً) تقسیم کرے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جب مرد کہے کہ اگر وہ فلاں رات اپنی بیوی سے دخول نہ کرے تو وہ اس کی ماں بہن کی طرح ہے؟

سوال ایک آدمی نے شادی کی اور ارادہ کیا کہ وہ فلاں رات اپنی بیوی سے دخول کرے گا، اور اگر ایسا نہ ہوا تو میری بیوی میرے لیے میری ماں اور بہن کی طرح ہوگی۔ اس نے جس وقت میں اس سے دخول کرنا چاہا اس کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ ہو سکا تو کیا طلاق واقع ہوگی؟

جواب مذاہبِ اربعہ میں طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن ایسا کہنے والا ظہار کرنے والا شمار ہوگا، پس جب وہ دخول کرنے کا ارادہ کرے اس سے پہلے وہ کفارہ ادا کرے، جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ میں بیان کیا ہے، لہٰذا وہ ایک مومن گردن آزاد کرے اگر وہ یہ نہ پائے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، پھر اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

لڑکی کی تعلیم اور تدریس کا عذر پیش کر کے مناسب رشتے سے انکار کرنا:

سوال ہمارے ہاں ایک رواج چلتا ہے وہ یہ کہ لڑکی کا یا اس کے والد کا اس سے شادی کرنے کا انکار کر دینا جو اس کو نکاح کا پیغام دے۔ ایسا اس لیے کیا جاتا ہے کہ لڑکی اپنی ثانوی یا جامعی تعلیم مکمل کر لے یا تاکہ وہ چند سال تدریس کر لے۔ اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو ایسا کرتا ہے آپ اس کو کیا نصیحت فرماتے ہیں؟ حتیٰ کہ اس کے نتیجے میں بعض لڑکیاں تیس یا اس سے زیادہ سال تک بغیر شادی کے پڑی رہتی ہیں؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ بلاشبہ یہ کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إذا أتاكم من ترضون دينه و خلقه فأنكحوه»[1]

"جب تمھارے پاس ایسا شخص (نکاح کا پیغام لے کر) آئے جس کی دینداری اور حسن خلقی کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے (اپنی بیٹی اور بہن وغیرہ کا) نکاح کر دو۔"

(اس کو ترمذی نے بیان کیا ہے)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج»[2]

"اے نوجوانوں کی جماعت! جو تم میں سے گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ شادی کرے، پس بلاشبہ شادی نگاہ کو نیچا کرتی ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتی ہے۔"

(اس کو بخاری نے روایت کیا ہے)

---

[1] **حسن**. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1967]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1806] صحيح مسلم، رقم الحديث [1400]

اور شادی سے رکنے سے شادی کی مصلحتیں فوت ہو جاتی ہے، لہٰذا میں عورتوں کے مسلمان اولیاء اور اپنی مسلمان بہنوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس تعلیم و تدریس کی تکمیل کی وجہ سے شادی کرنے سے نہ رکیں جبکہ ایسے بھی تو ہو سکتا ہے کہ عورت اپنے خاوند سے شرط لگا لے کہ وہ پڑھائی مکمل کرنے تک تعلیم حاصل کرے گی، اور ایسے ہی یہ شرط لگا سکتی ہے کہ ایک سال یا دو سال، جب تک وہ اولاد کے ساتھ مصروف نہیں ہوتی، تدریس کرے گی۔

میرے خیال کے مطابق جب عورت ابتدائی درجہ کی تعلیم مکمل کر لے اور اس کو لکھنا پڑھنا آ جائے اس طرح کہ وہ اس تعلیم کے ذریعے کتاب اللہ اور اس کی تفسیر، نبی ﷺ کی احادیث اور ان کی شرح کو پڑھ کر استفادہ کر سکے تو بس اتنی سی تعلیم اس کو کافی ہے، الا یہ کہ وہ ایسے علوم حاصل کرے جس کا حصول لوگوں کے لیے ضروری ہے، جیسا کہ علم طب اور اس جیسے دیگر علوم لیکن شرط یہ ہے کہ اس قسم کے علوم حاصل کرنے میں اختلاط وغیرہ کا کوئی شرعی مانع نہ ہو۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بغیر عذر کے نسل کشی کرنے کا حکم اور ان ضرورتوں کا بیان جن کی وجہ سے نسل کشی جائز ہے:

سوال ایک بھائی بغیر کسی عذر کے قطعِ نسل کے حکم کے متعلق سوال کرتا ہے، نیز وہ کون سے عذر ہیں جن کی وجہ سے قطعِ نسل جائز و مباح ہے؟

جواب ایسی نس بندی کہ جس کے بعد اولاد کا بالکل امکان نہ رہے علمائے کرام رحمہم اللہ کی صراحت کے مطابق حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ اپنی امت سے جس کثرتِ اولاد کی توقع رکھتے ہیں یہ اس کے خلاف ہے، نیز اس لیے بھی کہ اس میں مسلمانوں کی ذلت کے اسباب ہیں کیونکہ مسلمان جتنے زیادہ ہوں گے اتنے ہی وہ عزت دار اور بلند ہوں گے، اسی لیے اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کو کثرت عطا فرما کر ان پر اس کا احسان جتلایا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِیْرًا﴾ [الإسراء: 6]

''اور تمھیں تعداد میں زیادہ کر دیا۔''

اور شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو بطورِ احسان یہ کثرت یاد دلائی اور فرمایا:

﴿ وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ﴾ [الأعراف: 86]

''اور یاد کرو جب تم بہت کم تھے تو اس نے تمھیں زیادہ کر دیا۔''

اور حقیقتِ واقعی اس بات پر شاہد ہے کہ بلاشبہ امت جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی وہ غیروں سے مستغنی و بے پروا ہوگی، اور ان کا اپنے دشمنوں کے مقابلے میں رعب و دبدبہ ہوگا، لہٰذا انسان کو جائز نہیں ہے کہ وہ قطعی طور پر نس بندی کروا دے، الا یہ کہ اس کی کوئی انتہائی ضرورت ہو، مثلاً: ڈر ہو کہ عورت جب حاملہ ہوگی تو اس کی موت واقع ہو جائے گی تو ایسی صورت میں ضرورت کے تحت کوئی حرج نہیں کہ وہ اس عورت کے لیے مانعِ حمل کوئی طریقہ اختیار کرے، یہ وہ عذر ہے جس کی وجہ سے نسل کشی مباح ہے۔ ایسے ہی اگر عورت کے رحم میں کوئی ایسا مرض ہو جس کے متعلق خدشہ ہے کہ وہ مرض باقی جسم میں سرایت کر کے اس کو ہلاک کر دے گا تو اس کو مجبوراً رحم نکلوانا پڑے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

لڑکی کس قسم کا خاوند منتخب کرے؟

سوال لڑکی کے لیے خاوند کے انتخاب میں اساسی امور کون سے ہیں؟ کیا دنیاوی اغراض کے لیے نیک خاوند سے شادی کرنے کا انکار اسے اللہ کے عذاب کا مستحق بنا دے گا؟

جواب وہ اہم اوصاف جن کی بنیاد پر عورت کو پیغامِ نکاح دینے والے کا انتخاب کرنا چاہیے وہ یہ ہیں: خوش اخلاقی اور دینداری۔ رہا مال اور نسب تو یہ ثانوی حیثیت رکھتے ہیں لیکن اہم چیز یہ ہے کہ پیغام نکاح دینے والا دیندار اور خوش اخلاق ہو کیونکہ دیندار اور خوش اخلاق آدمی سے عورت کو کسی نقصان کا خطرہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر وہ اس کو اپنے پاس رکھے گا تو اچھا برتاؤ کرے گا اور اگر اس کو فارغ کرے گا تو احسان کے ساتھ رخصت کرے گا، پھر یہ کہ دیندار اور خوش اخلاق آدمی خود عورت کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے بابرکت ہوگا کہ وہ اس سے اخلاق و دینداری کا درس لیں گے، لیکن اگر خاوند ایسا نہ ہو تو عورت ایسے شخص سے دور رہے، خاص طور پر ایسے لوگوں سے جو ادائیگیِ نماز میں سست ہیں اور شراب نوشی میں مشہور ہیں۔ العیاذ باللہ

لیکن وہ لوگ جو کبھی بھی نماز ادا نہیں کرتے وہ کافر ہیں، نہ مومن عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ مومن عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ اہم بات یہی ہے کہ عورت خاوند کے انتخاب میں خوش اخلاقی اور دینداری کو ہی بنیاد بنائے۔

رہا اچھا نسب تو اگر وہ میسر آ جائے تو بہتر ہے وگرنہ خوش اخلاقی اور دینداری پر ہی اکتفا کیا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إذا أتاكم من ترضون دينه و خلقه فأنكحوه» [1]

”جب تمھارے پاس ایسا شخص (نکاح کرانے کی غرض سے) آئے جس کی دینداری اور خوش اخلاقی کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو۔“

اور اگر ہمسری بھی میسر آ جائے تو یہ افضل ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ولی کی اجازت کے بغیر خفیہ نکاح کا حکم:

سوال اڑھائی سال قبل میری عمر چالیس سال تھی، میں دینِ اسلام کی تعلیمات کی پابندی کرنے والی ہوں۔ مجھے ایک ایسے نوجوان کی طرف سے پیغامِ نکاح ملا جس نے ایک دعویٰ کرتے ہوئے کہا: تو میری بیوی ہے، اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بعض اہل نے ایسی شادی کرنے کی اجازت دی ہے جس کو بوقتِ عقد تو مشہور نہ کیا جائے، بعد میں اس کا اعلان کر دیا جائے، نیز امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر اعتماد کرتے ہوئے کہ انھوں نے فرمایا: ”جس نے مشہور کیے بغیر شادی کر لی اس کو رجم نہیں کیا جائے گا۔“ تو اس شادی کا کیا حکم ہے؟ خاص طور پر کہ میں اکیلی ہی زندگی گزار رہی ہوں اور میں نے اس کو اپنے پاس آنے سے منع کر دیا ہے لیکن وہ کہتا ہے: تُو میری بیوی ہے، تُو مجھے کیسے روکتی ہے؟ جب میں نے اس کو گواہ اور اپنے باپ کو لانے کو کہا تو اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس دو گواہ ہیں جو فی الوقت گواہی کو چھپا رہے ہیں تا کہ اس کی (پہلی) بیوی کو خبر نہ ہو، اور وہ چاہتا ہے کہ بعد میں خود ہی اس کو اس سے آگاہ کرے گا۔

جواب ولی کی اجازت کے بغیر شادی درست نہیں ہے، اور کسی کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ

---

[1] **حسن**. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1967]

کسی عورت سے ولی کی اجازت کے بغیر شادی کرے۔ وہ ولی اس عورت کے عصبات ہیں جو شرعی ترتیب کے اعتبار سے جو سب سے قریبی ہے وہ مقدم ہوگا، اس کے بعد جو باقیوں سے زیادہ قریبی ہو۔ اور بغیر ولی کے شادی فاسد ہے، صحیح اور درست نہیں ہے، کتاب وسنت اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ [البقرة: 221]

''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، اور یقیناً ایک مومن لونڈی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ تمھیں اچھی لگے، اور نہ (اپنی عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔''

خاوند کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ﴾ اور بیوی کے متعلق فرمایا ﴿وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر خود نہیں کر سکتی۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ﴾ [النور: 32]

''اور اپنے میں سے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے غلاموں سے جو نیک ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا: ﴿وَاَنْكِحُوا﴾ بے نکاحوں کی شادی کرانے کا خطاب اولیاء کے ساتھ ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة: 232]

''پس وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انھیں اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کر لیں جب وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں۔''

اگر ولی کی اجازت صحتِ نکاح میں شرط نہ ہوتو ان کے روکنے کا کوئی اثر ہی نہیں ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

« لا نكاح إلا بولي »[1] ''ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔''

نیز فرمایا:

« لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا البكر حتى تستأذن »[2]

''بیوہ کی شادی اس کے مشورے کے بغیر اور کنواری کی شادی اس کی اجازت کے بغیر نہ کی جائے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! اس کی اجازت کا کیسے پتا چلے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

« أن تسكت » یعنی وہ اجازت طلب کرتے وقت خاموشی اختیار کرے گی۔

سو اس بنا پر ہم کہتے ہیں: یہ آدمی جس نے مذکورہ عورت سے اپنے اس قول کے ساتھ یعنی تو میری بیوی ہے۔ ملنے کا بہانہ اور حیلہ بنایا ہے، اس کے اس قول سے یہ عورت اس کی بیوی نہیں بنے گی بلکہ ولی کی اجازت ضروری ہے۔

رہا نکاح کو مشہور کرنا اور اس کا اعلان کرنا تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اہلِ علم تو اس طرف گئے ہیں کہ نکاح کا اعلان کرنا ضروری اور لازمی ہے، اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ نکاح کا مشہور ہونا ہی اعلان سے کافی ہے۔ بہرحال جو بھی علماء کا موقف ہے، بلاشبہ اس شخص کا دعویٰ کہ مذکورہ سائلہ اس کی بیوی ہے یہ ایک جھوٹا دعویٰ ہے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے، لہٰذا اُس عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے اولیاء کے پاس چلی جائے تاکہ وہ اس کو اس شخص سے بچائیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بے نماز خاوند سے علیحدگی اختیار کر لینے کا حکم:

سوال سائل کہتا ہے: جب عورت شادی شدہ ہو اور اس کا خاوند نماز نہ پڑھتا ہو تو کیا بیوی

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2085]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [4843] صحيح مسلم، رقم الحديث [1419]

کو اس سے علیحدگی اختیار کر لینا چاہیے؟

جواب جب عورت شادی شدہ ہو اور اس کا خاوند نہ باجماعت نماز ادا کرتا ہو اور نہ بے جماعت تو عورت کا اس سے نکاح فسخ ہو جائے گا اور وہ اس کی بیوی نہ رہے گی۔ اور اس خاوند کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس سے لذت و خدمت لے جو مرد اپنی بیوی سے لیا کرتا ہے کیونکہ وہ اس مرد کے لیے اجنبی بن گئی ہے، لہٰذا اِس صورت میں عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس (میکے) چلی جائے اور حتی الوسع اس شخص سے جان چھڑانے کی کوشش کرے جس نے اسلام لانے کے بعد کفر کیا ہے۔ العیاذ باللہ

پس اس بنا پر میں کہتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ عورتیں میری بات کو سن رہی ہیں کہ جونسی عورت کا خاوند نماز نہ پڑھتا ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ لمحہ بھر کے لیے بھی اس کے پاس ٹھہرے اگرچہ اس کے ہاں اس مرد سے اولاد بھی ہو کیونکہ اس حالت میں عورت کی اولاد اس کو ملے گی، ان کے باپ کا ان کی پرورش میں کوئی حق نہیں ہوگا، (اس لیے کہ) کافر کو مسلم پر پرورش کا کوئی حق حاصل نہیں ہے لیکن اگر اللہ اس کے خاوند کو ہدایت دے دے اور وہ اسلام کی طرف لوٹے اور نماز پڑھنے لگے تو پھر وہ عورت عدت کے اندر اندر اس خاوند کی طرف پلٹ جائے، اور اگر اس کی عدت پوری ہو جائے اس سے پہلے کہ وہ نماز کی ادائیگی کرنے لگے تو عورت کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے شادی کر لے۔

اکثر علماء کا یہ موقف ہے کہ مرتد آدمی کی بیوی جب اپنی عدت مکمل کر چکے تو وہ عقدِ جدید کے بغیر اپنے خاوند کی طرف نہیں پلٹ سکتی جبکہ وہ دوبارہ مسلمان ہو جائے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)
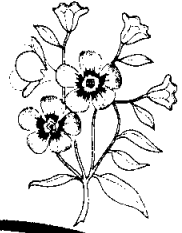
کتاب الرضاع
دسواں باب

دودھ پینے کی تعداد جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے

جن رضعات سے حرمت ثابت ہوتی ہے:

سوال کتنی دفعہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے؟

جواب ہر وہ رضعت جس میں دودھ پیا جائے ایک رضعت شمار ہوگی، چاہے وہ ایک ہی مجلس میں ہو، اور اگر اس نے ایک دفعہ دودھ پیا پھر پستان سے علیحدہ ہوگیا تو یہ ایک رضعت ہوجائے گی۔ رضعات کے لیے ضروری نہیں کہ ان میں سیر ہوکر ہی دودھ پیا جائے، اور پیا ہوا دودھ جب آنتوں میں چلا جائے تو ان کو پھاڑ دیتا ہے۔ نبی ﷺ کی حرمت رضاعت میں لگائی ہوئی شرط "فتق الأمعاء" یعنی آنتوں کو پھاڑے، پوری ہوجاتی ہے۔[1] (عفیفی رحمہ اللہ)

دودھ پینے والے کا اپنی رضاعی بہن کے ساتھ خلوت اختیار کرنا:

سوال دودھ پینے والے کا اپنی رضاعی بہن کے ساتھ خلوت اختیار کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب غیر محرم مرد کا کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا حرام ہے لیکن اکثر دودھ پینے والوں کے متعلق خدشہ ہی پایا جاتا ہے کہ وہ امانت دار نہ ہوں اور اپنے شر میں مشہور ہوں، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس کے ساتھ خلوت نہ اختیار کی جائے اور نہ ہی اس کو حج میں محرم بنایا جائے، جیسے کہ مناسکِ حج میں اس پر متنبہ کیا گیا ہے کیونکہ دودھ پینے والے میں دودھ پینے والی لڑکی یا پلانے والی عورت کے متعلق غیرت اس قدر مضبوط نہیں ہوتی جتنی کہ صاحبِ قرابت کے اندر پائی جاتی ہے۔

مقصودِ کلام یہ ہے کہ دودھ پینے والے مختلف (عادات و کردار کے مالک) ہوتے ہیں، اصل قاعدے کو دیکھیں تو اس میں اباحت ہے یعنی رضاعی بھائی کے ساتھ خلوت مباح ہے لیکن اس سے محتاط رہنا لازم ہے، چنانچہ جس کے متعلق مشہور ہو کہ اس میں کوئی

---

[1] نیز پانچ دفعہ دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں موجود ہے۔

خیر و بھلائی نہیں ہے تو مناسب نہیں ہے کہ وہ سفرِ حج یا دیگر سفروں میں اس کا محرم بنے۔
(محمد بن ابراہیم)

سوال سائل کہتا ہے کہ اس کی ماں نے اس کے بیٹے اور بیٹی کو دودھ پلایا اس حال میں کہ وہ دودھ والی نہیں تھی بلکہ اس کو چونتیس سال پہلے دودھ تھا، اس کی ماں نے ازروئے شفقت و محبت ان دونوں کو اپنے پستان سے دودھ پلا دیا۔ وہ سوال کرتا ہے: کیا اس کے مذکورہ لڑکے کو اس کے بھائیوں یا بہنوں کی کسی بیٹی سے شادی کرنا حلال ہے؟ کیا اس کی مذکورہ بیٹی کی اس کے بھائیوں یا بہنوں کے کسی لڑکے کے ساتھ شادی کرنی حلال ہوگی؟

جواب جب دو سال کی مدتِ رضاعت میں پانچ یا اس سے زیادہ مرتبہ دودھ پیا جائے تو اس سے رضاعت ثابت ہو جائے گی اور حرمت پیدا ہو جائے گی۔ مذکورہ صورت میں رضاعت کا حکم اس عورت کے دودھ پلانے کی طرح ہے جو اپنے چھوٹے بچے کو دودھ پلائے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اس پر رضاعت کی تعریف صادق آتی ہے، یعنی اس لحاظ سے کہ دودھ حمل کی وجہ سے ہو اور عورت کی چھاتی سے نکلے۔

سو اس بنا پر اس کے لڑکے کے لیے اس کے بھائیوں کی کوئی لڑکی حلال نہیں ہوگی کیونکہ یہ لڑکا اس لڑکی کا رضاعی چچا ہے، اور نہ ہی اس کی بہنوں کی کوئی لڑکی حلال ہوگی کیونکہ یہ لڑکا اس لڑکی کا رضاعی ماموں ہے۔ اسی طرح سائل کی یہ لڑکی اس کے بھائیوں کے بیٹے کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ وہ اس کی پھوپھی ہوگی اور نہ ہی اس کی بہنوں کے کسی لڑکے کے لیے حلال ہوگی کیونکہ وہ ان کی رضاعی خالہ ہوگی۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال ایک عورت نے اپنی بیٹی کے بیٹے (نواسے) کو اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہونے کے بعد دو دن دودھ پلایا، اس مذکورہ عورت، جس نے اپنے نواسے کو دودھ پلایا، کی ایک پوتی ہے۔ اور وہ عورت سوال کرتی ہے: کیا اس کی پوتی اس کے نواسے کے لیے حلال ہے؟

جواب جب اس کے نواسے نے پانچ یا اس سے زیادہ مرتبہ دودھ پیا تو اس کی پوتی اس

کے لیے حلال نہیں ہے، اس لیے کہ وہ لڑکا اس لڑکی کے باپ کا رضاعی بھائی ہونے کی وجہ سے اس کا چچا بن گیا ہے، اور اگر اس نے پانچ مرتبہ دودھ نہیں پیا تو یہ لڑکی اس کے لیے حرام نہیں ہے۔

''رضعہ'' یعنی اس کے ایک دفعہ دودھ پینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا پستان منہ میں ڈال کر دودھ چوسنا، اور جب تک پستان منہ میں رکھے دودھ پیتا رہے تو اس کو ایک مرتبہ دودھ پینا کہا جاتا ہے، خواہ وہ زیادہ دیر پستان منہ میں رکھے یا تھوڑی دیر کے لیے، پس اگر وہ سانس لینے کے لیے یا کھانسی کرنے کے لیے پستان کو چھوڑ کر دوبارہ اس کو پکڑے یا ایک پستان کو چھوڑ کر دوسرے پستان کو پکڑے تو یہ دوسری مرتبہ دودھ پینا شمار ہوگا۔ اسی طرح پانچ رضعتیں ہوں گی۔ واللہ اعلم (محمد بن ابراہیم)

اس عورت کا حکم جس نے اپنے آپ کو دودھ پلایا؟

سوال اس عورت کا کیا حکم ہوگا جس نے اپنے منہ میں اپنا دودھ ڈالا، پھر اس کو منہ سے باہر پھینک دیا؟

جواب شرعی طور پر اس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو پانچ مرتبہ یا اس سے زیادہ ہو اور ہو بھی مدتِ رضاعت، یعنی دو سال کے اندر۔ رہا بڑے (مرد یا عورت) کا دودھ پینا تو اس پر رضاعت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ (محمد بن ابراہیم)

عورت کا پیالی میں دودھ نکال کر کسی مرد کو پلا کر محرم بنانے کا حکم:

سوال ایک عورت کا کوئی محرم رشتہ دار نہیں ہے اور وہ اپنے ملک میں جانا چاہتی ہے۔ اس نے ایک پیالی میں اپنا دودھ دوھ کر ایک آدمی کو پلایا۔ کیا وہ آدمی یہ دودھ پی کر اس عورت کا محرم بن جائے گا؟

جواب اس دودھ کا پینا اس مرد کو اس عورت کا محرم نہیں بنائے گا کیونکہ جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے تو وہ دودھ ہے جو دو سال کی عمر کے اندر اندر پیا جائے اور پانچ مرتبہ سے کم بھی نہ ہو۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال میں ایک بہن کو مشروع طور پر دیکھنے کے لیے گیا جو ایک ہی گھر میں اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ رہ رہی تھی۔ میں یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ وہ بغیر نقاب کے اپنے بہنوئی کے سامنے آتی ہے۔ جب میں نے اس کے متعلق سوال کیا تو اس کے بہنوئی نے مجھے کہا کہ اس نے اس کے باپ کی وفات کے بعد اس کو اپنی کفالت میں لیا جبکہ اس کی ماں نے کسی اور شخص سے شادی کر لی تھی، جبکہ اس کی بہن (میری بیوی) بڑی ہوئی تو اس نے بالغ ہونے کے بعد اس کا دودھ پیا۔ کیا مذکورہ لڑکی کا اس طرح سے دودھ پینا اس کے بہنوئی کو اس کے لیے دائمی و ابدی محرم بنا دے گا؟

جواب مذکورہ صورت میں اس لڑکی کا اپنی بہن سے دودھ پینا اس کے بہنوئی کو اس کا ابدی محرم نہیں بناتا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

« لا يحرم من الرضاع إلا ما فتق الأمعاء في الثدي، وكان قبل الفطام. »[1]

''حرمت صرف اس رضاعت سے ثابت ہوتی ہے جو پستان کو منہ میں لے کر پیا جائے اور جو آنتوں کو پھاڑے اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔''

یہ حدیث ترمذی میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے مروی ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

جب لڑکے نے لڑکی کے بھائیوں کے ساتھ دودھ پیا ہو تو کیا اس لڑکی سے شادی جائز ہوگی؟

سوال دو بہنیں ہیں، ان میں سے ایک نے بچے کو جنم دیا جبکہ دوسری کے ہاں چار بچے پیدا ہوئے جن میں سے چھوٹی بچی ہے۔ بلاشبہ پہلی بہن کے بیٹے نے دوسری کے تین بچوں کے ساتھ (اپنی خالہ کا) دودھ پیا، ماسوائے چوتھے کہ جو کہ بیٹی ہے۔ اب پہلی بہن کے بیٹے کا دوسری بہن کی اس بیٹی کے ساتھ نکاح کا کیا حکم ہے جس نے اس لڑکے کے ساتھ دودھ نہیں پیا؟

جواب جب پہلی بہن کے بیٹے نے دوسری بہن سے پانچ مرتبہ ایک مجلس یا مختلف مجلسوں

[1] صحیح۔ سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1152]

میں پہلے، دوسرے یا تیسرے بچے کے ساتھ یا تینوں کے ساتھ دودھ پیا تو وہ دوسری بہن کا رضاعی بیٹا بن جائے گا اور اس کی ساری اولاد، خواہ اس سے پہلے کی ہو یا بعد کی، کا رضاعی بھائی بن جائے گا، لہٰذا اُس کا مذکورہ لڑکی سے نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کا رضاعی بھائی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محرمات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ [النساء: 23]

''اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو، اور تمھاری دودھ شریک بہنیں (تم پر حرام ہیں۔)''

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

((يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب))[1]

''رضاعت سے اتنے ہی رشتے حرام ہوتے ہیں جتنے نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''

(اس حدیث کی صحت پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے)

اگر رضاعت پانچ رضعات سے کم ہو تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب دودھ پینے والا دو سال کی عمر سے تجاوز کر گیا ہو تو پھر بھی حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة: 233]

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اس کے لیے جو چاہے کہ دودھ کی مدت پوری کرے۔''

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لا رضاع إلا ما فتق الأمعاء، وكان قبل الفطام))[2]

''حرمت اس رضاعت سے ثابت ہوتی ہے جو آنتوں کو پھاڑے، اور دودھ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2502] صحيح مسلم، رقم الحديث [1447]

[2] **صحيح**. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1946]

چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔''

نیز عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انھوں نے کہا:

« كان فيما أنزل من القرآن عشر رضعات معلومات يحرمن، ثم نسخن بخمس معلومات، فتوفي النبي ﷺ والأمر على ذلك »[1]

''قرآن میں اتاری جانے والی آیات میں دس معلوم رضعات کی آیت بھی تھی جن (رضعات) سے حرمت ثابت ہوتی تھی، پھر وہ پانچ رضعات والی آیت سے منسوخ ہوگئی، نبی ﷺ فوت ہوگئے اور رضعات کا حکم اسی (پانچ رضعات) پر باقی رہا۔'' (اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں) (ابن باز رحمہ اللہ)

اس لڑکے کا اپنی پھوپھی زاد سے شادی کا حکم جس کے بھائی نے اس کی پھوپھی کا دودھ پیا ہو:

سوال میں اپنی پھوپھی کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ واضح رہے کہ میرے بڑے بھائی، جو عمر میں مجھ سے کافی بڑے ہیں، نے ایک سے زیادہ مرتبہ میری پھوپھی کا دودھ پیا ہے لیکن میں نے مطلق طور پر اپنی پھوپھی کا دودھ نہیں پیا، اور میری پھوپھی زاد بہن نے بھی میری ماں کا دودھ نہیں پیا۔ کیا اپنی پھوپھی کی مذکورہ بیٹی سے میری شادی جائز ہے یا کہ میں اس کا رضاعی بھائی بن چکا ہوں؟

جواب اس سوال کا جواب نبی ﷺ کے اس قول « يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب »[2] ''رضاعت سے وہی رشتے حرام ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔'' سے حاصل کیا جائے، یعنی رضاعت انھی رشتوں کو حرام کرتی ہے جن کو قرابت حرام کرتی ہے کیونکہ نسب سے مراد قرابت ہے، لہٰذا اِس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ تمھاری پھوپھی کی بیٹی سے، جس کی ماں کا تمھارے بھائی نے دودھ پیا ہے، شادی

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [1452]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2502] صحيح مسلم، رقم الحديث [1447]

جائز ہے کیونکہ تمھاری اس کے ساتھ (حرمت والی) رشتہ داری نہیں ہے، اور تم اس کے رضاعی بھائی نہیں ہو کیونکہ تم نے اس کی ماں سے دودھ نہیں پیا اور اس نے تمھاری ماں سے دودھ نہیں پیا، لہٰذا وہ تمھاری رضاعی بہن نہیں ہے۔ حرمت کا رشتہ صرف دودھ پینے والے اور اس کی اولاد کے ساتھ ثابت ہوگا۔

میری مراد یہ ہے کہ دودھ پینے والے اور جو اولاد اس سے متفرع ہوتی ہے، رضاعت ان میں موثر ہوتی ہے لیکن جو بہن بھائی دودھ پینے والے کے درجے میں ہوں یا اس کے اصول میں سے ہوں تو ان سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ حرمتِ رضاعت دودھ پینے والے اور ان کی اولاد اور مرضعہ، اس کے اصول وفروع اور ہر اس آدمی کے درمیان پائی جاتی ہے جس کی طرف اس کا دودھ منسوب ہوتا ہے، یعنی بلاشبہ جس عورت نے دودھ پلایا ہے وہ اس کی ماں ہوگی، اور اس کی ماں اس کی نانی ہوگی، اور اس کا باپ اس کا نانا ہوگا، اور اس کے بھائی اس کے ماموں اور اس کی بہنیں اس کی خالائیں ہوں گی۔

اسی طرح جس کی طرف عورت کے دودھ کی نسبت ہوئی ہے، یعنی اس عورت کا خاوند یا آقا یا جس نے اس سے شبہ میں وطی کی، وہ دودھ پینے والے کا باپ ہوگا، اور اس کی اولاد اس کے بہن بھائی اور اس کے بھائی دودھ پینے والے کے چچا، اور اس کی بہنیں اس کی پھوپھیاں ہوں گی۔ یہ تمام باتیں ہم کو نبی ﷺ کے قول «يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب.» سے حاصل ہوتی ہیں۔ (العثیمین رحمہ اللہ)

ایک گھونٹ رضاعت کا حکم:

سوال میری ایک چچا زاد بہن ہے جس کا میں نے ایک دفعہ دودھ پیا ہے۔ کیا میری اس سے شادی جائز ہے؟

جواب ایک دفعہ دودھ پینا (حرمتِ رضاعت میں) مؤثر نہیں ہے بلکہ پانچ دفعہ دودھ پینا ضروری ہے، اور وہ بھی دودھ چھوڑنے کی مدت، یعنی دو سال مکمل ہونے سے پہلے حاصل ہو۔ آدمی کسی عورت کا ایک دفعہ یا دو تین اور چار دفعہ دودھ پینے سے بیٹا نہیں ہوتا، اور ایسے ہی ضروری ہے کہ پانچ دفعہ دودھ پینا معلوم اور متحقق ہو، اگر شک ہو کہ

چار مرتبہ دودھ پیا یا پانچ مرتبہ تو اصل یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ ہی سمجھا جائے گا کیونکہ جب بھی ہم کسی عدد میں شک میں مبتلا ہوں تو ہم کم عدد کو لیں گے، اس بنا پر اگر عورت کہے: میں نے اس بچے کو دودھ پلایا ہے مگر مجھے معلوم نہیں کہ ایک مرتبہ یا دو تین چار یا پانچ مرتبہ دودھ پلایا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ بچہ اس کا رضاعی بیٹا نہیں ہے کیونکہ بیٹا بننے کے لیے ضروری ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا معلوم و متحقق ہو۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جس عورت کو نکاح کا پیغام دیا گیا اس کے والد کی بیوی سے دودھ پینے والے کی شادی کا حکم:

سوال ایک شخص ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کے باپ نے نکاح کا پیغام دینے والے کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے تو اس کا اس لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے؟ جبکہ دودھ پلانے والی عورت کہتی ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے مرد کو کتنا دودھ پلایا ہے؟

جواب لڑکی کا باپ پیغامِ نکاح دینے والے کا علاتی بھائی ہے تو اس طرح جس لڑکی کو پیغامِ نکاح دیا گیا ہے وہ پیغام دینے والے کے رضاعی بھائی کی بیٹی ہوئی، اور پیغام دینے والا مخطوبہ کا چچا ہوا۔

رہا اس عورت کا قول جس نے دودھ پلایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے اس آدمی کو کتنی بار دودھ پلایا، یہ رضاعت کے حکم کو زائل کر دیتا ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

> ''قرآن مجید میں جو آیات نازل ہوئی ہیں ان میں دس معلوم رضعات والی آیت بھی تھی جن سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی تھی، پھر ان کو پانچ معلوم رضعات سے منسوخ کر دیا گیا۔ نبی ﷺ فوت ہوگئے اور رضعات کا حکم اسی (پانچ رضعات) پر باقی رہا۔''[1]

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1452]

اور جب رضعات کی تعداد میں اختلاف ہوجائے تو حرمتِ رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ پانچ رضعات کا معلوم و متحقق ہونا ضروری ہے۔

جبکہ ورع اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سائل اس لڑکی سے شادی کا خیال ترک کر دے اور کسی اور کو پیغام نکاح دے لے لیکن وہ لڑکی اس سائل کے لیے حرام نہیں ہوگی کیونکہ حرمت پیدا کرنے والی رضاعت کا ثبوت نہیں ہے۔ اور اگر وہ اس لڑکی سے نکاح کا اقدام کر لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ عمومی طور پر رضاعت کا ثبوت نہیں ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

رضاعی بیٹے کے لیے دوسری بیوی کا حکم:

سوال کیا رضاعی باپ کی دوسری بیوی اس کے رضاعی بیٹے کے لیے محرم ہوگی جس نے اس کی پہلی بیوی کا دودھ پیا ہے؟

جواب اس مسئلے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے، اکثر علماء، بشمول ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین، کہتے ہیں: رضاعی باپ کی بیوی نسبی باپ کی بیوی کی طرح ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ نسبی باپ کی بیوی اس کے بیٹے کے لیے حرام ہے، یعنی اگر آدمی کسی عورت سے شادی کرے اور اس کے دوسری بیوی سے کچھ لڑکے ہوں تو یہ نئی بیوی ان لڑکوں کے لیے حرام ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ [النساء: 22]

''اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہوں۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ رضاعی باپ کی بیوی نسبی باپ کی بیوی کی طرح نہیں ہے اور بلاشبہ وہ اس کے محرمات میں سے نہیں ہے۔ جو اس مسئلے کی تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہو وہ ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب ''زاد المعاد'' کا مطالعہ کرے، بلاشبہ اس میں ایسی عمدہ بحث ہے جس کو پڑھنے سے وہ قول قوی محسوس ہوگا جس کی طرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ گئے ہیں۔

اگر کوئی شخص جمہور کے قول میں درمیانی راہ اختیار کرنا چاہے تو وہ اس مرد کے لیے

اس عورت کے نکاح کو جائز نہ کرے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس عورت کو مرد کے محرمات میں سے شمار نہ کرے۔ اور اگر وہ احتیاطی موقف چاہے تو یہی اس کے لیے پسندیدہ صورت ہوگی کیونکہ اس محتاط موقف کی تائید سنت سے بھی ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ کے درمیان زمعہ کے لڑکے کے متعلق تنازع کھڑا ہوا تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرے بھائی عتبہ بن بن وقاص کا بیٹا ہے جس کے متعلق اس نے مجھے ہدایت کی تھی، لہٰذا یہ اس کا بیٹا ہے اور عبد بن زمعہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرا بھائی ہے جو میرے باپ کی لونڈی سے اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی شباہت کو دیکھیے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو دیکھا تو وہ عتبہ بن ابی وقاص سے ہی مشابہت رکھتا تھا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا:

((إنه لك يا عبد بن زمعة! الولد للفراش، وللعاهر الحجر))[1]

''اے عبد بن زمعہ! یہ تمھارے لیے ہے۔ بچہ صاحبِ فراش کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو، جو امہات المومنین میں سے ہیں، فرمایا:

((احتجبي منه يا سودة!)) ''اے سودہ! اس سے پردہ کرو۔''

باوجود اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو ان کا بھائی قرار دیا مگر عتبہ بن ابی وقاص کے ساتھ واضح مشابہت کی وجہ سے ان کو پردہ کرنے کا حکم دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم احتیاط پر مبنی حکم ہے، لہٰذا پردہ کرنا مشابہت کی وجہ سے ہے اور اس کے بھائی ہونے کا فیصلہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا۔

اسی طرح مذکورہ صورت میں عورت رضاعی باپ کی بیوی ہے۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ ہم احتیاطی حکم لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مرد کے لیے اس عورت سے شادی کرنا جائز نہیں ہے تو ہم اس لمحے یہ بھی کہیں گے کہ وہ عورت اس کی محرم بھی نہیں ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1948] صحيح مسلم، رقم الحديث [1457]

سن یاس کو پہنچنے والی عورت کے دودھ کا حکم:

سوال اس عورت کے دودھ کا کیا حکم ہے جو سن یاس کو پہنچ چکی ہے، جب وہ کسی بچے کو دودھ پلانا چاہے تو اس کو پانچ رضعات یا اس سے زیادہ دو سال کے اندر پلائے تو کیا یہ دودھ حرمت کا سبب بنے گا؟ اور اس کا رضاعی باپ کون ہوگا؟ کیونکہ ممکن ہے کہ دودھ پلانے والی بلا خاوند کے ہو۔

جواب بلاشبہ رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اس سے اتنے ہی رشتے حرام ہوتے ہیں جتنے نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ بلاشبہ جس رضاعت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ دو سال کے اندر پانچ رضعات ہے تو اس بنا پر دودھ پلانے والی دودھ پینے والے کی رضاعی ماں ہوگی اللہ تعالیٰ کے عمومی فرمان کی وجہ سے:

﴿وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ [النساء: ٢٣]

''اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو۔''

اگرچہ اس عورت کو یہ دودھ سن یاس کو پہنچنے کے بعد اترا ہو۔ پھر اگر وہ عورت خاوند والی ہے تو دودھ پینے والا بچہ اس عورت کا بیٹا ہوگا اور اس شخص کا بھی بیٹا ہوگا جس کی طرف اس عورت کے دودھ کی نسبت کی گئی ہے۔ اور اگر وہ عورت خاوند والی نہیں ہے اس طرح کہ اس نے شادی نہیں کی، پھر اسے دودھ اتر آیا ہو تو وہ اس لڑکے کی، جس کو اس نے دودھ پلایا ہے، ماں ہوگی اور اس لڑکے کا رضاعی باپ کوئی نہیں ہوگا۔

آپ اس بات پر حیران مت ہوں کہ کسی بچے کی رضاعی ماں تو ہو اور اس کا رضاعی باپ نہ ہو، نیز آپ اس امر پر بھی حیران نہ ہوں کہ اس کا رضاعی باپ تو ہو مگر رضاعی ماں نہ ہو۔

پہلی صورت میں فرض کرو کہ ایک عورت نے اس بچے کو دو رضعات ایسے دودھ سے پلایا جو اس کو خاوند کی وجہ سے پیدا ہوا، پھر اس کے خاوند نے اس کو اپنے سے جدا کر دیا، اور اس عورت نے عدت پوری ہونے پر ایک اور خاوند سے شادی کر لی اور وہ اس سے حاملہ ہوئی اور ایک بچے کو جنم دیا اور اس نے پہلے بچے کو باقی کی تین رضعات سے دودھ

پلایا تو یہ عورت اس کی رضاعی ماں بن گئی کیونکہ اس نے اس سے پانچ رضعات دودھ پی لیا ہے مگر اس کا کوئی بھی رضاعی باپ نہیں بنا کیونکہ اس عورت نے ایک مرد کے دودھ سے پانچ یا زیادہ رضعات دودھ نہیں پلایا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بچے کا رضاعی باپ تو پایا جائے مگر اس کی رضاعی ماں نہ ہو، مثلاً: ایک آدمی کی دو بیویاں ہوں، ان میں سے ایک نے اس بچے کو دو رضعات دودھ پلایا اور دوسری بیوی نے باقی کے تین رضعات دودھ پلایا تو اس صورت میں یہ لڑکا خاوند کا رضاعی بیٹا ہوگا کیونکہ اس نے اس مرد کی طرف منسوب دودھ کے پانچ رضعات پیے مگر اس کی رضاعی ماں نہیں ہوگی کیونکہ اس نے پہلی عورت سے دو اور دوسری عورت سے تین رضعات دودھ پیا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

میری ماں نے جس عورت کا دودھ پیا اس کی کچھ سوکنیں ہیں، کیا ان کے بیٹے میرے ماموں ہوں گے؟

سوال میری ماں کو ایک دوسری عورت نے دودھ پلایا، اور اس دودھ پلانے والی کی کچھ سوکنیں ہیں۔ کیا ان سوکنوں کے بیٹے میرے ماموں ہوں گے یا نہیں؟

جواب یہ دودھ پلانے والی عورت تمھاری رضاعی نانی ہوگی کیونکہ اس نے تمھاری ماں کو دودھ پلایا ہے، اور دودھ پلانے والی کا خاوند تیری ماں کا رضاعی باپ اور تیرا رضاعی نانا ہوگا، اور اس عورت کی سوکنیں تیرے رضاعی نانا کی بیویاں ہیں، ان کی اولاد تیری ماں کے بھائی اور تیرے ماموں ہوں گے، چونکہ ان کا باپ تیرا نانا ہے اور وہ تمھاری نانا کی اولاد ہیں، لہٰذا وہ تیرے رضاعی ماموں ہوں گے۔

(عبداللہ بن جبرین)

جس شخص نے دوسرے خاندان کی لڑکی کے ساتھ دودھ پیا؟

سوال ایک شخص اپنے بھائیوں میں تیسرے نمبر پر ہے، اور اس نے دوسرے خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ دودھ پیا ہے۔ کیا یہ لڑکی اس کے تمام چھوٹے بڑے بھائیوں کی رضاعی بہن ہوگی یا نہیں؟ اور ایسے ہی اس لڑکی کے علاتی بھائی مذکورہ اشخاص کے بھائی ہوں گے؟

جواب وہ رضاعت جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ پانچ یا اس سے زیادہ رضعات ہے اور وہ ہو بھی دو سالوں کے اندر کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرۃ: 233]

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اس کے لیے جو چاہے کہ دودھ کی مدت پوری کرے۔''

نیز عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''قرآن میں اتاری جانے والی آیات میں دس معلوم رضعات کی آیت بھی تھی (وہ رضعات) جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی، پھر وہ پانچ رضعات والی آیت سے منسوخ ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے اور رضعات کا حکم اسی (پانچ رضعات) پر باقی رہا۔''

اور ''رضعہ'' یہ ہے کہ بچہ پستان سے دودھ پیے، پھر سانس لینے کے لیے یا دوسرے پستان کی طرف منتقل ہونے کے لیے یا کسی اور وجہ سے پستان کو چھوڑے، جب وہ دوبارہ پستان کو پکڑے تو یہ ایک اور ''رضعہ'' ہوگا اور اسی طرح جب یہ ثابت ہوجائے کہ مذکورہ شخص نے لڑکی کی ماں سے یا اس کے باپ کی کسی دوسری بیوی سے اسی طریقے سے، جو اوپر گزرا ہے، دودھ پیا تو وہ اس لڑکی اور اس کے تمام بھائیوں اور بہنوں کا خواہ وہ بھائی سگے ہوں یا علاتی یا اخیافی، بھائی ہوگا، البتہ اس شخص کے کسی بھائی کے لیے اس لڑکی سے یا اس کی کسی بہن سے شادی کرنا جائز ہے، اور اس پر اس رضاعت کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

ایک شخص، جس کے چند بھائی ہیں، اس نے اپنی نانی کا دودھ پیا، کیا اس کی رضاعت دوسرے بھائیوں پر مؤثر ہوگی؟

سوال ایک عورت کی چند شادی شدہ بیٹیاں ہیں۔ ان میں سے ایک نے بچہ جنم دیا اور اس نے اپنی نانی کا دودھ پیا۔ اس بچے کے چند بھائی بھی ہیں تو اس بچے کی رضاعت کا

اس کے بھائیوں پر کیا اثر ہوگا؟ کیا اس دودھ پینے والے لڑکے کے کسی بھی بھائی کے لیے اپنی خالاؤں کی کسی لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے؟ جنھوں نے نہ دودھ پلایا اور نہ ان سے دودھ پلانے کا مطالبہ ہی کیا گیا۔ میں اس مسئلے پر آپ سے فتویٰ چاہتا ہوں۔ اللہ عظیم قدرت والے سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اسلام کو عزت بخشے اور آپ لوگوں کی حفاظت فرمائے۔

جواب جب واقعہ ایسے ہی ہے جیسے تم نے سوال میں بیان کیا ہے کہ اگر کوئی ایک اولاد اپنی نانی کا دودھ پیے جبکہ اس کے بھائیوں نے دودھ نہ پیا ہو تو اس کے بھائیوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی خالاؤں کی بیٹیوں سے شادی کریں۔ کسی ایک کا نانی سے دودھ پینا اس کے کسی بھائی کے لیے اپنی خالاؤں کی لڑکی سے شادی کرنے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

نانی کا دودھ پینے والے کے لیے اپنے سگے ماموں کی بیٹی سے شادی کرنے کا حکم:

سوال میں نے اپنی نانی (اپنی والدہ کی ماں) کا دودھ پیا۔ کیا میرے لیے اپنے سگے ماموں کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ پانچ رضعات ہیں، اور دو سال کی مدت کے اندر ہوں اور ایک ''رضعہ'' کا مطلب یہ ہے کہ بچہ پستان منہ میں ڈال کر دودھ پیے، پھر چھوڑے، پھر اگر دوبارہ پستان منہ میں ڈال کر دودھ پیے تو یہ دوسرا ''رضعہ'' ثابت ہوجائے گا، اور اسی طرح باقی۔ جب تم نے اپنی نانی سے مذکورہ طریقے کے مطابق پانچ رضعات دودھ پیا ہے تو تم اپنے ماموں کے رضاعی بھائی بن گئے ہو کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ... وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ﴾

''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں ...اور بھتیجیاں اور بھانجیاں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ

يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة: 233]

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اس کے لیے جو چاہے کہ دودھ کی مدت پوری کرے۔''

اور اس وجہ سے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''قرآن میں اتاری جانے والی آیات میں دس معلوم رضعات کی آیت بھی تھی (وہ رضعات) جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی، پھر وہ پانچ رضعات والی آیت سے منسوخ ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے اور رضعات کا حکم اسی (پانچ رضعات) پر باقی رہا۔''

اگر تم نے اپنی نانی کا مذکورہ طریقے سے پانچ رضعات سے کم اور دو سال کے بعد دودھ پیا ہے تو تیرے لیے اپنی ماموں زاد بہن سے شادی کرنا جائز ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

میں نے ماموں کے ساتھ دودھ پیا، کیا میرے لیے ماموں کی بیوی کو سلام کرنا جائز ہے؟

سوال کیا میرے لیے اپنے ماموں (میری والدہ کے بھائی) کی بیوی کو سلام کرنا جائز ہے؟ واضح رہے کہ میں نے اپنے ماموں کے ساتھ اپنی نانی کا دودھ پیا ہوا ہے؟ یا میری ممانی کو میرے لیے غیر محرم ہونے کی وجہ سے سلام کرنا جائز نہیں ہے؟

جواب خواہ نانی سے تمھاری رضاعت ہو یا نہ تمھارے لیے اپنے ماموں کی بیوی کا ہاتھ چھونا جائز نہیں ہے کیونکہ تُو اجنبی ہے، یعنی تو اس کے لیے محرم نہیں ہے۔ رہا زبان سے مسنون سلام کرنا وہ جائز ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں سے بیعت لینے والی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

«ولا، واللّٰه! ما مست يده يد امرأة في المبايعة قط، ما يبايعهن إلا بقوله: قد بايعتك على ذلك»[1]

''نہیں اللہ کی قسم! بیعت لیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ کہہ کر بیعت لیتے: بلاشبہ میں نے تم سے اس پر

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4609]

بیعت لے لی۔" (اس کو بخاری نے روایت کیا ہے)

امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں عورتوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئی، ہم نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ ہم سے مصافحہ نہ کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

« إني لا أصافح النساء، إنما قولي لامرأة واحدة قولي لمائة امرأة. »[1]

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، میرا ایک عورت کو کہنا سو عورتوں کو کہنے کی مثل ہے۔" [اس کو امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے] (سعودی فتویٰ کمیٹی)

خالہ کا دودھ پینے والی لڑکی کا اپنے خالہ زاد بھائی اور خالو سے پردہ کرنے کا حکم:

سوال میری خالہ کا کہنا ہے کہ بلاشبہ اس نے مجھے، اپنی بڑی بیٹی اور میرے بعد والی بہن کو دودھ پلایا ہے مگر مجھے اور اس کو رضعات کی تعداد معلوم نہیں۔ کیا میں بغیر حجاب و پردہ کے اپنے خالہ زاد بھائی اور خالہ کے خاوند (خالو) کے سامنے آ سکتی ہوں یا نہیں؟

جواب احتیاط اسی میں ہے کہ تم ان میں سے کسی کے سامنے بے حجاب ہو کر نہ آؤ اور نہ ہی اپنی خالہ کے بیٹوں میں سے کسی سے شادی کرو کیونکہ نبی ﷺ نے واضح کر دیا کہ پانچ معلوم رضعات سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے، پس اگر رضعات کی تعداد معلوم نہ ہو تو بلاشبہ اس طرح کے امور میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اس بات کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے غور و فکر کرے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں کیسے بیان ہے کہ یقیناً نبی ﷺ کے پاس عبد بن زمعہ نے سعد بن ابی وقاص کے ساتھ عتبہ بن ابی وقاص کے بچے کے متعلق جھگڑا کیا، یہ فتح مکہ کے سال کا واقعہ ہے، سعد بن ابی وقاص کہتے تھے: یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے، میرے بھائی نے مجھے اس بچے کو لے لینے کی ہدایت کی تھی۔ عبد بن زمعہ کہتے تھے: یہ میرا بھائی اور میرے باپ کا بیٹا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً عتبہ بن ابی وقاص نے اس عورت (عبد بن زمعہ کے باپ کی لونڈی) سے زنا کیا اور اپنی وفات سے پہلے سعد رضی اللہ عنہ کو

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [4181]

ہدایت فرمائی کہ زمعہ کی لونڈی سے ہونے والا بچہ میرے نطفے سے ہے، لہٰذا اُس کو اپنے قبضے میں لے لینا تو اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

« الولد للفراش » ''لڑکا صاحبِ فراش کا ہے۔''

لہٰذا آپ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ یہ بچہ عبد بن زمعہ کو ملے گا، اور فرمایا:

« الولد للفراش وللعاهر الحجر، واحتجبي منه يا سودة! »[1]

''بچہ صاحبِ فراش کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے، اے سودہ! تم اس سے پردہ کرو۔''

آپ ﷺ نے سودہ رضی اللہ عنہا کو پردے کا حکم اس مفروضے کی بنا پر دیا کہ وہ لڑکا ان کا بھائی ہے، لہٰذا سودہ رضی اللہ عنہا کو موت تک اس لڑکے نے نہیں دیکھا تھا۔ (محمد بن عبدالمقصود)

کیا خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے گا؟

خون کو دودھ پر قیاس کرنے کا حکم:

سوال ایک آدمی سوال کرتا ہے کہ اس کی بیوی بیمار تھی اور مجبوراً اُسے اپنی بیوی کو خون دینا پڑا۔ ہسپتال والوں نے اس کا خون اس کی بیوی کو لگا دیا، اور وہ اب سوال کرتا ہے: کیا ایسا کرنا اس کی اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی زندگی کو متأثر کرے گا؟

جواب شاید سائل کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ اس نے خون کو اس دودھ پر قیاس کر لیا ہے جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے مگر دو وجھوں کی بنیاد پر یہ قیاس صحیح نہیں ہے:

1. پہلی وجہ یہ ہے کہ خون دودھ کی طرح غذا نہیں ہے۔
2. دوسری وجہ یہ ہے کہ بلاشبہ نص کے مطابق جس سے حرمت پیدا ہوتی ہے وہ دو شرطوں کے ساتھ دودھ پینا ہے ایک شرط یہ ہے کہ رضاعت پانچ یا زیادہ رضعات کے ساتھ ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ دودھ دو سالوں کی مدت کے اندر اندر پیا گیا ہو۔

سو اس بنا پر تمھارا یہ خون، جو تمھاری بیوی کو لگایا گیا ہے، تمھاری اس کے ساتھ ازدواجی زندگی کو متأثر نہیں کرے گا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1948] صحيح مسلم، رقم الحديث [1457]

سوتیلی ماں سے رضاعت کا حکم:

سوال میں نے اپنی بیٹی کو اپنے بھائی کے بیٹے سے نکاح دیا، اور عقدِ نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ اس شادی کرنے والے لڑکے کے والد کی بیوی نے اس لڑکی کو کہ جس کی شادی اس لڑکے سے کی گئی ہے، پانچ دن دودھ پلایا جبکہ پختہ اور یقینی بات یہ ہے کہ چار دن متواتر دودھ پلایا۔ معلوم رہے کہ دودھ پلانے والی اس لڑکے کی ماں نہیں ہے بلکہ اس کے باپ کی بیوی، یعنی اس لڑکے کی سوتیلی ماں ہے تو کیا یہ لڑکی اس لڑکے کے لیے حلال ہے؟

جواب یہ لڑکی جس کی شادی مذکورہ لڑکے سے کی گئی ہے اگر اس نے لڑکے کے باپ کی بیوی سے اس کے باپ کی طرف منسوب دودھ پیا ہے اور یہ دودھ پلانا پانچ رضعات ہے اور مدت رضاعت (دو سال) کے اندر ہے تو یہ لڑکی اس لڑکے کی رضاعی بہن ہوگی، سو اس بنا پر اس لڑکے کے لیے اس لڑکی سے شادی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ ... وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾

[النساء: 23]

''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں...اور تمھاری دودھ شریک بہنیں۔''

نیز عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:

''قرآن میں اتاری جانے والی آیات میں دس معلوم رضعات کی آیت بھی تھی (وہ رضعات) جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی، پھر وہ پانچ رضعات والی آیت سے منسوخ ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے اور رضعات کا حکم اسی (پانچ رضعات) پر باقی رہا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة: 233]

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اس کے لیے جو چاہے کہ دودھ کی مدت پوری کرے۔''

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا یحرم من الرضاع إلا ما فتق الأمعاء في الثدي، وكان قبل الفطام))[1]

''حرمت صرف اسی رضاعت سے ثابت ہوتی ہے جو آنتوں کو پھاڑے، اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔''

اور ''رضعہ'' کا مطلب یہ ہے کہ دودھ پینے والا بچہ پستان منہ میں لے کر دودھ پیے، پھر سانس لینے کے لیے یا دوسرے پستان کی طرف منتقل ہونے کے لیے یا کسی اور وجہ سے پستان کو چھوڑے تو یہ ایک ''رضعہ'' ہوگا، پھر اگر وہ چاہے جلدی ہی دوبارہ پستان منہ میں لے کر دودھ پیے تو یہ دو رضعتیں ہو جائیں گی...اور اسی طرح پانچ رضعتیں ہوں۔
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوتیلی دادی کا دودھ پینے کا حکم:

سوال میرا باپ اور میرا چچا دو بھائی ہیں۔ میرے باپ کے ہاں لڑکے پیدا ہوئے جبکہ میرے چچا کے ہاں بیٹیاں۔ کچھ مدت کے بعد میرے چچا اور باپ کی ماں (میری دادی) فوت ہوگئی تو میرے دادا نے ایک اجنبی عورت سے شادی کر لی جس نے سات ماہ کے بعد ایک بچہ جنم دیا جو فوت ہوگیا۔ چالیس دن کے بعد میری والدہ نے ایک بچے کو جنم دیا، میرے دادا کی بیوی مجھے لے کر میری والدہ کے پاس آئی اور کہا: بلاشبہ میں نے تم کو اپنے پستان سے آٹھ مرتبہ دودھ پلایا ہے لیکن میرا گمان یہ ہے کہ اس کے پستان سے نکلنے والا دودھ مجھے سیر نہیں کرتا تھا کیونکہ اس وقت میری عمر ایک سال آٹھ ماہ تھی۔ ہم جناب سے فائدے کی توقع رکھتے ہیں، کیا میرے لیے اپنی چچا زاد بہنوں سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب وہ رضاعت جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ پانچ رضعات یا اس سے زیادہ ہیں

---

[1] صحیح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1152]

اور ہوں بھی مدتِ رضاعت (دو سال) کے اندر۔ ایک ''رضعہ'' سے مراد ہے کہ بچہ پستان پکڑ کر دودھ پیے، پھر اس کو چھوڑ دے، اگر وہ دوبارہ لوٹے اور پستان سے دودھ پیے تو دوسرا ''رضعہ'' معتبر ہو جائے گا۔ اسی طرح پانچ رضعتیں ثابت ہوں، سو اس بنا پر تمھارا اپنی چچا زاد بہنوں میں سے کسی ایک سے بھی شادی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ تم اپنے دادا کی بیوی کا دودھ پینے کی وجہ سے اپنی چچا زاد بہنوں کے رضاعی چچا بن گئے ہو کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ... وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ [النساء: 23]

''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں... اور تمھاری دودھ شریک بہنیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة: 233]

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اس کے لیے جو چاہے کہ دودھ کی مدت پوری کرے۔''

نیز نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((تحرم الرضاعة ما تحرم الولادة))[1]

''رضاعت اتنے ہی رشتے حرام کرتی ہے جتنے رشتے ولادت حرام کرتی ہے۔''

اور اس وجہ سے بھی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انھوں نے کہا:

''قرآن میں اتاری جانے والی آیات میں دس معلوم رضعات کی آیت بھی تھی (وہ رضعات) جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی، پھر وہ پانچ رضعات والی آیت سے منسوخ ہو گئی۔ نبی ﷺ فوت ہو گئے اور حکم اسی (پانچ رضعات سے حرمت کے ثبوت) پر باقی رہا۔'' (سعودی فتویٰ کمیٹی)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2938] صحيح مسلم، رقم الحديث [1444]

کیا میرے لیے اس لڑکی سے شادی جائز ہے جس نے میری بڑی بہن کا ایک یا دو مرتبہ دودھ پیا ہو؟

سوال میں نے ایک لڑکی سے منگنی کرنے کے لیے پیش قدمی کی۔ جب میں اس کے سامنے پیش ہوا تو پتا چلا کہ اس نے میری اس بہن سے جو مجھ سے بڑی ہے، صرف ایک یا دو مرتبہ دودھ پیا ہے۔ کیا میرے لیے اس لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے؟ جبکہ یقیناً اس نے میری بڑی بہن سے ایک یا دو مرتبہ دودھ پیا ہے۔

جواب بلاشبہ اتنا سا دودھ پینا اس کو تم پر حرام نہیں کرتا، اور امام احمد اور شافعی رحمہما اللہ کے مذہب کے مطابق تیرے لیے اس سے شادی کرنا جائز ہے جبکہ امام ابو حنیفہ اور مالک رحمہما اللہ کا مذہب اس کے برخلاف ہے، بلاشبہ وہ ایک دو یا اس سے زیادہ دفعہ دودھ پینے سے بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کے قائل ہیں مگر دلیل کے اعتبار سے یہ مذہب مرجوح ہے اور صحیح موقف وہ ہے جس کی طرف پہلے دو امام گئے ہیں۔

"صحیح مسلم" میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《 لا تحرم المصة و لا المصتان 》[1]

"ایک دو دفعہ دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔"

اسی طرح صحیح مسلم میں ام فضل رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ایک بیوی تھی جس پر میں نے ایک اور عورت سے شادی کر لی تو میری پہلی بیوی نے دعویٰ کیا کہ اس نے میری نئی بیوی کو ایک یا دو رضعتیں دودھ پلایا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《 لاتحرم الإملاجة و لا الإملاجتان 》[2]

"ایک یا دو دفعہ دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔"

لیکن جن رضعات سے حرمت ثابت ہوتی ہے ان کی تعداد پانچ ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1450]

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1451]

نے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو حکم دیا کہ وہ غلام کو پانچ رضعات دودھ پلائے تاکہ اس کے لیے اس کے پاس آنا جانا جائز ہو، پس یہ حدیث معروف ہے۔ ابو حذیفہ نے ایک خادم کو مدت تک متبنی بنائے رکھا کیونکہ اس وقت متبنی بنانا جائز تھا، اس کے بعد متبنی بنانے کی حرمت نازل ہوئی تو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے اپنے خاوند کے چہرے پر خادم کے اس کے پاس اس حال میں داخل ہونے سے کراہت کے آثار دیکھے جبکہ وہ اپنے کام کاج کے لباس میں ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

«أرضعيه خمس رضعات ليدخل عليك» [1]

''اس کو پانچ رضعات دودھ پلا دو تاکہ وہ تمھارے پاس آ سکے۔''

اسی طرح صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

''قرآن میں اتاری جانے والی آیات میں دس معلوم رضعات کی آیت بھی تھی (وہ رضعات) جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی، پھر وہ پانچ رضعات والی آیت سے منسوخ ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے اور رضعات کا حکم اسی (پانچ رضعات) پر باقی رہا۔''

اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے:

''پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے اور حکم اسی پر باقی رہا۔''

یعنی پہلے دس رضعات سے حرمت ثابت ہونے کا حکم تھا، پھر بعد میں پانچ رضعات سے حرمت ثابت ہونے کا حکم نازل ہوا، لہٰذا تمھارے لیے اس لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

ایک ''رضعہ'' دودھ پینے کا حکم:

سوال میری ایک پھوپھی، یعنی میرے باپ کی بہن ہے، اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ میرے بڑے بھائی کو ایک رضعت دودھ پلایا، پھر اس نے ایک اور شخص سے شادی کر لی جس سے اس کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ ہم کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ

[1] صحيح. موطأ الإمام مالك [605/2]

کے مطابق آپس میں شادیاں کرنا چاہتے ہیں، کیا ہمارے لیے ایک دوسرے سے شادیاں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب جب صورتِ حال وہ ہے جو تم نے بیان کی ہے کہ تمھاری پھوپھی نے اپنے بیٹے کے ساتھ تمھارے بڑے بھائی کو صرف ایک ''رضعہ'' دودھ پلایا ہے تو تم میں سے ہر ایک کے لیے اس لڑکی سے، اور تمھاری پھوپھی کی پہلے اور اس کے علاوہ کسی بھی خاوند سے ہونے والی لڑکیوں سے شادی کرنا جائز ہے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ثابت ہے:

《لا تحرم الرضعة و لا الرضعتان》[1]

''ایک دو رضعتیں حرمتِ رضاعت ثابت نہیں کرتیں۔''

نیز عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''قرآن میں اتاری جانے والی آیات میں دس معلوم رضعات کی آیت بھی تھی (وہ رضعات) جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی، پھر وہ پانچ رضعات والی آیت سے منسوخ ہوگئی، نبی ﷺ فوت ہوگئے اور رضعات کا حکم اسی (پانچ رضعات) پر باقی رہا۔''

معلوم رہے کہ بچہ جب پستان سے دودھ پیے، چاہے تھوڑا ہی سہی، پھر پستان چھوڑ دے تو اس طرح ایک ''رضعہ'' ثابت ہو جائے گا، پھر جب بچہ دوبارہ پستان سے دودھ پیے اگرچہ تھوڑا ہی ہو تو دوسرا ''رضعہ'' ثابت ہو جائے گا اور اسی طرح پانچ رضعتیں ہونی چاہییں۔

اگر بالفرض مان لیں کہ تمھارے بھائی نے تیری پھوپھی سے پانچ رضعات یا اس سے زیادہ دودھ پیا ہے تو صرف اسی پر تیری پھوپھی زاد بہن حرام ہوگی تم پر نہیں۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال دو بہنیں ہیں اور دونوں کے ہی بیٹے اور بیٹیاں ہیں، جب دونوں نے ایک دوسرے کی بیٹیوں کو دودھ پلایا ہو تو کیا ان کی بیٹیاں ان کے بیٹوں کے لیے حرام ہو جائیں گی یا نہیں؟

---

[1] صحیح. سنن ابن ماجه، رقم الحدیث [1940]

جواب جب عورت نے لڑکی کو دو سال کی مدت کے اندر پانچ رضعات دودھ پلایا تو یہ لڑکی اس عورت کی رضاعی بیٹی بن جائے گی، اور دودھ پلانے والی کے تمام لڑکے دودھ پینے والوں کے، خواہ وہ مذکر ہوں یا مونث اور رضاعت سے پہلے پیدا ہوئے یا بعد میں، رضاعی بھائی بن جائیں گے، لہٰذا دودھ پلانے والی کے کسی لڑکے کو دودھ پینے والی سے شادی کرنا جائز نہ ہوگا لیکن دودھ پینے والی کی ان بہنوں کے لیے دودھ پلانے والی کے لڑکوں سے شادی کرنا جائز ہوگا جبکہ انھوں نے دودھ نہ پیا ہو، پس اس کی اس بہن کو اس لڑکے سے شادی کرنا جائز ہوگا جس نے اس کی ماں سے دودھ نہیں پیا، اور اس لڑکی نے اس لڑکے کی ماں سے دودھ نہیں پیا۔ رہی یہ دودھ پینے والی تو یہ اس کو دودھ پلانے والی کے کسی لڑکے سے شادی نہیں کرسکتی۔ اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔

اس مسئلے میں اصل یہ ہے کہ بلاشبہ دودھ پلانے والی دودھ پینے والی کی رضاعی ماں بن جاتی ہے، لہٰذا پینے والی پر پلانے والی کے لڑکے حرام ہوجاتے ہیں کیونکہ پلانے والی کے بھائی پینے والی کے ماموں اور اس کی بہنیں اس کی خالائیں بن جاتی ہیں، اور جس آدمی کا دودھ ہوتا ہے وہ اس کا رضاعی باپ بن جاتا ہے، اور اس آدمی کے اس عورت سے اور دوسری عورتوں سے پیدا ہونے والے لڑکے اس لڑکی کے رضاعی بھائی بن جاتے ہیں، اور آدمی کے بھائی اس لڑکی کے چچا اور اس کی بہنیں اس کی پھوپھیاں بن جاتی ہیں اور دودھ پینے والا، اس کے لڑکے اور اس کے لڑکوں کے لڑکے دودھ پلانے والی کے اور اس آدمی کے جس کی وطی کے نتیجہ میں دودھ پیدا ہوا ہے، رضاعی بیٹے بن جاتے ہیں۔

رہے دودھ پینے والے کے بھائی اور بہنیں، اس کا نسبی باپ اور ماں وہ اجنبی ہیں، ان پر اس رضاعت کی وجہ سے کچھ حرام نہیں ہوتا اور اس پر تمام ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اگرچہ اس کے علاوہ دیگر مسائل میں ان کا اختلاف ہے۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

رضاعی بھائی کی بیٹی سے شادی کرنے کا حکم:

سوال ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے ساتھ دودھ پیا، ان میں سے ایک کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ کیا دودھ پینے والے کے لیے اس لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب جب بچے نے عورت سے دو سال کی مدت کے اندر پانچ رضعات دودھ پیا تو یہ لڑکا اس عورت کا رضاعی بیٹا بن گیا، اور اس عورت کے وہ تمام لڑکے جو اس نے رضاعت سے پہلے جنم دیے یا بعد میں، رضاعی بھائی بن گئے۔

رضاعت سے اتنے ہی رشتے حرام ہوتے ہیں جتنے ولادت سے ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی یہی ہے اور ائمہ کا اس پر اتفاق بھی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی بیٹی سے شادی کرے، جیسا کہ ائمہ اربعہ کے اتفاق سے اپنے نسبی بھائی کی بیٹی سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

سوال دو بہنیں ہیں، ایک کی دو بیٹیاں ہیں، جبکہ دوسری کا ایک بیٹا ہے۔ پہلی کی دو بیٹیوں میں سے بڑی بیٹی نے دوسری کے بیٹے کے ساتھ دودھ پیا ہے۔ کیا اس لڑکے کے لیے اس لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے جس نے اس کے ساتھ دودھ نہیں پیا؟

جواب جب ان لڑکیوں میں سے ایک نے لڑکے کی ماں سے تو دودھ پیا ہے مگر لڑکے نے لڑکی کی ماں سے دودھ نہیں پیا تو مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے اس لڑکے کو دودھ پینے والی کی بہن سے شادی کرنا جائز ہے۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

لڑکے کا ایسی لڑکی سے شادی کرنے کا حکم جس کی بہن نے لڑکے کے بھائی کے ساتھ دودھ پیا ہو:

سوال ایک عورت نے اپنی بیٹی کو اپنے بھائی کی بیوی (بھاوج) کے پاس چھوڑا، پھر اس کی بھاوج آئی اور کہا: میں نے اس کو دودھ پلایا ہے جبکہ بیٹی نے کہا: نہیں، اور اس نے اس پر قسم بھی اٹھائی، پھر اس مذکورہ عورت کے بھائی کا لڑکا (بھتیجا) جوان ہوا، اور اس کی چھوٹی بیٹی بھی جوان ہوگئی، اور اس لڑکی کی بہن نے اس لڑکے کے بھائی کے ساتھ دودھ پیا ہے جو لڑکا اب اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ جائز ہوگا؟

جواب جب لڑکی نے پیغامِ نکاح دینے والے لڑکے کی ماں سے دودھ نہیں پیا، اور نہ ہی پیغام دینے والے نے اس مذکورہ لڑکی کی ماں سے دودھ پیا تو ان کا آپس میں شادی

کرنا جائز ہوگا اگر چہ اس لڑکی کے بھائیوں اور بہنوں نے پیغام دینے والے لڑکے کی ماں سے دودھ پیا ہو لیکن مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ ان کا دودھ پینا ان دونوں کی شادی پر اثر انداز نہ ہوگا بلکہ جب لڑکے نے کسی عورت سے دودھ پیا تو وہ اس کی رضاعی ماں بن گئی اور اس عورت کا خاوند، یعنی دودھ والا اس لڑکے کا رضاعی باپ بن گیا اور ان دونوں میاں بیوی کی اولاد اس لڑکے کے رضاعی بہن بھائی بن گئے، اور ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اس لڑکے کی بہنوں سے شادی کر لیں، جیسا کہ نسب میں جائز ہے کہ اخیافی بھائی کی بہن اس کے علاتی بھائی سے شادی کر لے۔ اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

رضاعی بہن سے شادی کرنے کا حکم:

سوال ایک آدمی نے اپنی کسی قریبی لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا تو اس لڑکی کے باپ نے کہا: اس لڑکی نے تیرے ساتھ دودھ پیا ہوا ہے اور یہ کہہ کر اس نے لڑکے کو اس سے شادی کرنے سے روک دیا۔ جب لڑکی کا باپ فوت ہوا تو لڑکے نے اس لڑکی سے شادی کر لی، اور عادل لوگوں نے گواہی دی کہ اس لڑکی کی ماں نے اس شادی کرنے والے لڑکے کو دودھ پلایا ہوا ہے، پھر بعد میں اس نے انکار کرتے ہوئے کہا: میں نے ایک خاص مقصد کے لیے غلط بیانی کی ہے تو کیا اس مذکورہ لڑکے کی اس لڑکی سے شادی جائز ہے؟

جواب جب لڑکی کی ماں اپنی سچائی میں مشہور ہے اور اس نے یہ بیان دیا کہ اس نے مذکورہ لڑکے کو پانچ رضعات دودھ پلایا ہے تو اس کی یہ بات اس معاملے میں قبول کی جائے گی۔ اور علماء کے دو اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق جب اس لڑکے نے اس لڑکی سے شادی کر لی تو ان کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی، جیسا کہ ''صحیح بخاری'' میں یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن حارث کو اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے کا حکم دیا جب ایک کالی لونڈی نے یہ بیان دیا کہ اس نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہوا ہے۔

لیکن اگر لڑکی کی ماں کے سچا ہونے میں یا رضعات کی تعداد میں کوئی شبہ ہو تو بھی یہ معاملہ شبہات میں سے ہوگا جن سے بچنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ اور ان کے درمیان بغیر کسی دلیل کے علیحدگی نہیں کرائی جائے گی۔

اور جب وہ شادی سے پہلے اپنی گواہی سے پلٹ جائے تو شادی حرام نہیں ہوگی لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے اس رجوع میں جھوٹی ہے اور اس نے اس وجہ سے رجوع کیا ہے کہ لڑکا لڑکی سے دخول کر چکا ہے اور یہ اب گواہی چھپا رہی ہے تو شادی جائز نہ ہوگی۔ واللہ اعلم (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

مدتِ رضاعت کا بیان:

سوال ایک آدمی کی چچا زاد بہن ہے، اور اس مذکورہ لڑکی کے والد نے اس مذکورہ آدمی کی ماں سے اس کے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ دودھ پیا ہے۔ اور آدمی کی مذکورہ ماں نے بتایا کہ جب اس آدمی نے دودھ پیا تو اس کی عمر دو سال سے زیادہ تھی۔ کیا اس مذکورہ آدمی کے لیے اپنی چچا زاد بہن سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب جب رضاعت مدتِ رضاعت (دو سال) کے بعد ہو تو کوئی بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

جب میاں بیوی کو شادی کے کئی سال بعد علم ہو کہ وہ رضاعی بہن بھائی ہیں؟

سوال کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور اس شخص کے اس عورت سے کئی بچے ہوئے۔ اس عرصے میں ایک شخص آیا جس کا مذکورہ شخص کی بیوی سے جھگڑا ہوا اور اس نے اس کے خاوند کو بتایا کہ تیری یہ بیوی جو تیرے نکاح میں ہے، اس نے تیری ماں کا دودھ پیا ہوا ہے۔

جواب اگر یہ شخص سچائی میں مشہور ہے اور جو اس نے دعویٰ کیا ہے اس کی وہ خوب خبر رکھنے والا ہے کہ اس بیوی نے اپنے خاوند کی ماں سے مدتِ رضاعت (دو سال) کے اندر پانچ رضعات دودھ پیا ہے تو اس معاملے میں اس کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر مذکورہ طریقے سے رضاعت ثابت نہیں تو اس کے قول کی طرف رجوع کرنا واجب نہیں ہے اگرچہ اس نے خود دودھ پیتے ہوئے دیکھا ہو۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

شک کی بنا پر حرمتِ رضاعت کا حکم:

سوال ایک عورت نے دوسری عورت کو اپنا بچہ پکڑایا جبکہ وہ دونوں حمام میں تھیں تو جس عورت نے بچہ پکڑا اُس کو یہ پتا نہیں چلا کہ کب اس بچے نے اس کا پستان منہ میں ڈال لیا، لہٰذا اُس نے فوراً اپنا پستان بچے کے منہ سے کھینچ لیا، اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس دوران بچے نے دودھ پیا ہے یا نہیں؟ کیا مذکورہ بچے کے لیے مذکورہ عورت کی بیٹیوں سے شادی کرنا حرام ہوگا یا نہیں؟

جواب اس سے مذکورہ بچے پر اس عورت کی اولاد میں سے کسی سے شادی کرنا حرام نہیں ہوگا کیونکہ وہ اس کی رضاعی ماں نہیں ہے، اور نہ ہی ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک شک کے ساتھ حرمت ثابت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم (ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

آنکھوں میں بیوی کا دودھ ڈالنے اور دورانِ مباشرت بیوی کا دودھ پینے کا حکم:

سوال ایک آدمی کو آشوبِ چشم کی بیماری تھی، سو اس نے اپنی بیوی کے دودھ سے آنکھوں کو دھویا۔ کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی جب اس کا دودھ کسی طرح اس کے پیٹ میں چلا جائے؟ اور ایک آدمی اپنی بیوی سے پیار کرتے ہوئے کھیل کود کرتا ہے اور اس کا دوھ پی لیتا ہے، کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی؟

جواب اپنی بیوی کے دودھ سے آنکھیں دھونا جائز نہیں ہے، البتہ ایسا کرنے سے آدمی پر اس کی بیوی دو وجہوں سے حرام نہیں ہو جاتی:

1. پہلی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے والا بڑی عمر کا ہے اور بڑی عمر کا آدمی اپنی عورت یا کسی اور عورت کا دودھ بھی پی لے تو ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے، اور کتاب وسنت بھی اس بات پر شاہد ہیں۔ رہی سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے قصے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تو جمہور کے نزدیک یہ صرف انھی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ انھوں نے منہ بولا بیٹا بنانے کے حرام ہونے سے پہلے اس کو متبنیٰ بنا رکھا تھا۔

2 دوسری وجہ یہ ہے کہ آنکھ میں دودھ ڈالنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس میں اختلاف کیا ہو لیکن علماء نے ''سعوط'' میں اختلاف کیا ہے، اور ''سعوط'' کا مطلب ہے ناک کے ذریعے کسی چیز کو داخل کرنا، جیسا کہ علماء کا ''وجور'' میں بھی اختلاف ہے۔ اور ''وجور'' کا مطلب ہے کہ رضاعت کے معروف طریقے کے علاوہ کسی طرح سے جسم میں کوئی دودھ داخل کرنا۔ اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ سے مروی دو روایتوں میں سے زیادہ مشہور یہی روایت ہے۔ اسی طرح ان سے مروی دو روایتوں میں سے ایک سے سعوط کے ذریعے بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، اور یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اس مسئلے میں دو قول ہیں۔

جبکہ مذکورہ سوال کے دوسرے حصے کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذہب میں مذکورہ آدمی کا اپنی بیوی سے دودھ پینا اس کی بیوی کو اس پر حرام نہیں کرتا ہے۔

(ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

بیوی کا دودھ پینے کا حکم:

سوال اس شخص کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے جس نے اپنی بیوی کا دودھ پیا؟

جواب جائز ہے کیونکہ عورت کا دودھ حرام نہیں ہے، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ موت تک اس کو غذا بناتا رہے، اس پر حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس کا یہ دودھ پینا مدتِ رضاعت (دو سال) کے اندر نہیں ہے۔ (عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

پردے اور لباس کا بیان

چہرہ چھپانے کی فرضیت، اس کا انداز اور کس سے چہرہ چھپایا جائے گا؟

سوال چہرہ ڈھانپنا کیسے، کس سے اور کس پر واجب ہے؟

جواب اجنبی مرد سے چہرہ چھپانا ضروری ہے۔ دو میں سے صحیح قول کے مطابق اجنبی وہ ہے جو عورت کا غیر محرم ہو، چاہے وہ اجنبی چچا اور ماموں کا بیٹا ہو یا پڑوسی وغیرہ کا ہو

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اللہ کے پیغمبر کے زمانے اور اس کے بعد والے مسلمانوں کو خطاب کر رہا ہے:

﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ﴾ [الأحزاب: 53]

''اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔''

یہ حکم نبی ﷺ کی بیویوں اور ان کے علاوہ تمام ایماندار عورتوں کے لیے عام ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا:

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾

[الأحزاب: 59]

''اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے آپ پر لٹکا لیا کریں، یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو انھیں تکلیف نہ پہنچائی جائے۔''

جلباب وہ ہے جسے کپڑوں کے اوپر سر اور بدن پر رکھا جاتا ہو اور یہی ہے جس سے عورت سر، چہرہ اور سارا بدن ڈھانپتی ہے۔ اور جسے صرف سر پر رکھا جائے اسے خمار کہا جاتا ہے، لہٰذا عورت کو اپنے سر، چہرے اور سارے بدن پر کپڑوں کے اوپر سے جلباب اوڑھنا چاہیے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾ [النور: 31]

''اور مومن عورتوں سے کہہ دے: اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں

کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے، اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں، اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے۔''

عبداللہ بن مسعود اور ایک جماعت نے ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر ظاہری لباس سے کی ہے، اور کچھ لوگوں نے اس کی تفسیر چہرے اور ہتھیلیوں سے کی ہے لیکن پہلی بات زیادہ درست ہے کیونکہ یہ سابقہ دو آیتوں اور شرعی دلائل کے موافق ہے۔ اور کچھ مفسرین نے چہرے اور ہتھیلیوں والی تفسیر کو اس انداز پر رکھا ہے کہ یہ پردے کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے کی ہے کیونکہ شروع اسلام میں عورت اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں مردوں کے لیے ظاہر ہی رکھا کرتی تھی تو پردے والی آیت نازل ہونے پر ان کو اس (عمل) سے باز کر دیا گیا، لہٰذا اُن پر چہرہ اور ہتھیلیاں بھی چھپانا تمام حالات میں ضروری قرار دیا گیا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ ﴾ [النور: 31]

''اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔''

خُمر خمار کی جمع ہے۔ جس سے سر اور اس کا اردگرد چھپایا جاتا ہے اسے خمار کا نام اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ یہ اپنے ماتحت (اعضاء) کو چھپاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شراب کو خمر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی عقلوں کو ڈھانپتی اور تبدیل کر کے رکھ دیتی ہے۔ اور ''جیب'' وہ خلا ہے جس سے سر باہر نکالا جاتا ہے تو لہٰذا جب (عورت) دوپٹا اپنے چہرے اور سر پر ڈالتی ہے تو وہ گریبان کو بھی چھپا لیتا ہے تو چونکہ وہاں سینے کا کچھ حصہ بھی ہوتا ہے تو وہ اسے بھی چھپا لیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ ﴾ [النور: 31]

''اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے۔''

اور زینت چہرے اور سارے بدن کو شامل ہے، لہٰذا عورت پر اس خوبصورتی کو چھپانا بھی ضروری ہوگا تاکہ نہ وہ کسی کو فتنے میں ڈالے اور نہ خود فتنے میں مبتلا ہو۔ صحیحین

میں وارد عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی مذکورہ توجیہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے، چنانچہ وہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے صفوان بن معطل کی آواز سنی تو میں نے اپنا چہرہ چھپا لیا جبکہ اس نے مجھے پردے سے پہلے دیکھا بھی ہوا تھا۔

لہٰذا اِس سے معلوم ہوا کہ پردے والی آیت کے نازل ہونے کے بعد عورتیں چہرے کو چھپانے کی پابند تھیں، اور آیت کریمہ میں پردے سے مراد بھی یہی ہے، جیسا کہ یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ﴾ [الأحزاب: 53]

''اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو۔''

لیکن جو امام ابوداود نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا تھا:

((إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح أن يرىٰ منها إلا هذا وهذا.))[1]

''جب عورت یقینی طور پر بلوغت کو پالیتی ہے تو اس سے کسی (عضو) کا ظاہر ہونا جائز نہیں مگر یہ اور یہ (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا۔)''

یہ حدیث ضعیف ہے۔ بہت ساری خامیوں کی وجہ سے اسے دلیل بنانا جائز ہی نہیں، ایک تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرنے والے اور ان کے درمیان انقطاع ہے اور دوسرا اِس کے کچھ راوی بھی کمزور ہیں جیسے سعید بن بشیر، اور قتادہ کی تدلیس عن سے بیان کرنے کی صورت میں، اور اس کے شرعی دلائل (آیات و احادیث) کے خلاف ہونے کی وجہ سے بھی جو کہ اس بات کی طرف راہنمائی کرتے ہیں کہ عورت کو اپنا چہرہ، ہتھیلیاں اور تمام جسم چھپانا ضروری ہے۔

اور اگر مذکورہ حدیث درست بھی تسلیم کی جائے تو اس کو پردے والی آیت کے نازل ہونے سے پہلے سمجھا جائے گا دلائل میں تطبیق کا انداز اختیار کرتے ہوئے۔ اللہ ہی سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرنے کی توفیق دینے والا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [4104]

غیر محرم رشتہ داروں سے چہرہ چھپانے کا حکم:

سوال عورت کا اپنے غیر محرم رشتہ داروں سے چہرہ ڈھانپنے کا کیا حکم ہے؟

جواب حدیثِ نبوی ﷺ عورت کے اپنے غیر محرم رشتہ داروں سے چہرہ ڈھانپنے کے واجب ہونے پر روشنی ڈالتی ہے، اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس سے قافلے گزرا کرتے تھے اور ہم احرام کی حالت میں اللہ کے پیغمبر ﷺ کے ساتھ ہوتی تھیں تو جب وہ ہمارے قریب آتے تو ہم میں سے ہر کوئی اپنی موٹی چادر اپنے سر سے چہرے پر لٹکا لیتی، جب وہ چلے جاتے تو اسے ہٹا لیتی۔ نیز کتاب و سنت کے بہت سے دلائل ایسے ہیں جو عورت کے اپنے غیر محرم رشتہ داروں سے چہرہ ڈھانپنے کے واجب ہونے کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اے مسلمان بہن! میں اس معاملے آپ کی راہنمائی مندرجہ ذیل کتابچوں کی طرف کرتا ہوں جو کافی مفید مواد پر مشتمل ہیں:

1. "الحجاب واللباس في الصلة" از امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ۔
2. "الحجاب" از شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ۔
3. "الصارم المشهور على المفتونين بالسفور" از شیخ حمود تویجری۔
4. "الحجاب" از محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

بے پردہ عورت کے بارے، جسے اس کا ولی کچھ نہ کہے اور اچھا سمجھے، کیا حکم ہے؟

سوال ایسی عورت کے بارے میں کیا حکم ہے جو پردے کا استعمال کرنے کے باوجود اجنبی مردوں کے سامنے بغیر پردے کے آ جائے بلکہ بعض اوقات ان کے ساتھ قہوہ بھی نوش کرتی ہو، گپ شپ بھی کر لے اور ان کے ساتھ ہی آئے جائے جبکہ اس کا ولی اسے اچھا گردانتا ہو؟

جواب عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے چہرے کو غیر محرم رشتہ داروں کے لیے کھولے، ان کے ساتھ بیٹھے اور آئے جائے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کے اپنے منگیتر کو بے پردگی کی حالت میں کوئی مشروب پیش کرنے والی حدیث پر تبصرہ:

سوال اس دلہن والی حدیث، جس نے اپنے منگیتر کو ننگے چہرے کے ساتھ نبی ﷺ کی موجوگی میں کوئی مشروب پیش کیا تھا، کے بارے میں آپ کا کیا جواب ہے؟ یہ بھی جانتے ہوئے کہ وہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔

جواب یہ اور اس جیسی احادیث جن کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عورتیں اپنے چہروں کو کھلا رکھتی تھیں ان کو پردے سے پہلے پر محمول کیا جائے گا، اس لیے کہ عورت کے لیے پردے کے وجوب پر راہنمائی کرنے والی آیات بعد والی اور چھ ہجری کی ہیں، اور اس سے پہلے عورتوں کے ذمہ اپنا چہرہ اور ہاتھ چھپانا ضروری نہیں تھا، لہٰذا ہر قسم کی نصوص کو امکانی صورت میں اسی پر محمول کیا جائے گا لیکن کچھ ایسی احادیث بھی آتی ہیں جو پردے سے بعد میں ہونے پر دلالت کرتی ہیں تو یہ جواب کی ضرورت مند ہیں، مثلاً: خثعم قبیلے کی عورت والی حدیث جو نبی ﷺ سے پوچھنے آئی جبکہ فضل بن عباس حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے پیچھے سوار تھے تو فضل اس عورت کی طرف اور وہ عورت ان کی دیکھنا شروع ہوگئی جبکہ نبی ﷺ فضل بن عباس کے چہرے کو دوسری جانب پھیرتے رہے۔ کچھ لوگ اس سے یہ دلیل لیتے ہیں کہ عورت کے لیے اپنا چہرہ ننگا رکھنا جائز ہے جبکہ یقینی طور پر یہ ان متشابہ احادیث سے ہے جن میں جائز اور ناجائز ہونے کی گنجائش موجود ہے۔

جواز کی گنجائش تو ظاہر ہے جبکہ عدمِ جواز کی گنجائش ایسے ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ عورت ہی محرم تھی اور احرام کی حالت میں شرعی مسئلہ یہی ہے کہ اس کا چہرہ ننگا ہونا چاہیے۔ اور ہم تو نہیں سمجھتے کہ نبی ﷺ اور فضل بن عباس کے علاوہ کسی بھی آدمی نے اس کی طرف دیکھا ہو اور فضل بن عباس کو بھی نبی ﷺ نے (اس حالت پر) برقرار نہیں رکھا بلکہ آپ اس کے چہرے کو پھیرتے رہے جبکہ نبی ﷺ کے بارے میں خصوصاً حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ آپ کے لیے عورت کو دیکھنا اور اس سے تنہائی کرنا جائز ہے، جیسا کہ آپ

کے لیے بغیر مہر و ولی کے عورت سے شادی کرنا جائز تھا، نیز چار عورتوں سے زائد کے ساتھ بھی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان امور میں کچھ گنجائش رکھی ہوئی تھی کیونکہ آپ پاکدامنی میں کامل تھے۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ نبی ﷺ پر کوئی اعتراض کیا جائے جوکہ غیر مناسب شبہ پر مبنی ہو جبکہ دیگر لوگوں پر ممکن ہے جو ایک جوانمردی والے کے حق میں ہو۔

اس پر اہلِ علم کے نزدیک قاعدہ ہے کہ جب احتمال آ جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ حدیث متشابہ ہے اور متشابہ احادیث کے بارے میں ہی یہ فریضہ ہے کہ انھیں ایسی محکم نصوص کی طرف لوٹایا جائے جو عورت کے اپنا چہرہ کھلا رکھنے کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ درحقیقت عورت کا اپنا چہرہ ننگا کرنا برائی اور فتنے کی علامتوں میں سے ہے۔

اور ان شہروں کا معاملہ بھی ظاہر ہے جن میں عورتوں کو چہرے ننگے رکھنے کی گنجائش دی گئی ہے تو کیا اس قسم کی عورتیں صرف چہرہ ننگا رکھنے پر اکتفا کر سکتی ہیں، جنھیں چہرہ ننگا رکھنے کی گنجائش دی گئی ہے؟

نہیں، بلکہ بسا اوقات تو چہرہ، سر، گردن، سینہ، بازو، پنڈلی کو بھی ننگا کیا جا سکتا ہے اور وہ تو اپنی عورتوں کو ان سے بھی باز نہیں رکھ سکیں گے جنھیں وہ خود بھی برا اور حرام سمجھتے ہیں۔ اور جب لوگوں کے لیے برائی کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے تو آپ سمجھ لیں کہ اگر آپ دروازے کا ایک تختہ کھولیں گے تو جلد ہی بہت سے تختے کھل جائیں گے۔

بالغہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ننگا کرنا نقاب والی احادیث کے ہوتے ہوئے:

سوال پیغمبر ﷺ کی حدیث میں آیا ہے کہ عورت جب بالغہ ہو جاتی ہے تو اس سے صرف ہتھیلیاں اور چہرہ ظاہر ہو تو یہی پردہ ہے۔ کیا دوسری احادیث بھی ہیں جو نقاب پر دلالت کرتی ہوں؟

جواب امام ابو داود رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی سنن کے اس باب میں بیان کیا ہے: ”باب فيما تبدي المرأة من زينتها“ (اس چیز کے بارے میں جسے عورت اپنی زینت سے ظاہر کر سکتی ہے۔) کہتے ہیں: ہمیں یعقوب نے کعب انطا کی اور مؤمل بن

الفضل حرانی کے حوالے سے حدیث بیان کی، دونوں کہتے ہیں: ہمیں ولید نے سعید بن بشیر سے اس نے قتادہ سے اس نے خالد سے حدیث بیان کی، یعقوب نے کہا: ابن دریک عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور ان پر باریک کپڑے تھے تو اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کر لیا: اور فرمایا:

''جب عورت بلوغت کو پہنچ جاتی ہے تو اس سے صرف یہ اور یہ نظر آنا چاہیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا۔''[1]

یہ مرسل حدیث ہے کیونکہ خالد بن دریک عائشہ کو نہیں پا سکے، نیز اس کی سند میں سعید بن بشیر ازدی ہے، اسے بصری بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی اصل بصرہ سے ہے، اس کو کچھ علمائے حدیث نے ثقہ کہا اور امام احمد، ابن معین، ابن مدینی، نسائی، حاکم اور ابوداود نے اسے ضعیف کہا ہے اور محمد بن عبداللہ بن نمیر نے کہا کہ وہ منکر الحدیث ہے، اور اس کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ روایتِ حدیث میں مضبوط نہیں، قتادہ سے بہت منکر روایات بیان کرتا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا کہ یہ نکمے حافظے والا اور بڑی غلطیاں کرنے والا تھا اور قتادہ سے ایسی روایات بیان کرتا ہے جن کی متابعت نہیں ہوسکی۔ ساجی کہتے ہیں کہ اس نے قتادہ سے منکر روایات بیان کی ہیں۔ اور یہ حدیث بھی اس نے قتادہ سے ہی بیان کی ہے، پھر قتادہ بھی تدلیس کرنے والا ہے، اور اس نے یہ حدیث خالد بن دریک سے بیان کی ہے اور اس میں ولید بھی ہے جو مسلم کا بیٹا ہے اور وہ تدلیسِ تسویہ کا عادی ہے اور اکثر مرفوع بیان کرنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کی کمزوری کئی وجہوں سے واضح ہوتی ہے۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

بھائیوں کے سامنے زینت کو کھولنا:

سوال کیا عورت اپنے مرد بھائیوں کے سامنے زینت کو کھول سکتی ہے یا یہ صرف خاوند کے سامنے ہی جائز ہے؟

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [4104]

جواب عورت کے لیے اس زینت کو اپنے محرم رشتہ دار مردوں کے سامنے کھولنا جائز ہے، یعنی جن مردوں کا اس عورت سے کسی صورت میں بھی نکاح جائز نہ ہو۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

ایک مکان میں رہتے ہوئے عورت کا اپنے دیور سے پردہ:

سوال دو شادی شدہ بھائی ایک ہی فلیٹ میں رہائش پذیر ہیں تو کیا دونوں کی بیویوں کا ایک دوسرے کے خاوند سے پردہ اتارنا جائز ہے یہ جانتے ہوئے کہ دونوں سلجھے ہوئے ہیں؟

جواب کوئی خاندان جب اکٹھا رہے تو عورت کا اپنے غیرمحرم سے پردہ کرنا ضروری ہے، لہٰذا بھابھی کے لیے اپنے چہرے کو دیور کے سامنے کھولنا جائز نہیں، اس لیے کہ اس کے (خاوند) کا بھائی حرمت اور دیکھنے کے اعتبار سے سڑک پر چلنے والے کسی عام آدمی کی طرح ہی ہے، اور نہ ہی اس کے بھائی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس سے تنہائی اختیار کرے جب اس کا بھائی گھر سے نکل جائے۔ یہ ایک مصیبت ہے جس میں اکثر لوگ مبتلا ہیں، مثلاً دو بھائی ایک گھر میں رہائش پذیر ہوں، ایک شادی شدہ اور دوسرا غیر شادی شدہ تو شادی شدہ کے لیے کام کاج یا پڑھنے کے لیے نکلنے کے وقت اپنی بیوی کو اپنے بھائی کے پاس چھوڑنا جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لا يخلون رجل بامرأة»[1] ''کوئی مرد کسی عورت سے تنہا نہ ہو۔''

نیز فرمایا:

«إياكم والدخول على النساء» ''عورتوں پر داخل ہونے سے بچو۔''

انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! دیور کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حالانکہ دیور تو انتہائی قریبی ہے۔ فرمایا: «الحمو الموت»[2] ''دیور موت ہے۔''

اکثر ایسی حالتوں میں جرمِ زنا کے ارتکاب کے بارے میں سوال ہوا کرتا ہے،

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [2844]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [4934] صحيح مسلم، رقم الحديث [2172]

خاوند نکل جاتا ہے، اس کی بیوی اور اس کا بھائی رہ جاتے ہیں تو شیطان ان کو گمراہ کر لیتا ہے اور وہ اس سے زنا کر بیٹھتا ہے۔ وہ اپنے بھائی کی بیوی سے زنا کرتا ہے اور یہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے بلکہ معاملہ تو اس سے بھی ہولناک ہے۔

بہرحال میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ جس کے ساتھ میں اللہ کے ہاں تمھاری مسئولیت سے براءت اختیار کر سکوں، حقیقت ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں، انسان کے لیے جائز ہی نہیں کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے پاس ایک ہی گھر میں رہے اگرچہ بھائی تمام لوگوں سے زیادہ پُر اعتماد، سچا اور نیک ہی کیوں نہ ہو کیونکہ شیطان ابن آدم کے اندر خون کی طرح چلتا ہے اور جنسی شہوت کی تو کوئی حد ہی نہیں، خصوصاً جوانی میں۔

سوال لیکن جب دونوں بھائی ایک گھر میں رہائش پذیر ہوں اور ایک شادی شدہ ہو تو ہم کیا کریں؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے جب وہ باہر جانا چاہے تو اس کی بیوی بھی کام کاج میں اس کے ساتھ ہی چلی جائے؟

جواب نہیں بلکہ گھر کو دو حصوں میں تقسیم کر لینا چاہیے، آدھا ایک بھائی کے لیے جہاں وہ اکیلا ہو اور اس میں ایک دروازہ ہو جسے چابی سے بند کر دیا جائے، وہ خاوند کے پاس ہو، جسے وہ اپنے پاس رکھے، اور عورت گھر کے الگ حصے میں اور بھائی الگ حصے میں ہو لیکن وہ کبھی بھائی سے احتجاج بھی کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے؟ کیا تو مجھ پُر اعتماد نہیں کرتا؟

تو جواب میں اسے یہ کہنا چاہیے کہ میں یہ تیرے فائدے کے لیے کرتا ہوں کیونکہ شیطان ابن آدم میں خون کی طرح چلتا ہے تو کبھی وہ تجھے گمراہ کر سکتا ہے اور تیرا نفس تجھ پر غالب آ سکتا اور وار کر سکتا ہے، شہوت عقل پر غالب آ سکتی ہے اور تب تو حرام کام میں واقع ہو سکتا ہے، لہٰذا میرا یہ عمل تیری حفاظت کے لیے زیادہ مناسب ہے اور تیرے فائدے میں ہے، جیسے وہ میرے ذاتی فائدے میں بھی ہے۔ اور جب وہ اس وجہ سے غصہ کرے تو کرتا رہے، تم اس کی پرواہ نہ کرو۔

یہ مسئلہ میں تمھیں اس لیے پہنچا رہا ہوں تاکہ میں اسے چھپانے کی مسئولیت سے

عہدہ برآ ہوسکوں، اور تمھارا حساب اللہ عز وجل پر ہے۔

رہا عورت کا دیور کے سامنے چہرہ کھولنا تو وہ یقیناً حرام ہے، اور عورت کے لیے اپنے دیور کے سامنے بے نقاب ہونا جائز نہیں کیونکہ وہ اس کے لیے اجنبی ہے اور وہ اس اعتبار سے مکمل سڑک پر چلتے ہوئے اجنبی کی طرح ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

شرعی پردے دار عورت کے خلاف اس کے خاوند کا احتجاج:

سوال ایک شادی شدہ آدمی کے کچھ بیٹے ہیں، اس کی بیوی شرعی انداز اپنانا چاہتی ہے اور وہ اس کے خلاف روش اپناتا ہے تو آپ اسے کیسے نصیحت کر سکتے ہیں؟

جواب ہم تو اسے یہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کے بارے میں اللہ سے ڈرے، اور وہ اللہ کی تعریف کرے کہ اس نے اسے ایسی بیوی میسر کی ہے جو ایسے شرعی لباس والے اللہ کے حکم کو نافذ کرنا چاہتی ہے جو کہ اس کے فتنوں سے سلامتی کا ضامن ہوگا جبکہ اللہ نے بھی اپنے ایمان دار بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی بیویوں کو آگ سے بچائیں۔ چنانچہ اس کا فرمان ہے:

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ [التحريم: 6]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔ اس پر سخت دل، بہت مضبوط فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ انھیں حکم دے، اور وہ کرتے ہیں جو حکم دیے جاتے ہیں۔''

جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مرد پر اپنے اہل کی ذمہ داری کا بوجھ ڈالا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

«الرجل راع في أهله، ومسئول عن رعيته»[1]

''مرد اپنے اہل کے بارے میں نگہبان ہے، اور اس سے اس کی رعایا کے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4892]

بارے میں باز پرس ہوگی۔''

تو اس مرد کے لیے کیسے لائق ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو شرعی لباس چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کرے جو خود اس کے لیے فتنے میں پڑنے اور دوسروں کو فتنے میں مبتلا کرنے کا سبب ہے؟ وہ اپنی ذات اور اپنے اہل کے حوالے سے اللہ سے ڈرے، اور اللہ کی نعمت پر اس کی حمد بیان کرے کہ اس نے اسے اس جیسی نیک بیوی میسر کی ہے۔ اس کی بیوی کو یہ نصیحت ہے کہ اس کے لیے اللہ کی نافرمانی میں کبھی بھی اپنے خاوند کی اطاعت جائز نہیں کیونکہ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کپڑا ایک ہاتھ لمبا کرنے کا حکم:

سوال عورت کا اپنا کپڑا لمبا رکھنا مستحب ہے یا واجب؟ نیز کیا پاؤں میں لمبا موزہ پہن لینا ہی کافی ہوگا تاکہ پنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو؟ اور عورت اپنا کپڑا ایک ہاتھ کس طرح لمبا کرے گی، ایک ہاتھ ٹخنے کے نیچے سے یا گھٹنے کے نیچے سے؟

جواب ایک مسلم خاتون سے اپنے جسم کے تمام حصوں کو مردوں سے چھپانا مطلوب ہے، اسی لیے اسے اپنا کپڑا ایک ہاتھ اپنے قدموں کو چھپانے کے لیے لٹکانا جائز ہے جبکہ مردوں کو ٹخنوں کے نیچے کپڑے لٹکانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت سے اپنا سارا جسم چھپانا مطلوب ہے۔ اور اگر وہ کپڑے کے نیچے موزہ استعمال کرے گی تو یہ تو ستر پوشی میں انتہائی احتیاط کی قسم سے ہے، اور یہ ایک بہتر عمل ہے، اور یہ کپڑے کو لٹکانے کے ساتھ ہی ممکن ہے، جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے۔
(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

شرعی پردہ کرنے والی کو مذاق کرنے والا کیسا ہے؟

سوال جو شرعی پردہ اختیار کرنے والی اور اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں چھپانے والی کو مذاق کرتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو کسی مسلمان مرد یا عورت کا شریعتِ اسلامی اختیار کرنے کی وجہ سے مذاق اڑاتا

ہے تو وہ کافر ہے۔ چاہے یہ کسی شرعی کام، پردے کی وجہ سے یا اس کے علاوہ میں ہو، اس روایت کی وجہ سے جسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، کہتے ہیں: جنگِ تبوک میں کسی مجلس میں کسی آدمی نے کہا: میں نے اپنے ان قراء جیسا کسی کو نہیں دیکھا جو پیٹوں کے اعتبار سے زیادہ شوقین اور زبانوں کے اعتبار سے جھوٹے اور دشمن کی ملاقات کے وقت بزدل، تو کسی آدمی نے کہا: تُو نے جھوٹ کہا ہے بلکہ تُو تو منافق ہے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور اس کی خبر دوں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ گئی اور قرآن مجید نازل ہوا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس آدمی کو دیکھا اللہ کے پیغمبر کی اونٹنی کی کوکھ سے لٹکا ہوا تھا، اسے پتھر سے زخمی کیا جا رہا تھا اور وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ کے پیغمبر! ہم تو صرف مذاق کر رہے اور کھیل رہے تھے، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے:

﴿ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴾ [التوبۃ: 65,66]

''کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟ بہانے مت بناؤ، بے شک تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں تو ایک گروہ کو عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ یقیناً وہ مجرم تھے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمانداروں سے استہزا کرنے کو اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول سے استہزا قرار دیا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

خاندان کی شدت مزاجی کی وجہ سے پردہ چھوڑنے کا حکم:

سوال میں ایک پریشان نوجوان لڑکی ہوں۔ ایسے خاندان میں زندگی گزار رہی ہوں جن پر شعبدہ بازی کے خیالات کا غلبہ ہے۔ میں پردے کی پابند تھی مگر مجھے سخت حملے اور اپنے خاندان کے استہزا کا سامنا کرنا پڑا جو مارنے کی حد کو پہنچ گیا اور مجھے گھر سے

نکلنے سے روک دیا گیا، چنانچہ میں پردہ اتار کر ایک چادر پہننے کی طرف مجبور ہوگئی لیکن میرا چہرہ ننگا ہوتا ہے، لہٰذا میں کیا کروں؟ کیا میں گھر چھوڑ دوں جبکہ انسانی درندوں کی بہت کثرت ہے؟ میں فائدے کی امید وار ہوں۔

جواب یہ سوال دو پہلوؤں کو شامل ہے:

1. جس نوجوان لڑکی کے ساتھ یہ بُرا سلوک ہوتا ہے اس کے گھر والوں کا معاملہ، یہ ایک ایسی قوم ہے کہ یا تو حق سے بے علم ہیں یا وہ اس سے تکبر کا شکار ہیں۔ اور یہ ایک درندگی والا سلوک ہے کیونکہ ان کو اس بارے میں کوئی حق حاصل نہیں، لہٰذا پردہ نہ تو کوئی خامی ہے اور نہ ہی کوئی بری حرکت ہے۔ انسان تو شرعی قوانین کے معاملے میں آزاد ہے، لہٰذا اگر تو وہ اس بات سے ناواقف ہیں کہ عورت کے لیے پردہ واجب ہے تو ان کے لیے یہ واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے کہ یہ کتاب وسنت سے ایک واجب حکم ہے لیکن اگر وہ لوگ واقف ہونے کے باوجود اعراض و استکبار کرتے ہیں تو پھر یہ بہت بڑی نافرمانی ہے، جیسے کسی (شاعر) نے کہا ہے ؎

فإن كنت لا تدري فتلك مصيبةٌ

وإن كنت تدري فالمصيبة أعظم

''اگر تو ناواقف ہے تو یہ (لاعلمی) ایک مصیبت ہے، اور اگر تو واقف ہے تو تب بہت بڑی آفت ہے۔''

2. دوسرا پہلو: وہ اس نوجوان لڑکی کے حوالے سے ہے تو ہم اسے کہتے ہیں کہ اس کے ذمے ہے کہ وہ حتی الامکان اللہ سے ڈرے۔ اگر اپنے گھر والوں کو بتائے بغیر اس کے لیے پردے کا استعمال ممکن ہے تو ایسا کر لے، لہٰذا اگر وہ اسے ماریں اور اسے حجاب و پردہ اتارنے پر مجبور کریں تو اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا، اللہ عزوجل کے فرمان کی وجہ سے:

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ [النحل: 106]

''جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ اور لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے تو ان لوگوں پر اللہ کا بڑا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

نیز اللہ عز وجل کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ [الأحزاب: 5]

''اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس میں تم نے خطا کی، اور لیکن جو تمھارے دلوں نے ارادے سے کیا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

بلکہ اسے حتی الوسع اللہ سے ڈرنا چاہیے اور جب اس کے گھر والے ہی عورت پر پردے کے وجوب کی حکمت کو نہیں سمجھتے تو انھیں ہم عرض کرتے ہیں کہ حقیقت میں ایماندار پر یہی ضروری ہے کہ وہ اللہ اور اس کے پیغمبر کے حکم کا فرمانبردار ہو جائے، چاہے وہ اس حکم کی حکمت کو جان سکے یا نہ جان سکے کیونکہ دراصل فرمانبرداری ہی حکمت کا دوسرا نام ہے۔ اللہ عز وجل کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب: 36]

''اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ گمراہ ہو گیا واضح گمراہ ہونا۔''

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حیض والی عورت کا کیسا انداز ہے کہ روزے کی قضا دیتی ہے اور نماز کی قضا نہیں دیتی؟ تو انھوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حیض آیا کرتا تھا تو ہمیں روزے کی قضا کا حکم تو ہوتا اور نماز کی قضا کا حکم

نہیں ہوتا تھا، چنانچہ انھوں نے محض حکم کو ہی حکمت قرار دیا جبکہ پردے کی حکمت تو ویسے بھی ظاہر ہے کیونکہ عورت کی خوبیوں کو ظاہر کرنا فتنے کا سبب ہے اور جب فتنہ ہوگا تو گناہ اور بے حیائی بھی ممکن ہے، اور جب گناہوں اور بے حیائیوں کا عروج ہوگا تو یہی تباہی اور بربادی کی بنیاد ہوگا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حکمران کی فرمانبرداری

بازاروں میں اجنبی مردوں کے سامنے زینت کا اظہار:

سوال جناب اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ اکثر عورتیں جو خرید و فروخت کے ارادے سے بازاروں میں جا کر اپنی ہتھیلیاں ظاہر کرتی ہیں، اور کچھ کلائی سمیت ہتھیلیاں ظاہر کرتی ہیں؟ یہ عمل غیر محرم رشتہ داروں کے پاس ہوتا ہے۔ نیز یہ اکثر و بیشتر بازاروں میں ہوتا ہے؟

جواب اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ عورت کا اپنی ہتھیلیاں اور کلائیاں ظاہر کرنا ایک بُرا کام ہے اور فتنے کا باعث ہے، خصوصاً جب ان کی انگلیوں پر انگوٹھیاں اور ان کی کلائیوں پر کنگن ہوتے ہیں جبکہ اللہ عزوجل نے ایمان دار عورتوں کے لیے فرمایا:

﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ﴾ [النور: 31]

''اور اپنے پاؤں (زمین) پر نہ ماریں تاکہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں۔''

یہ حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایماندار عورت اپنی کسی قسم کی زینت کو ظاہر نہیں کر سکتی، اور اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ ایسا کام بھی کرے جس سے چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو جائے تو اس عورت کا کیا معاملہ ہوگا جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنے ہاتھوں کو ظاہر کرتی ہے!

میں تو ایماندار عورتوں کو اللہ عزوجل سے ڈرنے کی ہی نصیحت کرتا ہوں، اور یہ کہ وہ اپنی خواہش پر ہدایت کو مقدم رکھیں، اور اللہ کے اس حکم کو مضبوطی سے پکڑیں جو نبی ﷺ

کی بیویوں کو تھا جو کہ ایمانداروں کی مائیں ہیں اور ادب و پاکدامنی کے لحاظ سے تمام عورتوں سے زیادہ کامل ہیں۔ چنانچہ اللہ نے ان سے فرمایا:

﴿ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾

[الأحزاب: 32]

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو، اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے خوب پاک کرنا۔''

ساتھ ہی میں مسلمان مردوں کو، جنھیں اللہ نے عورتوں کا نگران بنایا ہے، نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس امانت کو کما حقہ ادا کریں جسے عورتوں کے متعلق انھوں نے قبول کیا ہے اور جس کی رعایت ونگہداشت اللہ نے ان کے ذمہ رکھی ہے، لہٰذا وہ ان کی راہنمائی کریں اور اچھے طریقے سے سیدھا کرتے رہیں اور آزمائش کے اسباب سے باز کرتے رہیں کیونکہ اس حوالے سے ان سے باز پرس ہوگی اور وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں، اور انھیں غور کرنا چاہیے کہ وہ کیا جواب دیں گے:

﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا﴾ [آل عمران: 30]

''جس دن ہر شخص حاضر کیا ہوا پائے گا جو اس نے نیکی میں سے کیا اور وہ بھی جو اس نے برائی میں سے کیا، چاہے گا کاش! اس کے درمیان اور اس کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہوتا!''

میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ عام، خاص، مردوں، عورتوں، چھوٹوں اور بڑوں کی اصلاح کرے اور وہ ان کے دشمنوں کا پروپیگنڈہ ان ہی کے سینوں میں ہی ٹھونس

دے، یقیناً وہ انتہائی سخی، باعزت ہے۔ اور تمام تعریفیں تمام جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لیے ہیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

نابالغ بچیوں کا پردہ:

سوال ان لڑکیوں کا کیا حکم ہے جو بلوغت کو نہیں پہنچیں؟ کیا ان کے لیے بغیر پردے کے نکلنا جائز ہے؟ اور کیا ان کے لیے بغیر دوپٹے کے نماز جائز ہے؟

جواب ان کے اولیاء پر واجب ہے کہ وہ انھیں اسلامی آداب سکھائیں، فتنے سے بچانے اور اخلاقِ فاضلہ کا عادی بنانے کے لیے ان کو بغیر پردہ کیے باہر نہ نکلنے دیں تاکہ وہ خرابی کے پھیلاؤ کا سبب نہ بنیں۔ اور انھیں دوپٹے میں نماز ادا کرنے کا حکم دیں لیکن اگر وہ اوڑھنی کے بغیر پڑھ لیں تو ان کی نماز درست ہوگی، نبی ﷺ کے فرمان کی وجہ سے:

« لا يقبل الله صلاة حائضٍ إلا بخمارٍ. »[1]

''اللہ کسی بالغہ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں کرتا۔'' (اسے امام ترمذی، احمد، ابوداود اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے۔) (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

عورت کا رضاعی سُسر سے پردہ:

سوال عورت کا اپنے خاوند کے رضاعی باپ کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا کیسا ہے؟

جواب امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے منتخب کردہ ترجیح والے قول کے مطابق عورت کا اپنا چہرہ شوہر کے رضاعی باپ کے سامنے ظاہر کرنا ناجائز ہے کیونکہ اللہ کے پیغمبر نے فرمایا ہے:

« يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب »[2]

''جو نسب سے حرام ہے وہی رضاعت سے بھی حرام ہوتا ہے۔''

اور خاوند کا باپ نسبی اعتبار سے اپنے بیٹے کی بیوی پر حرام نہیں بلکہ وہ تو سُسرالی رشتے کے سبب حرام ہے، اس لیے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ [النساء: 23]

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [641]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2502] صحيح مسلم، رقم الحديث [1447]

''اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں۔''

اور رضاعی بیٹا صلبی بیٹا تو نہیں، اسی بنا پر جب عورت کے خاوند کا کوئی رضاعی باپ ہو اس کے نزدیک عورت کو پردہ کرنا اور اپنے چہرے کو چھپانا واجب ہے۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ اس کے رضاعی بیٹے سے الگ ہو جائے تو خاوند کے رضاعی باپ کے لیے احتیاطی طور پر جائز نہیں ہوگی کیونکہ یہ اکثر علماء کا خیال ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا اپنے داماد سے مصافحہ کرنا اور بے پردہ ہونا:

سوال کچھ عورتیں اپنے دامادوں سے پردہ اتار دیتی ہیں اور ان سے ہاتھ ملانے کی صورت میں سلام بھی نہیں کرتیں، تو کیا یہ ان کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

جواب عورت کا داماد اس کے سُسرالی اعتبار سے محرم رشتہ دار ہے۔ اس کے لیے تمام وہ چیزیں دیکھنی جائز ہیں جو کہ اس کی ماں، بہن، بیٹی اور دیگر محرم رشتہ داروں کے لیے جائز ہیں، لہٰذا اُس کا اپنا چہرہ، بال اور بازو وغیرہ اپنے داماد سے چھپانا پردے میں زیادتی کا انداز ہے۔ ملاقات کے وقت مصافحے سے کنارہ کشی بھی احتیاط کرنے میں غلو ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ نفرت اور لاتعلقی کا سبب بن جائے، لہٰذا مناسب تو یہی ہے کہ وہ اس معاملے میں زیادتی کو چھوڑ دے، البتہ اگر وہ اس کی طرف سے کسی رشک یا خیانت کرنے والی آنکھ کا خطرہ محسوس کرتی ہو تو یہ اپنے مذکورہ اعمال میں خیر و بہتری کو اختیار کرنے والی ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

بہن کا بھائی کے سامنے بے پردہ ہونا:

سوال کیا بہن کا اپنے بھائی کے سامنے ننگے بازو، سینہ اور پنڈلیاں ہونا جائز ہوگا؟

جواب اس کے لیے اپنے محرم رشتہ داروں اور ایماندار عورتوں کے سامنے محض خوبصورتی کے مقامات ظاہر کرنے جائز ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ ﴾ [النور: 31]

''اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے یا اپنے باپوں کے لیے۔''

خوبصورتی کے مقامات یہ ہیں: سر، ہار کی جگہ، کنگنوں کی جگہ اور کندھے پر رکھا جانے والا بازو بند۔ ایسے ہی پاؤں اور پازیب کے مقامات ایسے ہیں جو عورت اپنے محرم رشتہ داروں اور عورتوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

نوکروں اور ڈرائیوروں کے سامنے چہرہ کھولنے کا حکم:

سوال نوکروں اور ڈرائیوروں کے سامنے آنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کو بیگانہ ہی سمجھا جائے گا؟ جبکہ میری ماں کا مطالبہ ہے کہ میں نوکروں کے سامنے جاؤں اور اپنے سر پر پٹکا ہی رکھوں تو کیا یہ ہمارے دینِ حنیف میں جائز ہے جو ہمیں اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کا حکم دیتا ہے؟

جواب ڈرائیور اور نوکر کا حکم دیگر مردوں جیسا ہے، ان سے غیر محرم ہونے کی صورت میں پردہ بھی واجب ہے۔ ان کے سامنے بے پردہ ہونا یا (خلوت کرنا) جائز نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے:

« لا یخلون رجل بامرأة، فإن الشیطان ثالثهما »[1]

''کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ الگ نہ ہو کیونکہ ان دونوں میں تیسرا شیطان ہے۔''

نیز اس کی دلیل وہ عمومی دلائل بھی ہیں جو غیر محرموں سے پردہ کرنا واجب اور ان کے سامنے بے پردگی اور زیب و زینت کا اظہار حرام ٹھہراتے ہیں۔ اور اللہ کی نافرمانی میں والدہ وغیرہ کی فرمانبرداری ویسے بھی جائز نہیں۔ (سماحۃ الشیخ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

80 یا 90 سالہ خاتون کا اپنے غیر محرم سے پردہ کیسا ہے؟

سوال وہ بوڑھی عورت جو 80 یا 90 سال کی عمر میں ہے، اس کے لیے اپنے غیر محرم قریبی رشتہ داروں سے پردہ کرنا جائز ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ

[1] صحیح. سنن الترمذي، رقم الحدیث [2165]

جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴿ [النور: 60]

''اور عورتوں میں سے بیٹھ رہنے والیاں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں سو اُن پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے کپڑے اتار دیں جبکہ وہ کسی قسم کی زینت ظاہر کرنے والی نہ ہوں، اور یہ بات کہ (اس سے بھی) بچیں ان کے لیے زیادہ اچھی ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

قواعد سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جو نکاح کی رغبت نہیں رکھتیں اور خوبصورتی کو ظاہر نہیں کرتیں تو ان کے اپنے غیر محرم رشتہ داروں سے بے پردہ ہونے میں کوئی گناہ نہ ہوگا، البتہ زیادہ محتاط اور بہتر ان کا پردہ کرنا ہی اللہ سبحانہ کے فرمان کی وجہ سے:

﴿وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ [النور: 60]

اور اس لیے بھی کہ بعض بوڑھی عورتوں کی خوبصورتی کی وجہ سے فتنے کا امکان موجود ہے اگرچہ وہ بوڑھی زینت ظاہر کرنے والی نہ ہو لیکن اگر زیب و زینت ظاہر کرنے والی ہو تو پردہ چھوڑنا جائز نہیں۔ زیب و زینت کے اظہار میں چہرے کو سُرمے وغیرہ سے اچھا نمایاں کرنا بھی شامل ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

برقع اور دستانوں کا استعمال:

سوال برقع اور دستانوں کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

جواب ہتھیلیاں چھپانے کے لیے عورت کا دستانوں کو استعمال کرنا مناسب ہے، نیز برقع کا استعمال بھی جائز ہے جب وہ دیکھنے کے لیے دونوں آنکھوں یا ایک آنکھ کے سوا چہرے کو چھپا ڈالے، اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا کا احرام والی عورت کے بارے میں یہ قول بھی دلالت کرتا ہے:

''نہ وہ نقاب کرے اور نہ برقع پہنے اور نہ زعفران اور ورس (بوٹی) کا رنگا ہوا کپڑا ہی پہنے۔''

اور اس کی دلیل وہ روایت بھی ہے جسے امام مالک رحمہ اللہ نے نافع اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے:

''احرام والی عورت نقاب نہ کرے اور دستانے بھی نہ پہنے۔''

لہٰذا اِس سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ عورت احرام کی صورت کے علاوہ نقاب اور دستانہ پہن سکتی ہے جبکہ موجودہ زمانے کے کچھ علماء کا خیال ہے کہ برقع اوڑھنے کے جواز کا فتویٰ نہ دیا جائے کیونکہ خرابی کا ذریعہ ہے جب کہ عورتیں آنکھوں کے ساتھ چہرے کا کچھ حصہ بھی ننگا کر لیتی ہیں جو فتنے کا سبب ہے، خصوصاً اکثر عورتیں برقع پہننے کے وقت سرمہ لگاتی ہیں، لہٰذا اِس خرابی کو دور کرنے کی غرض سے اس سے منع کرنا پسندیدہ امر ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کام کاج کرنے والی نوکرانی کا اپنے مخدوم سے پردہ:

سوال کیا گھر میں کام کاج کرنے والی نوکرانی کا اپنے مخدوم سے پردہ لازم ہے؟

جواب ہاں، اس کا اپنے مخدوم سے پردہ اور زینت کو چھپانا لازم ہے۔ اس کی اس سے تنہائی اختیار کرنا بھی حرام ہے دلائل کے عموم کی وجہ سے کیونکہ اس کے پردہ نہ کرنے اور اظہارِ زینت میں فتنہ انگیزی ہے۔ ایسے ہی اس سے تنہائی بھی شیطان کی فتنہ سامانی کا سبب اور ذریعہ ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

حرام لباس

سیاہ لباس کی فرضیت:

سوال کیا سیاہ لباس پہننا عورت کے لیے ضروری ہے یا کہ دیگر رنگ کے کپڑے پہننا بھی جائز ہے؟

جواب یہ اللہ عزوجل پر بہتان اور جھوٹ ہے اور اس کے دین میں زیادتی ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بخاری میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بیوی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس پر سبز لباس تھا۔ جو چاہتا ہے وہ علامہ شیخ ناصر

الدین البانی ؒ کی آخری طبع شدہ کتاب کی طرف رجوع کرے کہ صحابیات رضی اللہ عنہن سیاہ کپڑوں کے سوا دیگر رنگوں کے کپڑے بھی پہنا کرتی تھیں۔ اور کوئی بھی ایسی دلیل نہیں جو کہ سیاہ کپڑے کی فرضیت پر راہنمائی کرتی ہو۔

علمائے کرام کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ عورت کے لیے سیاہ کپڑے کے جواز کے قائل ہیں جبکہ وہ وجوب کا فتوی نہیں دیتے۔ اور عصر حاضر کے کچھ ضدی بے علم لوگ اس کو واجب کہتے ہیں جن پر غلو کا غلبہ ہے، اس کی بنیاد کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نہیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

سفید لباس اور اس کا حکم:

سوال عورتوں کے لیے سفید لباس کا حکم کیسا ہے؟

جواب علماء نے اس کی تاکید کی ہے کہ عورت کے لیے سفید لباس جائز نہیں چونکہ سفید لباس اس کے ملک میں مردوں کی عادت اور ان کا شعار ہے، اس لیے اس میں مردوں کی مشابہت ہے۔

شیخ ابن عثیمین سے یہ منقول ہے کہ سفید لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ مردوں کے لباس سے بناوٹ اور سلائی کے اعتبار سے مشابہ نہ ہو کیونکہ ''اصل'' جواز ہے، اور دوسری شرط یہ بھی ہے کہ وہ اسے پہن کر بازاروں میں نہ جائے کیونکہ یہ بے پردگی ہے۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

دوپٹے پر لوہے وغیرہ کے استعمال سے اظہار جسم:

سوال سوال کرنے والی کہتی ہے: کیا وہ دوپٹہ جس پر لوہے کا استعمال ہو اور جسم کو ظاہر کرتا ہو تو وہ جائز ہے؟

جواب ہر وہ دوپٹہ جس پر لوہے کا استعمال ہو کوئی نہیں کہ وہ جسم کو واضح کرتا ہو، اور نہ ہی لوہے کا استعمال جسم کے واضح ہونے کا سبب ہے بلکہ سبب تو دوپٹہ اور اس کا حجم ہوسکتا ہے۔ یہاں کوئی عورت لوہے کے استعمال کے بغیر بھی ایسا دوپٹہ اوڑھتی ہے جو جسم کو ننگا کر دیتا ہے بلکہ عورتوں کو حقیقت کی طرف مائل ہونا چاہیے کہ عورت اپنے

حوالے سے پوچھے کہ وہ ایسے لباس کیوں پہنتی ہے؟ اللہ نے تو فرمایا ہے:

﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِيْرَهٗ﴾

[القیامۃ: 14,15]

”بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے اگرچہ وہ اپنے بہانے پیش کرے۔“

اس لیے کہ وہ چاہتی ہے کہ خوبصورت لگے اور یہ شرعی مفہوم کے مکمل خلاف ہے۔ عربی میں خمار تخمیر سے ہے۔ جب عورت ایسی چیز پہنتی ہے جو اس کے بال اور گردن ڈھانپ لے اور اس کے کندھوں اور سینے پر آجائے تو یہ خمار (دوپٹہ) ہوگا۔ اگر اس کے نیچے موٹا کپڑا ہو تو حلت و حرمت کا کوئی معنیٰ نہیں بنتا، لہٰذا کھلے یا تنگ ہونے کا مسئلہ لوہے کے استعمال سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، بس یہ تو عرض کی مسافت اور عورت کی مرضی پر ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

شہرت کا لباس:

سوال شہرت کے لباس پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایسے رنگ کے لباس کا انتخاب کرے جس سے شہرت اور نمود کی خواہش کا پتہ چلتا ہو، اور حدودِ شریعت میں رہ کر لباس کی ضرورت یا حسن و جمال سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو بلکہ صرف اس لیے وہ رنگ اختیار کیا جائے کہ لوگ ان کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھیں، اور بھوکی نظریں اس سے فتنے میں مبتلا ہوں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« من لبس ثوب شهرة في الدنيا ألبسه الله ثوب مذلة يوم القيامة، ثم ألهب فيه النار »[1]

”جس نے دنیا میں چرچے کا لباس پہنا اللہ اسے قیامت کے دن ذلت و خواری کا لباس پہنا کر اس میں آگ کا شعلہ بڑھکائے گا۔“

ابن الاثیر کا ”لباسِ شہرت“ کی توضیح میں قول ہے: چرچے کا لباس ایسا ہے جب انسان اس کو پہنے تو اسے رسوائی حاصل ہو اور وہ لوگوں میں مشہور ہو جائے۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

[1] **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [4029]

مردوں کے مشابہ لباس:

سوال عورت کا مردوں جیسے لباس پہنے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے لباس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مردوں کے لباس سے ملتا نہ ہو۔ نبی ﷺ نے مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر جو اپنے آپ کو مرد ظاہر کرتی ہیں اور ہر معاشرے کے عرف و عادت کے حساب سے مرد جس جس رنگ اور نوعیت کا کپڑا پہنتے ہیں اس نوعیت کا کپڑا پہنتی ہیں، لعنت فرمائی ہے۔

(فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

باریک لباس اور پتلون میں نماز کی ادائیگی کا حکم:

سوال کیا عورت یا مرد کے لیے پتلون میں نماز ادا کرنی جائز ہے؟ نیز جب عورت ایسا خفیف لباس پہنے جو پردہ کو ظاہر نہ کرتا ہو، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب ایسے تنگ کپڑے جو جسم ظاہر کرتے ہوں، اور عورت کے جسم اور اس کے سرین اور اس کے دیگر اعضاء کو نمایاں کریں ان کا پہننا جائز نہیں ہے اور تنگ کپڑے نہ مردوں کے لیے جائز ہیں اور نہ عورتوں کے لیے بلکہ عورتوں کا معاملہ زیادہ سخت ہے کیونکہ ان کا فتنہ بھی زیادہ سخت ہے۔

رہا نماز کا مسئلہ تو جب انسان اس طرح نماز ادا کرے کہ اس کے لباس سے اس کا ستر چھپا ہوا ہو تو فی نفسہ پردہ پوشی پائے جانے کی وجہ سے نماز کی ادائیگی درست ہوگی لیکن تنگ لباس میں نماز ادا کرنے والا گناہگار ہوگا کیونکہ تنگ لباس کی وجہ سے نماز کے بعض ارکان و آدابِ نماز کی ادائیگی میں نقص اور خرابی ہوتی ہے۔ یہ ایک پہلو سے ہے۔ البتہ دوسرے پہلو سے ایسا لباس فتنے کا سبب اور نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے، خصوصاً جب عورت اس قسم کا لباس پہنے۔ لہٰذا عورت پر خود کو ایک ایسے کھلے کپڑے سے چھپانا واجب ہے جو اس کے بدن کے حصوں کو ظاہر نہ کرتا ہو، اور نہ ہی ہلکا اور باریک ہونا چاہیے، بس ایسا کپڑا ہونا چاہیے جو عورت کو مکمل طور پر چھپا کے رکھ دے کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آسکے۔ نہ ہی وہ اتنا چھوٹا ہو کہ اس کی پنڈلیاں یا ہاتھ یا ہتھیلیاں کھل

جائیں، نیز وہ اپنے چہرے کو بیگانے مردوں کے سامنے نہ کھولے اور ایسا باریک لباس نہ پہنے جس کے پیچھے سے اس کا بدن اور رنگ نظر آ سکے۔ حقیقت میں اسے چھپانے والا نہیں سمجھا جائے گا بلکہ نبی ﷺ نے صحیح حدیث میں بتایا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''جہنمیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں میں نے ان دونوں کو ابھی تک نہیں دیکھا۔ ایک قسم ایسے مردوں کی ہے جن کے پاس گائے کی دموں جیسے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے، اور دوسری قسم ان عورتوں کی ہے جو پہننے والی ننگی، مائل ہونے والی اور کرنے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کی کہانوں کی طرح ہوں گے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی۔''[1]

''پہننے والی ننگی'' کا مطلب ہے کہ وہ کچھ لباس تو پہنیں گی، لیکن حقیقت میں ننگی ہوں گی کیونکہ یہ کپڑے چھپا نہیں سکتے، لہٰذا یہ تو محض ظاہری طور پر کپڑے ہیں جو اپنے بدن کو نہ چھپانے کی وجہ سے، یا تو باریک ہونے کی وجہ سے یا چھوٹا ہونے کی وجہ سے یا ان کے جسم پر پورے نہ آنے کی وجہ سے، لہٰذا مسلمان عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سے خبردار رہیں۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

مردوں جیسی پتلون پہننا:

سوال کیا عورت کے لیے مردوں جیسی پتلون پہننا جائز ہے؟

جواب عورت کو تنگ لباس پہننے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اس سے اس کے بدن کی حد بندی اور نشاندہی کا امکان ہے جو فتنہ انگیزی کا سبب ہے۔ اکثر و بیشتر پتلونیں تنگ ہوتی ہیں جو بدن کے حصوں کے حجم کو ظاہر کرتی ہیں، جیسے کہ کبھی عورت کے پتلون پہننے سے مردوں کی مشابہت بھی ممکن ہے، اور نبی ﷺ نے مردوں سے مشابہت رکھنے والی عورتوں کو پھٹکارا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

چھوٹی لڑکیوں کا چھوٹا لباس پہننا:

سوال بعض عورتیں، اللہ ان کو ہدایت دے، اپنی کم عمر لڑکیوں کو ایسے چھوٹے لباس

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2128]

پہناتی ہیں جو پنڈلیاں ننگی کرتے ہیں۔ جب ہم ان کی ماؤں کو نصیحت کرتے ہیں تو وہ کہتی ہیں: ہم بھی اس عمر میں ایسے ہی کپڑے پہنتی رہی ہیں اور ہمارے بڑے ہونے کے بعد اس بچپن کی عادت کا کوئی نقصان نہیں ہو سکا، لہٰذا اِس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب میں تو سمجھتا ہوں کہ انسان کے لیے مناسب ہی نہیں کہ وہ اپنی چھوٹی بیٹی کو اس قسم کا لباس پہنائے، اس لیے کہ جب وہ اس کی عادی ہو جائے گی تو اسی پر قائم رہے گی اور اس کی نگاہ میں لباس کا معاملہ ہلکا ہوگا۔ بچپنے میں حیا اختیار کرنے کی عادی ہوگی تو بڑی ہو کر بھی اسی حالت میں رہے گی۔ میں اپنی مسلمان بہنوں کی خیر خواہی کرتا ہوں کہ وہ بیرونی دشمنانِ اسلام کا لباس ترک کر دیں اور وہ اپنی بیٹیوں کو حقیقی ساتر لباس کا عادی بنائیں جو حیا پر مبنی ہو کیونکہ حیا ایمان کا حصہ ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

نامعلوم انگریزی حرفوں پر مشتمل لباس کا حکم:

سوال انگریزی زبان کی تحریروں پر مشتمل لباسوں کا کیا حکم ہے جن کا ہمیں تو پتہ نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ حروف غلط مفہوم پر دلالت کرتے ہوں؟

جواب ہمارا ذمے ہے کہ ہم ان کلمات اور حروف کے بارے میں پوچھیں جو عربی زبان کے علاوہ لکھے ہوتے ہیں کیونکہ وہ فاسد اور مخربِ اخلاق معانی پر بھی دلالت کر سکتے ہیں، لہٰذا ایسے لباس استعمال کرنا جائز نہیں جن پر انگریزی یا عربی کے علاوہ کسی اور زبان کے الفاظ درج ہوں جب تک آدمی ان کلمات کی پاکیزگی کو اچھی طرح نہ جان لے، اور یہ کہ ان میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو عزت کو خراب کرنے والی اور کافروں کی تعظیم کرتی ہو کیونکہ یہ تحریریں کافروں کے لیے وقار کا باعث بھی بن سکتی ہیں، مثلاً: کھلاڑیوں، فنکاروں اور ایسا کوئی انوکھا کارنامہ انجام دینے والوں کے متعلق کوئی تحریر ہو اور اس قسم کے دیگر لوگوں کے بارے میں تحریریں ہوں تو اگر ان

میں کافروں کی عزت کا اظہار ہوتو یہ حرام اور ناجائز ہے، اور اگر وہ گھٹیا اور رذیل مطالب پر مشتمل ہوں تو بھی ناجائز ہے، لہٰذا لباس پہننے سے پہلے ان تحریروں کے بارے میں تحقیق کرنا ضروری ہوگا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حرام زیب وزینت

ابروؤں، داڑھی اور مونچھوں کے بال اکھیڑنا:

سوال نمص سے کیا مراد ہے؟ کیا عورت کے لیے داڑھی اور مونچھوں کے بالوں کو زائل کرنا جائز ہے، نیز پنڈلیوں اور ہاتھوں کے بھی؟ چونکہ بال عورت کے لیے اچھے نہیں سمجھے جاتے اور خاوند کی نفرت کا سبب بنتے ہیں، لہٰذا اِس کا کیا حکم ہے؟

جواب نمص سے مراد ابروؤں کے بال اتارنا ہے اور یہ ناجائز ہے کیونکہ رسول ﷺ نے ابرو کے بال اکھاڑنے والی اور جس کے اکھاڑے جائیں دونوں پر لعنت کی ہے۔ البتہ داڑھی، مونچھ یا ہاتھوں اور پنڈلیوں سے ختم کرنے جائز ہیں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

ابرو کے بال ہلکے کرنا:

سوال ابرو کے بال ہلکے کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر اکھاڑنے کے انداز میں ہوتو حرام ہے بلکہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ یہ وہی نمص (اکھاڑنا) ہے جس کے کرنے والے پر اللہ کے رسول ﷺ نے پھٹکار ڈالی ہے، اور اگر تخفیف چھوٹا کرنے یا مونڈنے کے انداز میں ہوتو اسے کچھ علمائے کرام نے مکروہ گردانا ہے، بعض نے منع کیا اور اسے نمص سے قرار دیا ہے۔ دوسرا یہ کہ نمص محض اکھاڑنے سے خاص نہیں بلکہ بالوں کی ہر اس تبدیلی کے لیے عام ہے جو کہ چہرے میں ہو، اور اللہ نے اس کے بارے میں اجازت نہیں دی لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ عورت کے لیے ایسا کرنا مناسب نہیں مگر یہ کہ ابروؤں پر بہت زیادہ بال ہوں جو آنکھ پر گر کر دیکھنے پر اثر انداز ہوسکتے ہوں تو ان تکلیف دہ (بالوں) کو دور کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سیاہی کے علاوہ بال رنگنا:

سوال کوئی عورت پوچھتی ہے کہ کیا سیاہ (رنگ) کے علاوہ کسی اور رنگ سے بالوں کو رنگنا ہمارے لیے جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب سیاہی سے بچنے کی صورت میں تیرے لیے جائز ہے بلکہ عورت کی خوشبو ہی وہی بتائی گئی ہے جس کا رنگ ظاہر اور مہک پوشیدہ ہو۔

خوبصورتی کے لیے دانتوں میں کشادگی کرانے کا حکم:

سوال عورت کا اپنے دانتوں کو خوبصورتی کے لیے کشادہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ کہ انھیں کولر (Cooler) سے ٹھنڈا کرائے تاکہ ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی ہو اور اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہو۔

جواب مسلمان خاتون پر اپنے دانتوں کو کولر کے ذریعے ٹھنڈا کروا کے معمولی سی کشادگی پیدا کرنا تاکہ دانتوں کی خوبصورتی سے حسن و جمال میں اضافہ ہو، حرام ہے، البتہ اگر دانتوں میں کچھ ٹیڑھ پن ہو تو اس کو دور کرنے کے لیے عملی طور پر برابر کیا جا سکتا ہے۔ اور اس خامی کو دور کرنے کے پیشِ نظر ان کو درست کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ علاج کی قسم اور ٹیڑھ پن کو دور کرنے کی وجہ سے ہے، اور یہ عمل ایک اسپیشلسٹ لیڈی ڈاکٹر کے ذریعہ سرانجام پانا چاہیے۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

علاج کی غرض سے دانتوں میں کشادگی پیدا کرنے کا حکم:

سوال علاج معالجے اور خامیوں کو دور کرنے کے ارادے سے دانتوں کی کشادگی کا کیا حکم ہے؟

جواب دانتوں کا علاج اگر خوبصورتی اور کم عمری کو ظاہر کرنے کے لیے ہو تو یہ شرعی طور پر حرام ہے اگر علاج معالجے کے طور پر ہو تو کوئی رکاوٹ نہیں۔ اگر عورت کا کوئی زائد دانت ظاہر ہو جو تکلیف دہ ہو تو پھر اسے اکھڑوانے میں کوئی رکاوٹ نہیں کیونکہ اس سے بدصورتی پیدا ہوتی ہے اور کھانے میں رکاوٹ ہوتی ہے، نیز خامیوں کو دور کرنا بھی شرعی طور پر جائز ہے۔ اسی طرح اگر ان میں کیڑے ہوں اور ان کی اصلاح کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

گودوانے کا حکم اور اس حالت میں حج کی ادائیگی:

سوال بدن میں گودائی کا کیا حکم ہے؟ اور کیا گودایا ہوا آدمی اگر فریضۂ حج کی ادائیگی چاہتا ہو تو کوئی رکاوٹ تو نہیں؟

جواب بدن میں گودنا اور گدوانا حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے بال لگانے اور لگوانے والی، گودنے اور گودوانے والی پر لعنت کی ہے۔ اور ''وشم'' (گودنا گدوانا) رخساروں، ہونٹوں اور دیگر اعضائے بدن میں اس طرح ہوتا ہے کہ ان کا رنگ پیلے، سبز یا سیاہ رنگ سے بدل ڈالا جائے۔ حج کی ادائیگی میں گودنا گدوانا کوئی رکاوٹ نہیں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

وگ لگانے کا حکم:

سوال عورت کا اپنے بالوں سے اضافی بالوں کا گچھا جوڑنے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کا اپنے بالوں سے دیگر بال لگانا حرام ہے کیونکہ اس کے بارے میں دلائل موجود ہیں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

خاوند کے لیے خوبصورتی اختیار کرنے کے لیے وگ لگانے کا حکم:

سوال عورت کے لیے وِگ لگانے کا کیا حکم ہے تاکہ وہ اپنے خاوند کے لیے زیب و زینت کرے؟

جواب آپس میں محبت اور تعلق مضبوط کرنے کے لیے میاں بیوی میں سے ہر ایک کا دوسرے کے لیے خوبصورتی کا انتخاب مناسب ہے لیکن شریعتِ اسلام کی انھیں حدود میں رہتے ہوئے جو کہ جائز ہیں، جبکہ وِگ کا لگانا غیر مسلموں سے شروع ہوا تھا اور اسے لگانا اور اس سے خوبصورتی حاصل کرنا ان میں ہی مشہور تھا یہاں تک کہ یہ ان کی علامت میں سے ہوگیا، لہٰذا مسلمان عورت کا اسے لگانا اور اس سے خوبصورتی حاصل کرنا اگرچہ خاوند کے لیے ہو پھر بھی یہ کافروں سے مشابہت ہے اور بلاشبہ نبی ﷺ نے ان سے اپنے اس فرمان کے ذریعے منع کر دیا ہے:

«[illegible] فهو منهم» ❶

''جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انھیں میں سے ہے۔''

[illegible] بال اگانے میں داخل ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ، اور [illegible] ایسا کرنے والے پر لعنت کی ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

بال اتارنا، آراستہ ہونا اور انھیں سنوارنے اور کنگھی کرنے کا طریقہ

سر کے بال مونڈنا:

سوال عورت کا اپنے سر کے بال مونڈنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کو حج کے موقع پر بھی بال مونڈنے کا حکم نہیں دیا گیا، [illegible] عورتوں کو سر منڈانا جائز ہوتا تو یہ حج میں مشروع ہوتا، جیسا کہ مرد کے لیے مشروع ہے [illegible] کوئی ایسی تکلیف ہو جو مونڈنے کا تقاضہ کرتی ہو، مثلاً: بیماری یا سر کا زخم جو ٹانکے لگانے کا تقاضہ کرتا ہو تو کوئی حرج نہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی دلالت کرتا ہے۔

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [البقرۃ: 173]

''پھر جو مجبور کر دیا جائے اس حال میں کہ نہ بغاوت کرنے والا اور نہ حد سے گزرنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

پیشانی کے اوپر سے بالوں کو چھوٹا کرانے کا حکم:

سوال اس کٹنگ کا کیا حکم جو کچھ عورتیں کرواتی ہیں؟ اس کی صورت یہ ہے کہ پیشانی کے اوپر سے کچھ بال کاٹ کر ان کی لٹوں کو پیشانی پر لٹکایا جاتا ہے۔

جواب اگر اس کٹنگ کی غرض کفار اور ملحد عورتوں کی مشابہت ہو تو یہ حرام ہے کیونکہ غیر

❶ صحیح. مسند أحمد [50/2]

مسلموں سے مشابہت حرام ہے، نبی ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے:

«من تشبه بقوم فهو منهم» ❶

''جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انھیں میں سے ہے۔''

اور اگر مشابہت کے ارادے سے نہیں بلکہ عورتوں کے درمیان نئے رواجوں سے ایک رواج کے طور پر کیا جائے تو اگر اس میں زینت وخوبصورتی کا پہلا موجود ہے جس کے ذریعے خاوند کے لیے زینت اختیار کرنا بھی ممکن ہو اور اپنے جیسی عورتوں کے درمیان ایسی شکل میں آنا مطلوب ہو جو ان کے درمیان اس کے مقام کو بلند کرنے کا ذریعہ ہو تو ہمیں اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

کچھ بال کاٹنے کا حکم:

سوال عورت کے اپنے کچھ بال کاٹنے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے اپنے بال کاٹنے کے بارے میں اس عمل کی وجہ پر غور کیا جائے گا۔ اگر عورت اپنے بال کفار اور فاسق عورتوں سے مشابہت کرنے کے لیے کٹاتی ہے تو اس نیت سے بال کاٹنا ناجائز ہے، اگر عورت اپنے بالوں کو کچھ ہلکا کرنے یا اپنے خاوند کی چاہت کو برقرار رکھنے کے لیے کرتی ہے تو میں اس کے بارے میں کوئی رکاوٹ نہیں سمجھتا۔ صحیح مسلم میں یہ بات ثابت ہے کہ نبی ﷺ کی عورتیں اپنے بال کاٹا کرتی تھیں یہاں تک کہ وہ کان کے نچلے حصے تک ہوتے۔ ❷

(علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

ایک طرف سے مانگ نکالنا:

سوال عورت کا اپنے بالوں کا ایک طرف سے مانگ نکالنے کا کیا حکم ہے؟

جواب بالوں کے مانگ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ سر کے درمیان سے سر کے اگلے حصے سے اوپر والے حصے تک ہونا چاہیے کیونکہ بالوں کا میلان آگے، پیچھے، دائیں اور

❶ **صحيح**. مسند أحمد [50/2]

❷ صحيح مسلم، رقم الحديث [320]

بائیں ہر چہار طرف ہوتا ہے، لہٰذا مانگ کا شرعی انداز سر کے درمیان سے ہے۔

ایک طرف سے مانگ کا انداز غیر شرعی ہے، بسا اوقات اس میں غیر مسلموں سے مشابہت بھی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نبی ﷺ کے اس فرمان میں داخل ہو:

« صنفان من أهل النار لم أرهما: قوم معهم سياط كأذناب البقر، يضربون بها الناس، ونساء كاسيات، عاريات، مائلات، مميلات رؤسهن كأسنمة البخت المائلة، لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها. »[1]

''جہنمیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں کہ میں نے انھیں نہیں دیکھا، ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کے پاس کوڑے ہوں گے گائے کی دموں جیسے، وہ ان کے ساتھ لوگوں کو ماریں گے۔ اور ایک قسم ان عورتوں کی ہے جو عورتیں پہننے والی، مائل ہونے والی اور کرنے والی ہیں، اور ان کے سر جھکے ہوئے اونٹوں کی کوہانوں جیسے ہوں گے، نہ تو وہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی اس کی مہک پا سکیں گی۔''

کچھ علمائے کرام نے تو مائل ہونے والیں اور کرنے والیوں کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو مائل ہونے والے انداز میں کنگھی خود کو اور دوسریوں کو بھی کرتی ہیں لیکن درست مطلب یہ ہے کہ مائل ہونے والیوں سے مراد وہ ہیں جو اپنے اوپر فرض حیا اور دین داری سے کنارہ کشی اختیار کرتی ہیں اور دوسری عورتوں کو بھی اس میں مبتلا کرنے والی ہیں۔ واللہ اعلم (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بالوں کو لپیٹ کر عمامے کی طرح اختیار کرنا:

سوال بال کے گچھے اور عمامے کی طرح بالوں کو سر پر یا دو چوٹی کر کے اس کو پیٹھ پر لٹکانے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کا اپنے سر کے اوپر والے حصے پر بال اکٹھے کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان میں اس سے خبردار کیا ہے:

''جہنمیوں کی دو قسمیں ہیں میں نے ان دونوں کو نہیں دیکھا ایک تو وہ لوگ جن

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2128]

کے پاس گائے کی دموں جیسے کوڑے ہوں گے، وہ لوگوں کو ان کے ساتھ مار یں گے اور دوسری قسم میں وہ عورتیں جو پہننے کے باوجود ننگی نظر آتی ہیں، مائل ہونے والی اور کرنے والی، ان کے سر بختی اونٹنی کے کوہانوں کی مانند ہوں گے نہ وہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی اس کی مہک پاسکیں گی، جبکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت تک پائی جائے گی۔"[1]

ایسے ہی عورت کا اپنے بال اکٹھے کر کے پگڑی کی طرح سر کے اردگرد لپیٹنا ناجائز ہے کیونکہ اس میں مردوں سے مشابہت ہے لیکن اگر انھیں اکٹھا کر کے ایک چوٹی یا زیادہ بنا کر پیچھے کی جانب لٹکایا جائے تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ ان کو ایسے لوگوں سے چھپا کر رکھا جائے جن کے لیے ان کا دیکھنا جائز نہیں ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

سونے کے چھلّے پہننا:

سوال سونے کے چھلّے پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورتوں کے لیے سونے کے چھلّے وغیرہ پہننے جائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عام ہونے کی وجہ سے:

﴿ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾

[الزخرف: 18]

"اور کیا (اس نے اسے رحمان کی اولاد قرار دیا ہے) جس کی پرورش زیور میں کی جاتی ہے، اور وہ جھگڑے میں بات واضح کرنے والی نہیں!"

کیونکہ اللہ نے زیور کو عورتوں کی خوبیوں میں ذکر کیا ہے اور یہ "حلیہ" سونے وغیرہ میں عام ہے کیونکہ امام احمد، نسائی اور ابو داود نے عمدہ سند سے امیر المومنین علی بن ابی طالب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ریشم پکڑا تو اسے اپنے دائیں ہاتھ میں اور سونا پکڑا تو اسے اپنے بائیں ہاتھ میں رکھا، پھر کہا:

« إن هذين حرام على ذكور أمتي . »[2]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [2128]

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [4057]

''یقیناً یہ دونوں ہی میری امت کے مردوں کے لیے حرام ہیں۔''

ابن ماجہ نے اسی روایت میں اضافہ کیا ہے: «حل لأناثهم»[1] ''عورتوں لیے جائز ہے۔''

اور اس وجہ سے کہ امام احمد، نسائی، ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح بھی کہا ہے، اور امام ابو داود اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور امام طبرانی نے اسے روایت کیا ہے، اور ابن حزم نے اسے صحیح کہا ہے۔

اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أحل الذهب والحرير لأناث أمتي، وحرم على ذكورها.»[2]

''سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام کیے گئے ہیں۔'' (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

سونے، چاندی، تانبے یا لوہے کی انگوٹھی اور چشمہ، گھڑی وغیرہ کا حکم:

سوال کیا مردوں اور عورتوں کے لیے انگوٹھی، عینک، کنگن، گھڑی اور زنجیری وغیرہ سونے، چاندی، پیتل یا لوہے کی پہننا جائز ہے؟ اور ہَیٹ (خاص علاقے کی ٹوپی) پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب عینک پر کبھی چاندی کا ملمع کیا ہوتا ہے، کبھی سونے کا اور کبھی ان دونوں سے خالی ہوتی ہے۔ یہ تمام صورتیں مردوں اور عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ اگر زیادہ سونا لگا ہوا ہو تو صرف مردوں کے لیے حرام ہے، دلیل وہ ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند اور نسائی اور ترمذی نے بیان کیا اور ترمذی نے صحیح کہا ہے، ابو موسیٰ اشعری سے بیان کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أحل الذهب والحرير لأناث أمتي، وحرم على ذكورها.»[3]

---

[1] **صحيح**. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3595]

[2] **صحيح**. سنن النسائي، رقم الحديث [5148]

[3] **صحيح**. سنن النسائي، رقم الحديث [5148]

"سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے جائز اور مردوں کے لیے حرام کیے گئے ہیں۔"

حضرت معاویہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سونا پہننے سے منع کیا مگر تھوڑا سا ٹکڑا ہونے کی صورت میں۔ اس کی سند عمدہ ہے۔

البتہ چاندی سے بنی ہوئی ہو تو وہ عورتوں اور مردوں کے لیے جائز ہے، اور اس کے جواز کی دلیل وہ ہے جسے امام احمد اور ابو داود نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

《 ولكن عليكم بالفضة، فالعبوا بها لعبا. 》[1]

"اور لیکن چاندی کو لازم پکڑو اور اسی سے کھیلو۔"

رہی انگوٹھی تو وہ سونے کی ہو یا چاندی کی ہو یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کی تو یہ ہر حالت میں عورتوں کے لیے جائز ہے۔ لیکن ہَیٹ (ٹوپی) پہننا جائز نہیں کیونکہ یہ کافروں کے لباس اور ان کے مخصوص پوشاک میں سے ہے، لہٰذا اِس کے پہننے میں ان سے مشابہت ہے، اور کفار سے مشابہت ویسے ہی حرام ہے۔ اس پر دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد اور ابوداود نے عبداللہ بن عمر سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

《 من تشبه بقوم فهو منهم. 》[2]

"جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ انھیں میں سے ہے۔"

(سماحۃ الشیخ محمد بن آل ابراہیم آل الشیخ)

عورتوں کا اپنے کپڑوں پر فضول خرچی کرنا:

سوال اس دلیل کی وجہ سے کہ اللہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہے، کچھ عورتیں اپنے لباسوں اور آرائشی سامان پر بہت زیادہ روپے خرچ کر ڈالتی ہیں۔ آپ اس پر کیا تبصرہ فرماتے ہیں؟

جواب جسے اللہ نے حلال مال سے نوازا ہے تو اللہ نے اس پر ایسی نعمت کی ہے جس کی وجہ

---

1. **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [4636]
2. **صحيح**. مسند أحمد [50/2]

سے اس کے ذمے اس کا شکر بھی ضروری ہے۔ اور شکر کی ادائیگی صدقے کی صورت میں ہوگی، اور کھانے اور لباس میں فضول خرچی اور تکبر سے بچنے سے ہوگی، اور جو عورتیں ساز وسامان خریدنے میں مبالغہ کرتی ہیں اور بغیر ضرورت کے ان میں اضافہ کرتی ہیں یہ صرف فخر اور مباہات ہے، اور کپڑے کی دکانوں اور نمائشوں کے پروپیگنڈوں کے پیچھے دوڑ لگانا ہے۔ تو یہ تمام فضول خرچی اور زیادتی اور مال ضائع کرنے کی صورت ہے جس سے روکا گیا ہے۔ مسلمان عورت کا فریضہ اعتدال والا انداز ہونا چاہیے، اور بے پردگی اور خوبصورتی میں مبالغہ سے دور رہنا بھی واجب ہے، خصوصاً اپنے گھروں سے نکلنے کی صورت میں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ﴾ [الأحزاب: 33]

''اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ﴾ [النور: 31]

''اور مومن عورتوں سے کہہ دے: اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے، اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں، اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے یا اپنے باپوں یا اپنے خاوندوں کے باپوں یا

اپنے بیٹوں یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی عورتوں (کے لیے) یا (ان کے لیے) جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں یا تابع رہنے والے مردوں کے لیے جو شہوت والے نہیں یا ان لڑکوں کے لیے جو عورتوں کی پردے کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے۔ اور اپنے پاؤں (زمین پر) نہ ماریں تاکہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں۔''

اور قیامت کے دن ہم سے انھی مالوں کے بارے میں باز پرس ہوگی کہ کہاں سے ہم نے کمائے اور کہاں خرچ کیے؟ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

سونے کے دانتوں کا استعمال:

سوال کیا مردوں اور عورتوں کے لیے سونے کے دانت استعمال کرنے جائز ہیں؟

جواب میں تو مردوں اور عورتوں کے لیے سونے کے دانتوں کے جائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں سمجھتا، یا وہ اپنے دانت اکھیڑ کر انھیں بدل دے لیکن پھر بھی مردوں کے لیے یقینی طور پر ناجائز ہے اور عورتوں کے لیے کچھ تخفیف ہے۔

(سماحۃ الشیخ محمد بن آل ابراہیم آل الشیخ)

مسجد جاتے وقت خوشبو استعمال کرنا:

سوال یہاں ایک حدیث ہے جو عورتوں کو عطر اور پاکیزہ خوشبو کے استعمال کرنے سے روکتی ہے خاص طور پر مسجد میں جانے کے وقت۔ تو کیا عورت کے لیے اپنے جسم کی اس بدبو کو ہلکا کرنے کے لیے خوشبو جائز ہوگی جسے صابن بھی دور نہیں کر سکتا؟

جواب بنیادی بات یہ ہے کہ عورت کے لیے اپنے گھر سے نکلتے وقت عطر کی مہک والی خوشبو لگانا جائز نہیں، چاہے وہ مسجد کی طرف یا کسی اور طرف جائے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے عام ہونے کی وجہ سے:

« أيما امرأة استعطرت ثم خرجت، فمرت على قوم ليجدوا ريحها، فهي زانية و كل عين زانية »[1]

---

[1] حسن. سنن النسائي، رقم الحديث [5126]

''جو عورت عطر لگا کر نکلی تو کسی قوم کے پاس سے گزری تا کہ وہ اس کی مہک محسوس کریں تو یہ بھی اور شہوت کی ہر آنکھ زانیہ ہے۔'' (اسے امام احمد اور نسائی نے ابو موسیٰ کی حدیث سے بیان کیا ہے)

ہمارے علم کے مطابق ایسی کوئی بُو نہیں جسے صابن بھی دور نہ کر سکے یہاں تک کہ اسے دھونے کے بعد میں خوشبو کے استعمال کی ضرورت پیش آئے۔ اور نہ ہی عورت سے مسجد جانے کا مطالبہ ہے بلکہ اس کی گھر میں نماز کی ادائیگی مسجد میں نماز کی ادائیگی سے کہیں بہتر ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورتوں کا ہتھیلی اور پاؤں پر مہندی لگانا:

سوال عورتوں کے حوالے سے ہاتھوں اور پاؤوں پر مہندی لگانے کا کیا حکم ہے؟

جواب مشہور احادیث کی وجہ سے شادی شدہ عورتوں کے ہاتھوں اور پاؤوں پر مہندی لگانا مستحب (اچھا) ہے۔ اس کی طرف سنن ابو داود کی روایت بھی راہنمائی کرتی ہے کہ کسی عورت نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مہندی سے رنگنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: کوئی حرج نہیں لیکن میں اسے برا سمجھتی ہوں کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مہک کو برا سمجھتے تھے۔[1]

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی بیان کیا گیا ہے، کہتی ہیں کہ کسی عورت نے اپنے ہاتھ سے در پردہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا، اس کے ہاتھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا خط تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا:

«ما أدري أيد رجل أم يد امرأة؟»[2]

''میں نہیں جانتا کہ یہ کسی عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا؟''

اسے امام ابو داود اور نسائی نے بیان کیا ہے۔ لیکن اپنے ناخنوں پر ایسی پالش نہ لگائے جو اُن پر منجمد ہو جائے۔ اور طہارت سے رکاوٹ بن جائے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

---

❶ **ضعیف**. سنن أبي داود، رقم الحديث [4164]

❷ **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [4166]

بالوں اور ناخنوں کو دفن کرنے کا حکم:

سوال بالوں اور ناخنوں کو کاٹنے کے بعد دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب علمائے کرام بیان کرتے ہیں کہ ناخن اور بال دفن کرنا احسن اور اولیٰ ہے۔ یہ بعض صحابہ کرام سے بھی منقول ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

خوبصورتی کے لیے بچی کے کان اور ناک چھیدنا:

سوال خوبصورتی کے لیے لڑکی کے ناک اور کان چھیدنے کا کیا حکم ہے؟

جواب درست بات یہی ہے کہ کان چھیدنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ انھی مقاصد میں سے ہے جو جائز زیور کے استعمال کا ذریعہ ہیں اور صحابہ کرام کی عورتوں کے حوالے سے ثابت ہے کہ وہ اپنی بالیاں اپنے کانوں میں پہن لیا کرتی تھیں۔ کان چھیدنا ایک قسم کی تعذیب ہی ہوتی ہے مگر وہ معمولی درجے کی ہوتی ہے یا اگر صغر سنی میں چھید دیا جائے تو جلدی شفا یابی ہو جاتی ہے لیکن ناک کا چھیدنا مُثلہ اور بدصورتی ہے۔

شیخ فوزان کہتے ہیں کہ لڑکی کے کان کے چھیدنے کا جائز ہونا اس لیے ہے کہ اس میں عورت کی فطری ضرورت کی تکمیل موجود ہے اور وہ خوبصورتی ہے اس چھیدنے میں حاصل ہونے والی تکلیف کوئی رکاوٹ نہیں کیونکہ یہ ہلکا ہوتا ہے اور اس کا وقت بھی تھوڑا ہوتا ہے اور یہ عموماً بچپن میں ہی ہوتا ہے۔ اور کان کا چھیدنا پرانے اور نئے دور میں عورتوں کے نزدیک مشہور کام ہے۔ اس کے بارے میں کتاب وسنت میں نہی (ممانعت) بھی وارد نہیں ہوئی بلکہ ایسی دلیل بھی ہے جو اس کے جائز ہونے اور لوگوں کے اس پر ثابت رہنے کی خبر دیتی ہے، عبدالرحمٰن بن عابس سے بیان کیا گیا ہے، کہتے کہ عبداللہ بن عباس سے پوچھا گیا: کیا آپ نبی ﷺ کے ساتھ عید میں حاضر ہوئے تھے؟ انھوں نے کہا:

> ''ہاں، اگر میری آپ ﷺ سے رشتہ داری نہ ہوتی تو میں کم سنی کی وجہ سے شاید حاضر نہ ہی ہوتا۔ آپ ﷺ اس جھنڈے کے پاس گئے جو کثیر بن صلت کے گھر کے نزدیک تھا تو آپ نے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا اور اذان اور اقامت نہ کہلوائی، پھر صدقے کا حکم دیا تو عورتیں اپنے ہاتھ کانوں اور

گریبانوں کی طرف بڑھانے لگیں، پھر آپ نے بلال کو حکم دیا تو وہ ان کے پاس گئے، پھر نبی ﷺ کے پاس واپس گئے۔"

ابن عباس سے بخاری کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

«أمر النبي صلى الله عليه وسلم بالصدقة، فرأيتهن يهوين إلى أذانهن وحلوقهن»[1]

"کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صدقے کا حکم دیا تو میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اپنے کانوں اور گریبانوں کی طرف مائل ہو رہی تھیں۔"

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

منگنی والی انگوٹھی پہننا:

سوال منگنی کی انگوٹھی پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب منگنی کی انگوٹھی حقیقت میں عام انگوٹھی ہی ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں، اگر انگوٹھی والا اعتقاد رکھتا ہو، جیسے کہ کچھ لوگ کرتے بھی ہیں کہ منگنی والی لڑکی اس انگوٹھی میں اپنے منگیتر کا نام لکھ دیتی ہے اور اس لڑکی کا نام اس انگوٹھی میں جو اسے دی جاتی ہے، کہ یہ میاں بیوی کے درمیان تعلق قائم کرنے کے لیے ضروری ہے تو اس حالت میں یہ انگوٹھی حرام ہوگی کیونکہ اس کا تعلق ایسے اعتقاد سے ہے جو شرعی اور عقلی طور پر بے بنیاد ہے۔ نیز یہ انگوٹھی اس صورت میں بھی ناجائز ہوگی کہ اگر خود پیغام دینے والا اپنی منگیتر کو پہنائے کیونکہ وہ ابھی اس کی بیوی نہیں بنی بلکہ وہ اس کے لیے اجنبی عورت ہے کیونکہ بیوی تو نکاح سے ہی بنے گی۔"

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

محض خاوند کے لیے پازیب پہننا:

سوال صرف خاوند کے سامنے پازیب پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس معاملے میں خاوند، عورتوں اور محارم کے پاس اس کو پہننے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ زیور کی ایک قسم سے ہے جو عورت اپنے پاؤں پر پہنتی ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4951]

فطرت کے مسائل

عورت کا ختنہ کرنا:

سوال کیا عورت کا ختنہ کیا جا سکتا ہے کہ نہیں؟

جواب الحمد للہ! ہاں، عورت کا ختنہ کیا جا سکتا ہے اور اس کے ختنے کی صورت یہ ہے کہ اس جلد کے اوپر والے حصے کو کاٹ دیا جائے جو مرغے کی کلغی کی طرح ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ختنہ کرنے والی کو کہا تھا:

«اشمي ولا تنهكي، فإنه أبهى للوجه، وأحظى لها عند الزوج»[1]

''تھوڑا سا کاٹنا اور زیادہ نہ کاٹنا کیونکہ یہ چہرے کے لیے رونق اور خاوند کے لیے زیادہ لذت کا باعث ہے۔''

یعنی کاٹنے میں مبالغہ نہ کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کے ختنے کا مقصد اس گندگی سے پاکیزگی حاصل کرنا ہوتا ہے جو جلد کے نیچے اکٹھی ہو جاتی ہے، اور عورت کے ختنے سے مراد اُس کی شہوانی قوت کو اعتدال پر رکھنا ہے، اس لیے کہ جب وہ لمبی جلد کی صورت میں ہو تو وہ زبردست شہوانی قوت اور جوش والی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کثرت سے گالی گلوچ کرنے میں کہا جاتا ہے: لمبی جلد والی کے بیٹے، کیونکہ لمبی جلد والی اکثر و بیشتر مردوں کے پاس جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فرنگی اور تاتاریوں کی عورتوں میں وہ بے حیائی پائی جاتی ہے جو کہ مسلمان عورتوں میں نہیں ہوتی۔ اگر ختنہ کرنے میں زیادتی کی جائے تو شہوت کمزور پڑ جاتی ہے اور مرد کا مقصد مکمل نہیں ہوتا، اور اگر غیر زیادتی کی صورت میں کاٹا جائے تو اعتدال سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

بچیوں کے ختنے کا حکم:

سوال لڑکیوں کا ختنہ مستحب ہے یا مکروہ؟

جواب عورتوں کا ختنہ ان کے حق میں استحبابی انداز میں ہے، نبی ﷺ کے فرمان کے عام

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [5271]

ہونے کی وجہ سے:« الفطرة خمس » ”فطرت پانچ چیزیں ہیں۔“ اور ان میں ختنہ بھی ہے، جیسا کہ خلال نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ شداد بن اوس کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

« الختان سنة للرجال و مكرمة للنساء »[1]

”ختنہ مردوں کے لیے سنت اور عورتوں کے لیے عزت کا باعث ہے۔“

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

موئے بغل اکھاڑنا

بلیڈ سے بغل کے بال مونڈنا:

سوال کیا بلیڈ سے بغل کے بالوں کا مونڈنا درست ہے؟

جواب جائز ہے کیونکہ بغلوں سے بال ختم کرنا مقصد ہے، چاہے اکھاڑ کر ہو یا مونڈ کر یا کسی اور طریقے سے لیکن اکھاڑنا اگر آسان ہو تو زیادہ بہتر ہے، نبی ﷺ کے فرمان کی وجہ سے:

« الفطرة خمس: الختان، وقص الشارب، وقلم الظفر، ونتف الإبط، وحلق العانة. »[2]

”پانچ چیزیں فطرتی ہیں: ختنہ، مونچھیں کاٹنا، ناخن کاٹنا، بغل کے بال اکھاڑنا اور زیر ناف بال مونڈنا۔“

اس کے صحیح ہونے پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

زیرِ ناف بال مونڈنا:

سوال بغلوں کے بال اور زیرِ ناف بال ختم کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب بغلوں اور زیرِ ناف بال ختم کرنا سنت ہے لیکن بغل میں زیادہ بہتر اکھاڑنا ہے اور

---

[1] **ضعیف**. مسند أحمد [75/5]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [5550] صحیح مسلم، رقم الحدیث [257]

زیرِ ناف میں مونڈنا ہے لیکن اگر اس صورت کے علاوہ کسی اور صورت سے بھی ختم کر لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

ہر فراغتِ حیض کے بعد زیرِ ناف بال مونڈنا:

سوال کیا ہر حیض سے فراغت کے بعد عورت کا ذمہ ہے کہ زیرِ ناف بال مونڈے؟

جواب ویسے تو زیرِ ناف بال ختم کرنا (اکھاڑ کر یا پوڈر سے یا مونڈ کر یا کاٹ کر) انھی فطری طریقوں میں سے ہے جن پر اسلام نے اُبھارا ہے لیکن اسے ہر حیض سے فراغت کے بعد مقرر نہیں کیا۔ امام احمد، بخاری، مسلم اور اصحابِ سنن نے بیان کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« خمس من الفطرة: الاستحداد، و الختان، وقص الشارب، ونتف الإبط وتقليم الأظفار. »[1]

''پانچ چیزیں فطری ہیں: لوہے (استرے) کا استعمال، ختنہ کرنا، مونچھیں کاٹنا، بغل کے بال اکھاڑنا اور ناخن کاٹنا۔''

حضرت انس سے ثابت ہے، کہتے ہیں:

« وقت لنا في قص الشارب وتقليم الأظفار ونتف الإبط وحلق العانة أن لا نترك أكثر من أربعين ليلة. »[2]

''مونچھیں کاٹنے، ناخن کاٹنے، بغل کے بال اکھاڑنے اور زیرِ ناف بال مونڈنے میں ہمارے لیے وقت مقرر کیا گیا کہ ہم چالیس راتوں سے زیادہ نہ چھوڑیں۔'' (اسے امام مسلم اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے۔) (سعودی فتویٰ کمیٹی)

ناخن لمبے کرنے کا حکم

ناخن لمبے کرنا اور ان پر نیل پالش لگانے کا حکم:

سوال ناخن لمبے کرنے اور ان پر نیل پالش لگانے کا کیا حکم ہے؟ میں پہلے وضو کر لیتی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5550] صحيح مسلم، رقم الحديث [257]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [258]

ہوں اور وہ چوبیس گھنٹے رکھ کر پھر میں اسے دور کر دوں گی۔

جواب ناخن لمبے کرنا سنت کے خلاف ہے کیونکہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

« خمس من الفطرة: الاستحداد، والختان، وقص الشارب، ونتف الإبط، وتقليم الأظفار. »[1]

''فطرت پانچ چیزیں ہیں: لوہے کا استعمال، ختنہ کرنا، مونچھیں کاٹنا، بغل کے بال اکھاڑنا اور ناخن کاٹنا۔''

اور یہ چیزیں چالیس راتوں سے زیادہ بھی نہیں رہنی چاہییں کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمارے لیے مونچھیں اور ناخن کاٹنے، بغل کے بال اکھاڑنے اور زیرِ ناف بال مونڈنے میں وقت مقرر کر دیا کہ ہم انھیں چالیس راتوں سے زیادہ نہ رہنے دیں۔ انھیں لمبا کرنے میں چوپاؤں اور کچھ کافروں سے مشابہت ہے، مگر نیل پالش کا استعمال نہ کرنا ہی بہتر ہے، اور وضو کے وقت اسے دور کرنا تو ضروری ہے کیونکہ وہ ناخن تک پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ ہیں۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

ناخن لمبے کرنے کی حرمت کی حکمت:

سوال عورتوں اور مردوں کے حوالے سے ناخن بڑھانے کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر وہ حرام ہے تو ان کے حرام ہونے میں کیا حکمت ہے؟

جواب ناخن کاٹنا فطری طریقوں سے ہے نبی ﷺ کے فرمان کی وجہ سے: ''فطرت پانچ چیزیں ہیں: ختنہ کرنا، لوہے کا استعمال کر کے زناف بال مونڈنا مونچھیں اور ناخن کاٹنا اور بغل کے بال اکھاڑنا۔ (اسے بخاری اور مسلم نے بیان کیا ہے۔)

اور ایک اور دوسری حدیث میں ثابت ہے کہ فطری طریقے دس ہیں، ان میں سے مونچھ کاٹنا انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے، کہتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے مونچھے کاٹنے، ناخن کاٹنے، بغل کے بال اکھاڑنے، زیرِ ناف بال مونڈنے میں وقت مقرر کر دیا کہ ہم انھیں چالیس دنوں سے زیادہ نہ چھوڑیں۔ (اسے امام احمد، مسلم اور نسائی نے

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [5550] صحیح مسلم، رقم الحدیث [257]

بیان کیا ہے، یہ الفاظ امام احمد اور نسائی کے ہیں۔)

تو جو اپنے ناخن نہیں کاٹتا وہ فطری طریقوں میں سے ایک طریقے کی مخالفت میں ہے۔ اور اس کی حکمت یہ ہے ان کے نیچے میل کچیل سے صفائی اور ستھرائی کا ہونا اور کافروں سے ہونے والی مشابہت کو ختم کرنا بھی ہے، نیز ناخنوں والے جانوروں اور پنجوں والوں جانوروں سے مشابہت سے بچنا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

غیر محرموں سے خلوت

غیر محرم ڈرائیور سے تنہائی:

سوال ہم ایک بہت بڑا خاندان ہیں۔ ہمارا ایک ڈرائیور ہے جو ہمیں سکولوں، بازاروں اور قریبی رشتہ داروں کے پاس لے جانے کے لیے ہے، تو شہر کے اندرونی اور بیرونی جانب اس کے ساتھ ہمارے سوار ہونے کا کیا حکم ہے جبکہ کار میں ہمارے ساتھ کوئی دوسرا مرد (محرم) بھی نہیں ہوتا؟

جواب اگر دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو تو ڈرائیور کے ساتھ اس بارے میں کوئی حرج نہیں، اور بے خطر ہونے کی صورت میں کسی کام کے لیے سکول وغیرہ اس کے ساتھ جانے میں کوئی تنگی کا باعث نہیں۔ اگر میسر ہو سکے تو ان کے ساتھ ایک مرد کا ہونا انتہائی اچھا اور بہتر ہے لیکن یہ ضروری نہیں بلکہ اس قدر کافی ہے جس سے خلوت زائل ہو جائے، اور خلوت عورت اور ڈرائیور کے علاوہ ایک یا زیادہ مرد و عورت کی موجودگی سے زائل ہو جاتی ہے بشرطیکہ شک و شبہ کے اسباب نہ پائے جائیں کیونکہ ہر ایک کے لیے ہر وقت محرم رشتہ دار کا ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن اگر فاصلہ ایسا ہو کہ اسے سفر سمجھا جائے تو پھر محرم رشتہ دار کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں نبی ﷺ کے فرمان کی وجہ سے:

«لا تسافر امرأة إلا مع ذي محرم.»[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1763] صحيح مسلم، رقم الحديث [1341]

''کوئی عورت محرم رشتہ دار کے بغیر سفر نہ کرے۔''

اس کے صحیح ہونے پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے، نیز فتنے کے ذرائع سے دور اور پردے کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس ڈرائیور اور اس عورت کے درمیان کوئی فتنہ برائی رونما نہ ہو سکے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

خادمہ کے ساتھ خلوت

گھر میں عورتوں کا غیر مسلم نوکرانی سے میل جول رکھنے کا حکم:

سوال ہمارے گھر میں ایک غیر مسلم نوکرانی ہے تو کیا ہمارے گھر کی عورتوں کا اس سے بیٹھنے، سونے اور کھانے میں میل جول کرنا جائز ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں۔ علماء کی دو باتوں میں سے زیادہ درست کے مطابق مسلمان خواتین کا اس سے پردہ کرنا واجب نہیں بلکہ ضروری تو یہ ہے کہ اس سے مسلمان عورت کا سا برتاؤ نہ کیا جائے اور اللہ کی خاطر اس سے ناپسندیدگی کو ظاہر کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ﴾ [الممتحنة: 4]

''یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے، ایک اچھا نمونہ تھا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور ان تمام چیزوں سے بری ہیں، جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا یہاں تک کہ تم اس اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ۔''

اور یہ چاہیے کہ انھیں اسلام نہ لانے کی وجہ سے ان کے علاقوں کی طرف لوٹا دیا جائے کیونکہ اس عربی جزیرے میں کسی یہودی، عیسائی، مشرک مردوں اور عورتوں کا رہنا جائز ہی نہیں، اس لیے کہ نبی ﷺ نے انھیں اس جزیرے سے نکالنے کی وصیت کی ہے اور مسلمان مردوں اور عورتوں میں ان کے حق میں بے پرواہی ہونی چاہیے کیونکہ مسلمانوں میں ان کا رہنا ان پر ان کے عقیدے اور عادات کو خراب کرنے کے لیے خطرے کا باعث ہے، لہٰذا جزیرے کے تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ نبی ﷺ کی وصیت کو نافذ کرتے ہوئے خدمت اور دیگر امور کے لیے صرف مسلمانوں کو طلب کریں کیونکہ کفار کو طلب کرنے اور ان سے میل جول بڑھانے میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے اخلاق و عقائد میں کافی زیادہ نقصان کا خطرہ ہے۔

میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو ان سے بے نیاز ہونے کی توفیق دے، اور ان کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

محرم کے بغیر سفر

وہ سفر جو محرم رشتہ دار کے بغیر ہو:

سوال کیا عورت امن ہونے کی صورت میں کسی محرم رشتہ دار کی عدم موجوگی میں جہاز سے سفر کرسکتی ہے؟

جواب نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

« لا تسافر امرأة إلا مع ذي محرم. »[1]

''کوئی عورت محرم رشتہ دار کے بغیر سفر نہ کرے۔''

آپ نے یہ اس وقت فرمایا جب حج کے دنوں منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو کوئی مرد کھڑا ہوا تو اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بیوی حج کے ارادے سے نکلی ہے جبکہ میں فلاں، فلاں جنگ میں نامزد کیا جا چکا ہوں تو نبی ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1763] صحيح مسلم، رقم الحديث [1341]

''چل اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔''

لہٰذا نبی ﷺ نے اسے جنگ سے کنارہ کش ہونے کا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی ﷺ نے اسے یہ نہیں کہا کہ کیا تیری بیوی اپنی جان کے حوالے سے بے خوف ہے؟ یا اس کے ساتھ عورتیں بھی ہیں؟ یا پھر اس کے ساتھ اس کی پڑوسی عورتیں بھی ہیں؟ لہٰذا یہ حدیث عورت کے محرم رشتہ دار کے بغیر سفر سے روکنے کی راہنمائی کرتی ہے اور اس لیے بھی کہ خطرہ جہاز میں بھی ممکن ہے۔

آیئے ہم اس کا بغور جائزہ لیں! تو جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی ہوائی جہاز میں سفر کرے، اس کو رخصت کر کے کب لوٹے گا؟ اس عورت کے ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے انتظار کے وقت ہی واپس ہوگا، اور عورت ویٹنگ ہال میں بغیر محرم کے ہی رہے گی۔ اگر ہم فرض کریں کہ وہ اس کے ساتھ ہی ویٹنگ ہال میں رہتا ہے یہاں تک کہ اسے ہوائی جہاز میں داخل کر دے اور جہاز پرواز کر گیا تو کیا ہوائی جہاز کا رستے سے واپس آنا ممکن نہیں؟ ایسا ہوتا بھی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہوائی جہاز کسی فنی خرابی کی وجہ سے واپس ہو جائے۔ چلیے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ جہاز اپنی اڑان بھرتا رہا اور اس شہر میں پہنچ گیا جہاں اسے لینڈ کرنا ہے لیکن ائیر پورٹ مصروف ہوگیا یا ائیر پورٹ کی فضا لینڈ کرنے کے لیے سازگار نہیں ہے اور یہ احتمال ہے کہ ہوائی جہاز دوسری جگہ چلا جائے۔

اگر ہم مان لیں کہ جہاز مقررہ وقت پر اُڑا اور مقررہ ائیر پورٹ پر اتر بھی گیا لیکن اس کا محرم رشتہ دار کسی ناگہانی سبب کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکا۔ اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ یہ احتمال نہیں ہے، اور محرم رشتہ دار مقرر وقت تک پہنچ بھی جاتا ہے تو اب بھی خطرہ ممکن ہے، اس عورت کے پہلو میں اس جہاز میں کون ہے؟ ضروری نہیں کہ وہ ہر حال میں عورت ہی ہو، کبھی اس کے پڑوس میں مرد بھی ہوسکتا ہے اور یہ مرد اللہ کے بندوں سے انتہائی خیانت کرنے والا بھی ہوسکتا ہے جو اسے دیکھ کر مسکرائے اور اس سے ہنسی مذاق اور باتیں شروع کر دے، اور اس کے ٹیلی فون کا نمبر حاصل کر لے اور وہ اسے اپنے فون کا نمبر دے دے۔ کیا یہ ممکن نہیں؟ ان خطروں سے کون محفوظ رکھ سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آپ اللہ کے

رسول ﷺ کے عورت کو بغیر محرم رشتہ دار کے سفر سے روکنے میں بڑی حکمت پائیں گے جو کہ کسی تفصیل اور شرط کے بغیر ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نہ تو غیب جانتے ہیں اور نہ ہی ان ہوائی جہازوں سے واقف تھے تو ہم ان کی کلام کو اونٹوں پر سفر کرنے پر محمول کرتے ہیں نہ کہ ہوائی جہازوں پر، لہٰذا عورت اونٹ پر محرم رشتہ دار کے بغیر سفر نہیں کرسکتی کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان ہوائی جہازوں سے ناواقف تھے جو کہ طائف اور ریاض کے درمیانے فاصلے کو سوا گھنٹے میں طے کرسکتے ہیں جبکہ یہ مسافت پہلے اونٹ سے ایک مہینے میں طے کی جاتی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ نہیں جانتے تو رسول ﷺ کا رب تو جانتا ہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے:

﴿ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ [النحل: 89]

''اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی اس حال میں کہ ہر چیز کا واضح بیان ہے۔''

تو میں اپنے بھائیوں کو اس ظاہری خطرے سے خبردار کرتا ہوں، اور یہ عورت کے محرم کے بغیر سفر کرنے میں سستی ہے، اسی طرح میں انھیں ڈرائیور کی گھر میں عورت کے ساتھ خلوت و تنہائی سے خبردار کرتا ہوں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إياكم و الدخول على النساء»[1]

''تم عورتوں پر داخل ہونے سے بچو۔''

انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! دیور کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا: «الحمو الموت» (دیور موت ہے) یعنی اس سے انتہائی احتیاط کرو۔ عجیب بات ہے کہ کچھ علمائے کرام کہتے ہیں کہ «الحمو الموت» (دیور موت ہے) کا مطلب ہے کہ دیور کا اپنے قریبی بیوی پر داخل ہونا ضروری ہے جیسے کہ موت ضروری ہے!!

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4934] صحيح مسلم، رقم الحديث [2172]
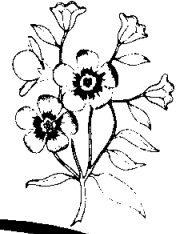
متفرق مسائل
گیارھواں باب

متفرق مسائل

عورت کا دائرۂ عمل:

سوال عورت کا مردوں کے ساتھ کام کرنے کے حوالے سے اسلام کا کیا نظریہ ہے؟

جواب یہ بات تو یقینی ہے کہ کام کے لیے عورت کا مردوں کے میدان میں نکلنا مذموم اختلاط ہے جو تنہائی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ انتہائی خطرناک معاملہ ہے جس کے بعد پھر خطرات ہیں، اور اس کے نتائج بھی تلخ اور برے ہیں۔ یہ شریعت کے ان احکام سے ٹکراتا ہے جو عورت کو اپنے گھر میں رہنے کا پابند کرتے ہیں، اور ان کاموں کو انجام دینے کی تعلیم دیتے ہیں جو عورتوں کے لیے مخصوص اور ان کی فطرت کے موافق ہیں، اور مرض کی بجا آوری میں وہ مردوں کے اختلاط سے دور رہتی ہیں۔

واضح اور صحیح دلائل:

اجنبی عورت سے علیحدگی، اس کی طرف دیکھنے اور حرام کاموں کی طرف لے جانے والے وسائل کی حرمت کے حوالے سے کچھ دلائل ہیں جو فیصلہ کن اور پختہ ہیں، جو اس اختلاط کو حرام قرار دیتے جس کا انجام خطرناک اور ناپسندیدہ ہے، ان میں سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴾ [الأحزاب: 33,34]

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو، اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو، اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ اس کے رسول کا حکم مانو، اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے، اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے خوب پاک کرنا۔ اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جن آیات اور دانائی کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے انھیں یاد کرو، بے شک اللہ ہمیشہ سے نہایت باریک بین، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [الأحزاب: 59]

''اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے آپ پر لٹکا لیا کریں، یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو انھیں تکلیف نہ پہنچائی جائے، اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اور اللہ ذوالجلال نے فرمایا:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ ﴾ [النور: 30,31]

''مومن مردوں سے کہہ دے: اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور مومن عورتوں سے کہہ دے: اپنی کچھ

نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے، اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں، اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ﴾ [الأحزاب: 53]

"اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔"

اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

« إياكم والدخول على النساء يعني الأجنبيات » قيل: يا رسول الله! أفرأيت الحمو؟ فقال: « الحمو الموت » ❶

"عورتوں پر داخل ہونے سے بچو (یعنی بیگانی عورتوں سے)، کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! دیور کے بارے میں کیا خیال ہے تو فرمایا: "دیور موت ہے۔"

اور رسول ﷺ نے مطلق طور پر بیگانی عورت سے خلوت اختیار کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا:

« إن ثالثهما الشيطان. » ❷ "ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

چنانچہ خرابی کے ذریعے کو بند کرنے، گناہ کے دروازے کو بند کرنے، برائی کے اسباب کو کاٹنے اور شیطان کے پروپیگنڈوں سے مرد و زن کو بچانے کی خاطر آپ ﷺ نے عورت کو بلا محرم سفر کرنے سے منع فرمایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

« اتقوا الدنيا اتقوا النساء، فإن أول فتنة بني إسرائيل كانت في النساء » ❸

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [4934] صحيح مسلم، رقم الحديث [2172]

❷ **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [2165]

❸ صحيح مسلم، رقم الحديث [2742]

''دنیا اور عورتوں کے فتنے سے بچو، بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں کے معاملے میں تھا۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«ما تركت بعدي في أمتي فتنة أضر على الرجال من النساء»[1]

''میں نے اپنے بعد اپنی امت میں عورت سے زیادہ نقصان دہ فتنہ مردوں کے حوالے سے نہیں چھوڑا۔''

یہ آیات اور احادیث اس اختلاط سے دور رہنے کی فرضیت کے حوالے سے راہنمائی کے انداز میں واضح ہیں جو خرابی، خاندانوں کو بدنام کرنے اور معاشروں کو برباد کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ جب ہم کچھ اسلامی ملکوں میں عورت کی پستی کو دیکھتے ہیں تو ہم اسے گھر سے نکالے جانے اور اپنے مخالفِ فطرت کاموں میں لگائے جانے کی وجہ سے رسوا اور کمزور حالت میں پاتے ہیں۔ بلاشبہ وہاں کے دانا لوگ اور مغربی ممالک کے دانشور بھی پکارنے لگے ہیں کہ عورت کو اس کی فطری حالت کی طرف لوٹانا ضروری ہے جس پر اللہ نے اسے تخلیق کیا ہے، اور جس ساخت وصلاحیت پر اس کی جسمانی وعقلی ترکیب فرمائی ہے لیکن یہ چیخ و پکار مناسب وقت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ہے۔

عورتوں کو اپنے گھروں میں کام کاج کرنے اور تدریس اور عورتوں سے متعلقہ کام میں ایسی کفایت واستغنا ہے جو انھیں مردوں کے کام کاج کے میدان میں اترنے سے بے پرواہ کرسکتی ہے۔

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اور تمام مسلمانوں کے علاقوں کو دشمنوں کے پروپیگنڈوں اور تباہ کن پلاننگ سے محفوظ رکھے، اور وہ ذمہ داروں کو توفیق دے کہ وہ عورتوں کو دنیاوی اور اخروی لحاظ سے درست کاموں کی تلقین کریں، نیز اپنے پروردگار اور پیدا کرنے والے کے حکم کو نافذ کریں جو ان کی مصلحتوں کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اور وہ اسلامی علاقوں کے اربابِ حکومت کو ہر اس کام کی توفیق دے جس سے ملک اور

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4808] صحيح مسلم، رقم الحديث [2740]

ملک کے باشندوں کی بھلائی اور دنیا اور آخرت کی درستگی پوشیدہ ہے اور یہ کہ وہ ہمیں، انھیں اور دیگر تمام مسلمانوں کو فتنوں کی گمراہیوں اور ہلاکت کے اسباب سے بچائے رکھے، بس وہی اس کا والی اور اس پر قادر ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

عورت کی آواز کا حکم

عورت کا درزی اور کپڑے والے دکانداروں سے بات کرنا:

سوال عورت کا کپڑے کے دکانداروں اور درزیوں سے گفتگو کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ یہ امید کی جاتی ہے کہ عورتوں کو چند نصیحتی کلمات سے نوازہ جائے۔

جواب عورت کا دکاندار سے فتنے کے بغیر ضرورت کے مطابق گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ عورتیں مردوں سے ضرورتوں اور ان معاملات میں گفتگو کر لیا کرتی تھیں ضرورت کے دائرے میں رہتے ہوئے لیکن جب اس میں ہنسی، مسکراہٹ اور نرمی و نزاکت اور فتنے میں مبتلا کرنے والی آواز کی ملاوٹ ہو تو یہ حرام اور ناجائز ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی بیویوں کو کہا تھا:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ [الأحزاب: 32]

''بات کرنے میں نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے طمع کر بیٹھے، اور وہ بات کہو جو اچھی ہو۔''

''قولِ معروف'' سے مراد ہے کہ جسے لوگ اچھا سمجھیں اور ضرورت کے مطابق ہو لیکن جب اس سے زیادہ ہو یا وہ اس کے سامنے اپنے چہرے، کہنیوں اور ہتھیلیوں کو ننگا کریں تو یہ تمام حرام اور برے کام ہیں، اور فتنے کے اسباب اور زنا میں واقع ہونے کے ذرائع میں سے ہیں۔

لہٰذا اللہ سے ڈرنے والی مسلمان عورت پر لازمی ہے کہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اور بیگانے مردوں سے ایسی گفتگو نہ کرے جو ان کو امید میں مبتلا کرے اور ان کے دلوں کو

فتنے میں ڈال دے، اس کا ذمہ ہے کہ وہ اس کام سے پرہیز کرے۔ اور جب وہ دکان یا ایسی جگہ جانا چاہے جہاں مرد ہوں وہ اسلامی عادات سے آراستہ ہو اور پردہ اختیار کر لے اور جب وہ مردوں سے گفتگو کرنا چاہے تو ان سے ایسی اچھی گفتگو کرے جس میں فتنہ اور کوئی خطرہ نہ ہو۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

نوجوان لڑکے اور لڑکی کی بذریعہ ٹیلی فون بات چیت کا حکم:

سوال غیر شادی شدہ نوجوان کا غیر شادی شدہ نوجوان لڑکی سے بذریعہ ٹیلی فون گفتگو کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب بیگانی عورت سے شہوت بڑھکانے والی باتیں ناجائز ہیں، مثلاً: عشق بازی کی باتیں، ناز ونخرے اور بات میں نرم اور دلکش انداز، چاہے وہ فون میں ہو یا کسی اور صورت میں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾

[الأحزاب: 32]

''جس کے دل میں بیماری ہے طمع کر بیٹھے، اور وہ بات کہو جو اچھی ہو۔''

لیکن حسبِ ضرورت گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ خرابی سے محفوظ ہو اور ضرورت کے مطابق ہو۔ (سماحۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

بذریعہ ٹیلی فون دلہن سے گفتگو کرنے کا حکم:

سوال کیا بذریعہ ٹیلی فون دلہن سے گفتگو کرنا جائز ہے؟

جواب جب اس سے عقدِ نکاح ہو چکا ہو تو فون میں اس سے گفتگو کرنا جائز ہے لیکن جب وہ منگیتر ہو تو اس کے ولیوں کی اجازت کے بغیر گفتگو جائز نہیں، اور اس شرط پر کہ بات میں نرمی کو چھوڑتے ہوئے کسی فائدے کی خاطر بات کی جائے، نیز دل لگی والی گفتگو، ہنسی اور جذبات کو ابھارنے وغیرہ سے بھی بچنا چاہیے کیونکہ گفتگو کرنے والا بیگانہ مرد ہے، لہٰذا ولیوں کی اجازت کا ہونا ضروری ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

عورت کا کار چلانا

عورت کا ڈرائیونگ کرنا:

سوال کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ بڑے شہروں کی سڑکوں پر گاری چلائے جہاں پر اور بھی بہت سے مرد وعورت گاڑی چلانے والے ہوتے ہیں؟

جواب عورت کے لیے شہروں کی سڑکوں پر گاڑی چلانا اور ڈرائیوروں سے اختلاط جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں تمام چہرے یا بعض چہرے کو ننگا کرنا ہے، نیز عموماً ہاتھوں کو ننگا کرنا بھی ہے، اور یہ اعضاء اس کے پردے میں داخل ہیں، اور اس لیے بھی کہ بیگانے مردوں سے میل جول فتنے کا سبب اور فساد کا باعث ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورتوں سے مصافحہ کرنا:

سوال عورتوں سے ہاتھ ملانے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورتوں سے ہاتھ ملانے میں کچھ تفصیل ہے۔ اگر عورتیں ہاتھ ملانے والے کے محرم رشتہ داروں سے ہوں تو کوئی حرج نہیں، مثلاً: اس کی ماں، بیٹی، بہن، خالہ، پھوپھی اور اس کی بیوی۔ اور اگر مصافحہ غیر محرموں سے ہو تو ناجائز ہے کیونکہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے مصافحہ کرنے کے لیے اپنے ہاتھ کو بڑھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إني لا أصافح النساء.))[1] ''یقیناً میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔''

اور عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((واللّٰه! ما مست يد رسول اللّٰه ﷺ يد امرأة قط، ما كان يبايعهن إلا بالكلام))[2]

''اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا، آپ ﷺ ان سے صرف گفتگو کے ذریعے بیعت لیتے تھے۔''

لہٰذا عورت کا غیر محرموں سے ہاتھ ملانا جائز نہ ہوا، اور نہ ہی مذکورہ دو حدیثوں کی

---

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [4181]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [4609]

وجہ سے مرد کے لیے غیر محرم عورتوں سے ہاتھ ملانا جائز ہے، اور اس لیے بھی کہ اس کے ساتھ فتنے سے امن نہیں۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

منگیتر کا اپنی منگیتر سے ہاتھ ملانا:

سوال کیا منگیتر کا اپنی منگیتر سے ہاتھ ملانا جائز ہے؟

جواب یہ ناجائز اور حرام ہے۔ منگیتر اجنبی ہی ہے اور عورت کے لیے بیگانے مرد کو چھونا جائز نہیں اور نہ ہی مرد کے لیے بیگانی عورت کو چھونا جائز ہے۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے حوالے سے طبرانی میں عمدہ سند سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لأن يطعن في رأس أحدكم بمخيط من حديد خيرله من أن يمس امرأة، لا تحل له»[1]

''البتہ تم میں سے کوئی ایک اپنے سر میں لوہے کی سوئی مار لے تو اس کے لیے عورت کو، جو کہ حلال نہیں، چھونے سے بہتر ہوگا۔''

اور بیگانے مردوں سے ہاتھ ملانا منگنی کی شروط میں سے نہیں۔ مصافحہ کبھی اسلام پر بیعت کے طریقوں سے ہوا کرتا تھا کہ مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے لیے آیا کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصافحہ اور اسلام پر بیعت کر لیا کرتے تھے، جبکہ عورتیں آپ سے بیعت کے لیے آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے فتنے سے ویسے ہی محفوظ تھے۔ بیعت ایسی چیز ہے جو مصافحے کی محتاج ہے، لہٰذا کسی چیز کا مصافحے کے محتاج ہونے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنے سے محفوظ ہونے کے باوجود آپ نے عورتوں سے کسی عورت سے بیعت وغیرہ میں مصافحہ نہیں کیا، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

«والله! ما مست يد رسول الله يد امرأة قط لا في بيعة ولا في غيرها»[2]

''اللہ کی قسم! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں ہوا، نہ بیعت میں اور نہ اس کے علاوہ میں۔'' (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

---

[1] صحیح. صحيح الجامع، رقم الحديث [5045]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [4609]

بوڑھی عورت سے مصافحے کا حکم جبکہ مصافحہ آڑ کے ساتھ ہو:

سوال اجنبی عورت کے بوڑھی ہونے کی صورت میں اس سے مصافحے کا کیا حکم ہے؟ نیز جب اپنے ہاتھ پر کپڑے وغیرہ کی آڑ لے تو کیا حکم ہوگا؟

جواب کسی بھی حال میں غیر محرم عورتوں سے مصافحہ جائز نہیں، چاہے وہ جوان ہوں یا بوڑھی ہوں، چاہے ہاتھ ملانے والا نوجوان ہو یا انتہائی بوڑھا ہو کیونکہ اس میں ان دونوں کے لیے فتنے کا خطرہ موجود ہے جبکہ نبی ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کہا:

«إني لا أصافح النساء.» [1] ''یقیناً میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔''

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

''اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی بھی نہیں چھو سکا، آپ ﷺ ان سے صرف زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔''

اور فتنے تک پہنچنے کے ذرائع کو بند کرنے کے لیے، اور دلائل کے عام ہونے کی وجہ سے رکاوٹ یا غیر رکاوٹ میں مصافحہ کرنے میں بھی کوئی فرق نہیں۔

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

طالبِ علم کا اپنی کلاس فیلو سے مصافحہ کرنے کا حکم:

سوال طالبِ علم کا سکول میں اپنی کلاس فیلو سے مصافحہ کرنے کا کیا حکم ہے اور جب وہ لڑکی سلام کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھائے تو وہ کیا کرے؟

جواب لڑکیوں کے ساتھ مخلوط تعلیم ایک سکول یا ایک کرسی پر بیٹھ کر جائز نہیں ہے بلکہ یہ فتنے کا سب سے بڑا سبب ہے، لہٰذا فتنوں کے سبب سے طالبِ علم اور طالبہ کے لیے اس طرح کا اشتراک ناجائز ہے۔ اور مسلمان کے لیے اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا جائز ہی نہیں اگرچہ وہ ہاتھ کو بڑھائے بھی بلکہ اس کے ذمہ ہے کہ وہ اسے بتائے کہ بیگانے مردوں سے ہاتھ ملانا ناجائز ہے کیونکہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [4181]

نے عورتوں سے بیعت کے وقت کہا تھا:

((إني لا أصافح النساء.))[1] ''یقیناً میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔''

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انھوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں لگا، آپ ﷺ تو ان سے صرف گفتگو سے بیعت کیا کرتے تھے۔''

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾ [الأحزاب: 21]

''بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہو، اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔''

اور اس لیے کہ عورتوں کے غیر محرموں سے مصافحہ کرنا دونوں طرفوں سے فتنے کے ذریعہ ہے تو اسے چھوڑنا ہی ضروری ہے، البتہ ایسا شرعی سلام جس میں فتنہ نہ ہو، مصافحہ نہ ہو، شک و ریب نہ ہو، نرم بات نہ ہو اور تنہائی کے بغیر اور پردے کے ساتھ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اللہ عزوجل کے فرمان کی وجہ سے:

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ ﴾ [الأحزاب: 32]

''اے نبی کی بیویو! تم عورتوں میں سے کسی ایک جیسی نہیں ہو، اگر تقویٰ اختیار کرو تو بات کرنے میں نرمی نہ کرو۔''

نیز نبی ﷺ کے دور میں عورتوں پر جو اشکال ہوتا وہ آپ ﷺ کو سلام کرتیں اور آپ ﷺ سے مشکل امور میں فتویٰ پوچھ لیتیں۔ ایسے ہی اللہ کے رسول ﷺ کے اصحاب سے بھی اپنے اوپر اشکال کی صورت میں پوچھ لیا کرتی تھیں، البتہ عورت کا دیگر عورتوں اور اپنے محرم رشتہ دار مردوں، مثلاً اپنے باپ، بھائی اور چچا وغیرہ سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

---

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [4181]

عورتوں کے غیر محرم مردوں سے مصافحے کے حرام ہونے کی وجہ:

سوال اسلام نے عورتوں کے اپنے غیر محرم رشتہ داروں سے ہاتھ ملانے کو کیوں حرام قرار دیا ہے؟

جواب اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے کیونکہ انسان کا اجنبی عورت کی جلد کو چھونے میں بہت بڑا فتنہ ہے، اور جو چیز بھی فتنوں کا ذریعہ بن سکتی ہو اس سے شارع نے منع کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خرابی کے دفاع کے لیے نگاہوں کو پست رکھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

غیر محرموں کو دیکھنا

منگنی کے ارادے سے لڑکی کے سینے اور بالوں کو دیکھنا:

سوال کیا آدمی کے لیے اس عورت کی ہتھیلیوں اور چہرے کے علاوہ کچھ دیکھنا جائز ہے جس سے وہ منگنی کا ارادہ رکھتا ہو، مثلاً اس کے سینے اور بالوں کو دیکھنا؟

جواب ظاہر یہی ہے کہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے بغیر یہ جائز ہے۔ اسی کے ہم معنی نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إذا ألقي في قلب أحدكم خطبة امرأة، فلينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحها.»[1]

"جب تم میں سے کسی کے دل میں کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے کا خیال ڈالا جائے تو وہ اس کی طرف دیکھ سکتا ہے جو اسے اس کے نکاح کی دعوت دیتا ہے۔"

البتہ طے شدہ پروگرام کے ساتھ صرف ہتھیلیوں اور چہرے سے زیادہ دیکھنا جائز نہیں۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

عورت کا مرد کو ٹیلی ویژن یا راستے پر دیکھنے کا حکم:

سوال سڑک پر فطری نظر یا ٹیلی ویژن کے پروگراموں کے دوران عورت کے مرد کو دیکھنے

---

[1] حسن. مسند أحمد [334/3]

کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کا مرد کو دیکھنا دو انداز سے خالی نہیں، چاہے وہ ٹیلی ویژن پر ہو یا اس کے علاوہ کسی دوسری حالت میں ہو:

① لذت وشہوت کی نظر سے دیکھنا۔ یہ حرام ہے کیونکہ اس میں خرابی اور فتنہ ہے۔

② لذت وشہوت کے بغیر دیکھنا۔ علمائے کرام کے صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ جائز ہے کیونکہ بخاری ومسلم میں ثابت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کھیلنے والے حبشیوں کی (جنگی مشق کی) طرف دیکھتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں کھلاڑیوں کی نگاہوں سے چھپائے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھیل دیکھنے دیا۔ اور اس لیے بھی کہ عورتیں بازاروں میں چلتی پھرتی ہیں اور مردوں کو دیکھتی ہیں اگرچہ وہ باپردہ ہی ہوتی ہیں تو عورت مرد کو دیکھ رہی ہوتی ہے اگرچہ مرد اسے نہیں دیکھ رہا ہوتا لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی شہوت وفتنہ نہ پایا جائے۔ اور اگر شہوت یا کوئی فتنہ ہو تو دیکھنا حرام ہے اگرچہ ٹیلی ویژن یا اس کے علاوہ کہیں بھی دیکھنا ہو۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

میاں بیوی کے آپس کے انتہائی زیادہ پردے کو دیکھنا:

سوال کیا عورت کے لیے اپنے خاوند کے انتہائی زیادہ پردے کے حصے کو دیکھنا اور اس کے برعکس جائز ہے؟

جواب ہاں، یہ جائز ہے، اس پر دلیل بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ اپنے باپ اور وہ ان کے دادا سے بیان کرتے ہیں جو کہ معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور یہ احمد اور ترمذی میں موجود ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اپنے کن پردوں کو چھپا سکتے ہیں اور کن کو ظاہر کر سکتے ہیں؟ تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

«احفظ عورتك إلا من زوجتك، أو ما ملكت يمينك»[1]

''اپنی بیوی اور لونڈی کے علاوہ سے شرمگاہ کو چھپا۔''

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [4017]

ایسے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح بخاری اور مسلم میں ثابت ہے، کہتی ہیں:

«كنت أغتسل أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من إناء واحد، تختلف أيدينا فيه من الجنابة حتى أقول: دع لي، دع لي، ويقول: دعي لي دعي لي»[1]

''میں اور اللہ کے رسول ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے اس میں ہمارے ہاتھ ٹکراتے حتی کہ میں کہتی: میرے لیے رہنے دو میرے لیے رہنے دو، اور آپ ﷺ کہتے میرے لیے رہنے دے، میرے لیے رہنے دے۔''

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کسی رسالے یا فلم میں ننگی عورت کو دیکھنا:

سوال کیا کسی مجلے یا کسی فلم میں ننگی عورت کی تصویر دیکھنا جائز ہے؟

جواب اجنبی عورت کی ننگی تصویریں دیکھنا ناجائز ہے اور نہ ہی ان فلموں اور رسالوں کی خرید و فروخت جائز ہے جن میں یہ تصویریں ہوتی ہیں بلکہ انھیں جلانا ضروری ہے تاکہ برائی اور زنا اپنے اسباب پائے جانے کے سبب عام اور ظاہر نہ ہو سکے۔

(فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

اجنبی مردوں کی موجودگی میں عورت کی نماز کا حکم:

سوال اجنبیوں کی موجودگی میں عورت کی نماز کا کیا حکم ہے جیسا کہ مسجد حرام میں؟

جواب عورت کے ذمہ اپنے سارے بدن کو چہرے، ہتھیلیوں اور قدموں سمیت چھپانا ہے۔ اگر اس کے پاس غیر محرم رشتہ دار یا بیگانے مردوں کی آمد و رفت ہو، اور ایسا کرنا نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کہ نظر کا پردہ نماز کے پردے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

(سماحۃ الشیخ عبداللہ الفوزان)

[1] صحیح. سنن النسائي، رقم الحديث [239]

عورت کا ڈاکٹروں کے پاس جانا

علاج کی غرض سے عورتوں کے پردوں کو کھولنا اور خلوت اختیار کرنا:

سوال ڈاکٹروں کے لیے علاج کی غرض سے عورتوں کے پردوں کو کھولنا اور ان سے تنہائی اختیار کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب پہلی بات: یہ ہے کہ عورت ویسے ہی پردہ ہے اور بہر حال مردوں کی لالچ و رغبت کا مقام ہے، لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ وہ مردوں کو اپنے جسم کی جانچ یا علاج کرنے کا موقع دے۔

دوسری بات: اگر مطلوبہ لیڈی ڈاکٹر نہ مل سکے تو مردوں سے علاج کروانے میں کوئی حرج نہیں، اور یہ صورت مجبوری کی کیفیت سے زیادہ مشابہ ہے لیکن یہ حالت معروف قیود سے مقید ہوگی۔ اسی لیے فقہاء کا قول ہے: "الضرورۃ تقدر بقدرھا." (ضرورت اپنے اندازے سے مقدر ہوتی ہے۔) تو ڈاکٹر کو جس حصۂ بدن کو دیکھنے اور چھونے کی کوئی ضرورت نہیں اسے دیکھنا اور چھونا ناجائز ہے، اور بوقتِ علاج ان تمام کو چھپانا ضروری ہے جنھیں ننگا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

تیسری بات: عورت کے پردہ ہونے کے باوجود پردے مختلف ہوتے ہیں: بعض میں سخت پردہ ہے، اور بعض اس سے ہلکا ہوتا ہے، جیسے: عورت کی جن بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے تو ان میں کچھ بیماریاں خطرناک ہوتی ہیں، ان کا علاج لیٹ کرنا مناسب نہیں ہوتا، اور کچھ عام حوادثات سے ہوتی ہیں جن کے علاج کو لیٹ کرنا نقصان دہ نہیں ہوتا حتی کہ اس کا محرم رشتہ دار آجاتا ہے اور کوئی خطرہ بھی نہیں ہوسکتا، اسی طرح عورتیں بھی الگ الگ ہوتی ہیں، کچھ بوڑھی اور کچھ نوجوان خوبصورت اور کچھ ان کے درمیان درمیان، اور کچھ ہسپتال میں اس وقت میں آتی ہیں کہ بیماری نے ان کو لاچار کر دیا ہوتا ہے اور کچھ بیماری ظاہر ہونے کے بغیر ہی چل پڑتی ہیں، بعض ان میں ایسی ہوتی ہیں جن کے مخصوص مقام کو ہی سن (بے جان) کیا جاتا ہے یا سارے بدن کو سن کر دیا جاتا ہے، اور بعض عورتیں

ایسی ہوتی ہیں جن کو صرف گولیاں وغیرہ دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ حکم ہے، اس ڈاکٹر کے لیے بھی جو اس عورت کا علاج کرتا ہے۔

بہرحال بیگانی عورت سے تنہائی شرعی طور پر حرام ہے، حتی کہ اس حدیث کی وجہ سے:

«ما خلا رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما»[1]

''کوئی مرد کسی عورت سے علیحدہ نہیں ہوتا مگر ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

عورت اور ڈاکٹر کے ساتھ کسی کا حاضر ہونا ضروری ہے، چاہے اس کا خاوند ہو یا کوئی محرم رشتہ دار مرد ہو، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو سکے تو ان کی قریبی عورتوں کی موجودگی ضروری ہے۔ اگر مذکورہ کوئی بھی نہ ہو اور مرض بھی خطرناک ہو جسے لیٹ بھی نہ کیا جا سکتا ہو تو کم از کم نرس وغیرہ ضرور موجود ہو تا کہ خلوتِ محرّمہ سے بچنا ممکن ہو سکے۔

چوتھی بات: اگر کم عمر بچی کے حوالے سے سوال ہے تو اگر بچی سات سال کو نہیں پہنچی تو اس کا کوئی پردہ نہیں ہوگا، اور اگر سات سال کی ہے تو فقہاء کی وضاحت کے مطابق اس کا پردہ معتبر ہوگا اگرچہ اس کا پردہ اس عورت کے پردے سے الگ ہوگا جو کچھ عمر رسیدہ ہو۔ (سماحۃ الشیخ محمد بن آل ابراہیم آل الشیخ)

بعض فاسد و بدطینت محارم کا سامنا کرنا

چچا کا اپنی بھتیجیوں سے فحش مذاق کرنا:

سوال کسی آدمی کے پاس اس کی بھتیجیاں ہوں تو وہ ان سے گندہ مذاق کرے تو کیا ان کے لیے اس کے گندے مذاق کی وجہ سے سامنے نہ آنا جائز ہوگا؟

جواب اس جیسے چچا کے پاس جانا بھتیجیوں کے لیے ناجائز ہے اور ایسے ہی اس کے پاس اپنے چہروں کو ننگا کرنا بھی، اس لیے کہ علمائے کرام نے محرم رشتہ دار کے لیے عورت کو اپنا چہرہ ننگا رکھنا اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ وہاں کوئی فتنہ نہ ہو، اور یہ جو آدمی اپنی بھتیجیوں کو اتنا گندہ مذاق کرتا ہے اس سے تو فتنے کا خدشہ موجود ہے، اور فتنے کے اسباب سے دور رہنا ضروری ہے۔

---

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [2165]

اے میرے بھائی! یہ کوئی عجیب بات نہیں کسی آدمی کو اپنی محرم رشتہ داروں کے ساتھ بھی کوئی رغبت ہوتی ہے بلکہ ہمیں تو بتایا گیا ہے کسی آدمی نے اپنی علاتی بہن (باپ ایک ماں الگ الگ) سے محض اس لیے زنا کر لیا کہ وہ سگی بہن نہیں۔ اللہ کی پناہ! ہمیں تو اس سے بھی زیادہ بتایا کہ کسی آدمی نے اپنی ماں سے زنا کر لیا، اللہ کی پناہ! قرآنی مفہوم کی طرف غور کرو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴾ [النساء: 22]

''اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہوں مگر جو پہلے گزر چکا، بے شک یہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی اور سخت غصے کی بات ہے اور برا راستہ ہے۔''

اور زنا کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴾ [الإسراء: 32]

''اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔''

اور صرف ''فاحشة'' نہیں کہا بلکہ ''مقتا'' (عملِ مبغوض) فرمایا، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محارم سے نکاح کرنا، اور باپ کی بیوی محارم میں سے ہے، عام زنا کے مقابلے میں زیادہ قبیح اور بری حرکت ہے۔

خلاصۂ جواب: ان پر اپنے چچا سے دور رہنا اور اس کے سامنے چہرہ چھپانا اس وقت تک واجب اور ضروری ہے جب تک وہ گندہ مذاق، جو کہ شک کا موجب ہے، اپنے چچا سے دیکھتی ہیں۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

محارم کو بوسہ دینے اور بے نماز بھائی سے مصافحہ کرنے کا حکم:

سوال محرم رشتہ داروں کو بوسہ دینے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا عورت کے لیے اپنے بے نماز بھائی سے ہاتھ ملانا جائز ہے؟

جواب محرمات عورتوں کو بوسہ دینا اگر شہوت کی بنا پر ہو جو کہ بعید ہے یا انسان شہوت کے بھڑکنے کا خطرہ پائے تو یہ بھی بعید ہے لیکن کبھی سسرالی یا رضاعی محرم رشتہ داروں کے اندر ایسا ہونا ممکن ہے۔ رہی محرمات نسبیہ تو میں نہیں سمجھتا کہ ایسا واقع ہونا ممکن ہے لیکن سسرالی اور رضاعی محرمات میں ایسا ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر انسان اپنے اوپر شہوت کے بھڑکنے کا خطرہ پائے تو اس کے لیے بوسہ دینا یقینی طور پر حرام ہے۔ اور جب اس کا خطرہ نہ ہوتو سر اور پیشانی کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ ہونٹوں اور رخسار کو بوسہ دینے سے گریز ہی مناسب ہے، سوائے باپ کے اپنی بیٹی کو اور ماں کے اپنے بیٹے کو تو یہ معاملہ آسان ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو وہ بیمار تھیں تو آپ نے انھیں ان کے رخسار پر بوسہ دیا اور کہا: « كيف أنت بنية! » ''کیسی ہے تُو اے بچی!''

البتہ بے نماز بھائی سے ہاتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں لیکن ویسے جو بے نماز ہو تو اسے سلام نہ کہنا، اس سے ہاتھ نہ ملانا اور اسے چھوڑنا ضروری ہے تاکہ وہ اسلام کی طرف آجائے اور نمازی ہوجائے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

برائی کے انکار میں عورتوں کا فریضہ

برائی دیکھنے پر عورت کا کردار:

سوال اگر کوئی عورت اپنے قریبی کو کوئی برائی کرتا دیکھے تو اس کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟

جواب اس کا ذمہ ہے کہ وہ برائی کرنے والے کو شفقت، نرمی، اچھی گفتگو اور بہتر انداز سے منع کرے، اس لیے کہ وہ شرعی احکام سے ناواقف بھی ہوسکتا ہے اور برے رویے والا بھی ہوسکتا ہے تو سختی کے ساتھ اس پر انکار کرنے سے اس کی بُرائی بڑھ سکتی ہے، لہٰذا اُس کا ذمہ ہے کہ وہ برائی سے اچھے انداز، اچھی گفتگو اور واضح دلیل کے ساتھ منع کرے، جیسے اللہ اور اس کے رسول نے کیا ہے۔ اس کے لیے دعا بھی کرے تاکہ اس کے دل میں حق سے نفرت پیدا نہ ہوجائے۔ اور نیکی کا حکم دینے والے اور

برائی سے روکنے والے کو ایسا ہی ہونا چاہیے، اس کے پاس علم، بصیرت، نرمی اور بردباری ہونی چاہیے تاکہ جو اس پر انکار کرتا ہے وہ قبول کر لے اور نفرت اور فساد کا شکار نہ ہو۔ اور نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا ان الفاظ کو استعمال کرنے میں کوشش کرتا رہے جن کی وجہ سے حق کو جاننے کی امید کی جا سکتی ہو۔

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

ملازمت سے چھٹی کے ڈر سے انکار منکر سے رک جانے کا حکم:

سوال میں سکول کے ایک یونٹ میں نرس کی حیثیت سے ملازم تھی۔ میں نے اپنی ملازمت کے دوران ایک خلافِ شرع بات کا انکار کیا تو یہ میری ملازمت سے معطلی کا ذریعہ بن گیا۔ میں اپنی بدنصیبی اور نفسانی مشکلات کے سبب اپنے بچوں کو کسی بھی برائی کا انکار کرنے سے منع کر دیتی ہوں۔ میں حل کی امیدوار ہوں، اللہ آپ کو بدلہ دے۔

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ تمھارے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس کرنے والے کی ایک بڑی غلطی ہے جس نے ایسا کیا ہے، بشرطیکہ تم نے برائی کا علم و بصیرت سے انکار کیا ہو۔ تجھ پر برائی کا انکار کرنا ضروری ہے۔ تیری ملازمت سے معطلی اور اس کا تجھ سے بے پرواہ ہونا تجھے کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ درحقیقت تُو نے اپنے پروردگار کو راضی کر لیا ہے، اور جسے راضی کرنا تجھ پر ضروری تھا اسے بھی کر گزری۔ معاملات تو تمام کے تمام اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان»[1]

''تم میں سے جس نے کوئی برائی دیکھی تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدلے، اگر اس کی طاقت نہ رکھ سکے تو اپنی زبان سے، اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھ سکے تو اپنے دل سے اور یہ انتہائی کمزور ایمان ہے۔''

اللہ تعالیٰ اپنی پیاری کتاب میں فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [49]

﴿ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ [التوبة: 71]

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ [آل عمران: 110]

''تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اگر تو تُو نے یہ اللہ کی فرمانبرداری اور اس کی خوشنودی کو تلاش کرتے ہوئے کیا ہے تو انجام اچھا ہوگا اور جو ہوا وہ باعثِ نقصان نہیں ہوگا، اور عنقریب اللہ آپ کو اس سے بے پرواہ کر دے گا، اللہ ہی رزق دینے والا ہے اور تمام اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں، وہی تو کہنے والا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۚ وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴾ [الطلاق: 4 تا 2]

''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا، اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے، بے شک اللہ اپنے کام کو پورا کرنے والا ہے، یقیناً اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔ اور وہ عورتیں جو تمھاری عورتوں میں

سے حیض سے ناامید ہو چکی ہوں، اگر تم شک کرو تو ان کی عدت تین ماہ ہے
اور ان کی بھی جنھیں حیض نہیں آیا، اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت ہے کہ وہ
اپنا حمل وضع کر دیں اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے اس کے کام
میں آسانی پیدا کر دے گا۔"

ایماندار عورت کا ذمہ اللہ سے ڈرنا ہے، خواہ وہ استانی ہو یا نرس ہو یا اس کے علاوہ کوئی ہو اور خواہ لیڈی ڈاکٹر ہو یا ڈائریکٹر یا ان جیسی دیگر عورتیں، نیکی کا حکم اور برائی سے باز کرنا تمام کا حق ہے، کہ یہ مردوں پر ضروری ہے، (جیسا کہ آیات اور احادیث اوپر ذکر کی گئیں۔) اور تُو نے اپنے بچوں کو برائی کے انکار سے منع کر کے غلطی کی ہے، لہٰذا اللہ سے ڈر اور اس غلطی میں اس کی طرف توبہ کر اور انھیں وہی وصیت کر جو اللہ نے ان پر واجب کیا ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

چغل خوری کو بُرا سمجھنے کے بعد شرم و حیا کی وجہ سے نہ روکنا:

سوال میں ایسی لڑکی ہوں کہ غیبت اور چغلی کو بُرا سمجھتی ہوں۔ میں کبھی کسی ایسی جماعت میں ہوتی ہوں کہ جو لوگوں کے حالات کے بارے باتیں کر رہے ہوتے ہیں اور غیبت اور چغلی میں بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ میں اسے ذاتی طور پر بُرا سمجھتی ہوں اور میں انتہائی شرم والی ہونے کی وجہ سے ان کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتی، اور ایسی کوئی جگہ بھی نہیں کہ میں ان سے دور ہو جاؤں۔ اللہ جانتا ہے کہ میں چاہتی بھی ہوں کہ وہ کسی اور بات میں مصروف ہو جائیں تو کیا میرے ان کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی گناہ ہے؟ مجھے ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟ اللہ آپ کو ان کاموں کی توفیق دے جس میں اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی ہو۔

جواب تجھ پر اس میں گناہ ہے۔ ہاں، اگر تو بُرائی کو روک دے، اگر تو وہ تجھ سے قبول کر لیں تو الحمد للہ، وگرنہ تجھ پر ان سے جدا ہونا اور ان سے اٹھ جانا ضروری ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی

يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [الأنعام: 68]

''اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں (فضول) بحث کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کر یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ بات میں مشغول ہو جائیں، اور اگر کبھی شیطان تجھے ضرور ہی بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔''

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے بھی:

﴿ وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ [النساء: 140]

''اور بلاشبہ اس نے تم پر کتاب میں نازل فرمایا ہے کہ جب تم اللہ کی آیات کو سنو کہ ان کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، بے شک تم بھی اس وقت ان جیسے ہو۔''

اور نبی ﷺ کے فرمان کی وجہ سے بھی:

« من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان »[1]

''تم میں سے جس نے کوئی برائی دیکھی تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدلے، اگر اس کی طاقت نہ رکھ سکے تو اپنی زبان سے، اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھ سکے تو اپنے دل سے، اور یہ انتہائی کمزور ایمان ہے۔''

اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ اس مفہوم میں آیات و احادیث بہت زیادہ ہیں۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [49]

ریا کاری کے ڈر سے وعظ ونصیحت سے رکنا:

سوال کوئی عورت پوچھتی ہے: میں دکھلاوے سے اس قدر ڈرتی اور بچتی ہوں کہ کچھ لوگوں کو نصیحت کرنے اور واضح امور میں انھیں روکنے کی سکت نہیں رکھتی، مثلاً: غیبت اور چغلی وغیرہ۔ اور میں ڈرتی ہوں کہ یہ میری طرف سے دکھلاوا ہو جائے گا اور خدشہ محسوس کرتی ہوں کہ لوگ اسے ریا کاری سمجھیں گے، اس وجہ سے میں انھیں نصیحت نہیں کر سکتی، جیسا کہ میں اپنے دل میں کہتی ہوں کہ وہ تو علم یافتہ لوگ ہیں، انھیں میری نصیحت کی ضرورت نہیں تو آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب یہ شیطانی پروپیگنڈوں میں سے ہے جن کے ذریعے وہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت اور نیکی کے حکم اور برائی سے باز کرنے سے دور کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انھیں وہم دلاتا ہے کہ یہ ریا کاری ہے، اور ڈراتا ہے کہ لوگ اسے ریا کاری سمجھیں گے۔ اے بہن! تیرے لیے مناسب نہیں کہ تُو اس کی طرف متوجہ ہو بلکہ تیرے اوپر یہ فریضہ ہے کہ جب تُو اپنی بہنوں اور بھائیوں میں کسی واجب اور حرام کے ارتکاب کے حوالے سے کوتاہی محسوس کرے تو ان کو نصیحت کرے، مثلاً: غیبت، چغلی اور مردوں سے پردہ نہ کرنا۔ اور ریا کاری سے خطرہ محسوس نہ کر بلکہ اللہ کے لیے خالص ہو جا اور اس کے ساتھ سچی بن اور بھلائی سے خوش ہو جا، اور شیطان کے دھوکوں اور اس کے وسوسوں کو چھوڑ دے۔

جو تیرے دل میں ارادہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور بندوں کے لیے خیر خواہی کا ہے اُسے اللہ جانتا ہے، نیز یہ بھی جانتا ہے کہ ریا کاری شرک ہے جس کو کرنا ناجائز ہے لیکن کسی ایماندار مرد و عورت کے لیے دعوت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالے سے اللہ کے فریضے کو محض ریا کاری کے خوف سے چھوڑنا جائز نہیں۔ تجھ پر اس سے احتیاط بھی ضروری ہے، اور مردوں اور عورتوں کے درمیان فریضے کی پابندی بھی ضروری ہے، اس بارے میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ اللہ نے اپنی پیاری کتاب میں واضح کیا ہے جہاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کہا ہے:

﴿ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ [التوبة: 71]

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم کرے گا، بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

باجماعت نماز کی ادائیگی سے خاوند کی سستی پر بیوی کی نصیحت اور غصے کا اظہار:

سوال جب عورت مسجد میں نماز کی ادائیگی میں سستی کرنے والے خاوند کو نصیحت کرتی ہے اور وہ اس پر غصے کا اظہار کرتا ہے تو کیا وہ اس کے اپنے اوپر بڑے حق کی وجہ سے گناہ گار ہوگی؟

جواب اگر عورت کا خاوند حرام کردہ چیز کا ارتکاب کر لے تو اسے نصیحت کرنے میں اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا، مثلاً: نماز باجماعت ادا کرنے میں سستی کرنا یا شراب پینا یا رات کو (دیر تک) بیدار رہنا۔ بلکہ وہ تو ثواب سے ہمکنار ہوگی لیکن مشروع یہ ہے کہ نصیحت نرمی اور اچھے انداز سے ہونی چاہیے کیونکہ یہ اسے قبول کرنے اور اس سے مستفید ہونے کے زیادہ نزدیک ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

دو رخی پالیسی اختیار کرنے والوں کا حکم:

سوال میں کچھ لوگوں کو دیکھتی ہوں کہ وہ دو طرح کے چہروں سے گفتگو کرتے ہیں، میرے لیے ایک چہرہ اور میرے غیر کے لیے دوسرا چہرہ۔ کیا میں اس سے خاموش رہوں یا انھیں خبردار کروں؟

جواب دو طرح کے چہروں سے گفتگو کرنا ناجائز ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«تجدون شر الناس ذا الوجهين الذي يأتي هؤلاء بوجه وهؤلاء بوجه»❶

''تم لوگوں میں سے بدترین دو چہروں والے کو پاؤ گے جو ان کو ایک چہرے اور ان کو ایک چہرے سے آئے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کی اس کے سامنے تعریف کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ کرے جو کہ کسی دنیوی مقصد کے لیے ہو، پھر اس کی عدم موجودگی میں لوگوں کے سامنے اس کی مذمت اور اسے عیب دار قرار دے۔ اس طرح کا عمل اکثر ایسے شخص کے ساتھ اختیار کرتا ہے جو اس کے مناسب (مفیدِ مطلب) نہیں ہوتا، لہٰذا جو اس قماش کے لوگوں کو جانتا ہو اس پر واجب ہے کہ وہ اسے منع کرے کہ یہ تو خالص منافقوں کے اعمال سے ہے۔ اور لوگ تو بالضرور اس انسان کو اس بری خامی کی وجہ سے پہچان ہی لیں گے تو وہ اس سے ناراض ہوں گے اور اس سے احتیاط برتیں گے، اور اس کے ساتھ رہنے سے دور ہو جائیں گے، لہٰذا اُس کے مقاصد حاصل نہیں ہو پائیں گے۔ اگر اس کو نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تو اس سے اور اس کے کرتوت سے لوگوں کو آگاہ کر دینا واجب ہے اگرچہ اس کی عدم موجودگی میں ہی کیوں نہ کہنا پڑے کیونکہ حدیث میں ہے:

«اذكروا الفاسق بما فيه كي يحذره الناس.»❷

''فاسق کی خامیاں بیان کرو تاکہ لوگ اس سے محتاط ہو جائیں۔''

(سماحۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

والدہ کو نصیحت کرنے کے نتیجے میں اس کی ناراضگی کا سامنا کرنا:

سوال میں سمجھتی ہوں کہ میری والدہ صراطِ مستقیم پر نہیں تو جب کبھی میں اسے نصیحت کرتی ہوں تو وہ غصہ کرتی اور ناراض ہو جاتی ہے اور کئی کئی دن مجھ سے گفتگو تک نہیں کرتی، لہٰذا میں اپنے اوپر اس کی اور اللہ کی ناراضگی کا شکار ہوئے بغیر اور اپنے اوپر اس کی

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [3304] صحيح مسلم، رقم الحديث [2526]

❷ **ضعيف**. ضعيف الجامع، رقم الحديث [104]

بد دعا سے بچتے ہوئے کیسے نصیحت کر سکتی ہوں؟ یا پھر اس کی رضا اور اس کی رضا کے ذریعے اللہ کی خوشنودی پانے کے لیے اس کو نصیحت کرنا چھوڑ دوں؟

جواب تیرا ذمہ ہے کہ تو اپنی والدہ کو بار بار نصیحت کرتی رہ اور اس کے فعل کے گناہ ہونے اور اس کی سزا کو بیان بھی کر، اور اگر کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو اس کے خاوند، باپ یا اس کے ولی کو بھی بتا تا کہ وہ اسے نصیحت کریں۔ اگر اس کا عمل بڑے بڑے گناہوں سے ہے تو اس سے ترکِ تعلق کرنے پر تمھیں کوئی گناہ نہیں، اور نہ اس کی بد دعا کا یا تیرے حوالے سے اپنی نافرمانی یا قطع تعلقی کا الزام عائد کرنے سے تیرا کچھ بگڑے گا۔ تُو نے تو اسے صرف اللہ کے لیے غیرت کھاتے ہوئے اور برائی کے انکار کے لیے ایسا کہا ہے۔ تو اگر وہ عمل چھوٹے گناہوں سے ہے تو پھر قطع تعلقی کا کوئی حق نہیں۔

(سماحۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

عورتوں کی بُری مجالس میں شمولیت

نغموں کے ساتھ دف بجانا:

سوال ان نغموں کا کیا حکم ہے جن میں دف بھی بجائی جائے؟

جواب آج کل جن نغموں کو دینی نغموں کا نام دے دیا گیا ہے وہ اسلام میں کوئی دینی نغمے نہیں، ویسے اسلام میں شعر کا وجود ہے، رسول ﷺ کا فرمان ہے:

《إن من الشعر لحكما》[1] ''یقیناً شعر میں حکمتیں ہوتی ہیں۔''

لیکن ہم اشعار کی صورت میں گانے گاتے ہیں اور انھیں گانوں کا نام دے دیتے ہیں تو یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہمارے سلف صالحین میں غیر معروف ہے، خصوصاً جب ان کے ساتھ دف جیسے موسیقی کے آلات کا استعمال ہوتا ہے۔

الغرض دینی گانوں اور نغموں کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ ایسے اشعار ضرور ہیں جو اپنے مفہوم میں بڑے پرلطف ہوتے ہیں، جنھیں انفرادی صورت میں یا شادی بیاہ کے اجتماعات

---

[1] المستدرك [710/3]

میں پڑھنا جائز ہے، جیسے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ وہ انصار کے کسی بیاہ سے آئیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

«هل غنيتم لهم؟ فإن الأنصار يحبون الغناء»[1]

''کیا تم نے ان کے لیے کچھ گایا تھا؟ یقیناً انصار تو گانے کو بہت پسند کرتے ہیں۔''

انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کیا گائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو:

أتيناكم أتيناكم فحيونا نحييكم
ولالو الحبة السوداء لم تسمن عذاريكم

''ہم تمھارے پاس آئے ہیں، ہم تمھارے پاس آئے ہیں، ہم تمھیں سلام کرتے ہیں تم ہمیں سلام کرو، اور اگر کلونجی نہ ہوتی تو تمھاری کنواریاں موٹی نہ ہوتیں۔''

یہ شعر تو ہے لیکن کوئی دینی شعر نہیں بلکہ یہ تو جائز گفتگو کے ساتھ دل بہلانے والا شعر ہے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

والدین کا نقاب سے منع کرنا:

سوال میں اپنے والدین کا کیا کروں کہ وہ دونوں ہی مجھے نقاب سے منع کرتے ہیں؟

جواب تُو کچھ بھی نہ کر، تُو صبر کر حتی کہ تُو اس سے شادی کر لے جو تیرے لیے نقاب کی پابندی کو ممکن بنا دے، لیکن اگر تُو سمجھتی ہے کہ نقاب ضروری ہے تو خالق کی نافرمانی مخلوق کی فرمانبرداری میں جائز نہیں یہ جانتے ہوئے کہ نقاب بہترین عمل ہے۔ یہی اکثر علمائے کرام کا موقف ہے اور میرے نزدیک بھی یہی راجح ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

شادی کی تقریبات اور عید میلاد کی ایسی محفلوں میں شرکت کا حکم جن میں خوش الحان گانے والیاں ہوں:

سوال عورت کا شادی کی تقریبات اور عید میلاد کی محفلوں میں جانے کا کیا حکم ہے؟

[1] صحیح ابن حبان [185/13]

حالانکہ وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، جیسا کہ مذکورہ اجتماعات میں ایسی گانے والیاں ہوتی ہیں جو گا گا کر لوگوں کو جگاتی ہیں۔ کیا کسی عورت کا اس میں دلہن یا دلہن کے گھر والوں کی عزت افزائی کے لیے، نہ کہ گانے والی کو سننے کے لیے، حاضر ہونا حرام ہے؟

جواب اگر شادی کی تقریبات منکرات، مثلاً: مرد و زن کے اختلاط اور فحش و عریاں گانوں سے پاک ہوں یا جب عورت وہاں جائے تو منکرات کو ختم کر سکے تو خوشی کی محفل میں شریک ہونا اس کے لیے جائز ہے بلکہ اگر وہاں منکرات کی گرم بازاری ہو اور وہ ان کو ختم کرنے کی طاقت رکھتی ہو تو وہاں جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان تقریبات میں ایسی برائیاں ہوں کہ جن کے انکار کی وہ طاقت نہ رکھتی ہو تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے عام ہونے کی وجہ سے وہاں جانا اس کے لیے حرام ٹھہرتا ہے:

﴿ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ﴾ [الأنعام: 70]

''اور ان لوگوں کو چھوڑ دے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور دل لگی بنا لیا اور انھیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا، اور اس کے ساتھ نصیحت کر کہ کہیں کوئی جان اس کے بدلے ہلاکت میں (نہ) ڈال دی جائے جو اس نے کمایا، اس کے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہو اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔''

اور اللہ عزوجل کے فرمان کی وجہ سے:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [لقمان: 6]

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا ہے تاکہ جانے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اسے مذاق بنائے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

گانے بجانے اور آلاتِ لھو و لعب کی مذمت میں آنے والی احادیث بہت زیادہ

ہیں۔ رہا محفلِ میلاد میں جانا تو کسی مسلمان مرد اور عورت کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بدعت ہے۔ ہاں، مگر یہ کہ اس میں جانے کا مقصد اس کے انکار اور اس سلسلے میں اللہ کے حکم کی وضاحت کرنا ہو۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

رواجی غیر شرعی مصافحے کے انکار پر ملامت:

سوال ہم ایک ایسی بستی میں ہیں جن میں برے قسم کے رواج ہیں، مثلاً جب کسی کے گھر کوئی مہمان آتا ہے تو تمام مرد اور عورتیں اس سے ہاتھ ملاتے ہیں، اور جب میں اس سے پیچھے ہٹتی ہوں تو وہ میرے بارے میں کہتے ہیں کہ میں تنہائی پسند ہوں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی فرمانبرداری کرے اس کے حکم کو مان کر اور اس کی نہی سے دور رہ کر۔ اسے اختیار کرنے والا علیحدہ رہنے والا نہیں بلکہ علیحدہ رہنے والا تو وہ ہے جو اللہ کے احکام کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ رواج جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے یہ ایک برا رواج ہے۔ عورت کا غیر محرم مرد سے مصافحہ کرنا، چاہے براہِ راست ہتھیلی ہتھیلی سے ملائی جائے یا کوئی کپڑا وغیرہ (حائل) رکھ کر، حرام ہے کیونکہ اس میں لمس (ہاتھ کا چھونا) فتنے کی طرف لے جاتا ہے، اور اس پر وعید کے حوالے سے احادیث موجود ہیں اگرچہ وہ اتنی مضبوط نہیں لیکن مفہوم ان کی تائید کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

میں سوال پوچھنے والی کو کہتا ہوں کہ وہ اپنے گھر والوں کی مذمت کی وجہ سے مائل نہ ہو جائے بلکہ اس کا فریضہ ہے کہ وہ انھیں نصیحت کرے کہ وہ اس برے رواج سے باز آجائیں، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے مطابق اعمال کریں۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ماہواری کے آخری حصے میں خاوند کا بیوی سے مجامعت کا مطالبہ:

سوال اگر خاوند اپنی بیوی سے ماہواری کے اخر میں (جماع کرنے کا) مطالبہ کرے تو کیا وہ اس پر موافقت کر سکتی ہے؟

جواب سوال تو یہ بتاتا ہے کہ یہ عورت جانتی ہے کہ جب عورت ماہواری کے ایام سے گزر رہی ہوتو خاوند کے لیے اس سے جماع کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے معلوم ہے:

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾

[البقرۃ: 222]

''اور تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے: وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے، بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔''

علمائے کرام کا اجماع ہے کہ حالتِ حیض میں خاوند کا اپنی بیوی سے مجامعت کرنا حرام ہے، اور بیوی پر خاوند کو اس سے منع کرنا ضروری ہے اور وہ اس کے پکارنے کے باوجود اس کی موافقت نہ کرے بلکہ مخالفت کرے کیونکہ یہ حرام ہے، اور خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں۔ ہاں، جب عورت کو کوئی عذر (حیض) لاحق ہوتو بغیر جماع کے عورت سے لطف اندوز ہونے میں کوئی حرج نہیں، جیسے کہ وہ شرمگاہ کے باہر باہر فائدہ حاصل کر سکتا ہے لیکن اگر انزال ہو جائے تو غسل ضروری ہوگا اور اگر انزال نہیں ہوا تو غسل بھی واجب نہیں ہوگا۔

اور اگر عورت کے بغیر صرف مرد کو انزال ہو تو صرف مرد پر غسل واجب ہوگا اور اگر صرف عورت کو انزال ہوتا ہے مرد کے بغیر تو صرف عورت پر ہی غسل واجب ہوگا، اور اگر دونوں کو انزال ہوتا ہے تو دونوں پر غسل واجب ہوگا کیونکہ غسل انزال سے واجب ہو جاتا ہے انزال چاہے کسی بھی وجہ سے ہو، یا پھر جماع کرنے سے، یعنی شرمگاہ کو شرمگاہ میں داخل کرنے سے اگرچہ اس حالت میں انزال نہ بھی ہو۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

دیور کے ساتھ پردے کی حالت میں ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھنا:

سوال میری ساس مجھ سے مطالبہ کرتی ہے کہ میں اس کے بیٹے (شوہر کے بھائی، یعنی دیور) کے ساتھ چادر اور پردہ وغیرہ کر کے ٹیلی ویژن کے سامنے اور چائے پیتے وقت بھی بیٹھوں تو میں اس سے کنارہ کشی کرتی ہوں اور وہ مجھے تنقید کا نشانہ بناتے ہیں تو کیا میں حق پر ہوں یا نہیں؟

جواب اس حالت میں ان کے ساتھ نہ بیٹھنا تیرا حق بنتا ہے کیونکہ اس میں فتنے کے اسباب ہیں تو تیرے خاوند کا بھائی، جو ابھی کنوارہ ہے، اجنبی معتبر ہوگا تو اس کا تیری آواز کو سننا اور اسے تیری شخصیت کو دیکھنا فتنے کے اسباب سے سمجھا جائے گا اور ایسے ہی تیرا بھی اس کی طرف دیکھنا۔ (فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

عورت کا عورت کے لیے ستر:

سوال مسلمان عورت کا مسلمان عورت کے سامنے ستر کا کیا حکم ہے؟

جواب مسلمان عورت کا ستر ناف سے گھٹنے کے درمیان ہے۔ معلوم رہے کہ اس مسئلے میں دوسرے اقوال بھی ہیں، اور حجاب کی شرط سے مسلمان عورت کا دوسری مسلمان عورت کے سامنے دودھ پلانا درست ہے۔ (فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

عورت کا گیند اور میچ کھیلنا:

سوال کیا عورتوں کے لیے گیند سے کھیلنا اور میچ کھیلنا جائز ہے؟

جواب جس انداز کو اب مرد استعمال میں لاتے ہیں اس میں ان کے لیے گیند سے کھیلنا مناسب نہیں، یہ اس وقت ہے جب کوئی مرد اُن کے پاس نہ ہو، اور کوئی ان پر جھانک نہ رہا ہو اور کوئی ان کی طرف کان نہ لگائے ہوئے ہو، لیکن اگر ان کے پاس کوئی مرد حاضر ہو تو یہ یقینی طور پر حرام ہے اور اس سے انھیں منع کرنا ضروری ہے۔

(سماحۃ الشیخ محمد بن آل ابراہیم آل الشیخ)

پردے کے اندر زیب و زینت کا اختیار:

سوال کیا مکمل چادر کے نیچے چھپنے کے بعد عورت کے لیے مکمل زیب و زینت اختیار کرنا درست ہے، مثلاً: اس کے نیچے سرمہ، مہندی اور زیور ہو جو کہ تمام چھپا ہوا ہو؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ وہ تو خاوند کے لیے اور عورتوں کے لیے زینت اختیار کیے ہوئی ہے نہ کہ اجنبی مردوں کے لیے، جب تک اس سے کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی تو کوئی حرج نہیں، البتہ اگر چادر خود ذاتی طور پر چمکدار اور نظر کو متوجہ کرنے والی ہونے کی وجہ سے خوبصورت ہو تو یہ حرام ہے۔ (فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

غیر مسلم عورت سے پردہ

غیر مسلم عورت کے سامنے اپنے بال کھولنے کا حکم:

سوال کیا مسلمان عورت غیر مسلمہ کے سامنے اپنے بال ننگے کر سکتی ہے؟ خاص طور پر جب وہ اس مسلمان عورت کی صفت اپنے غیر مسلم قریبی مردوں کے سامنے بیان کرتی ہو۔

جواب یہ حکم اللہ کے فرمان کی تفسیر میں علماء کے اختلاف پر مبنی ہے:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ﴾ [النور: 31]

''اور مومن عورتوں سے کہہ دے: اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے، اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے یا اپنے باپوں یا اپنے خاوندوں کے باپوں،

یا اپنے بیٹوں یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی عورتوں (کے لیے۔)''

اس میں ﴿نِسَآئِهِنَّ﴾ کی ضمیر میں علماء نے اختلاف کیا ہے، کچھ کہتے ہیں کہ جنس مراد ہے، یعنی مکمل طور پر عورتوں کی جنس اور کچھ کہتے ہیں کہ ضمیر سے مراد وصف ہے، یعنی جو صرف ایماندار عورتیں ہیں، لہٰذا پہلے قول کے مطابق عورت کا غیر مسلم خاتون کے سامنے اپنے بال اور چہرہ ننگا کرنا جائز ہے اور دوسرے قول کے مطابق ناجائز ہے۔ ہم پہلی رائے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور یہی زیادہ قریب ہے کیونکہ عورت کا عورت کے ساتھ ہونے میں کوئی فرق نہیں، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ یہ اس وقت ہے جب وہاں کوئی فتنہ نہ ہو لیکن اگر فتنے کا خدشہ ہو، مثلاً: وہ اپنے قریبی مردوں کو بیان کر سکتی ہو تو اس وقت فتنے سے بچنا ضروری ہوگا، لہٰذا عورت اپنے بدن کا کوئی حصہ ننگا نہ کرے، مثلاً: ٹانگیں یا بال کسی بھی عورت کے سامنے، چاہے وہ مسلمہ ہو یا غیر مسلمہ۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

والدہ کا اپنے بچوں کے سامنے تنگ لباس کا استعمال:

سوال میرے پاس چار بچے ہیں اور میں ان کے سامنے تنگ لباس پہنتی ہوں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے لیے اپنے بچوں اور محرم رشتہ داروں کے سامنے تنگ کپڑے پہننا ناجائز ہے، لہٰذا وہ ان کے پاس صرف اسی قدر کھولے جس قدر کھولنے کی عادت رائج ہو اور جس میں کوئی فتنہ نہ ہو بلکہ تنگ اور چھوٹا لباس صرف اپنے خاوند کے سامنے ہی پہن سکتی ہے۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

اسقاطِ حمل کا حکم

ڈاکٹروں کے مشورے سے حمل کو گرانا:

سوال ایک حاملہ خاتون کو ڈاکٹروں نے اسقاطِ حمل کا مشورہ دیا ہے کیونکہ وہ بدصورت اور بے شکل پیدا ہوگا تو کیا وہ ان کی رائے قبول کر لے؟

جواب اگر اس بچے میں روح بھر دی گئی ہے تو کسی صورت میں بھی اسے گرانا جائز نہیں حتی کہ اگر ماں کی موت اور حمل کے مریض پیدا ہونے کا خطرہ ہو کیونکہ یہ ایک محترم جان ہے، لہٰذا بچہ جب چار مہینے کا ہوتا ہے اس میں روح پھونک دی جاتی ہے، اس کا رزق، موت، اس کا عمل، بد بخت ہونا یا نیک بخت ہونا لکھ دیا جاتا ہے۔ اور اگر یہ (مذکورہ مشورہ) روح پھونکے جانے سے پہلے ہو اور ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق وہ ایسا معلوم اور ظاہر معاملہ ہو تو اسے گرانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ ایسی حد تک نہیں پہنچا جس میں وہ جاندار کہلا سکے تو جب یقین ہو جائے کہ یہ بچہ ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق مسخ شدہ اور خراب شکل وصورت پر پیدا ہوگا اور اپنے آپ پر اور گھر والوں پر بوجھ ہوگا تو اس کو ختم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اسقاطِ حمل کی تدابیر اختیار کرنے کا حکم:

سوال اسقاطِ حمل کی تدابیر اختیار کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب حمل گرانے والی چیز کے استعمال کی دو صورتیں ہیں:

1. پہلی صورت کہ اسے گرانے کا مقصد اسے ضائع کرنا ہو تو یہ اگر روح پھونکے جانے کے بعد ہے تو بلاشبہ حرام ہے کیونکہ یہ ناحق ایسی محترم جان کو قتل کرنا ہے جسے اللہ نے حرام کیا ہے، اور ایسی نفس محرمہ کو قتل کرنا کتاب و سنت اور مسلمان کے اجماع کی وجہ سے حرام ہے۔

اور اگر روح پھونکے جانے سے پہلے ہو تو اس کے جائز ہونے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، کچھ نے جائز قرار دیا ہے اور کچھ نے ناجائز، اور کچھ نے کہا ہے کہ لوتھڑا ہونے تک جائز ہے، یعنی اس پر چالیس دن بیت جائیں، اور بعض نے خلقتِ انسانی ظاہر ہونے سے قبل تک جائز کہا ہے۔ زیادہ احتیاط والا پہلو یہی ہے کہ اسے کسی ضرورت کے بغیر گرانا جائز نہیں، مثلاً: والدہ بیمار ہو اور حمل کو برداشت نہ کرسکتی ہو تو تب اس شرط سے گرانا جائز ہوگا کہ اگر اس پر انسانی خلقت ظاہر ہونے کا وقت نہ آیا ہو، اگر اس کیفیت کو

پہنچ جائے تو ناجائز ہوگا۔

(2) دوسری صورت کہ اسے گرانے سے ضائع کرنا مقصود نہ ہو بلکہ مدتِ حمل پوری ہونے اور ولادت کے قریب ہونے کے وقت اس کے اسقاط و اخراج کی ایک کوشش ہو تو یہ اس شرط سے جائز ہوگا کہ والدہ اور بچے کو کوئی نقصان نہ ہو اور نہ ہی معاملہ آپریشن کا محتاج ہو، اگر آپریشن کی ضرورت پڑتی ہے تو اس کی چار حالتیں ہے:

پہلی حالت: والدہ اور بچہ زندہ ہو تو بلا ضرورت آپریشن ناجائز ہوگا، مثلاً: اس کی ولادت مشکل ہو جس کی بنا پر آپریشن کی نوبت پیش آئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم بندے کے پاس امانت ہے، اس میں کوئی ایسا تصرف جائز نہیں جس سے جان کو خطرہ ہو مگر کسی بڑی مصلحت کے باعث، اور اس لیے بھی کہ بسا اوقات انسان گمان کرتا ہے کہ آپریشن میں نقصان نہیں ہے جبکہ نقصان ہو جاتا ہے۔

دوسری حالت: ماں اور حمل مردہ ہوں تو اسے نکالنے کا فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اخراج کے لیے آپریشن کرنا جائز نہیں ہے۔

تیسری حالت: والدہ زندہ اور حمل مردہ ہو تو اس کے اخراج کے لیے آپریشن جائز ہوگا مگر یہ کہ والدہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، کیونکہ ظاہر یہی ہے، ویسے اللہ بہتر جانتا ہے کہ جب حمل مردہ ہو جائے گا تو بغیر آپریشن کے اسے نکالا نہیں جا سکتا، اور اس کے رہنے سے آئندہ حمل بھی نہیں ہوگا اور گراں بھی بن جائے گا، اور ایسا بھی ممکن ہے کہ اگر وہ سابقہ خاوند سے عدت گزار رہی ہو تو وہ بیوہ ہی رہے گی یعنی شادی نہ کر سکے گی۔

چوتھی حالت: ماں مردہ اور حمل زندہ ہو تو اگر اس کی زندگی کی امید نہ ہو تو آپریشن کا استعمال ناجائز ہوگا، اور اگر اس کی زندگی کی امید ہو اور اس کا کچھ حصہ بھی نکل آیا ہے تو والدہ کے پیٹ کو پھاڑ کر باقی کو بھی نکالا جائے گا، اور اگر اس سے کچھ بھی نہیں نکلا تو ہمارے اصحاب (حنابلہ) کہتے ہیں کہ حمل نکالنے کے لیے والدہ کے پیٹ کو پھاڑا نہیں جائے گا کیونکہ یہ مثلہ ہے لیکن درست بات یہ ہے کہ اگر پھاڑنے کے بغیر اسے نکالا نہ جا سکتا ہو تو والدہ کو پیٹ کو پھاڑا جائے گا اور یہی ہبیرہ کا قول ہے

جو اس نے ''انصار'' نامی کتاب میں کہا ہے اور یہ زیادہ بہتر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ خصوصاً ہمارے اس دور میں آپریشن کا استعمال مثلہ نہیں ہوگا کیونکہ پیٹ کو پھاڑنے کے بعد اسے سلائی کیا جاتا ہے، اور اس لیے بھی کہ زندہ کا احترام مردہ کے احترام سے بڑا ہے، اور اس لیے کہ معصوم (بچے) کو بربادی سے بچانا ضروری ہے اور حمل ایک معصوم انسان ہی ہوتا ہے، لہٰذا اُسے بچانا ضروری ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ: گزشتہ ان تمام صورتوں میں جن میں حمل کو گرانا جائز ہے ان میں اس کی اجازت بھی ہونا ضروری ہے جس کا وہ حمل ہوتا ہے، یعنی خاوند۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ماں کی غلطی کی وجہ سے بچے کی موت

غلطی سے ماں کے ہاتھوں بچی کی موت کا کفارہ:

سوال کوئی عورت غلطی اور جہالت کی وجہ سے اپنی چھوٹی بچی کی وفات کا ذریعہ بن جائے تو کیا اس پر کفارہ ہوگا؟

جواب اس عورت نے جس نے اپنی چھوٹی بچی کو بیرل (ڈرم) پر رکھ دیا تو کوئی شبہ نہیں کہ اس نے غلطی ہی کی ہے اور یہ ایک غلط اور ناروا تصرف ہے جو اس سے سرزد ہوا کیونکہ اس طرح کی بچی کو بیرل پر لٹانا ممکن نہیں۔ ہاں، اگر کوئی آدمی موجود ہو جو اسے روکے رکھے، اس لیے کہ عام طور پر اس جیسی بچی کھیلتی ہے، ہاتھ پاؤں الٹ پلٹ کرتی ہے اور بیرل سے اس کا گرنا بہت ممکن اور قرینِ قیاس ہے، لہٰذا اُس عورت پر اپنی کارستانی پر توبہ کرنا اور کفارہ ادا کرنا جو غلام آزاد کرنے کی صورت میں ہوگا، واجب ہے۔ اور اگر وہ نہیں پاتی تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو پھر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کے کفارے میں فرمایا ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ﴾ [النساء: 92]

''اور کسی مومن کا کبھی یہ کام نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے، اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو ایک مومن گردن آزاد کرنا اور دیت دینا ہے جو اس کے گھر والوں کے حوالے کی گئی ہو مگر یہ کہ وہ صدقہ (کرتے ہوئے معاف) کر دیں۔ پھر اگر وہ اس قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہے اور وہ مومن ہو تو ایک مومن گردن آزاد کرنا ہے، اور اگر اس قوم میں سے ہو کہ تمھارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی عہد و پیان ہو تو اس کے گھر والوں کے حوالے کی گئی دیت ادا کرنا اور ایک مومن گردن آزاد کرنا ہے، پھر جو نہ پائے تو پے در پے دو ماہ کے روزے رکھنا ہے۔''

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اکثر بازاروں میں جانا

خاوند کی اجازت کے بغیر عورت کے بازار جانے کا حکم:

سوال عورت کا اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر بازار جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب جب عورت اپنے خاوند کے گھر سے نکلنا چاہتی ہے تو اسے وہ وجہ بتائے جس کے لیے وہ وہاں جانا چاہتی ہے اور وہ اسے جانے کی اجازت بھی دے جس میں اس پر کسی قسم کا بگاڑ و فساد مرتب نہ ہوتا ہو کیونکہ وہ اپنی بیوی کی مصلحتوں کو زیادہ جانتا ہے، اللہ تعالیٰ کے عمومی فرمان کی وجہ سے:

﴿ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ [البقرة: 228]

'' اور ان کے خاوند اس مدت میں انھیں واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں اگر

وہ (معاملہ) درست کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے جیسے ان کے اوپر حق ہے، اور مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ [النساء: 34]

''مرد عورتوں پر نگران ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی۔'' (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورتوں کی اکثریت جہنمی کیوں ہے؟

زیادہ عورتیں جہنمی کیوں ہیں؟

سوال کیا یہ درست ہے کہ زیادہ تر عورتیں جہنمی ہیں اور کس لیے؟

جواب یہ درست ہے، نبی ﷺ نے ان کے متعلق ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((یا معشر النساء! تصدقن فإنکن أکثر أھل النار))

''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، یقیناً تم زیادہ تر جہنمی ہو۔''

تو نبی ﷺ پر کسی پوچھنے والے نے یہی اعتراض کیا تھا جو مذکورہ سائل نے کیا ہے، جب عورتوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لأنکن تکثرن اللعن، وتکفرن العشیر))[1]

''اس لیے کہ تم پھٹکاریں زیادہ کرتی ہو، اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔''

تو نبی ﷺ نے ان کے آگ میں زیادہ ہونے کے اسباب کو بیان کیا کہ اس لیے کہ وہ پھٹکار زیادہ کرتی ہیں اور گالی گلوچ بھی اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہیں، اس وجہ سے وہ بکثرت جہنم میں داخل ہوں گی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1393]

علم اور تعلیم

اندھے آدمی کا لڑکیوں کو پڑھانا:

سوال کیا اندھے آدمی کا لڑکیوں کو پڑھانا جائز ہے یا ناجائز؟ اور کیا ناجائز کہنے والے کا اس حدیث «أفعمياوان أنتما»[1] (کیا تم دونوں اندھی ہو؟) سے دلیل لینا صحیح ہے؟ مجھے فتویٰ دو، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب زیادہ بہتر اور احتیاط والی بات یہی ہے کہ عورتوں کی تدریس کا فریضہ عورتیں ہی انجام دیں کیونکہ یہ فتنے سے زیادہ دور ہے، اور ضرورت کے وقت اندھے آدمی کا انھیں پڑھانا بھی جائز ہے یا بینا آدمی پسِ پردہ یا بند پردہ وسکرین کے ذریعے تعلیم دے۔ اور یہ حدیث «أفعمياوان أنتما» (کیا تم دونوں اندھی ہو) تو یہ مردوں کے عورتوں کو مکمل حفاظت کے ہوتے ہوئے پڑھانے کے ناجائز ہونے پر راہنمائی نہیں کرتی، اس لیے کہ یہ عورت کے اندھے آدمی کو دیکھنے سے متعلق آتی ہے، علاوہ ازیں اس حدیث پر سنداً و متناً اہلِ علم نے کلام کیا ہے، اس کے لیے ''نیل الاوطار'' اور دیگر حدیث کی شروحات کا مراجعہ کیا جائے۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

لڑکیوں کا معلّمہ کے احترام میں کھڑے ہونے کا حکم:

سوال طالبات کا استانی کے لیے احتراماً کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

جواب یقیناً لڑکیوں کا استانی اور لڑکوں کا استاد کے لیے کھڑا ہونا غیر مناسب امر ہے اور کم از کم بھی اس کی سخت ناپسندیدگی پائی جاتی ہے، اس لیے کہ انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«لم يكن أحد أحب إليهم -يعني الصحابة رضي الله عنهم- من رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولم يكونوا يقومون له إذا دخل عليهم لما يعلمون من كراهيته لذلك»[2]

''کوئی بھی ان (یعنی صحابہ کرام) کی طرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ

---

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [4112]

[2] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [2754]

محبوب نہیں تھا اور وہ آپ ﷺ کے ان کے پاس جانے سے کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اسے برا سمجھتے ہیں۔"

اور نبی ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے:

« من أحب أن يتمثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار »[1]

"جو اپنے لیے مردوں کے کھڑا ہونے کو پسند کرتا ہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم سے بنا لے۔"

اور اس معاملے میں عورتوں کا حکم بھی مردوں کے حکم جیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا و خوشنودی کی توفیق دے اور ہمیں اپنی ناراضگیوں اور نافرمانیوں سے بچالے، اور تمام کو مفید علم اور اس کے مطابق عمل عطا کرے۔ إنه جواد كريم

(سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

مطلوبہ واجبات میں سستی کرنے پر لڑکیوں کو مارنے کا حکم:

سوال تعلیم اور مطلوبہ واجبات کی ادائیگی پر ابھارنے اور ان میں کسی طرح کی سستی نہ کرنے کی عادت ڈالنے کی غرض سے طالبات کو مارنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں، لہٰذا استاد، استانی اور باپ ان تمام کا ذمہ ہے کہ وہ بچوں پر توجہ کریں اور جو بھی تادیب کا مستحق ہو اس کی تادیب کریں اگر وہ واجب کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تاکہ وہ عمدہ اخلاق کا عادی ہو جائے اور وہ نیک عمل پر مضبوط ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« مروا أولادكم بالصلاة لسبع، واضربوهم لعشر، وفرقوا بينهم في المضاجع »[2]

"اپنے بچوں کو ساتویں سال میں نماز کا حکم دو، اور اس پر انھیں دس سال میں مارو پیٹو اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔"

اور مذکر اور مونث اولاد جب دس سال کو پہنچ جائیں اور نماز میں کوتاہی کریں تو انھیں مارا جائے اور انھیں ادب سکھایا جائے تاکہ وہ نماز کی پابندی کریں۔ اسی طرح تعلیم

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [5229]

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [495]

اور دیگر گھریلو فرائض میں بھی ایسا ہی ہوگا، نیز گھر کے کاموں وغیرہ میں اور مذکروں اور مؤنثوں کے اولیاء کا فریضہ ہے کہ وہ ان کو ادب سکھانے اور انھیں مہذب بنانے کا اہتمام کریں، لیکن پٹائی ہلکی ہونی چاہیے جس میں کوئی نقصان نہ ہو بلکہ صرف مقصد حاصل ہو جائے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

عورت کا مسجد میں منعقدہ علمی مجالس میں جانا:

سوال کیا مسلمان عورت مساجد میں فقہی دروس اور علم کی مجالس میں حاضر ہو سکتی ہے؟

جواب ہاں، عورت کے لیے علم کی مجالس میں جانا جائز ہے، چاہے وہ فقہی احکام کی مجلس ہو یا اس فقہ کی جو عقیدے اور توحید سے ملی ہوئی ہو بشرطیکہ عورت معطر اور زینت کو ظاہر کرنے والی نہ ہو، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مردوں کے میل جول سے دور ہو، اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

«خير صفوف النساء آخرها و شرها أولها»[1]

''عورتوں کی صفوں میں سے آخری بہتر اور پہلی بری ہے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ آخری کی نسبت پہلی مردوں کے زیادہ قریب ہوتی ہے، لہٰذا اس کی آخری پہلی سے زیادہ بہتر ہوگی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا اپنے بڑے بھائی کے دوست کے ساتھ علمی مجالس میں جانا:

سوال دین داری کو اختیار کرنے کے آغاز میں ایک بہن علم کی مجلسوں میں حاضر ہوتی ہے لیکن اس کا بھائی ان جگہوں میں نہیں جاتا تو وہ بھائی کے دوست کے ساتھ، جو پابندِ شریعت ہے، جا سکتی ہے؟ کیا اس کے لیے یہ جائز ہے؟ اس بات کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے کہ وہ اپنے بھائی کے دوست سے پانچ سال بڑی ہے۔

جواب یہ ناجائز کاموں میں سے ہے اور یہ کسی صورت میں جائز نہیں۔ عنقریب فتنے کی طرف یقینی طور پر پہنچا دینے والا ہے اگرچہ عمر کا کتنا فرق ہو۔ میں اس بہن کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر اپنی نوکری میں برکت اور ملازمت برقرار رکھنا چاہتی ہے تو فوراً اس

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [440]

معاملے سے باز آ جائے اور مسجدوں میں جانے کے لیے سفر نہ ہونے کی وجہ سے کسی ساتھی وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں حتی کہ اگر کسی ساتھ کی ضرورت ہو بھی تو محرم رشتہ دار کا ہونا ضروری ہے تو اس کا ذمہ ہے کہ یا تو وہ اکیلی جائے اور شرطوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یا پھر بہنوں کی مجلسوں میں ہی حاضر ہو۔لیکن اگر وہ اپنے بھائی کے دوست سے جانا چاہتی ہے تو یہ فتنے کی طرف پہنچا دے گا، الا یہ کہ اللہ اس کو بچانا چاہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

عورت کے لیے حصولِ علم اور گھریلو کام کاج میں سے کیا افضل ہے؟

سوال مسلمان عورت کا اپنے گھر اور خاوند کی خدمت کرنا بہتر ہے یا گھر کے کاموں کے لیے کسی نوکرانی کا اہتمام کرنا اور طلبِ علم کے لیے فارغ ہونا بہتر ہے؟ ہمیں فائدہ پہنچاؤ، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جواب ہاں، ایک مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ جس قدر طاقت رکھ سکے ویسے ہی دین میں سمجھ حاصل کرے لیکن اپنے خاوند کی خدمت، اس کی فرمانبرداری اور اپنی اولاد کی تربیت بہت بڑا فریضہ ہے، لہٰذا تعلیم کے لیے روزانہ نشست کے لیے اگرچہ وہ تھوڑی ہی ہو، خود کو فارغ کرے یا ہر روز پڑھائی کے لیے کچھ وقت خاص کرے اور بقیہ وقت روز مرہ کاموں کے لیے استعمال کرے، لہٰذا اُسے دین میں تفقہ حاصل کرنے کو بھی نہیں چھوڑنا چاہیے اور نہ ہی اپنے اعمال اور بچوں کو چھوڑنا چاہیے کہ وہ انھیں نوکرانی کے سپرد کردے۔

اس معاملے میں اعتدال ہونا چاہیے، تفقہ حاصل کرنے کے لیے بھی کچھ وقت ہونا چاہیے اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو، اور ضرورت کے مطابق کچھ وقت گھریلو کاموں کے لیے بھی ہونا چاہیے۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

طالبات کا اپنی استانیوں سے استہزا کے ذریعے دل لگی کرنا:

سوال کچھ طالبات اپنی استانیوں کو مذاق کرتی ہیں، برے اور مزاحیہ القاب سے پکارتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہمارا مقصود ان کو عیب لگانا نہیں، یہ تو صرف مزاح (دل بستگی)

ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ایک مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ ان تمام چیزوں سے اپنی زبان کو بچائے رکھے جو مسلمانوں کو تکلیف دیں اور ان کے مرتبے کو کم کریں۔ حدیث میں ہے:

« لا تؤذوا المسلمين، ولا تتبعوا عوراتهم »[1]

''مسلمانوں کو تکلیف نہ دو، اور ان کے عیبوں کے پیچھے نہ پڑو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾ [الهمزة: 1]

''بڑی ہلاکت ہے ہر بہت طعنہ دینے والے، بہت عیب لگانے والے کے لیے۔''

اور فرمایا:

﴿هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ﴾ [القلم: 11]

''جو بہت طعنہ دینے والا، چغلی میں بہت دوڑ دھوپ کرنے والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ [الحجرات: 11]

''اور نہ ایک دوسرے کو بُرے ناموں کے ساتھ پکارو۔''

لہٰذا مسلمان کی بے عزتی کرنا اور اسے تکلیف دینا حرام ہے۔

(فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

طالبہ کے سالانہ امتحان میں معلمات کی حق تلفی کرنے کا حکم:

سوال کچھ استانیاں طالبہ کی سالانہ کارگزاریوں کے نمبروں میں کمی کرتی ہیں اور اپنی رغبت وخواہش کے مطابق نمبر دیتی ہیں۔ اس معاملے میں شریعت کی رائے کیا ہے؟

جواب معلم پر طالبِ علم کے ساتھ ظلم کرنا اور مناسب و مستحق ڈویژن اور نمبروں سے اس کی حق تلفی کرنا اور غیر مستحق طالب علم کو اپنی ذاتی مصلحتوں کی بنا پر بڑھا کر نمبر دینا حرام ہے۔ عدل، برابری اور ہر حق والے کو اس کا حق دینا اس کا فریضہ ہے۔

(فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

---

[1] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [2032]

دورانِ امتحان کسی کو بتانا یا نقل کروانا:

سوال میں دورانِ امتحان امتحان گاہ میں اپنی سہیلی کو، جب وہ مجھ سے جواب لکھانے کی التجا کرتی ہے، کسی بھی ممکن وسیلے اور ذریعے سے جواب نقل کرا دیتی ہوں۔ اس میں شریعت کی کیا رائے ہے؟

جواب امتحان میں دھوکہ جائز نہیں اور نہ اس میں کسی چیز پر دھوکہ کرنے والی کی مدد کرنا ہی جائز ہے، چاہے وہ پوشیدہ کلام سے ہو یا ساتھ والے کو پورا جواب یا جواب کا کچھ حصہ جوابی کاپی سے نقل کرانے سے ہو یا اس کے علاوہ دیگر حیلوں کے ذریعے کیونکہ اس میں معاشرے کا نقصان ہے اس اعتبار سے کہ یہ دھوکہ دینے والا ایسی ڈگری لے لے گا جس کا وہ مستحق نہیں ہے، اور ایسے عہدے پر فائز ہوگا جس کا وہ اہل نہیں ہے، بلاشبہ یہ نقصان اور دھوکہ ہے۔ (فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

امتحان سے باجماعت نماز کا رہنا:

سوال اگر سارے یا نصف امتحان کا وقت باجماعت نماز کے مقابلے میں آجائے تو کیا واجب ہے؟

جواب یہ جس نے اس سکول میں داخلہ لیا جس کے تمام نظام اور طریقے شریعت کے حکم کے موافق نہیں تو بدیہی بات ہے کہ انجام بھی شریعت کے مخالف ہوگا۔

تو جو شریعت کا التزام چاہتا ہے وہ ایسی تعلیم اور نظام کے پیچھے نہ پڑے جو شریعت کے مخالف ہو۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہ سوال پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لیے کہ ان سالوں کو وہ ضائع نہیں کر سکتا جنھیں اس نے تحصیلِ علم کے لیے وقف کر دیا ہے، لہٰذا علم کی تلاش صحیح علمی نظام کی موافقت میں شروع کرنا آدمی کا فریضہ ہے، اس لیے کہ جس کی بنیاد درست ہوگی وہ درست ہوگا، اور جس کی بنیاد برائی پر ہوگی وہ برا ہوگا۔

(علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

انگریزی زبان کے کورس وغیرہ میں دھوکہ اور خیانت کا حکم:

سوال انگریزی زبان اور دوسرے علوم، مثلاً ریاضی وغیرہ میں دھوکے کا کیا حکم ہے؟

جواب چاہے جو بھی مضمون ہو اس میں دھوکہ جائز نہیں کیونکہ امتحان کا مقصد اس مضمون میں طالب کے علمی معیار کو متعین کرنا اور اس کی اصلاح کرنا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ خیانت کے ذریعہ اس میں سستی، دھوکہ اور کمزور طالب علم کو محنتی پر مقدم کرنا لازم آتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«من غشنا فليس منا»[1] ''جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔''

حدیث میں ''غش'' کا لفظ ہر چیز کے لیے عام ہے۔ واللہ اعلم

(فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

مصروفیت کے ساتھ قرآنی تلاوت سننا:

سوال بعض دفعہ میں زیادہ وقت باورچی خانہ میں گزارتی ہوں کیونکہ اپنے خاوند کے لیے کھانا تیار کرنا ہوتا ہے، اور اپنے اس وقت سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے میں قرآن مجید سننا چاہتی ہوں، چاہے وہ ٹیپ سے ہو یا ٹیلی ویژن سے تو کیا میرا یہ عمل ٹھیک ہے؟ یا میرے لیے ایسا کرنا غیر مناسب ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

[الأعراف: 204]

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

جواب انسان کے مشغول ہوتے ہوئے ٹیپ یا ٹیلی ویژن سے قرآن کریم سننے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کا اس فرمان سے کوئی اختلاف نہیں کہ ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ (غور سے سنو اور خاموش ہو جاؤ) کیونکہ ''انصات'' (خاموش رہنا) حتی الامکان مقصود ہے، اور جو کسی کام میں مصروف ہو وہ اپنی طاقت کے مطابق قرآن کے لیے خاموشی ہی رہے۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [101]

اختلاط

دینی مسائل سمجھنے اور سمجھانے کے لیے مردوں اور عورتوں کے اختلاط کا حکم:

سوال مردوں اور عورتوں کے اختلاط کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے؟ وہ اختلاط جو آپس میں دینی مسائل میں مفاہمت اور مناظرے کی صورت میں ہوتا ہے۔

جواب مردوں اور عورتوں کا اختلاط خطرناک امور میں سے ہے۔ اس سلسلے میں جناب شیخ محمد بن ابراہیم کا فتویٰ صادر ہوا ہے جس کو ہو بہو نقل کیا جاتا ہے:

''مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی تین حالتیں ہیں:

1. پہلی حالت کہ عورتوں کا اپنے محرم رشتہ دار مردوں سے اختلاط۔ اس کے جائز ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔
2. دوسری حالت کہ فساد کی غرض سے عورتوں کا اجنبی مردوں سے اختلاط۔ اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔
3. تیسری حالت کہ تعلیم گاہوں، دکانوں، دفتروں، ہسپتالوں، پارٹیوں اور دیگر جگہوں میں عورتوں کا اختلاط۔ ممکن ہے کہ سائل اس حالت میں بادی النظر میں یہ سمجھا ہو کہ یہ مردوں اور عورتوں میں فتنے کا باعث نہیں ہے، اس لیے اس حالت کی حقیقت کو کھولنے کے لیے ہم اجمالی اور تفصیلی دونوں طرح سے جواب دیتے ہیں:

اجمالی جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو جبلی طور پر عورتوں کی طرف میلان رکھنے والے اور طاقت ور پیدا کیا ہے، اور عورتوں کو جبلی طور پر کمزوری اور مردوں کی طرف میلان پر پیدا کیا ہے، چنانچہ جب اختلاط ہوگا تو ایسے اثرات ضرور ہوں گے جو برے مقاصد کے حصول کے لیے ہوں گے، اس لیے کہ نفس برائی پر آمادہ کرتا ہے، اور خواہش انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے، اور شیطان فحاشی اور بُرائی کا حکم دیتا ہے۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ شریعت کی بنیاد کچھ مقاصد اور ان کے وسائل پر ہے، اور وسائل جو مقصد تک لے جانے والے ہیں وہ بھی مقصد کے حکم میں ہیں۔ چونکہ عورتیں مردوں کی جنسی خواہشات پورا کرنے کی جگہیں ہیں، اس لیے شارع نے دونوں قسموں کے تعلق تک پہنچانے والے دروازوں کو بند کر دیا ہے۔

اس کی مزید حقیقت تمھارے سامنے واضح ہوگی اس سے جو ہم کتاب و سنت سے دلائل پیش کریں گے۔

① قرآن سے دلائل:

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [یوسف: 23]

”اور اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا اسے اس کے نفس سے پھسلایا، اور دروازے اچھی طرح بند کر لیے اور کہنے لگی: جلدی آ، اس نے کہا: اللہ کی پناہ، بے شک وہ میرا مالک ہے، اس نے میرا ٹھکانا اچھا بنایا، بلاشبہ حقیقت یہ ہے کہ ظالم فلاح نہیں پاتے۔“

وجہِ دلالت: جب عزیزِ مصر کی بیوی اور یوسف علیہ السلام کے درمیان اختلاط ہوا تو جو اس عورت کے دل میں چھپا ہوا تھا وہ ظاہر ہو گیا تو اس نے یوسف علیہ السلام سے گناہ کا مطالبہ کیا لیکن اللہ کی مہربانی ہوئی تو وہ اس سے بچ گیا، جیسا کہ اس فرمان میں ہے:

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ [یوسف: 34]

”تو اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی، پس اس سے ان (عورتوں) کا فریب ہٹا دیا، بے شک وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“

ایسے ہی جب مردوں کا عورتوں سے اختلاط ہوگا تو دونوں میں سے ہر ایک چاہے گا

کہ وہ اسے ہوائے نفس کی طرف مائل کرے، اور پھر وہ اس کے بعد حصولِ مقصد کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے گا۔

دوسری دلیل: اللہ نے مردوں اور عورتوں کو نظریں پست کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ [النور: 30,31]

''مومن مردوں سے کہہ دے: اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور مومن عورتوں سے کہہ دے: اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں۔''

وجہِ دلالت: دونوں آیتوں میں ایماندار مردوں اور عورتوں کو نظر پست رکھنے کا پابند کیا گیا ہے اور اللہ کا حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے، پھر اللہ نے واضح کیا ہے کہ یہ زیادہ پاکیزہ ہے، البتہ شارع نے اچانک پڑ جانے والی نظر سے درگزر کیا ہے۔

امام حاکم نے مستدرک میں حضرت علی سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے کہا:

«يا علي! لا تتبع النظرة النظرة، فإنما لك الأولىٰ وليست لك الآخرة»[1]

''اے علی! نظر کے پیچھے نظر کو نہ لگا، پہلی تیرے لیے جائز ہوگی اور دوسری جائز نہیں ہوگی۔''

امام حاکم اسے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے جبکہ بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔ امام ذہبی نے اپنی ''تلخیص'' میں اس قول کی موافقت کی ہے۔ اس معنی و مفہوم کی کئی روایات آئی ہیں۔

اللہ نے نظر پست رکھنے کا پابند کیا ہے کیونکہ ایسی عورت کو دیکھنا، جسے دیکھنا حرام ہے، آنکھوں کا زنا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] **حسن**. سنن أبي داود، رقم الحديث [2149]

« العينان زناهما النظر، والأذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه الكلام، واليد زناها البطش، والرجل زناها الخطوة. »[1]

''دونوں آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، اور کانوں کا زنا (گندی فحش باتیں) سننا ہے، زبان کا زنا (فحش) گفتگو ہے، ہاتھ کا زنا (ناجائز چیز کا) پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا (بے حیائی کے اڈوں کی طرف) چلنا ہے۔''

دیکھنا زنا اس لیے ہے کہ دیکھنے والا عورت کے محاسن سے لطف اٹھاتا ہے، اور یہی دیکھنے والے کے دل میں عورت کے گھر کرنے کا ذریعہ بنتا ہے تو وہ اس کے دل سے گڑ جاتی ہے، لہٰذا وہ اس سے برائی کے ارتکاب کی طرف کوشش کرتا ہے جبکہ شارع نے اس کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے کیونکہ یہ خرابی تک لے جانے والا ہے اور یہی خرابی اختلاط سے حاصل ہوتی ہے تو اسی طرح اختلاط سے بھی منع کر دیا کیونکہ وہ بھی نظر کی لذت بلکہ اس سے زیادہ بری چیز اور ناپسندیدہ انجام کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

تیسری دلیل: گزشتہ دلائل گزر چکے ہیں جو اس بارے میں ہیں کہ عورت پردہ ہے اور اسے اپنا تمام جسم چھپانا ضروری ہوگا کیونکہ عورت کے بدن سے کسی چیز کا ننگا ہونا اس کی طرف دیکھنے کی دعوت دے گا اور دیکھنا دل سے وابستگی کا ذریعہ ہوگا، پھر اسے حاصل کرنے کے لیے ذرائع استعمال کیے جاتے ہیں، اور اختلاط کا بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

چوتھی دلیل: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ﴾ [النور: 31]

''اور اپنے پاؤں (زمین پر) نہ ماریں تاکہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں۔''

وجہِ دلالت: اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پاؤں زمین پر زور زور سے مارنے سے منع کیا ہے اگرچہ یہ جائز ہے، اس لیے کہ یہ (پاؤں مارنا) مردوں کے لیے پازیبوں کی آواز سننے اور اس کی طرف متوجہ ہونے اور پھر مردوں کے دلوں میں ان عورتوں کی طرف شہوت بھڑکانے کا ذریعہ نہ بنے۔ ایسے ہی اختلاط سے بھی روک دیا جائے گا کیونکہ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2657]

وہ بھی خرابی تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

پانچویں دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ [غافر: 19]

''وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے، اور اسے بھی جو سینے چھپاتے ہیں۔''

عبداللہ بن عباس وغیرہ نے اس کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ آدمی کسی کے گھر جاتا ہے، ان کے ہاں رات گزارتا ہے، ان میں ایک خوبصورت عورت ہے اور وہ اس کے پاس سے گزرتی ہے تو جب وہ غافل ہوتے ہیں تو وہ اس کو کن انکھیوں سے دیکھتا ہے تو جب وہ متوجہ ہوتے ہیں تو اپنی نظر کو پست کر لیتا تو جب وہ غافل ہوتے ہیں تو ملاحظہ کرنے لگ جاتا ہے، جب وہ متوجہ ہوتے ہیں نظر کو پست کر لیتا ہے۔

اللہ جانتا ہے کہ اس کے دل کی کیا حالت ہے کہ وہ چاہتا ہے: کاش! وہ اس کی شرمگاہ کو دیکھ لے؟ کاش! اس کے بس میں ہو تو وہ اس سے زنا بھی کر گزرے؟

وجہِ دلالت: اللہ تعالیٰ نے ایسی عورت کی طرف چوری چوری دیکھنے کو، جس کا دیکھنا حلال نہیں ہے، آنکھوں کی خیانت بتائی تو بھلا اختلاط کا کیا حکم اور معاملہ ہوگا؟

چھٹی دلیل: اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اپنے گھروں میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾

[الأحزاب: 33]

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو۔''

وجہِ دلالت: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کو اپنے گھروں میں ہی رہنے کا حکم دیا جو کہ انتہائی زیادہ پاکیزہ اور پاکدامن تھیں۔ اور یہ خطاب عام ہوگا اگر کوئی دلیل اس کو خاص کرنے پر راہنمائی نہ کرتی ہو جبکہ یہاں کوئی ایسی دلیل نہیں جو خصوصیت پر دلالت کرتی ہو تو جب وہ گھروں میں ہی رہنے کی پابند ہیں، الا یہ کہ کوئی ضرورت ان کے نکلنے کو چاہتی ہو، تو گزشتہ صورت میں اختلاط کو کیوں کر جائز کہا جا سکتا ہے؟

حالانکہ اس دور میں عورتوں کی سرکشی بڑھ چکی ہے اور انھوں نے حیا کی چادر کو اتار دیا ہے۔ بیگانے مردوں کے سامنے اپنی آرائش اور خوبصورتی کو ظاہر کرنا اور ان کے پاس ننگا ہونے اور ان کے خاوندوں اور ان کے سوا جن کے سپرد ان کا معاملہ کیا گیا ہے، ان کے اندر دینی حمیت و غیرت کی انتہائی قلت پائی جاتی ہے۔

سنت سے دلائل:

رہے سنت سے دلائل تو ہم دس دلائل کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں:

1. امام احمد نے اپنی سند سے اپنی مسند کے اندر ابو حمید ساعدی کی بیوی ام حمید سے بیان کیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس گئیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ ﷺ کے ساتھ نماز کو پسند کرتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قد علمت أنك تحبين الصلاة معي، وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك، وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك، وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجد قومك، وصلاتك في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي»[1]

''میں بخوبی جانتا ہوں کہ تُو میرے ساتھ نماز کو پسند کرتی ہے جبکہ تیرے گھر میں تیری نماز تیرے حجرے میں نماز سے بہتر ہے، اور تیرے حجرے کی نماز تیرے گھر (کے صحن) کی نماز سے بہتر ہے، اور تیرے گھر (کے صحن) کی نماز تیری قوم کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے، اور تیری قوم کی مسجد میں تیری نماز میری مسجد میں نماز سے بہتر ہے۔''

راوی کہتے ہیں کہ ام حمید رضی اللہ عنہا نے حکم دیا تو ان کے لیے ان کے گھروں میں سے آخری اور اندھیرے والے گھر کے اندر مسجد بنا دی گئی تو اللہ کی قسم وہ فوت ہونے تک اسی میں نماز پڑھتی رہیں۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسعود سے بیان کیا ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں:

---

[1] حسن. مسند أحمد [371/6]

«إن أحب صلاة تصليها المرأة إلى الله في أشد مكان في بيتها ظلمة»[1]

"اللہ کے ہاں عورت کی سب سے بہتر نماز اس کی انتہائی اندھیرے والی جگہ کی ہے۔"

ان دونوں احادیث کے ہم معنی بہت سی احادیث ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ عورت کی اپنے گھر کی نماز مسجد کی نماز سے بہت بہتر ہے۔

وجہِ دلالت: جب عورت کے حق میں مشروع ہے کہ اس کا اپنے گھر میں نماز ادا کرنا حتی کہ مسجدِ رسول ﷺ میں نماز ادا کرنے سے بھی بہتر ہے تو اس زمانے میں اختلاط (مرد و زن) بدرجہ اولی ممنوع قرار دیا جائے گا۔

(2) امام مسلم اور ترمذی وغیرہما نے اپنی اپنی سندوں سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها، وخير صفوف النساء آخرها و شرها أولها»[2]

"مردوں کی ابتدائی صفیں بہتر اور آخری بری ہیں، اور عورتوں کی آخری صفیں اچھی اور ابتدائی بری ہیں۔"

امام ترمذی اسے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

وجہِ دلالت: یقیناً رسول ﷺ نے عورتوں کے لیے مسجد میں آنے کی صورت میں مرد نمازیوں سے الگ رہنے کو مشروع قرار دیا ہے۔ پھر ان کی ابتدائی صف کو برا اور آخری کو بہتر بیان کیا ہے۔ یہ اسی لیے ہے کہ لیٹ آنے والے مردوں کے اختلاط اور انھیں دیکھنے سے دور رہیں گی، اور ان کی حرکات کو دیکھنے سے ان سے دل لگی کے خطرات سے دور رہیں گی۔ ان کی ابتدائی صف کی مذمت اس لیے بیان فرمائی کہ یہ مذکورہ مقاصد کے برعکس ہے، مردوں کی اسی طرح آخری صف کو برا قرار دیا جبکہ مسجد میں ان کے ساتھ عورتیں بھی ہوں۔ فضیلت کے رہ جانے، امام کے نزدیک نہ ہونے اور دل کو مصروف کرنے والی عورتوں کے قریب ہونے کی وجہ سے ہی ہے اور

---

[1] **حسن**. صحيح ابن خزيمة [95/3]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [440]

بسا اوقات وہ اس پر عبادت کو خراب اور نیت اور خشوع میں خلل پیدا کر سکتی ہیں، چنانچہ جب شارع نے عبادت کی جگہوں میں اختلاط نہ ہونے کے باوجود ان خطرات کا خدشہ ظاہر فرمایا ہے جہاں عورتیں مردوں سے صرف نزدیک ہوتی ہیں تو اختلاط کی صورت میں کیا حال ہوگا؟

3 امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسعود کی بیوی زینب سے بیان کیا ہے، کہتی ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں فرمایا تھا:

«إذا شهدت إحداكن المسجد فلا تمس طيبا»[1]

''جب تم میں سے کوئی ایک مسجد جائے تو خوشبو نہ لگائے۔''

امام ابوداود نے اپنی سنن میں اور امام احمد اور شافعی نے اپنی اپنی سندوں سے اپنی مسندوں میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«لا تمنعوا إماء الله مساجد الله، لكن وليخرجن و هن تفلات»[2]

''اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو لیکن انھیں گھر کے کام کاج کے عام لباس میں بغیر زیب و زینت کے نکلنا چاہیے۔''

ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

''اس میں مسجد جانے والی کے لیے خوشبو کی حرمت ہے، اور اس لیے کہ اس سے مردوں کی خواہش اور شہوت میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور کبھی یہ عورت کی شہوت کو تحریک دینے کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔''

نیز فرماتے ہیں:

''خوشبو کے حکم میں اچھا لباس اور زیور پہننا جس کا اثر ظاہر ہو اور بن سنور کر قابلِ فخر حالت میں جانا بھی شامل ہے۔''

حافظ ابن حجر نے فرمایا:

''اسی طرح مردوں سے اختلاط بھی (ممنوع حکم میں) داخل ہے۔''

---

1 صحيح مسلم، رقم الحديث [443]

2 **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [565]

امام خطابی نے ''معالم السنن'' میں فرمایا کہ ''تفل'' بدبو ہے، کہا جاتا ہے: امرأة تفلة، اگر اس نے خوشبو نہ لگائی ہو اور ''نساء تفلات'' ایسی عورتیں جو خوشبو سے عاری ہوں۔

4 اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« ما تركت بعدي فتنة هي أضر على الرجال من النساء »[1]

''میں نے اپنے بعد کوئی فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں پر عورتوں سے زیادہ نقصان دہ ہو۔'' اسے امام بخاری اور مسلم نے بیان کیا ہے۔

وجہِ دلالت: آپ ﷺ نے عورتوں کا وصف یوں بیان کیا کہ وہ مردوں پر فتنہ ہیں، لہٰذا فتنے میں ڈالنے والا اور پڑنے والا کیسے اکٹھے ہو سکتے ہیں؟ یہ ناجائز ہے۔

5 ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« إن الدنيا حلوة خضرة، وإن الله مستخلفكم فيها فينظر كيف تعملون. فاتقوا الدنيا واتقوا النساء، فإن أول فتنة بني إسرائيل كانت في النساء. »[2]

''یقیناً دنیا سرسبز میٹھی ہے اور اللہ تمھیں اس میں خلیفہ بنا کر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، لہٰذا دنیا اور عورتوں سے بچ جاؤ۔ یقیناً بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کے حوالے سے تھا۔'' (اسے امام مسلم نے بیان کیا ہے)

وجہِ دلالت: نبی ﷺ نے عورتوں سے بچنے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم وجوبی ہے، اس حکم پر اختلاط کے ہوتے ہوئے پابندی کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا اختلاط بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

6 امام ابو داود نے اپنی سنن اور بخاری نے ''الکنی'' میں اپنی اپنی سندوں سے بیان کیا ہے کہ حمزہ بن ابو اسید انصاری جو اپنے والد گرامی سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ سے کہتے ہوئے سنا اور آپ مسجد سے باہر تھے تو رستے میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4808] صحيح مسلم، رقم الحديث [2740]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [2742]

« استأخرن، فإنه ليس لكن أن تحققن الطريق، عليكن بحافات الطريق... الخ »[1]

''پیچھے ہٹ جاؤ، یقیناً تمھارے لیے راستے کے درمیان چلنا جائز نہیں، راستے کے کناروں کو لازم پکڑو تو عورت اس قدر دیوار سے مل جاتی کہ اس کا لباس دیوار سے رگڑ کھانے کی وجہ سے دیوار کے ساتھ چمٹ جاتا۔''

یہ الفاظ ابو داود کے ہیں۔ ابن الاثیر نے "النهاية في غريب الحديث" میں "تحققن الطريق" کا معنی راستے کے بیچوں بیچ چلنا لکھا ہے۔

وجہِ دلالت: رسول ﷺ نے جب انھیں رستے میں اختلاط کرنے سے منع کیا کیونکہ وہ فتنے تک پہنچانے کا ذریعہ ہے، لہٰذا اِس کے علاوہ میں اختلاط کے جائز ہونے کے بارے میں بات کیسے کہی جا سکتی ہے؟

(7) امام ابو داود طیالسی وغیرہ نے اپنی سنن میں نافع سے بیان کیا ہے اور انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسجد تعمیر کرائی تو عورتوں کے لیے الگ دروازہ بنایا اور فرمایا:

« لا يلج من هذا الباب من الرجال أحد »[2]

''اس دروازے سے کوئی آدمی داخل نہ ہو۔''

امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں عبداللہ بن عمر سے روایت ذکر کی ہے اور وہ عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں اور وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« لا تدخلوا المسجد من باب النساء »[3]

''عورتوں کے دروازے سے مسجد میں داخل نہ ہوا کرو۔''

وجہِ دلالت: رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں کے دروازوں سے داخل ہونے اور نکلنے کے بارے میں مردوں اور عورتوں میں اختلاط سے منع کیا ہے تاکہ اختلاط کا سدِ باب کیا

---

[1] **حسن**. صحيح الجامع، رقم الحديث [929]

[2] مسند الطيالسي، رقم الحديث [1829]

[3] **ضعيف موقوف**. سنن أبي داود، رقم الحديث [464]

جائے، لہٰذا جب اس حالت میں اختلاط سے روکا گیا ہے تو اس کے علاوہ میں تو بالاولیٰ منع ہوگا۔

8 امام بخاری نے اپنی صحیح میں ام سلمہ سے بیان کیا ہے، کہتی ہیں کہ رسول ﷺ جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے تو سلام کے مکمل ہونے کے وقت عورتیں کھڑیں ہوجاتیں اور نبی ﷺ اپنی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرتے اسی کی دوسری روایت میں ہے:

''آپ ﷺ سلام پھیرتے تو آپ ﷺ کے لوٹنے سے پہلے عورتیں فارغ ہو کر اپنے گھروں میں داخل ہوجاتیں۔''

تیسری روایت میں ہے:

''عورتیں جب فرضی نماز سے سلام پھیرتیں تو کھڑی ہوجاتیں، اور اللہ کے پیغمبر ﷺ اور نماز مرد حضرات جس قدر اللہ چاہتا ٹھہرتے تو جب اللہ کے پیغمبر ﷺ کھڑے ہوتے تو مرد حضرات پھر کھڑے ہوجاتے۔''

وجہ دلالت: آپ ﷺ نے بالفعل اور عملی طور پر اختلاط سے منع کر دیا اور یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ اس جگہ کے علاوہ بھی اختلاط منع ہے۔

9 امام طبرانی نے معجم کبیر میں معقل بن یسار سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لأن يطعن في رأس أحدكم بمخيط من حديد خير له من أن يمس امرأة لا تحل له. »[1]

''البتہ تم میں سے کسی ایک کے سر میں لوہے کی سوئی مار دی جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔''

امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں اور امام منذری نے ترغیب وترہیب میں اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔

10 امام طبرانی نے ہی ابو امامہ کی حدیث سے بھی بیان کیا ہے جو نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح. صحیح الجامع، رقم الحدیث [5045]

«لأن یزحم رجل خنزیرا متلطخا بطین أو حمأة خیر له من أن یزحم منکبه منکب امرأة لا تحل له.»❶

''کوئی آدمی مٹی اور گندگی سے لت پت سور سے ٹکرا جائے تو یہ اس سے بہتر ہوگا کہ اس کا کندھا کسی ایسی عورت کے کندھے سے ٹکرائے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔''

دونوں حدیثوں سے وجہ دلالت: آپ ﷺ نے غیر محرم مرد کو پردے یا بغیر پردے کے کسی عورت کے چھونے کو جائز قرار نہیں دیا کیونکہ اس میں برا نتیجہ ہے، اور اختلاط بھی اسی علت کی وجہ سے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ جو مذکورہ تحریر میں غور وفکر کرے گا تو اس کے لیے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ یہ کہنا کہ اختلاط فتنے تک لے جانے والا نہیں، غلط ہے اور صرف کچھ لوگوں کا محض خیال ہے۔

ورنہ درحقیقت یہ فتنے تک پہنچانے والا ہے، اسی لیے شارع نے اسے ناجائز کیا صرف خرابی کے مادے کو کاٹتے ہوئے لیکن اس میں وہ استثنائی حالت داخل نہیں ہے جس کی ضرورت اور حاجتِ شدیدہ متقاضی ہو۔ ایسی صورت عبادگاہوں میں پیش آتی ہے، جیسا کہ حرمِ مکی اور حرمِ مدنی میں، لہٰذا ہم اللہ سے گمراہ مسلمانوں کی ہدایت اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافے اور حکمرانوں کو اچھے کام کرنے اور بُرے چھوڑنے کی ، نیز بیوقوفوں کے ہاتھوں کو پکڑنے کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔ إنه سمیع قریب''

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

دوشیزاؤں سے خط وکتابت کا حکم:

سوال بذریعہ ڈاک نوجوان لڑکیوں سے خط وکتابت کا کیا حکم ہے؟ اور اگر فائدہ مند ہو تو پھر کیا حکم ہے؟ مثلاً کسی ادیبہ یا شاعرہ سے خط وکتابت ہو۔

جواب لڑکیوں سے خط وکتابت اگر غیر محرم مردوں کی طرف سے ہو تو اصلاً ناجائز ہے کیونکہ اس پر فتنہ اور حرام کام مرتب ہوسکتے ہیں اگرچہ لڑکی ادب والی اور شاعرہ ہی

---

❶ ضعیف جدا. ضعیف الترغیب والترهیب [2/2]

کیوں نہ ہو کیونکہ خرابیوں کو دور کرنا فوائد حاصل کرنے پر مقدم ہے، اور عموماً نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان برے نتائج اور مشکوک تعارف ہوتا ہے۔

(فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

بعض مواقع پر جشن منانے کا حکم

عیسائیوں کو ان کے پروگراموں میں دعوت دینا جو کہ سن عیسوی کے آخر میں ہوں:

سوال کیا غیر مسلم (عیسائی وغیرہ) کو اسلام کی طرف بلانے کے لیے سن عیسوی کے آخر میں مجالس کو قائم کرنا جائز ہے؟

جواب جو حقیقت میں غیر مسلموں کو اسلام کی طرف بلانے میں حریص ہے تو صرف عیسائی لوگوں کی عید کو غنیمت سمجھ کر ان میں اسلام کی دعوت کے دعوے کو لے کر شریک ہونے کے لیے نہیں ہونا چاہیے یہاں تحریر اور خطابت وغیرہ کے حوالے سے بہت زیادہ گنجائشیں ہیں، اور یہاں ایسی کوئی دلیل نہیں جو اسے اسی تک محدود کرتی ہو، اور نہ ہی اسلام میں کوئی ایسی دلیل ہے کہ وہ ایک خاص دن میں مقصد کے اس ذریعے کو جائز قرار دے کیونکہ یہ قانون غیر اسلامی قانون ہے۔ اور اس سے متاثر ہو کر کچھ مسلمان بھی اس میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

اور محض فائدے تک پہنچانے والے دعوے کو لے کر وہ غیر شرعی احکام میں واقع ہو چکے ہیں تو بہت زیادہ مسلمان آج کل بھی میلادِ نبی کی چھٹی کو غنیمت سمجھ کر وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ کچھ سلفی قسم کے لوگ بھی ان کے ساتھ مل چکے ہیں صرف اس دعوے کو لے کر کہ چھٹی ان لوگوں کو تبلیغ کرنے کے لیے غنیمت ہے، لہٰذا ہم تو اسے جائز نہیں سمجھتے، کیونکہ اس میں غیر شرعی میلوں میں شرکت کرنے کا انداز ہے۔ (علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ)

محفلِ عید میلاد منعقد کرنے کا حکم:

سوال میلاد کی محفلیں اور جشن منانے کا کیا حکم ہے؟

جواب شریعتِ مطہرہ میں جشنِ عید میلاد کی کوئی بنیاد نہیں بلکہ یہ بدعت ہے کیونکہ نبی ﷺ

کا فرمان ہے:

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد»[1]

''جس نے کوئی ایسا کام ایجاد کیا جس کا تعلق دین سے نہیں تو وہ مردود ہوگا۔''

اس کے صحیح ہونے پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ اور مسلم کی ایک دوسری روایت ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں جزم کے صیغے سے معلق بیان کیا ہے:

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد.»[2]

''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگا۔''

اور یہ بھی معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ساری زندگی اپنی پیدائش کا میلاد نہیں منایا، نہ اس کا حکم ہی دیا اور نہ ہی اپنے صحابہ کو اس کی تعلیم دی۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے بھی اور تمام صحابہ کرام نے ایسا عمل کبھی نہیں کیا جبکہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ آپ ﷺ کے طریقے کو جاننے والے، اللہ کے رسول ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی پر سب سے زیادہ حریص تھے تو اگر آپ ﷺ کا جشنِ ولادت منانا مشروع ہوتا تو وہ اس کی طرف سبقت کرتے۔ اور ایسے ہی خیر القرون کے علمائے کرام میں سے کسی نے اسے نہ کیا اور نہ حکم دیا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اس شریعت سے نہیں جس کے ساتھ محمد ﷺ کو بھیجا گیا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ نے اسے کیا ہوتا یا حکم دیا ہوتا یا آپ ﷺ کے ساتھیوں نے اسے کیا ہوتا تو ہم بھی اس کی طرف جلدی کرتے اور اس کی طرف دعوت بھی دیتے کیونکہ ہم الحمدللہ آپ کی سنت کی اتباع اور حکم و نہی کی تعظیم پر لوگوں میں سب سے زیادہ حریص ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے حق پر ثابت قدمی اور شریعت کے خلاف ہر کام سے عافیت کا سوال کرتے ہیں، یقیناً وہ باعزت سخی ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2550] صحيح مسلم، رقم الحديث [1718]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [1717]

شادی بیاہ کے موقع پر عورتوں کا آپس میں رقص کرنا:

سوال شادی بیاہ میں عورتوں کے آپس میں رقص کرنے کا کیا حکم ہے؟ اللہ تمھیں بدلہ دے گا، آپ ہمیں فتویٰ دیں۔

جواب شادی کے موقع پر عورتوں کے رقص کرنے میں کوئی حرج نہیں، نیز اچھے گانے کے ساتھ دف بجانے میں بھی، اس لیے کہ یہ شادی کا وہ اعلان ہے جس کا شرعی طور پر حکم دیا گیا ہے لیکن اس شرط سے کہ یہ صرف عورتوں تک محدود ہو ایسی آواز کے ساتھ کہ اپنی جگہ سے دور اور بلند نہ ہو، اور مکمل پردے کی شرط کے ساتھ اس اعتبار سے کہ عورت کے پردے سے ناچنے کی حالت میں کوئی چیز ظاہر نہ ہو، مثلاً: اس کے کندھے، بازو اور پنڈلیاں اور صرف وہی چیزیں ظاہر ہوسکتی ہوں جو عام طور پر کسی مسلمان عورت کی عورتوں کی موجودگی میں ظاہر ہوجاتی ہیں۔ (فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

خوشیوں کے مواقع پر زغرطہ (ناک سے نکالی جانے والی مخصوص آواز) کا حکم:

سوال زغرطہ کا کیا حکم ہے؟ یہ ایسی آواز ہے جو عورت خوشی کے وقت نکالتی ہے۔ ہمیں فائدہ دو اللہ آپ کو بدلہ دے گا۔

جواب مردوں کی موجودگی میں عورت کا آواز بلند کرنا جائز نہیں، نہ تو خوشی کے وقت کی مخصوص آواز اور نہ ہی اس کے علاوہ کیونکہ اس کی آواز میں بھی فتنہ ہے۔ پھر یہ آواز (زغرطہ) پہلے اور پچھلے مسلمانوں میں معروف نہیں اور یہ بری عادتوں میں سے ہے جسے چھوڑنا ہی مناسب ہے، اور اس لیے بھی کہ یہ قلتِ حیا کی دلیل ہے۔
(فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان)

حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا

ریڈیو سننے کا حکم:

سوال اگر ریڈیو کے اندر حرام امر بھی ہو تو اس کی طرف کان لگانے کا کیا حکم ہے؟

جواب ریڈیو سے قرآن مجید، نفع بخش احادیث یا اہم اہم خبریں سننے میں کوئی حرج نہیں۔

اس طرح ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے قرآن مجید یا مفید باتیں اور اسی طرح کی دوسری چیزیں سننے میں کوئی حرج نہیں۔ میری نصیحت ہے کہ ''اذاعۃ القرآن'' اور برنامج ''نور علی الدرب'' کی طرف بطورِ خاص توجہ کی جائے کیونکہ یہ بڑے مفید ہیں۔

ایسے جرائد اور رسالے شائع کرنے کا حکم جن میں عورتوں کی عریاں تصویریں ہوں:

سوال ان رسالوں کو جاری کرنے کا کیا حکم ہے جن میں بے پردہ عورتوں کی تصویریں اور جوش ابھارنے کے انداز کے ساتھ نمایاں ہوتی ہیں جن میں اداکاروں اور اداکاراؤں کی اخبار کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ اس رسالے میں کام کرنے والے، اس کی اشاعت میں مدد کرنے والے اور اسے خریدنے والے کا کیا حکم ہے؟

جواب ایسے رسالوں کو نکالنا جائز نہیں جو عورتوں کی تصویریں شائع کرنے والے یا زنا اور برائیوں کی طرف بلانے والے یا لواطت یا نشہ آور چیزوں کے استعمال یا اسی طرح باطل کی طرف دعوت دینے اور اس پر مدد کرنے والی چیزوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان جیسے رسالوں میں کام کرنا، تحریر کرنا اور نشر و اشاعت کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں گناہ، زیادتی اور زمین میں فساد پھیلانے پر تعاون کرنا ہے، اور گھٹیا چیزوں کو پھیلانے اور معاشرے کو خراب کرنے کی طرف دعوت دینا ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [المائدة: 2]

''اور نیکی اور تقوے پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

« من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من تبعه، لا ينقص ذلك من أجورهم شيئا، ومن دعا إلى ضلالة كان عليه من الإثم مثل آثام من تبعه، لا ينقص ذلك من آثامهم شيئا»[1]

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [2674]

''جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی اس کے لیے اتنا ہی اجر ہوگا جس قدر اس کی پیروی کرنے والے کے لیے اجر ہوگا، اور ان کے اجروں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا۔ اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی تو اس پر اس کی پیروی کرنے والے کے گناہ کی طرح ہی گناہ ہوگا، ان کے گناہوں سے کم نہیں کیا جائے گا۔'' (اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

« صنفان من أهل النار لم أرهما بعد: رجال بأيديهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مائلات مميلات، رؤسهن كأسنمة البخت المائلة، لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا.[1] »

''جہنمیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں میں نے ان دونوں کو ابھی تک نہیں دیکھا: ایک قسم کچھ ایسے مرد جن کے ہاتھوں میں گائیوں کی دموں جیسے کوڑے ہوں گے جو لوگوں کو ان کے ساتھ ماریں گے، اور دوسری قسم کچھ عورتیں پہننے والی ننگی، مائل ہونے والیں اور مائل کرنے والیں، جن کے سر مائل اونٹوں کی کوہانوں کی طرح ہونگے، وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور اس کی خوشبو نہ پائیں گی، اور یقیناً اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت تک پائی جائے گی۔''

(اسے بھی امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے)

اس مفہوم میں بہت سی آیات ہیں۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اس کی توفیق دے جس میں ان کی فلاح اور نجات ہے، اور یہ کہ وہ نشر و اشاعت اور صحافتی امور کے نگرانوں کو ہر اس کام کی ہدایت دے جس میں معاشرے کی سلامتی اور اس کی نجات ہے، اور وہ انھیں ان کے نفسوں کی شرارتوں اور شیطان کے مکر و فریب سے بچائے، یقیناً وہ باعزت سخی ہے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [2128]

موسیقی اور گانے سننا اور ٹی وی ڈرامے دیکھنا:

سوال موسیقی اور باجے سننے کا کیا حکم ہے؟ اور ان ڈراموں کو دیکھنے کا کیا حکم ہے جن میں عورتیں بے پردہ ہو کر سامنے آتی ہیں؟

جواب موسیقی اور گانا سننا حرام ہے، اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ سلف صالحین اور تابعین سے یہ ثابت ہے کہ گانا نفاق پیدا کرتا ہے اور گانے کو سننا لہوالحدیث (بیہودہ بات) میں داخل اور اس سے دلچسپی کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [لقمان: 6]

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا ہے تاکہ جانے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اُسے مذاق بنائے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے: اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ''لہو الحدیث'' سے مراد گانا ہے۔ صحابی کی تفسیر بھی حجت ہے۔ اس کا تفسیر کے حوالے سے تیسرا درجہ ہے کیونکہ تفسیر کے تین درجے ہیں:

1. قرآن کی تفسیر قرآن سے۔
2. قرآن کی تفسیر حدیث سے۔
3. قرآن کی تفسیر صحابہ کے اقوال سے۔

حتی کہ بعض اہلِ علم کا موقف ہے کہ صحابہ کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کے لیے مرفوع حدیث کا حکم نہیں۔ یہی بات درستگی کے زیادہ قریب ہے۔ پھر گانے اور موسیقی کو سننا حرام کام میں واقع ہونا ہے جس سے نبی ﷺ نے اپنے فرمان سے ڈرایا ہے:

«ليكونن أقوام من أمتي يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف»[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5268]

''میری امت سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو ریشم، زنا اور شراب اور آلاتِ موسیقی کو حلال قرار دیں گے۔''

یعنی زنا، شراب اور ریشم کو جائز قرار دیں گے، حالانکہ وہ مرد ہوں گے جن کے لیے ریشم اور معازف (آلاتِ لہو و لعب) جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ابو مالک اشعری یا ابو عامر اشعری کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اسی بنا پر میں اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ گانے اور موسیقی سننے سے پرہیز کریں اور آلاتِ لہو ولعب کے جواز کا کہنے والے اہلِ علم کے قول سے دھوکہ نہ کھائیں کیونکہ اس کی حرمت کے دلائل واضح اور صریح ہیں، لیکن اُن ڈراموں کو دیکھنا جن میں عورتیں ہوتی ہیں تو یہ جب تک ان میں فتنے اور عورت سے تعلق ہے، حرام ہی ہیں۔ یہ تمام کی تمام سیریلیں عموماً نقصان دہ ہیں اگرچہ ان میں عورت کو نہ دیکھا جائے اور عورت بھی مرد کا مشاہدہ نہ کرے کیونکہ ان کے مقاصد عام طور پر معاشرے کے طرزِ عمل اور اخلاق کو نقصان پہنچانا ہے۔

میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو اس کی برائی سے بچائے، اور مسلمانوں کے حکمرانوں کی اصلاح کرے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی اصلاح ہے۔ واللہ اعلم.

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ان عورتوں کا حکم جو تصویروں والے رسالے دیکھتی پڑھتی ہیں:

سوال ان عورتوں کا کیا حکم ہے جو وہ رسالے پڑھتی ہیں جن میں تصویریں اور شرعی طور پر حرام مقالے ہوتے ہیں؟

جواب ہر مکلّف، چاہے مرد ہو یا عورت ہو، اس کے لیے بدعت اور گمراہی کی کتابیں اور وہ رسالے پڑھنا حرام ہے جو فضول باتیں شائع کرتے ہیں، اور جھوٹے پروپیگنڈے کرتے اور اخلاقِ فاضلہ سے انحراف کی دعوت دیتے ہیں مگر جبکہ ان کا مطالعہ کرنے والا ان میں پائے جانے والے الحاد اور انحراف کا رد کر سکتا ہو، ان کے مالکوں کو نصیحت کر سکتا ہو، ان کے کام ان پر انکار کر سکتا ہو اور لوگوں کو ان کی شرارت سے محتاط کر سکتا ہو۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

کافروں سے اختلاط اور میل جول کا حکم

کافر کے ساتھ بود و باش اختیار کرنے کا حکم:

سوال کافر کے ساتھ بود و باش اختیار کرنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب بلاشبہ کافروں سے میل جول رکھنے کے سبب اگر ان کے مسلمان ہو جانے کی امید ہو، اس طرح کہ ان پر اسلام کی دعوت پیش کی جائے اور اسلام کے محاسن و فضائل بیان کیے جائیں تو انسان پر ان کو اسلام کی طرف دعوت دینے کی غرض سے میل جول رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر انسانوں کو ان کفار سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے تو پھر ان سے میل جول نہ رکھے کیونکہ ایسی صورت میں ان سے میل جول رکھنا گناہ میں پڑنے کا ذریعہ ہے کیونکہ میل جول غیرت اور احساس کو ختم کر دیتا ہے اور بسا اوقات ان کافروں سے مودت و محبت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ [المجادلة: 22]

''تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان، یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے۔''

اللہ کے دشمنوں سے مودت و محبت رکھنا اس لازمی حکم کے خلاف ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان سے محبت رکھنے سے منع فرمایا اور کہا:

بیٹوں کے درمیان عدل کرنا

والدہ کا کسی بچے کو کوئی جگہ صدقہ کرنا:

سوال کسی عورت کے بچے ہیں جو سگے نہیں، اس نے کسی بچے کو خاص کرتے ہوئے اس کے باقی بھائیوں کے بغیر اپنی ملکیت کے حصے میں سے کچھ کا اس پر صدقہ کر دیا، پھر وہ عورت فوت ہوگئی اور وہ اسی صدقہ کیے ہوئے مکان میں تھی تو کیا صدقہ درست ہوگا یا نہیں؟

جواب چار اماموں کے مشہور مذہب کے مطابق اگر اس لڑکے نے اسے قبضے میں نہیں کیا حتی کہ وہ فوت ہوگئی تو یہ ہبہ باطل ہوگا اور اگر اس عورت نے وہ حصہ اس لڑکے کے قبضے میں دے دیا تو صحیح بات کے مطابق اس ہبہ کے ساتھ کسی کو خاص کرنا ناجائز ہے بلکہ وہ اس کے اور اس کے بھائیوں کے درمیان برابر برابر ہوگا۔ واللہ اعلم

(شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

والدہ کا اپنے فقیر بیٹے کو ضرورت پوری کرنے کے لیے واپسی کی نیت سے کوئی چیز دینا:

سوال کسی عورت کا بیٹا فقیر ہے جبکہ اس کے علاوہ اور چھوٹے بچے ہیں، لہٰذا وہ اس بات کا محتاج ہوا کہ اس کی ماں اسے اپنا زیور گروی رکھنے اور اس کے عوض قرض لینے کے لیے دے۔ کیا اس عورت کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟ اور کیا اس حالت میں اس شخص کے لیے جس کے پاس گروی رکھا گیا ہے، گروی رکھے گئے سامان کو بیچنے کا جواز ہے؟

جواب جب وہ ضرورت میں برابر ہوں تو بعض اولاد کو کوئی عطیہ دینا اور اس سے جانبداری اور محبت کا برتاؤ کرنا ناجائز ہے، اور اسی سے ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو صرف اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے مال گروی رکھنے کے لیے دے۔ اگر وہ اپنے اور اپنے چھوٹے بھائیوں کے خرچے کے لیے قرض خواہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ بہر حال اگر وہ (عورت) اپنا زیور اپنی اجازت سے اسے دیتی ہے تاکہ وہ اسے گروی رکھ لے، پھر وہ گروی رکھ دیا جائے تو جس کے پاس گروی رکھا گیا ہے وہ

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [المائدة: 51]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ﴾ [الممتحنة: 1]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ یقیناً انھوں نے اس حق سے انکار کیا جو تمھارے پاس آیا ہے۔''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یقیناً ہر کافر اللہ تعالیٰ اور مومنوں کا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرة: 98]

''جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکال کا دشمن ہو تو بے شک اللہ کافروں کا دشمن ہے۔''

لہٰذا ایک مومن کو یہ لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے میل جول، مودت اور محبت رکھے کیونکہ اس میں اس کے دین و منہج کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

گروی رکھی ہوئی چیز کی خرید وفروخت کا مالک ہوگا کیونکہ اصحاب (حنابلہ) نے بیان کیا ہے کہ انسان کے لیے ہے کہ رہن رکھنے والے کو مال دے، اور جب قرض کی ادائیگی کا وقت ہوجائے اور لیا گیا قرض واپس نہ کیا جائے تو مالِ مرہون کو بیچ دیا جائے۔ اور وہ شخص جس کو رہن رکھنے کی اجازت دی گئی ہے وہ سامان والے کے لیے قیمتِ رہن کی ادائیگی کا مکلّف ہوگا تو اس عورت کے لیے اگرچہ جائز ہے یا ناجائز ہے جب وہ اپنے بیٹے کو اپنا زیور گروی رکھنے کے لیے اجازت دے دے گی، پھر وہ اسے گروی رکھے۔

اور گروی چیز بیچنے کی ضرورت پڑتی ہے تو بیچا جا سکتا ہے، اور قرض دینے والا اس کی قیمت سے اپنا حق وصول کرلے اور باقی ماندہ قیمت عورت کی ہوگی۔ اس کے بیٹے کے ذمہ وہ باقی رقم ہوگی جو قرض دینے والے نے وصول کی ہے۔ واللہ اعلم

(فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن السعدی)

والدہ کا کسی بچے کو کوئی چیز دینا جبکہ دوسرے مالدار ہوں:

سوال کسی بیٹے کے مالدار ہونے کی وجہ سے کسی بیٹے کو میں وہ چیز دے سکتی ہوں جو میں دوسرے کو نہ دوں؟

جواب اپنے بچوں سے کسی مذکر و مؤنث کو دوسرے کے بغیر خاص کرنا تیرے لیے جائز نہیں بلکہ وراثت کے لحاظ سے ان کے درمیان عدل کرنا یا ان تمام کو رہنے دینا ضروری ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«اتقوا اللّٰه، واعدلوا بين أولادكم»[1]

''اللہ سے ڈرو اور اپنے بچوں کے درمیان عدل کرو۔''

لیکن اگر وہ آپس میں کسی کو کسی چیز سے خاص کرنے پر راضی ہوں تو اگر راضی ہونے والے بالغ اور سمجھدار ہوں تو کوئی حرج نہیں، اور اسی طرح اگر تیری اولاد میں سے جو کسی بیماری یا کمانے سے رکاوٹ والی کوئی وجہ ہونے سے کمانے سے بے بس ہو اور اس کا

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2447]

والد نہ ہو اور نہ ہی کوئی بھائی جو اس پر خرچ کرتا ہو اور اس کے پاس اتنی رقم بھی نہ ہو جس سے وہ اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہو تو تب تجھ پر لازم ہوگا کہ تو اس پر اتنی مقدار خرچ کرے جس سے اللہ اسے غنی کر دے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

حد کے لگنے سے پہلے اور مرنے کے وقت کی توبہ

سزا پانے سے پہلے توبہ سے اس حد کا ختم ہونا:

سوال جس عورت پر زنا کی سزا لازم ہو چکی ہو تو وہ سزا پانے سے پہلے توبہ کر لے تو کیا توبہ کرنے کے ساتھ اس سے حد ختم ہو سکتی ہے؟

جواب اگر امام تک اس معاملہ کو لے جانے سے پہلے وہ زنا، چوری یا شراب پینے سے توبہ کر لے تو صحیح بات یہ ہے کہ جیسے محاربین سے حد ساقط ہوتی ہے ویسے ہی اس سے بھی ساقط ہو جائے گی، اس پر اجماع ہے، اگر وہ قابو آنے سے پہلے توبہ کر لیں (محارب سے مراد وہ مرد جو ڈاکہ یا زمین پر فساد کرے تو اسے پکڑنے سے پہلے کوئی سزا نہیں ہوگی۔) (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

انسان کا اپنی نذر کو کسی دوسری جہت پھیر دینا:

سوال کیا انسان کے لیے اپنی نذر کی جہت کو بدلنا جائز ہے؟ جب وہ کوئی ایسی جہت پاتا ہو جو اس سے زیادہ قابلِ استحقاق ہو جبکہ اس نے نذر کا تعین اور اس کی وجہ کا تعین بھی کیا ہو؟

جواب اس جواب سے پہلے میں تمہیداً کچھ عرض کرتا ہوں کہ انسان کے لیے نذر ماننا مناسب نہیں کیونکہ نذر ماننا مکروہ یا حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور فرمایا:

«إنه لا يأتي بخير، وإنما يستخرج به من البخيل»[1]

''یقیناً یہ بھلائی نہیں لاتی بلکہ اس سے تو کنجوس سے نکالا جاتا ہے۔''

نذر ماننے سے جس بھلائی کی توقع رکھتا ہے اس کے لیے نذر سبب نہیں بن سکتی۔ اکثر لوگ جب بیمار ہوتے ہیں تو نذر مانتے ہیں کہ جب اللہ اسے شفا دے گا تو وہ ایسے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6234] صحيح مسلم، رقم الحديث [1639]

ایسے کرے گا، اور جب اس کی کوئی چیز گم ہو جائے تو اگر وہ اسے پائے گا تو وہ فلاں فلاں کام کرے گا، پھر اگر وہ شفا یاب یا گم شدہ کو حاصل کر لیتا ہے تو یہ مطلب نہیں ہوگا کہ نذر اس کی وجہ بنی ہے بلکہ یہ محض اللہ کی طرف سے ہوا ہے۔

اللہ اپنے آپ سے سوال کی گئی چیز عطا کرنے میں شرط کا محتاج نہیں بلکہ آپ کا ذمہ ہے کہ آپ اللہ سے اس مریض کی شفا اور اس گم شدہ کو لانے کا سوال کریں لیکن نذر کی کوئی وجہ اور ضرورت نہیں۔ اکثر نذر ماننے والے جب ان کی نذر کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو وہ نذر پوری کرنے میں سستی کرتے ہیں کچھ تو پورا کر دیتے ہیں اور کچھ اسے رہنے دیتے ہیں، یہ بہت بڑا خطرہ ہے۔ آپ اللہ کے اس فرمان کو غور سے سنیں:

﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ [التوبة: 75,76]

”اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ یقیناً اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے کچھ عطا فرمایا تو ہم ضرور ہی صدقہ کریں گے اور ضرور ہی نیک لوگوں سے ہو جائیں گے، پھر جب اس نے انھیں اپنے فضل میں سے کچھ عطا فرمایا تو انھوں نے اس میں بخل کیا اور منہ موڑ گئے اس حال میں کہ وہ بے رخی کرنے والے تھے۔“

اسی بنیاد پر ایماندار کے لیے نذر ماننا مناسب نہیں لیکن رہا سوال کا جواب تو ہم کہتے ہیں کہ جب انسان کسی مقام پر نذر مانتا ہے اور اس کے علاوہ کو اس سے بہتر سمجھ لیتا ہے اور اللہ کی قربت کا اقرب ذریعہ اور اللہ کے بندوں کے لیے زیادہ فائدہ مند تو نذر کی جہت کو فضیلت والے مقام کی طرف بدلنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل یوں ہے کہ کوئی آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ آپ پر مکہ کو فتح کر دے گا تو میں بیت المقدس میں نماز ادا کروں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: « صل هاهنا » ”یہاں نماز پڑھ لے“ پھر آدمی نے دوبارہ کہا تو

آپ نے کہا: "صل هنا"❶ (یہیں نماز پڑھ لے) پھر اس نے دہرایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "شأنك إذاً" (جیسے تمھاری مرضی) تو یہ حدیث اس کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ جب انسان اپنی کم تر درجے کی نذر سے افضل کی طرف منتقل ہونا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کچھ نذر کو پورا کرنا کچھ کو چھوڑ دینا:

سوال کسی عورت کو اپنے بچوں کے ساتھ کوئی بیماری لگی تو ان میں سے ایک بچہ فوت ہوگیا جبکہ وہ ہسپتال میں بیماری اور خوف کے درمیان پڑی تھی۔ وہ اپنے گھر والے بچوں کے حوالے سے یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ زندہ ہیں یا مرگئے ہیں۔ اس کیفیت میں اس نے کہا: اے میرے رب! اگر میں نے اپنے گھر والے بچوں سے زندہ ہی ملاقات کی تو میں ایک اونٹنی ذبح کروں گی اور اس کا کچھ گوشت نہیں کھاؤں گی اور ایک ماہ روزے رکھوں گی۔ واقعتاً اس نے ایک ماہ روزے بھی رکھ لیے اور اونٹنی بھی ذبح کر دی لیکن ہوا یوں کہ تھوڑا سا گوشت کھا لیا۔ سوال یہاں یہ ہے کہ وہ ہی اونٹنی کافی ہوگی جس کے گوشت سے اس نے کھایا ہے یا اسے ایک اور اونٹنی ذبح کرنی لازم ہوگی؟ اللہ آپ کو اچھا بدلا دے گا، ہمیں فائدہ پہنچاؤ۔

جواب چونکہ اس نے اس قربانی کی اللہ کی رضا کے لیے بطورِ صدقہ نذر مانی، اور اسے پورا کرنا لازم تھا کیونکہ یہ فرمانبرداری کی نذر تھی تو یہ اونٹنی ساری کی ساری اللہ کی رضا کے لیے تقسیم کی جائے گی۔ چونکہ تم نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اس کا کچھ گوشت کھایا ہے، اس پر اعادہ لازم نہیں ہے لیکن جتنا اس نے گوشت کھایا ہے اتنا خرید کر مسکینوں پر صدقہ کرنا لازم ہوگا، اس کے ساتھ نذر اچھے انداز میں پوری ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ

(فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

کسی اچھی نذر سے عاجز ہونے کی صورت میں حکم:

سوال کسی عورت نے نذر مانی کہ اگر اسے صحت و سلامتی کے ساتھ ولادت ہوئی اور بچہ

---

❶ حسن. مسند أحمد [263/3]

زندہ رہا تو وہ ایک سال روزے رکھے گی۔ پھر واقعتاً حمل بھی بچ گیا اور پیدائش بھی ہوگئی۔ اب اس کا بیان ہے کہ وہ روزے سے عاجز ہے۔

جواب کوئی شبہ نہیں کہ فرمانبرداری کی نذر عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے، اور اللہ نے نذر پوری کرنے والوں کی تعریف بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ [الدهر: 7]

''جو اپنی نذر پوری کرتے ہیں، اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہوگی۔''

اور نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« من نظر أن يطيع الله فليطعه، ومن نظر أن يعصي الله فلا يعصه »[1]

''جس نے اللہ کی فرمانبرداری کی نذر مانی ہے وہ اس کی فرمانبرداری کرے، اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی وہ نافرمانی نہ کرے۔''

کسی آدمی نے بوانہ مقام پر ایک اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تو نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

« هل فيها وثن من أوثان الجاهلية يعبد » (کیا اس میں جاہلیت کے بتوں سے کوئی بت تو نہیں جس کی عبادت کی جاتی ہے؟)''

تو اس نے کہا: نہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا:

« وهل فيها عيد من أعيادهم؟ » ''کیا اس میں ان کی عید میلوں سے کوئی عید میلہ تو نہیں؟'' تو اس نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« أوف بنذرك، فإنه لا وفاء لنذر في معصية الله، ولا فيما لا يمكن ابن آدم »[2]

''اپنی نذر کو پورا کر کیونکہ اللہ کی نافرمانی میں نذر کو پورا کرنے کا جواز نہیں اور نہ اس میں جو ابن آدم کے لیے ناممکن ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6318]

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [3313]

جو فتویٰ پوچھنے والی نے یہ بیان کیا ہے کہ اس نے نذر مانی کہ ایک سال روزے رکھے گی تو سال کے پے در پے روزے زمانے بھر کے روزے کی قبیل سے ہیں، اور زمانے بھر کے روزے مکروہ ہیں کیونکہ صحیح بخاری میں نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کہا ہے:

«من صام الدهر فلا صام ولا أفطر»[1]

''جس نے زمانے بھر کے روزے رکھے نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔''

اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ مکروہ عبادت اللہ کی نافرمانی ہے، اسے پورا کرنے کا جواز نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ جس نے مکروہ عبادت کی نذر مانی ہو، مثلاً: ساری رات کا قیام اور ہر دن کا روزہ، اس نذر کو پورا کرنا ضروری نہیں۔ لہٰذا اسی بنا پر سوال کرنے والی پر کفارۂ قسم لازم ہوگا: دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، ہر مسکین کو کھجور وغیرہ سے تقریباً سوا کلو جو کہ عموماً اس علاقے کی خوراک ہو۔ اگر وہ طاقت نہ رکھے تو پے در پے تین دنوں کے روزے رکھے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

وسوسے کی شکار عورت کا حکم

ایک عورت کو وسوسہ ہوا جس نے اسے وضو وغیرہ میں تھکا دیا:

سوال میں اپنی عمر کے تینتیس سال کو پہنچ چکی ہوں، میں شادی شدہ ہوں اور میرے پاس بال بچے ہیں۔ آپ کی جناب سے جو میں سوال کرنا چاہتی ہوں وہ یوں ہے کہ میں پانچ چھے سالوں سے وسوسوں میں مبتلا ہوگئی ہوں، اور یہ وسوسہ مجھے وضو میں غفلت کا شکار کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھ سکتی اور ہر وقت وضو پر ڈیڑھ گھنٹہ لگا دیتی ہوں، مجھے گمان ہوتا ہے کہ میں نے وضو کیا ہی نہیں، اور اسی طرح جنابت کے غسل میں مسلسل تین گھنٹے لگا دیتی ہوں اور مجھے گمان ہوتا ہے کہ میں پاک نہیں ہوئی، اور ماہواری کے غسل میں بھی تین گھنٹے لگ ہی جاتے ہیں۔ اور اسی طرح ان وسوسوں نے مجھے اچھے لباس پہننے سے بھی محروم کر رکھا ہے اور میں روحانی

[1] صحیح. مسند أحمد [25/4]

بیماریوں کے ہسپتال جو کہ طائف میں ہے اور جدہ کے ڈاکٹر کے پاس علاج کروا چکی ہوں تو میں آپ کی جناب سے گزارش کرتی ہوں کہ میری حالت پر غور فرمائیں اور اس وسوسے کے ازالے کا جو مناسب طریقہ آپ سمجھتے ہیں مجھے اس کی طرف راہنمائی فرمائیں۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتی ہوں کہ میرے صغرسنی سے رمضان کے روزے کم ہو گئے تھے اور جن دنوں کے روزے چھوڑے ہیں ان کی تعداد معلوم نہیں تو اس بارے میں مجھ پر کیا واجب ہے؟ مجھے فتویٰ دو اللہ آپ کو توفیق دے۔

جواب اولاً: تُو نفسیانی بیماریوں کے ہسپتال اور نفسیاتی اعصابی امراض کے ماہر ڈاکٹروں کے پاس مسلسل علاج کرواتی رہو، امید ہے کہ اللہ تیرے نصیب میں شفا لکھ دے۔ اس کے باوجود اللہ سے مدد بھی مانگو اور دعا کرو کہ تجھے تیری بیماری سے تندرستی دے۔
سونے کے لیے جب تو اپنے بستر پر لیٹے تو آیۃ الکرسی اور یہ الفاظ پڑھا کر:

« باسم الله الذي لا يضر مع اسمه شيء في الأرض ولا في السماء، وهو السميع العليم»[1]

''اس اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز زمین و آسمان میں نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور وہ بہت سننے والا جاننے والا ہے۔''

تین دفعہ صبح اور شام اور اپنے آپ کو تین دفعہ سورۃ الاخلاص، فلق اور ناس کی تلاوت سے دم کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک کر سوتے وقت جس قدر تو اپنے بدن پر پھیر سکے پھیر لے کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور اصحابِ سنن نے بیان کیا ہے عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اکٹھا کر کے ان میں پھونک مارتے اور ان دونوں میں ﴿قل هو الله أحد﴾ اور ﴿قل أعوذ برب الفلق﴾ اور ﴿قل أعوذ برب الناس﴾ پڑھتے، جہاں تک ہوسکتا اپنے جسم پر وہ دونوں ہاتھ پھیرتے، ان دونوں کو اپنے سر اور چہرے سے شروع کر کے پورے جسم پر پھیرتے، یہ عمل آپ تین دفعہ کرتے۔ اور اللہ سے دعا کرو کہ وہ

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [5088]

تمھاری اس تکلیف کو دور کر دے، اور یہ دعا بھی پڑھا کرو:

« أذهب البأس رب الناس! واشف أنت الشافي، لا شفاء إلا شفاء ك شفاءً لا يغادر سقما. »❶

''اے لوگوں کے رب! بیماری ختم کر دے اور شفا عطا کر، تو ہی شفا دینے والا ہے، شفا نہیں ہے مگر تیری ہی طرف سے ایسی شفا جو بیماری کو باقی نہ رہنے دے۔''

اسے تین دفعہ دہرایا کر اور پریشانیوں کو دور کرنے والی دعا بھی کیا کر جس کے الفاظ یہ ہیں:

« لا إله إلا الله العظيم الحليم، لا إله إلا الله رب العرش العظيم، لا إله إلا الله رب السموات ورب الأرض ورب العرش الكريم »❷

''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں جو عظیم اور بردبار ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرشِ عظیم کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبو نہیں جو آسمانوں و زمین اور باعزت عرش کا رب ہے۔''

اور جب تو وضو یا حیض و جنابت کے غسل سے فارغ ہو تو یقین کر کہ تُو پاک ہو چکی ہے اور خیالات کو اپنے سے دفع کر دے، نیز زیادہ دیر غسل خانے میں رہنے سے خود کو بچاؤ کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔

ثانیاً: اور جو تُو نے یہ بیان کیا ہے کہ تو نے صغرسنی میں رمضان کے روزے چھوڑے ہیں اور وہ دن یاد نہیں تو تُو ان کی قضا کے طور پر اتنے دن روزے رکھ جتنا تیرا غالب گمان ہو جائے کہ تو نے بالغ ہونے کے بعد رمضان کے مہینے کے چھوڑے ہوئے روزے رکھ لیے ہیں لیکن بلوغت سے پہلے کی قضا تیرے ذمے نہیں۔ اللہ تجھے صحت دے۔ بلوغت مرد اور عورت کے حوالے سے پندرہ سال مکمل ہونے سے ہوتی ہے یا بیداری یا نیند میں شہوت سے منی خارج ہونے سے یا شرمگاہ کے اردگرد بالوں کے اگنے سے، اور عورت کے لیے ایک چوتھی علامت حیض کا جاری ہونا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

❶ صحيح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1619]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [5986]

یومِ آخرت اور جنت کی نعمت

جنت میں مردوں کے لیے حوریں تو عورتوں کے لیے کیا ہے:

سوال مردوں کے لیے جنت میں تو بڑی آنکھوں والی سفید رنگ کی بیویاں ہوں گی تو اس کے مقابلے میں عورتوں کے لیے کیا ہوگا؟

جواب عورتوں کے لیے جنتی مرد ہوں گے۔ جنتی مرد بڑی آنکھوں والی سفید رنگ والیوں سے کہیں بہتر ہیں۔ جنتی عورتیں جنتی مردوں کے ہاں حورعین سے افضل ہیں۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ جنتی عورتوں کا حصہ نکاح کے اعتبار سے مردوں کے حصے سے زیادہ ہو۔ اور عورت کے دنیا والے خاوند کے علاوہ جنت میں بھی خاوند ہونگے، اور عورت کے اگر دو خاوند ہوں گے تو اسے ان کے درمیان اختیار ہوگا اور وہ عادات کے اعتبار سے سب سے اچھے کو پسند کر لے گی۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کے حوالے سے جنت میں خاوند کے بارے میں بیان:

سوال جس وقت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہوں تو اس کی آیات میں اکثر پاتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار مردوں کو بڑی آنکھوں والی گوریوں اور خوبصورتی میں غالب عورتوں کی خوشخبری سے نوازا ہے تو کیا عورت کے لیے آخرت میں اس کے دنیاوی خاوند کا بدل بھی ہوگا؟ اسی طرح جنت کی اکثر نعمتوں کی نسبت مومن مردوں کی طرف کی گئی ہے تو کیا ایماندار عورت کی نعمت ایماندار مرد سے کم ہوگی؟

جواب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آخرت کا ثواب مردوں اور عورتوں کے لیے عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى ﴾ [آل عمران: 195]

”تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت۔“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ [النحل: 97]

''جو بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یقیناً ہم اسے ضرور زندگی بخشیں گے پاکیزہ زندگی۔''

اور اس کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ [النساء: 124]

''اور جو شخص نیک کاموں میں سے (کوئی کام) کرے، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

[الأحزاب: 35]

''بے شک مسلم مرد اور مسلم عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد

اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان کے لیے اللہ نے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔"

اللہ نے ان کے جنت میں اکٹھے داخل ہونے کا تذکرہ کیا ہے، جو کہ اس فرمان میں ہے:

﴿ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ﴾ [یٰس: 56]

"وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔"

اور اس کا فرمان ہے:

﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ﴾ [الزخرف: 70]

"جنت میں داخل ہو جاؤ تم اور تمھاری بیویاں، تم خوش کیے جاؤ گے۔"

اور اللہ نے اپنے فرمان میں عورتوں کو دوبارہ پیدا کرنے کی خبر دی ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا﴾ [الواقعة: 35,36]

"بلاشبہ ہم نے ان (بستروں والی عورتوں کو) پیدا کیا نئے سرے سے پیدا کرنا، پس ہم نے انھیں کنواریاں بنا دیا۔"

یعنی بوڑھیوں کو دوبارہ پیدا کرتے وقت انھیں کنواریاں بنائے گا جیسے بوڑھوں کو نوجوان لوٹائے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ دنیاوی عورتوں کو عبادت اور فرمانبرداری کی وجہ سے حوروں پر فضیلت حاصل ہوگی تو ایماندار عورتیں بھی مردوں کی طرح جنت میں داخل ہوں گی۔ اور اگر عورت نے کئی مردوں سے شادی کی ہوگی تو ان کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہوگی ان کے درمیان اسے اختیار ملنے پر وہ ان میں سے سب سے اچھے کردار والے کو پسند کرے گی۔ (فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

باپ کا اپنے بیٹے اور بیٹی کے مال سے لینے کا مسئلہ

باپ کا اپنی بیٹی کے مال کا استعمال:

سوال کسی آدمی نے کسی عورت سے شادی کی تو اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اور مذکورہ عورت کے والد نے اپنی بیٹی کے مال میں اپنی ذات کے لیے تصرف کرنا چاہا تو اس

کے خاوند نے اسے اس سے باز کر دیا تو اس نے دعویٰ کیا کہ وہ (عورت) پابندی کے نیچے ہے تو کیا اس سے یہ دعویٰ قبول کیا جائے گا؟ جبکہ اس (عورت) سے کبھی کوئی بیوقوفی نہیں ہوئی کہ اس پر پابندی لگائی جائے تو کیا اس (عورت) کے لیے اسے اپنے مال میں تصرف کرنے سے روکنے کا جواز ہے؟

جواب اس کے باپ کے لیے اس عورت کے مال میں اپنی ذات کے لیے تصرف جائز نہیں بلکہ جب وہ اس عورت کے مال میں تصرف کرے گا تو اس سے اس کی اہلیت بھی قابلِ اعتبار نہیں رہے گی، اور اس کو اس مذکورہ عورت پر حجر وغیرہ کی ولایت سے روک دیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ ولایت کا اہل ہو تو اس (عورت) کے لیے اس کے حصے کا تصرف کر سکتا ہے اپنے لیے نہیں، اور اس کے لیے اس کا والی بننا بھی درست نہیں۔ ہاں، اگر وہ ہمیشہ بیوقوف ہی رہے تو اگر وہ سمجھدار ہو جائے تو اس مرد کے اختیار کے بغیر ہی پابندی ختم ہو جائے گی، اور جب اس کی سمجھداری کی دلیل قائم ہو جائے تو اس کی اس سے ولایت کے ختم کرنے کا حکم لگایا جائے گا۔ اور عورت پر لازم ہوگا کہ وہ قسم دے کہ مذکورہ شخص، جس نے اپنی ولایت کا مطالبہ کیا ہے اور اس کی دلیل بھی پیش نہیں کی، اس کی سمجھداری سے آگاہ نہیں ہے۔

(شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

باپ کا اپنی بیٹی کے مہر کو استعمال کرنا:

سوال کیا باپ کے لیے اپنی بیٹی کے حقِ مہر سے کچھ لینا جائز ہوگا؟

جواب باپ کے لیے اپنی بیٹی کے حقِ مہر سے جس قدر وہ چاہے لینا جائز ہوگا اگرچہ وہ زیادہ ہی ہو کیونکہ اس کے مال کا مالک بننا جائز ہے تو اس کے حقِ مہر کا مالک کیسے نہیں ہو سکتا؟ واللہ اعلم (فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن سعدی)

کسی مرد کا اپنی بہن یا بیٹی کے مہر سے اپنی شادی کرنا:

سوال کیا مرد کے لیے اپنی بیٹی یا بہن کے مہر سے اپنی شادی کرنا جائز ہے؟

جواب اس کی بیٹی یا بہن کا حقِ مہر اس (بہن یا بیٹی) کے حقوق اور ان کی ملکیتوں کا حصہ

ہے تو اگر وہ اسے ہبہ کر دے یا خوشی اور اختیار سے کوئی حصہ دے جس کا شرعاً اعتبار ہوتا ہے تو یہ جائز ہوگا، اور اگر وہ اسے ہبہ نہیں کرتی تو اس کے لیے اسے لینا جائز نہیں ہوگا۔ اور اس کے والد کے لیے خاص طور پر اس سے اتنے کا مالک بننا جائز ہے جو اس (عورت) کو نقصان نہ دے اور وہ اس کے ساتھ اپنے کسی دوسرے بچے کو شریک نہ کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے:

« إن أطيب ما أكلتم من كسبكم، وإن أولادكم من كسبكم. »[1]

"تمھارے کھانے سے سب سے عمدہ وہ ہے جو تم نے کمایا، اور تمھاری اولاد بھی تمھاری کمائی سے ہے۔" (سعودی فتویٰ کمیٹی)

قاضی کا عورت پر اس کی مرضی کے بغیر اس کے بھائی کو وکیل بنانا:

سوال کیا قاضیِ شہر کے لیے کسی عورت کی اجازت کے بغیر اس کے بھائی یا اس کے علاوہ اسے جس کی وکالت کو وہ پسند نہ کرتی ہو، وکیل بنانا جائز ہوگا؟

جواب اگر وہ بالغہ، عاقلہ اور رشیدہ ہو تو اس کے مال میں اس پر وکیل مقرر کرنا ناجائز ہے، اس صورت میں کہ وہ (عورت) اپنی خرید و فروخت میں عموماً نقصان نہ کرتی ہو اور نہ ہی اپنا مال حرام اور بغیر مقصد کے خرچ کرتی ہو۔ (سماحۃ الشیخ محمد بن آل ابراہیم آل الشیخ)

یتیموں کے اموال کا مسئلہ

یتیموں کا ولی کب ان کو مال سپرد کرے؟

سوال یتیموں کے ولی کو کب ان کا مال ان کے سپرد کرنا جائز ہوگا؟

جواب یتیموں کا مال ان کے ولی کے لیے اسی وقت سپرد کرنا جائز ہوگا جب وہ ان سے دانائی کو محسوس کرے اور وہ اس طرح کہ وہ اپنے مالوں میں حسن تصرف کرنے اور حرام میں خرچ نہ کرتے ہوں۔ ان کو سپرد کرنے کا وقت بلوغت نہیں بلکہ بلوغت کے بعد عقلمندی اور حسن تدبیر کی صفت سے متصف ہونا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [1358]

﴿ وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ﴾ [النساء: 6]

"اور یتیموں کو آزماتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان سے کچھ سمجھداری معلوم کرو تو ان کے مال ان کے سپرد کر دو۔"

یتیمی کا اطلاق بلوغت کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ اور بلوغت چند چیزوں سے ہوتی ہے جو یہ ہیں: شرمگاہ کے اردگرد سخت بال اگنا، پندرہ سال کو پہنچنا، بیداری اور نیند میں منی خارج ہونا۔ عورت مرد کی طرح ہے مگر اس میں مزید دو چیزوں کا اضافہ ہے اور وہ حیض اور حمل ہے۔

کتاب "المستقنع" [139/2] میں ہے

"بلوغت احتلام یا پندرہ سال کو پہنچنے یا شرمگاہ کے اردگرد سخت بال اگنے سے ہوتی ہے، البتہ لڑکی میں حمل اور حیض زیادہ ہے۔ اور حمل اس کے انزالِ منی پر دلیل ہے۔ اور عورت کے لیے اپنے خاوند سے اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے کوئی زمین و مکان وغیرہ خریدنا جائز ہے۔" (سماحۃ الشیخ محمد بن آل ابراہیم آل الشیخ)

کسی غیر کو نیک اعمال اور ثواب کا تحفہ دینا

فوت شدہ والد کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت سے حج کرنا:

سوال تقریباً دس سال سے میرے والدِ محترم وفات پا چکے ہیں۔ وہ تمام فرائض کی پابندی کیا کرتے تھے لیکن ہاتھ تنگ ہونے کی وجہ سے حج نہیں کر سکے، پھر اللہ نے چاہا اور میں تدریس کے کام میں سعودی عرب پہنچ گئی تو میں نے اپنی طرف سے فریضۂ حج ادا کر لیا۔ اب میں شوق رکھتی ہوں کہ اپنے فوت شدہ والد کی طرف سے حج کروں تو کیا ان کی طرف سے میرا حج کرنا جائز ہے؟ اور کیا ان کے لیے ثواب ہوگا؟

جواب تیرا اُن کی طرف سے حج کرنا مشروع ہے، اور تیرے لیے بہت بڑا ثواب ہوگا۔ اللہ آپ سے قبول کرے اور آپ کے معاملے کو آسان کرے۔ (سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ)

کسی قریبی فوت شدہ کے لیے طواف کعبہ:

سوال کوئی عورت سوال پوچھتی ہوئی کہتی ہے: جب میں مکہ میں پہنچی تو مجھے یہ پیغام دیا گیا کہ میری ایک قریبی عورت فوت ہوگئی ہے، میں نے اس کے لیے بھی کعبہ کے اردگرد سات چکر کاٹ لیے۔ ان کی نیت اس کے لیے کی تھی تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب ہاں، امام احمد کے مذہب سے مشہور یہ ہے کہ تیرا سات دفعہ طواف کر کے اس کا ثواب جس مسلمان کے لیے چاہتی ہے کرنا جائز ہے کیونکہ جو عبادت بھی مسلمان کر کے اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ مسلم کے لیے کر دے تو یہ اسے فائدہ دے سکتا ہے، چاہے یہ عبادت صرف بدنی عمل ہو، مثلاً: نماز اور طواف، یا صرف مالی ہو، مثلاً: صدقہ، یا ان دونوں کے درمیان جامع ہو، مثلاً: قربانیاں۔ لیکن یہ جاننا مناسب ہوگا کہ انسان کے لیے سب سے بہتر یہی ہے کہ وہ نیک اعمال اپنے لیے کرے اور جس مسلمان کو چاہے دعا کر کے خاص کر دے، اس لیے کہ یہ وہ ہے جس کی طرف نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان میں رہنمائی کی ہے:

«إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له»[1]

''جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کا عمل سوائے تین کے ختم ہوجاتا ہے: صدقۂ جاریہ یا ایسا علم جس سے فائدہ لیا جائے یا ایسی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔'' (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

زانیہ کی توبہ کی معرفت

زانیہ کی توبہ کی پہچان:

سوال زانیہ کی توبہ کی پہچان کے حوالے سے سوال کیا گیا ہے۔

جواب اصحاب (حنابلہ) کی زانیہ کی توبہ سے متعلق یہ تفسیر ہے کہ جب بہلائی پھسلائی

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1631]

جائے تو زنا کاری سے باز رہے۔ علامہ موفق وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے اور اس کا انکار کرنا ان کا حق ہے کیونکہ بہکانا سب سے بڑی بُرائی ہے اور اگر چہ اس کا مقصد امتحان اور تجربہ ہی ہو۔ یہ اللہ کے فرمان میں داخل ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ﴾ [الاسراء: 32] ''اور زنا کے قریب نہ جاؤ۔''

کیونکہ بہکانا امتحان لینے والے اور لینے والی کے زنا میں واقع ہونے کا سب سے زیادہ قریب ہے تو اگر کوئی فاجر اسے بہکاتا ہے تو گناہ ہو جائے گا یا قریب الوقوع ہوگا، اور اگر اسے پرہیز گار بہکاتا ہے تو اس مرد اور اس عورت پر برائی میں واقع ہونے کا خطرہ ہوگا، اور اگر وہ سمجھ جاتی ہے کہ یہ بہکانا امتحان کے لیے ہے تو اس سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

اس مسئلے کو اس شخص کے معاملے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جو کسی نامعلوم آدمی سے معلوم کرنا چاہے یا اس کی صداقت معلوم کرنی چاہے تو امتحان کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ اس صورت میں مقصد کا حاصل ہونا فتنے کے بغیر ہوتا ہے لیکن زیرِ بحث مسئلے کی ان کے قول کے مطابق شریعت میں کوئی نظیر نہیں ہے، لہٰذا یہ تو ضررِ محض شمار ہوگی۔

(فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن السعدی)

بلوغت کے بعد کسی کا عقیقہ کرنا یا ایصالِ ثواب کے لیے پمفلٹ چھپانا:

سوال الحمد للہ، میرے ہاں ایک لڑکا اور لڑکی پیدا ہوئی اور ان دونوں کا عقیقہ کرنے کے لیے میرے پاس گنجائش نہیں تھی تو وہ بڑے ہوگئے اور اب وہ 19، 16 سال کے ہوگئے ہیں اور میں ان کی والدہ سے الگ ہو چکا ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ان دونوں کا عقیقہ کرنا ضروری ہے اور میں نے ابھی تک ایسا نہیں کیا کیونکہ میرے والد نے میرے عقیقے کا اہتمام بھی نہیں کیا تھا تو کیا میں ذخیرہ کرتے ہوئے اپنے تمام کا عقیقہ کر سکتا ہوں؟ کیونکہ میں ہر اچھے کام میں اپنی حالت کو درست کرنے کے لیے اللہ عزوجل کے قریب ہونا چاہتا ہوں۔ یا کہ وہ ہم سے ختم ہو چکا ہے اور اس کا ہمیں فائدہ نہیں ہوگا؟ اور کیا اگر میں کچھ پمفلٹ اور کتابچے تیار کرواؤں اور ان کی نشر و اشاعت بھی مکمل ہو جائے اس مقصد کے لیے کہ یہ ان کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے۔

ہوسکتا ہے کہ وہ ان دونوں کو فائدہ دے کر ان کی حالت کو درست کر دے۔ کیا وہ صدقۂ جاریہ فائدہ دے گا؟ یا میں کون سا کام کروں کہ اللہ مجھے ہدایت دے؟

جواب اکثر علماء کے مذہب کے مطابق عقیقہ سنت ہے، صرف اہل ظواہر اور تابعین میں سے حسن بصری نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ اور عقیقہ کو واجب کرنے والے نے سلمان بن عامر الضبی کی حدیث سے دلیل لی ہے جسے امام بخاری نے معلق بیان کیا ہے اور امام احمد اور اصحابِ سنن نے موصول بیان کیا اور اس کی سند صحیح ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مع الغلام عقيقة، فاهريقوا عنه دما، وأميطوا عنه الأذىٰ» [1]

''بچے کے ساتھ عقیقہ ہے۔ اس سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی دور کرو۔''

''فاهريقوا'' (خون بہاؤ) یہ حکمی فعل ہے اور حکم واجب ہونے کو چاہتا ہے، اسی طرح امام احمد اور اصحابِ سنن کے نزدیک ثابت ہے جسے امام ترمذی نے صحیح کہا ہے اور ایسے ہی امام بخاری نے سمرۃ بن جندب سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

« كل غلام رهينة بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه، ويسمى فيه ويحلق رأسه.» [2]

''ہر بچہ عقیقے کے بدلے گروی رکھا ہوا ہے، اس کے ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے گا اور اس میں نام رکھا جائے گا اور اس کے سر کو منڈھایا جائے گا۔''

امام احمد نے کہا ہے: یعنی جب وہ عقیقہ کیے بغیر فوت ہوجائے تو وہ اپنے والدین کے حق میں سفارش نہیں کرے گا۔ اور کچھ اہلِ علم کا کہنا ہے: ہر بچہ اپنے عقیقے کے بدلے گروی ہے، یعنی عقیقہ کرنے تک اس کا نام نہ رکھا جائے اور سر نہ منڈھایا جائے تاکہ کہا جائے: یہ فلاں کا عقیقہ ہے اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! یہ تیری طرف سے ہے اور تیرے لیے ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5154]

[2] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [2837]

اور کچھ اہلِ علم کا موقف ہے کہ عقیقہ سنتِ مستحبہ ہے اور واجب نہیں اور یہی درست ہے کیونکہ امام احمد اور ابو داود نے حسن سند سے بیان کیا ہے عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ اور ان کا باپ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اللہ کے رسول سے عقیقے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تمھارے عقوق (نافرمانی) کو ناپسند کرتا ہے'' تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ سے اس کے بارے نہیں پوچھتے لیکن ہم آپ سے اپنے میں سے کسی ایک کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا کوئی بچہ پیدا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« من أحب أن ينسك عن ولده فليفعل، عن الغلام شاتان متكا فئتان وعن الجارية شاة »[1]

''جو اپنے بچے سے قربانی کرنا چاہتا ہے تو کر گزرے، بچے سے برابر کی دو بکریاں اور بچی سے ایک بکری۔''

تو عقیقہ مستحب ہوا لیکن آپ ملاحظہ کریں کہ عقیقے کے بارے میں آنے والی احادیث کا تعلق اس فرمان سے: ''الغلام والجارية'' (بچہ اور بچی) ہے۔

امام احمد اور ترمذی کے نزدیک عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

« عن الغلام شاتان مكا فئتان وعن الجارية شاة »[2]

''بچے سے دو برابر کی بکریاں اور بچی سے ایک بکری ہے۔''

اسی طرح یہ بلوغت سے پہلے کے ساتھ مشروط اور خاص ہے۔ اسی بارے میں امام شافعی نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان: « تذبح عنه يوم سابعه » ''اس سے ساتویں دن ذبح کیا جائے'' یہ وقت مقرر کرنے کے لیے نہیں، یہ اختیار کے لیے ہے اور پسندیدہ وقت یہ ہے کہ اسے ساتویں دن ذبح کیا جائے، لیکن اگر ساتویں دن کے بعد ذبح کیا جائے تو یہ جائز ہے جب تک بچہ اور بچی بالغ نہ ہوں تو اگر وہ بالغ ہو جائیں تو جسے ان دونوں کے عقیقے کا خطاب کیا گیا ہے وہ ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد ان کے لیے یہ جائز ہوگا کہ

---

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [4212]

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2837]

اپنی طرف سے عقیقہ کر لیں۔ لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ یہ احادیث بچے اور بچی کے ساتھ خاص ہیں، البتہ بڑے کا اپنا عقیقہ کرنا دلیل کا محتاج ہے، اور نبی ﷺ کے حوالے سے یہ والی حدیث کہ آپ ﷺ نے خود اپنا عقیقہ کیا کمزور حدیث ہے، اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

پمفلٹ اور کتابچوں کو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بانٹنا صدقے کی طرح ہی ہے، نیز علم ان لوگوں میں عام کرنا جو وہ کتابچے اور پمفلٹ خرید ہی نہیں سکتے تو یہ ایک مفید کام ہے بشرطیکہ اس میں نیت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی ہو۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

کسی فوت شدہ کے عقیقے کے بارے شرعی حکم:

سوال میری والدہ وفات پا چکی ہے اور میں اس کے لیے عقیقہ کرنا چاہتی ہوں۔ بغداد کی مسجد کے امام سے پوچھنے پر اس نے کہا ہے کہ عقیقہ زندہ کے لیے کار آمد ہے، مردہ کے لیے نہیں ہو سکتا، لہٰذا اِس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب مردے کے لیے عقیقہ مشروع نہیں بلکہ انسان کی ولادت کے ساتویں دن مشروع ہے۔ اس کے باپ کے لیے مشروع ہے کہ وہ اپنے بچے سے عقیقہ کرے، چاہے وہ مذکر ہو یا مؤنث ہو لیکن مذکر کے دو (بکریوں) اور مؤنث کا ایک (بکری) سے عقیقہ ہوگا جو ساتویں دن ذبح کیا جائے گا۔ اس سے کھایا، صدقہ اور تحفہ بھی دیا جا سکتا ہے، اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ وہ ساتویں دن اس کی اپنے قریبیوں اور پڑوسیوں کو دعوت دے اور باقی کو صدقہ کر دے، لہٰذا اِس میں وہ دونوں عملوں (کھانے اور صدقہ کرنے) کا جامع ہو۔

اگر انسان غریب ہو اور مذکر سے ایک بکری عقیقہ کرے تو وہی اسے کافی ہوگا۔ علماء کا تو کہنا ہے کہ اگر ساتویں دن ممکن نہ ہو تو چودھویں دن اور اگر اس دن بھی ممکن نہ ہو تو اکیسویں دن، اگر نہ ہو سکے تو جس دن بھی چاہے ذبح کر لے، یہ عقیقہ ہی ہوگا۔

البتہ میت کا عقیقہ نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے بخشش، رحمت اور خیر وغیرہ کی دعا کی جا سکتی ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے جس کو ابو ہریرہ نے بیان کیا ہے:

« إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله »[1]

”جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو سوائے تین کے باقی تمام اعمال ختم ہوجاتے ہیں: صدقہ جاریہ، نفع بخش علم، ایسی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔“

لہٰذا نبی ﷺ نے فرمایا: « ولد صالح يدعو له » (یا ایسا نیک بچہ جو اس کے لیے دعا کرے۔) یہ نہیں کہا کہ ایسا نیک بچہ جو اس کے لیے روزہ رکھے یا اس کے لیے نماز پڑھے یا اس سے صدقہ کرے یا اس سے ملتے جلتے کام کرے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ میت کے لیے دعا کرنا اس سے بہتر ہے جو اس کی طرف سے ہدیہ کیا جاتا ہے۔ اور اگر انسان میت کے لیے کوئی نیک کام بھی کرے، یعنی میت کے لیے کوئی چیز صدقہ کرے یا میت کے لیے دو رکعتیں پڑھے یا قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب میت کے لیے کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا لیکن ان تمام سے اس کے حق میں دعا کرنا بہتر ہوگا کیونکہ اسی کی طرف نبی ﷺ نے راہنمائی کی ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ساتویں دن کے بعد بال مونڈنا اور ان کے برابر چاندی صدقہ کرنا:

سوال کسی بچے کی پیدائش کے وقت گھر والوں سے اس کی بیماری میں مصروفیت کی وجہ سے سر کے بال مونڈے نہیں گئے اور ان کے برابر چاندی بھی صدقہ نہیں کی گئی جبکہ اس کی عمر اب 45 دن ہوچکی ہے۔

جواب اس کی طرف سے عقیقہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ ساتواں دن مقرر کرنا حد بندی کے لیے نہیں بلکہ اختیار کے لیے ہے اور بالوں کا وزن بھی اب کوئی زیادہ تو نہیں ہوگیا ہوگا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

گونگی بہری عورت کا نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا:

سوال میری والدہ عمر رسیدہ ہے۔ وہ جب سے پیدا ہوئی ہے اس وقت سے نہ تو وہ سنتی ہے اور نہ ہی گفتگو کر سکتی ہے بلکہ ہم سے اشارے سے گفتگو کر لیتی ہے، اور نماز

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1631]

پڑھنا اور روزہ رکھنا بھی نہیں پہچانتی تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور میرے جیسے کا کیا فریضہ ہے جبکہ میں اس کا بڑا بیٹا ہوں؟

جواب دین میں ایسی عورت کا حکم یہی ہے کہ وہ مسلمان ہے، اس لیے کہ وہ مسلمان والدین کی بچی ہے اور آخرت میں بھی وہ مسلمان ہی ہے کیونکہ راجح بات یہ ہے کہ مسلمان لوگوں کے بچوں کا حکم ان کے آباء و اجداد جیسا ہی ہوگا اور ان کا امتحان بھی نہیں لیا جائے گا، اور کافروں کے بچوں کا حکم دنیا میں مسلمان کے حکم کی طرح نہیں تو اگر اسلامی علاقے میں کام کرنے والے غیر مسلم والدین کا بچہ فوت ہو جائے تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اس لیے کہ وہ دنیا کے احکام میں کافر ہے، اس سے کفار جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

جبکہ آخرت کے حوالے سے صحیح بات یہ ہے کہ ان کا امتحان لیا جائے گا۔ مشرکوں کے بچے، جنھیں دعوت (دین) نہیں ملی اگرچہ ہم ان کے امتحان کی کیفیت کو نہیں پہچانتے لیکن جو ان میں سے فرمانبردار ہے جنت میں جائے گا، جس نے نافرمانی کی وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

گناہوں کے نتائج

کسی گناہ کی پاداش میں سزا پانا اور برکت کا ختم ہونا:

سوال میں نے پڑھا ہے کہ اللہ کی طرف سے سزا پانا اور برکت کا ختم ہونا گناہوں کے نتیجے ہیں تو میں اس کے خوف سے بہت روئی میری راہنمائی کرو، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گناہوں کا ارتکاب اللہ کے غصے، برکت کے ختم ہونے، بارش کے رکنے اور دشمنوں کے مسلط ہونے کے اسباب سے ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ [الأعراف: 130]

"اور بلاشبہ یقیناً ہم نے فرعون کی آل کو قحط سالیوں اور پیداوار کی کمی کے ساتھ پکڑا تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔"

نیز فرمایا:

﴿ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ [العنکبوت: 40]

"تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ میں پکڑ لیا، پھر ان میں سے کوئی وہ تھا جس پر ہم نے پتھراؤ والی ہوا بھیجی، اور ان میں سے کوئی وہ تھا جسے چیخ نے پکڑ لیا، اور ان میں سے کوئی وہ تھا جسے ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور ان میں سے کوئی وہ تھا جسے ہم نے غرق کر دیا۔ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے اور لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔"

اس مفہوم کی آیات بہت زیادہ ہیں، اور نبی ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إن العبد ليحرم الرزق بالذنب يصيبه))[1]

"بندہ اپنے کیے ہوئے گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کیا جاتا ہے۔"

لہٰذا ہر مسلمان مرد اور عورت کا فریضہ ہے کہ اللہ سے اچھا گمان رکھتے ہوئے اور بخشش کی امید کرتے ہوئے اور اس کے غصے اور سزا سے ڈرتے ہوئے گناہوں سے پرہیز کرے اور گزشتہ سے توبہ کرے، جیسا کہ اللہ سبحانہ نے اپنے نیک بندوں کے بارے میں اپنی پیاری کتاب میں فرمایا ہے:

﴿ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾ [الأنبياء: 90]

"وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے،

---

[1] **حسن**. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [90]

اور ہمارے ہی لیے عاجزی کرنے والے تھے۔''

نیز فرمایا:

﴿ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَ يَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَ يَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴾ [الإسراء: 57]

''وہ لوگ جنھیں یہ پکارتے ہیں وہ (خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں جو ان میں سے زیادہ قریب ہیں، اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک تیرے رب کا عذاب وہ ہے جس سے ہمیشہ ڈرا جاتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيعُونَ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ أُولَٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ [التوبة: 71]

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم کرے گا، بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

اسی کے ساتھ ایماندار مرد وعورت کے لیے ان اسباب کو اختیار کرنا جائز ہے۔ بندہ اسی طرح خوف وطمع کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اسباب کو عمل میں لاتے ہوئے حصولِ مطلوب اور خوفزدہ چیزوں سے سلامتی کی خاطر اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور اللہ سبحانہ ہی سخی باعزت ہے جو یوں گویا ہوتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا

يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق: 2,3]

''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔''

نیز فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ [طلاق: 4]

''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔''

اور وہی تو کہتا ہے:

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [النور: 31]

''اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

لہٰذا اے میری بہن! تم پر گزشتہ گناہوں کی وجہ سے اللہ سے توبہ کرنا اور اس کی بندگی پر استقامت اختیار کرنا اور اس سے حسنِ ظن رکھنا اور اس کی ناراضگی سے بچنا واجب ہے۔ خیرِ کثیر اور قابلِ تعریف انجام سے خوش ہو جاؤ۔ (سماحۃ الشیخ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

موت کی سختیوں کا گناہوں میں تخفیف کرنا:

سوال موت کی بیہوشیوں کی سختی کیا گناہوں میں تخفیف کر سکتی ہے؟ اور ایسے ہی بیماری گناہوں کو کم کر سکتی ہے؟ ہم فائدے کی امیدوار ہیں۔

سوال ہاں، ہر بیماری، سخت غم اور پریشانی جو بھی انسان کو پہنچتی ہے حتی کہ لگنے والا کانٹا بھی اس کے گناہوں کا کفارہ ہے، پھر اگر وہ صبر اور ثواب کی نیت رکھے تو کفارے کے ساتھ اس صبر کا اجر بھی ہوگا جس سے اس نے مصیبت کا مقابلہ کیا تھا۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں، چاہے وہ موت کے وقت ہو یا اس سے پہلے ہو، لہٰذا تکالیف مومن کے حوالے سے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں۔ اس پر اللہ کا فرمان بھی دلالت کرتا ہے:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ [الشوریٰ: 30]

''اور جو بھی تمھیں کوئی مصیبت پہنچی تو وہ اس کی وجہ سے ہے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا، اور وہ بہت سی چیزوں سے درگزر کر جاتا ہے۔''

تو جب مصیبت ہمارے ہاتھوں کی کمائی سے ہے تو یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ہمارے اس عمل کا جو ہم نے کیا، کفارہ بھی ہے۔ اور اسی طرح نبی ﷺ نے بتایا کہ مومن کو پہنچنے والا غم، تکلیف اور پریشانی حتی کہ لگنے والے کانٹے کی وجہ سے اللہ اس سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کے ذبیحہ کا حکم

ضرورت کے وقت عورت کا ذبیحہ:

سوال جب ذبح کرنے کا وقت آ جائے اور گھر میں کوئی مرد نہ ہو تو عورت کا قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں، اگر ذبح کرنے کی دیگر شرائط مکمل ہوں تو ضرورت کے وقت قربانی کے جانوروں وغیرہ کو ذبح کر سکتی ہے۔ اور جانوروں کو ذبح کرتے وقت اس کی نیت والے کا نام لینا مسنون ہے، چاہے زندہ ہو یا مرا ہوا۔ اور اگر ایسا نہ کرے تو نیت ہی کافی ہوگی تو اگر اس کے مالک کے علاوہ کا نام لے لیا جائے تو یہ غلطی ہوگی، کوئی نقصان دہ نہیں، اللہ نیتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ (فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین)

کسی مجبوری کے بغیر عورت کا ذبیحہ:

سوال کیا ضرورت کے بغیر عورت کا ذبیحہ جائز ہے؟

جواب اس کے بارے میں دلائل کے عام ہونے کی وجہ سے عورت چاہے مسلمہ ہو یا کتابیہ تو اس کا ذبیحہ جائز ہے، نیز خاص کرنے والی دلیل کے نہ ہونے کی وجہ سے جو عورت کو اس عموم میں داخل ہونے سے نکالتی ہو۔ اور ابن کعب بن مالک کی حدیث کی وجہ سے جو اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ان کی بکریاں سلع (پہاڑی) پر چرا کرتی تھیں کہ ہماری لونڈی نے ہماری کسی بکری کو مرتے دیکھا تو اس نے پتھر توڑا اور

اسے اس سے ذبح کر دیا تو اس نے انھیں کہا: کھاؤ نہیں جب تک میں نبی ﷺ سے نہ پوچھ لوں یا انھوں نے نبی ﷺ کی طرف کسی کو پوچھنے کے لیے بھیجا اور نبی ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اسے کھانے کا حکم دے دیا۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

اور عورت کے ذبح کرنے کے باوجود اسے کھانے کا حکم اس کے ذبیحے کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔ اگر اس کا ذبیحہ ناجائز ہوتا تو نبی ﷺ اسے واضح کر دیتے کیونکہ علماء کا اجماع ہے کہ آپ کے حق میں بیان کو ضرورت کے وقت سے لیٹ کرنا جائز نہیں۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

کسی عورت کا اپنی سوکن کی طلاق کے لیے اپنے خاوند پر جادو کرنا:

سوال کسی بیوی نے اپنے خاوند کو جادو کر دیا تاکہ وہ دوسری بیوی کو طلاق دے اور جادو حیض کے خون پر ہوا جسے اس کے خاوند نے کھا لیا تو کیا حکم ہے؟

جواب یہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے کفر ہے، البتہ جادوگر کے حکم کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، کچھ کہتے ہیں کہ وہ مرتد اور کافر ہے، اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور مذہب ہے، اور کچھ علماء کا موقف ہے، جیسے امام شافعی رحمہ اللہ ہیں کہ اگر کفر پر مشتمل ہو تو کفر ہوگا، اگر نافرمانی پر مشتمل ہو تو نافرمانی ہوگی اور اگر کسی پر بھی (کفر یا نافرمانی پر) مشتمل نہ ہو تو ایک نافرمانی ہوگی۔ اور سب سے اچھا موقف وہ ہے جس پر صحابہ کرام ہیں، جیسے حفصہ اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہما کہ جادوگر کافر ہے۔

اور العیاذ اللہ! اس مذکورہ عورت پر اپنے کفر سے توبہ کرنا فرض ہے اور یہ کہ دو گواہیوں کا اقرار کرتے ہوئے اسلام کی طرف دوبارہ آئے اور اس کے بعد غسل کرے اور اس جادو کو کھولنے کی کوشش کرے، لہٰذا استغفار کرے اور خالص توبہ کرے کیونکہ اس بری کرتوت کی وجہ سے وہ مرتد ہو چکی ہے۔ اور جادو کو توڑنے کے لیے اس جیسے جادو کو اختیار نہ کرے بلکہ قرآنی آیات اور مسنون دعاؤں کے ذریعے اس کا توڑ کرے۔

(فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود)

للنساء فقط

لأصحاب الفضيلة

شيخ الاسلام ابن تيميه
محمد بن ابراهيم آل الشيخ
عبدالرحمن بن ناصر السعدي
عبدالعزيز بن عبدالله بن باز
محمد ناصر الدين الألباني
محمد بن صالح العثيمين
صالح بن فوزان الفوزان

مكتبة بيت السلام

فون نمبر 4381155-4381122 فیکس 4385991
موبائل نمبر 0532666640 - 0542666646 - 0505440147

ص-ب 16737 الرياض 11474 سعودی عرب